أحسب الناس أن يتركوا أن يقولوا آمنا وهم لا يفتنون ○
روداد عشق و وفا
میرا جرم کیا ہے؟
آپ بیتی
جرنیل اسلام
مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمۃ اللہ علیہ
ایم اے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رودادِ عشق ووفا

المعروف

میرا جرم کیا ہے؟

از قلم

جرنیل اسلام

حضرت مولانا ابومعاویہ

محمد اعظم طارق شہید رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب	روداد عشق ووفا المعروف میرا جرم کیا ہے؟
نام مصنف	جرنیل اسلام مولانا ابومعاویہ محمد اعظم طارق شہید رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

اشاعت اول	نومبر 1998	تعداد	1100
اشاعت دوم	دسمبر 1998	تعداد	1100
اشاعت سوئم	مارچ 1999	تعداد	1100
اشاعت چہارم	دسمبر 1999	تعداد	1100
اشاعت پنجم	نومبر 2003	تعداد	1100
صفحات	592		
قیمت	200 روپے		

ملنے کا پتہ

جامع مسجد حق نواز شہیدؒ جھنگ صدر

نوٹ: ہر اچھے اور معیاری کتب خانہ سے دستیاب ہے

داستان عشق ووفا

لہو سے کرتے رہیں گے رقم فسانہ یہ
رکھے گا یاد بہت دیر تک زمانہ یہ
ہماری داستاں خاشاک پر لکھی ہو گی
کہاں کہاں سے جلاؤ گے آشیانہ یہ!
میں رکھ چلا ہوں عجب رسم سرفروشی کی
کہاں مٹے گی مری طرز جاودانہ یہ!
ابھی تو چل ہی رہا ہے جلوس ہم نفساں!
غبار راہ سے لے گا کبھی ٹھکانہ یہ!
یہ قید اور سلاسل تو رزق ہیں میرا
جھکے گی کس طرح میزان عادلانہ یہ!
جہاں میں ہوں وہاں دیوار محتسبی ہے فقط
کہاں رقم کروں، انصاف ظالمانہ یہ!
کسی تمدن و تہذیب میں نہیں دیکھا
کہاں سے لائے ہو انداز آمرانہ یہ
وہ سرکھف تیری قید ستم سے نکلے گا
جو سہ رہا ہے تیرا جبر حاکمانہ یہ!
میں ٹوٹ جاؤں تو پھر بھی چٹان جیسا ہوں
کہاں جھکے گا مرا سر، قلندرانہ یہ!
لکھی ہے میں نے عجب داستان عشق و وفا
دلوں سے نوچ سکو گے کہاں ترانہ یہ!

ظفر شجاع آبادی

شیرازۂ خیال!

اس حقیقت کو پانے کے لئے موٹر سائیکل پر دنیا کے سات براعظموں کا سفر طے کر کے سروے کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے کہ روئے زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں حضرت انسان کا وجود تو موجود ہو، مگر اس کے منہ زور "جذبۂ عشق و عاشقی" کی صدائے بازگشت سنائی نہ دیتی ہو۔ انسان عربی ہو کہ عجمی، گورا ہو کہ کالا، ("للاکثر حکم الکل" کے ضابطہ کے مطابق) ہر مقام پر عشق فرماتا نظر آتا ہے۔

عشق شناس، باشعور لوگ جانتے ہیں کہ عشق کے بھی مختلف زاویے اور پیمانے ہوتے ہیں، مثلاً- کوئی کسی کے "کاکل و رخسار" کا عاشق ہے، تو کوئی کسی کے لب احمریں، تیکھے نین نقشے اور نوکیلے ابروؤں کا، کوئی کسی کی خم دار زلفوں کی زنجیر کا اسیر ہے۔۔۔۔ تو کوئی رس دار شوخی گفتار کا گرفتار ہے۔ کوئی کسی کے بدن کی مہکار کا متوالا ہے۔۔۔۔۔۔۔ تو کوئی مستانی چال ڈھال کا شیدا۔ کوئی وصال یار کا لطف اٹھا رہا ہے تو کوئی غضب آلود نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے مینار پاکستان پر چڑھا ہوا ہے اور نیچے چھلانگ لگانے کا پروگرام بنا بنا کر توڑ، اور توڑ توڑ کر بنا رہا ہے۔

لیکن یہ ضروری نہیں کہ دنیا کا ہر شخص اسی قماش کا عاشق ہو، یقیناً- دنیا میں ایسے لوگ ابھی موجود ہیں جن کے جذبہ عشق و الفت کا محور عام لوگوں سے مختلف، اور پیمانے جدا جدا ہیں۔ یہ لوگ اپنے عقائد و افکار، نظریات و معتقدات سے عشق کرتے ہیں، اور ان کا عشق اتنا خالص اور بے لوث ہوتا ہے کہ اس کے سامنے، ان کے نزدیک ان کی متاع جان و مال کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی، ایسے لوگوں کی تعداد "کاکل و رخسار" کے عاشقوں سے تو یقیناً- کم ہوتی ہے۔ مگر عشق انہی کے نام سے زندہ اور سرخرو رہتا ہے ان کی ادائیں اس قدر نرالی ہوتی ہیں کہ انہیں ہر شخص سمجھ ہی نہیں پاتا۔ بقول شاعر

الٹی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق
آنکھیں بند کرلیتے ہیں دیدار کیلئے

زیر نظر کتاب بھی ایک ایسے عاشق زار کی روداد ہے، جو اپنے نظریاتی مخالفوں اور

دشمنوں کی عداوتوں اور شقاوتوں کا بارہا نشانہ بننے کے باوجود زندگی کے تمام خاردار راستوں سے کودتا پھلانگتا' گولیوں' راکٹ لانچروں اور بم دھماکوں کے اسی (80) سے زائد زخم اپنے وجود پہ سجاتا مہکاتا' حکمرانوں اور دین دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھاڑتا للکارتا۔۔۔۔ مفادات مراعات' اور آسائشوں کی چکاچوند کو دھتکارتا ٹھکراتا' قید قفس کی تنہائیوں میں بھی اپنے مشن اور نظریے کی صداقت کے ترانے گاتا اور اپنی منزل مقصود کی جانب قدم بڑھاتا چلا جارہا ہے۔

بلاشبہ یہ اس شخص کی "روداد عشق ووفا" ہے۔۔۔۔۔ جو کوئی پیشہ ور مصنف یا "ادب تراش" نہیں' جو اپنے "پیٹ" یا "پلاٹ" کی خالی جگہ پر کرنے کے لئے کوئی رنگین اور سنگین قسم کی داستان گھڑتا اور سفید کاغذ کے گورے چٹے بدن پر سیاہی بکھیر کر دولت و شہرت سمیٹتا اور اپنے تئیں علم وادب کا بحرناپیداکنار سمجھتے ہوئے خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ بلکہ یہ اس مرد مجاہد کی خود نوشت داستان ہے جو سیاہی سے نہیں..... سرخی سے لکھنے کا عادی ہے۔ جو "کالی" سے نہیں بلکہ لہو کی "لالی" سے لکھنے کا فن جانتا ہے۔ جس کے سادہ مگر سچے الفاظ دشمن کے قلب و جگر پر تیرو نشتر کا کام کرتے ہیں اور کرسی اقتدار پر براجمان حکمرانوں کا پتہ پانی کردیتے ہیں۔ قارئین کو اس کتاب میں اگرچہ ادیبانہ چٹکیاں اور شاعرانہ شوخیاں تو نہیں ملیں گی۔۔۔۔۔۔۔ مگر عزم و ہمت اور خلوص و سادگی کا حقیقی حسن جابجا بکھرا نظر آئے گا۔ پھر اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ صرف ایک شخص کی نہیں بلکہ ایک تحریک کی مبسوط اور مفصل تاریخ ہے۔

اس کتاب کے ہر قاری سے ایک بات میں یہ بھی کہوں گا۔۔۔۔۔ کہ زندہ ضمیر لوگ "زندہ نعمت" کے قدردان ہوتے ہیں' اور نعمت سے استفادہ نعمت کی زندگی اور موجودگی میں ہی کیا جاسکتا ہے اور جس وقت نعمت کی بے قدری بڑھ جائے' تو قدرت اسے لوگوں سے چھین لیتی ہے۔

میری دانست میں صاحب "روداد عشق ووفا" اس گئے گذرے دور میں قرون اولی کے باحمیت مجاہدین کی ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج ہیں' اپنے عزم و استقلال' ہمت و شجاعت اور دیگر صفات خاصہ کی بناء پر اللہ تعالی کی نعمت عظمی ہیں۔

زندہ دلو... نوجوانو... قدردانو۔۔۔۔۔۔ اس نعمت کو پہچانو' اس کی قدر کرو'

اس کا ساتھ دو' یہ کیا بات ہوئی کہ زندگی میں تو حاسدین' معاندین اور مخالفین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر ہم اس سے مکمل بے اعتنائی' اور بے پرواہی برتتے ہوئے اسے "حالات" اور "حوالات" کے حوالے ہوتا دیکھ کر راضی رہیں' اور اس کی بے قدری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھیں' لیکن جب قدرت اس امانت کو واپس لے لے تب ہم آنسوے بہاتے اور اس نعمت گم گشتہ کو تلاشتے پھریں۔۔۔۔ یہ "مردہ پرستی" کی روایت ہمارے اندر سرایت کرتی جارہی ہے۔۔۔ آخر کیوں؟ صاحب "روداد" کو ان کی زندگی میں سمجھئے' پہچانئے اور مانئے' اور ان کے اپنے کردار ہی سے مانئے' ساتھ دیجئے۔۔۔۔۔ وفا کیجئے۔

ذرا سوچئے تو..... زر' زن' زمین کی ہوس کے مریضوں۔۔۔ آتش بغض و حسد کا ایندھن بن کر دنیا کی حدت اور حبس میں اضافے کا باعث بننے والے بیماروں' بے چاروں' لاچاروں۔۔۔۔ شاہینوں کے ہاں جنم لے کر مردار کی طلب میں محو پرواز کرگسوں' شیروں کی کمائی پر پلنے والے گیدڑوں بھیاڑوں' میدان مذہب میں فرضی تقدس کی قباء و عبا زیب بدن کر کے مذہب کو ذلیل و رسوا کرنے والے مداریوں' بیوپاریوں۔۔۔ اور "مقامات حریری" کے شاہکار کردار' "ابو زید سروجی" کے عملی جانشینوں کو بھلا کیا معلوم کہ اعظم طارق کیا ہے؟ انہیں کیا معلوم کہ وہ تو ایک روشن ستارہ اور صنعت و قدرت الہیہ کا عظیم شاہکار ہے۔ اعظم طارق مجاور نہیں' مجاہد ہے! مجاوروں کا نہیں' مجاہدوں کا ہے۔ اس کا چہرہ رعب دار' باوقار' پر انوار۔۔۔۔ جس پر تدبر کے نقوش' تفکر کے آثار۔۔۔ کشادہ پیشانی سے فراست آشکار' سر کے بال۔۔۔ قدرے خم دار۔۔۔۔ سیاہ دستار' دھاری دار۔۔۔ مجاہدین اسلام کا شعار!۔ آنکھیں بیدار' ابرو چمکدار' ناک نقشہ۔۔۔ گل و گلزار' چلن اور کردار' پاکیزہ اطوار' زبان سحرکار بیان شعلہ بار' جہاد کی پکار کفر پہ یلغار!

سینہ مخزن اسرار۔۔۔۔۔۔۔ جس میں موجزن عشق سید الابرار۔۔!

اصحاب ؓ محمد ﷺ کا وفادار۔۔۔۔ فداکار' جاں نثار! محب اخیار۔۔۔ باہمت' باکردار' اعداء اسلام کے لئے تلوار آبدار۔۔۔۔ ذوالفقار حیدر کرارؓ'

"دشمنان دین" سے ہمہ دم بر سرپیکار۔۔۔ شوق شہادت سے سرشار' مرد جگر دار' مظہر اشداء علی الکفار۔۔۔ آیت رب قہار!"

"اسلامیان عالم کے گلے کا ہار' جھنگوی شہید" کا قابل فخر رضاکار' سپاہ صحابہ کا جرنیل و

سالار' حق کا علمبردار!

"فاروقی شہید" کے بعد کارکنوں کے لئے شجر سایہ دار' مونس و غم خوار' یاروں کا یار۔۔۔ نعمت پروردگار!

اس سے بیزار۔ بغض و حسد کے بیمار' روافض و اشرار' غدار و مکار' عیار و بدکار' ذلیل و خوار' پھٹکار کے حق دار' سب پہ رب کی مار "اولئک لھم اللعنتہ ولھم سوء الدار"

میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے صاحب روداد کے بارے میں بطور خوشامد نہیں لکھا۔ میرے الفاظ بے آبرو نہیں۔ میرا قلم "برائے فروخت" نہیں'

۔۔۔۔۔ جوانو' دیوانو' پروانو' مستانو' پہلوانو' جانثارو' وفادارو' رضاکارو' دین دارو' شیرو دلیرو دہائی ہے دہائی!

تمہیں رب ذوالجلال کی کبریائی کا واسطہ! اعظم طارق "جرم حق گوئی" کا قیدی ہے' وقت کے آمر و جابر' حاکم و ظالم' نمرود' نامراد' نامرد ایکا کر چکے ہیں کہ اعظم طارق زندگی زندان میں گزارے' دوستو! یہ وقت سونے یا رونے کا نہیں' جاگنے جگانے اور کچھ کر کے دکھانے کا ہے۔ وقت کی پکار کو سمجھو! دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا۔

مولانا اعظم طارق کی زیر نظر کتاب اسی کی متقاضی ہے۔ اسے دل کی آنکھوں سے پڑھو! اور ہر طبقے میں پھیلاؤ' اللہ تمہارا۔ ہم سب کا حامی و ناصر ہو!

بہت کم مدت (تقریباً ڈیڑھ ماہ) میں کتاب کا دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کو سجانے اور اغلاط کی تصحیح میں میرے دوست محمد ارشد انجم صاحب اور برادر عزیز حافظ سیف اللہ خالد صاحب نے بے حد تعاون کیا' اللہ پاک انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

والسلام

ثناء اللہ شجاع آبادی

آئینہ مضامین

روپوشی کے چار ماہ

آغاز سے انجام تک

پشاور میں گرفتاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

میں اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار ہوں اور نہ ہی مجھے اپنی نسبت کوئی بلند و بانگ دعوئی ہے۔ بلکہ میں اپنی علمی و عملی کمزوریوں اور خامیوں کا برملا معترف ہوں۔ لیکن بایں ہمہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر میں یہ کہنے میں بھی باک محسوس نہیں کرتا ہوں کہ جس طرح مجھے کم عمری ہی میں اپنے مشن و موقف کی صدا محراب و منبر سے ایوان بالا تک بلند کرنے اور جرم حق گوئی کی پاداش میں مسلسل اذیتوں، قاتلانہ حملوں، عقوبت خانوں، قید تنہائیوں اور ظلم و ستم، تشدد و بربریت کی خار دار وادیوں سے ایک منتخب رکن اسمبلی ہونے کی حیثیت میں گذرنا اور بڑے بڑے مالی مفادات کی پیشکشوں کو لات مار کر عہدوں اور اہم مناصب کے حصول سے انکار کر کے گذشتہ پونے چار سال سے وقت کے ظالم حکمرانوں کی انتقامی کاروائیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کم از کم پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ میں کسی سیاسی یا مذہبی لیڈر کو ایسی صورت حال سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق و عنایت کے باعث آج اپنے کردار پر فخر ہے کہ میں نے اپنے شہید قائدین اور کارکنوں کے خون سے وفا کی ہے اور اپنے مشن سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہوا ہوں۔

میری اس بات سے یقیناً بعض حاسدین کو تکلیف ہوگی لیکن میں ان سے صرف اتنا

کہوں نا کہ کبھی تم بھی اپنے مشن کے لئے ان راہوں پر چل کر دکھاؤ؟ تاکہ تمہاری ثابت قدمی کا بھی کوئی اعتراف کرنے والا ہو۔ گھر میں بیٹھ کر بلند و بانگ دعوے کرنا یا بڑے بڑے جلسے جلوسوں میں اپنے انقلابی فلسفے کی تفصیلات بیان کرنا آسان ہے، مگر اپنے مشن و کاز پر جان کی بازی لگا دینا، قید و بند اور عقوبت خانوں کی راہوں سے گذرنا مشکل ہے۔

قائدین سپاہ صحابہؓ کے بارے میں لب کشائی کرتے ہوئے طعن و تشنیع کے تیر چلانے اور اٹھتے بیٹھتے فرقہ پرست، تخریب کار، دہشت گرد اور تشدد پسندی کے القابات سے قیادت و کارکنوں کو نوازنے سے اگر کسی کا دل سکون پاتا ہے تو ہم خوش ہیں مگر یہ بات بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم ان الزامات و اتہامات سے خوف زدہ ہو کر اپنی پر امن جدو جہد کو ترک نہیں کر سکتے ہیں۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک طبقہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخصیات کو معصوم قرار دے کر انہیں دیگر تمام انبیاء علیہ السلام سے برملا افضل قرار دے۔ قرآن مجید کو تحریف شدہ کتاب مانے اور یاران مصطفیٰ کو تقریراً و تحریراً معاذ اللہ کافر و زندیق قرار دے کر ان پر لعنت و ملامت کو عبادت کا حصہ جانے۔ امہات المومنین پر سنگین بہتان لگائے اور ہم لوگ اس گروہ اور طبقہ کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اتحاد بین المسلمین کے نعرے بلند کر کے امت مسلمہ کو دھوکہ دینے کا شرمناک فعل سرانجام دیتے رہیں۔ مجھے حیرت ہے ان دینی جماعتوں اور لیڈران کی سوچ پر جو اپنی ذات و جماعت اور اپنے اکابر و مشائخ کے بارے میں تو ادنیٰ سی بھی بے ادبی برداشت نہیں کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی تقریر کے دوران اپنی پسند کے نعرے سے ہٹ کر کسی دوسرے جائز نعرے تک کو برداشت کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ مگر جب بات اس طبقہ اور گروہ کی آتی ہے۔ جو اٹھتے بیٹھتے اصحابؓ رسول ﷺ پر تبرا کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے، تو یہ حضرات نہ صرف ہمیں صبر و برداشت کا درس دیتے ہیں بلکہ اس طبقہ کو مسلمان بھائی تسلیم کرنے اور اتحاد و اتفاق

کا نعرہ بلند کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

میں ان حضرات سے مؤدبانہ طور پر صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ اب آپ کی ایسی نصیحت سے ہم لوگ متاثر ہونے سے قاصر ہیں۔ خدارا ہمیں ان باتوں سے معاف رکھیں۔ اگر ہمارے اس جواب پر آپ کے قلب و جگر میں غیض و غضب کی آتش بھڑک اٹھتی ہے تو پھر ہاتھ اٹھا کر اپنے حق میں دعا کریں کہ اے رب العالمین! تو روز محشر ہمارا حشر گستاخان صحابہؓ کے ساتھ کرنا تاکہ ہم وہاں بھی اتحاد و اتفاق کے نعرے بلند کر سکیں اور سپاہ صحابہؓ والوں کا حشر ان کے ساتھ کرنا جن کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے ساری دنیا سے ناطہ توڑ کر یہ لوگ اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں۔

پیارے قارئین! اب جبکہ مسجد نبوی ﷺ کے بڑے امام الشیخ علی عبد الرحمٰن الحذیفی مدظلہ العالی اپنے جمعہ کے خطبہ میں سپاہ صحابہؓ کے موقف کی حرف بہ حرف تائید فرما چکے ہیں اور ادھر طالبان اسلامی کی افغانستان میں مکمل اسلامی و شرعی حکومت کے خلاف ایران اور اس کے ہمنواؤں کا کردار کھل کر سامنے آ چکا ہے۔ تو سپاہ صحابہؓ سے وابستہ ایک ایک بچے کو پہلے سے ہزار گنا زیادہ پختہ یقین ہو چکا ہے۔ اب وہ اس مشن حق و صداقت کی تکمیل کے لئے جان تک قربان کر سکتا ہے۔ مگر پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ شہادتوں کا یہ سلسلہ مولانا حق نواز شہید سے لے کر اب تک جاری ہے۔ اب جبکہ میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں۔ ٹھیک ایک گھنٹہ قبل ریڈیو پاکستان کی خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ ممتاز عالم دین بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب خطیب مرکزی لال مسجد اسلام آباد کو شہید کر دیا گیا ہے۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب کا جرم و قصور بھی یہ تھا کہ وہ سپاہ صحابہؓ کے موقف کی علی الاعلان تائید کرتے تھے۔ آج سے بارہ روز قبل 5 اکتوبر کو جب وہ حکومت پنجاب کی طرف سے بھیجے گئے علماء کرام کے ایک مصالحتی وفد کے ہمراہ ملاقات پر آئے تھے تو جہاں میرے ساتھ ان کی شفقت و محبت کا اظہار انتہائی والہانہ تھا۔ وہاں وہ بار بار اس بات کا بھی برملا اظہار کر

رہے تھے کہ "جب گستاخان صحابہؓ برملا خلفاء راشدین کی خلافت حقہ کا انکار کریں گے اور ان پر معاذ اللہ سب کریں گے تو پھر انہیں مسلمان قرار دے کر گلے کیسے لگایا جا سکتا ہے۔" آج مولانا محمد عبداللہ صاحب بھی اس موقف کی حمایت کے نتیجے میں جام شہادت نوش کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابھی صرف ایک ماہ قبل سپاہ صحابہؓ کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری مولانا محمد شعیب ندیم اور راولپنڈی ڈویژن کے صدر مولانا قاری حبیب الرحمن صدیقی کو بھی اسلام آباد کی شاہراہ پر دن دیہاڑے گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا ہے۔ شہادتوں کے اس لامتناہی سلسلے اور قید و بند کی صعوبتوں کو دیکھ کر مخالفین بڑے زور و شور سے یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ آخر تمہیں اس مشن اور نعرے سے کیا ملا ہے؟ تم نے اس قدر کثیر تعداد میں علماء کرام و کارکنوں کو شہید کرا لیا ہے کہ جن کا نقصان پورا نہیں ہو سکتا ہے۔ میرا ان معترضین سے صرف اتنا سوال ہے کہ کیا یہ تمام علماء کرام مل کر بھی کسی نبی و پیغمبر کی خاک پاء کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہوگا تو پھر آخر انبیاء علیہم السلام نے جس مشن و موقف پر جانیں دی ہیں اور خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں جسم اطہر کو لہولہان کرایا اور احد کے میدان میں آپؐ کے دانت مبارک شہید ہوئے اور پیشانی مبارک زخمی ہوئی تو کیا اس نقصان کا ازالہ ہو سکتا ہے؟ یہ کیسی پر فریب اور حماقت پر مبنی بات ہے کہ ایک عظیم مشن پر جانیں قربان کرنے والوں کے بارے میں کہا جائے کہ اس قربانی سے کیا ملا؟ ہاں جب اس جہان سے رخصتی ہوگی اور اگلے جہان میں آنکھیں کھلیں گی تو خوب معلوم ہو جائے گا کہ کس کو کیا ملا؟ اور کس کو کیا نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بھی بصورت شہادت اس مشن پر فرمائے (آمین!)

پیارے قارئین! گو ان سطور میں اس کتاب تصنیف کی غرض و غایت بیان کرنے کی بجائے میں دوسری طرف چلا گیا لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کی ضرورت تھی۔ تو اب

اس کتاب کی طرف آتا ہوں۔ میں نے اس کتاب کا آغاز آج سے ٹھیک ساڑھے تین سال قبل جولائی 1995ء میں اس وقت کیا تھا۔ جب میں چار ماہ کی روپوشی ختم کر کے پشاور میں پولیس اور دیگر ایجنسیوں کے زیر تفتیش تھا اور قید تنہائی کے دور سے گذر رہا تھا۔ لیکن اس وقت بمشکل ستر، اسی صفحات لکھ پایا تھا کہ رہائی ہو گئی۔ پھر میں جب شہید ملت اسلامیہ حضرت علامہ ضیاء الرحمن فاروقی کے ہمراہ 1995ء میں گرفتار ہو کر جیل کا مہمان بنا تو خود قائد محترم نے بار بار مجھے اس طرف متوجہ کیا کہ اپنے حالات قلم بند کروں۔ مگر میں ان کی موجودگی میں کچھ تحریر کرنے میں ہزار کوشش کے باوجود کامیاب نہ ہو سکا۔ اب جبکہ قائد ملت اسلامیہ کی شہادت کے المناک واقعہ اور میرے زخمی ہونے کا سانحہ پیش آیا۔ پھر والدہ ماجدہ کا انتقال، الیکشنوں میں شکست کے لمحات، تیسری بار گرفتاری، عقوبت خانے کے مظالم، مسلسل قید تنہائی اور ملاقاتوں پر پابندی کا ایک نہایت ہی کٹھن اور تکلیف دہ دور شروع ہوا تو بہت سے احباب اور کارکنوں کا مسلسل تقاضہ بڑھا کہ ظلم و ستم، تشدد و بربریت کے اس دور کی تفصیلی داستان رقم کی جائے۔ چنانچہ پھر اچانک ایسا ہوا کہ میں نے قلم ہاتھ میں تھاما اور صرف چالیس ایام میں ایک ہزار سے زائد صفحات پر صرف گذشتہ ساڑھے سات یا پونے آٹھ سال کے چیدہ چیدہ واقعات تحریر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ (ذلک فضل اللہ)

میں نے تمام واقعات کو پوری دیانت کے ساتھ صحیح صحیح رقم کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور کسی جگہ بھی غلط بیانی یا مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا ہے۔ ہاں چند مقامات پر بعض قانونی مصالح کے پیش نظر چند حضرات کے نام نقل نہیں کئے ہیں یا واقعہ کو تو بالکل صحیح تحریر کیا ہے تاہم اس میں ایک دو افراد کے نام کی بجائے غیر معروف القاب پر اکتفاء کیا ہے۔ اور ایسا محض دو یا تین مقامات پر ہوا ہے کیونکہ سردست اس بات کی اشد ضرورت تھی۔

آخر میں ان محسنین کا تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری اور خصوصاً ترتیب و تصویب و کتابت و اشاعت کی گراں قدر خدمات سرانجام دے کر اسے آپ کے ہاتھوں تک پہنچایا۔ اس میں ابھرتے ہوئے نوجوان ادیب و صاحب قلم اور گوناں گوں خوبیوں کے مجسم پیکر مولانا ثناء اللہ صاحب شجاع آبادی، ناظم فاروقی شہید اکیڈیمی کا بہت بڑا کردار ہے۔ کتاب کی اشاعت کا مکمل کام اور اس کی ادبی انداز میں ترتیب انہی کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح ادارہ اشاعت المعارف کے ناظم قاری عبدالغفار سلیم صاحب اٹک کے ہردلعزیز نوجوان حافظ حبیب الرحمن صاحب اور مخلص ترین ساتھی محمد ساجد صاحب۔ چنیوٹ کے جامعہ عربیہ کے متعلم برادرم محمد بلال اور ان کے چھوٹے بھائی محبوب احمد کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں اپنے اپنے مقام پر بہت محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر نصیب فرمائے۔ یہ کتاب اگرچہ ایک شخص کی داستان حیات کا کچھ حصہ ہے۔ مگر اس میں پاکستان کے حکمرانوں سیاستدانوں علماء کرام اور عوام کے لئے غور و فکر کا بڑا سامان ہے اور کارکنان سپاہ صحابہؓ کے لئے یہ کتاب ایک راہ عمل کا کام دیگی۔ انشاء اللہ العزیز

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

ابو معاویہ محمد اعظم طارق

اٹک جیل، قاسم بلاک چکی نمبر14

17-10-98

رات سوا گیارہ بجے

میری زندگی کے سفر کا اہم موڑ

جب آبلہ پا وادیٔ پُر خار میں آئے

سپاہ صحابہؓ کے ساتھ ۱۹۸۶ء سے وابستہ ہو کر کراچی کی سطح پر پھر سندھ کی حدود تک کام کرنے کی ذمہ داری امیر عزیمت کی زندگی کے آخری لمحات تک نبھانے کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کی شہادت کے بعد گو کہ مجھے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری منتخب کرلیا گیا لیکن میری تنظیمی سرگرمیوں کا محور کراچی اور سندھ رہا۔

۱۰ جنوری ۱۹۹۱ء کو جرنیل سپاہ صحابہ مولانا ایثار القاسمی ایم۔ این۔ اے کی شہادت کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کرنے کے لئے ۲۰ جنوری ۱۹۹۱ء کو جامعہ فرقانیہ کوھائی بازار راولپنڈی میں مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ جس میں میرے یا مولانا علی شیر حیدری صاحب کے لئے حضرت قاسمی شہید کی جانشینی کا منصب سنبھالنے پر رائے شماری ہوئی اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو اس منصب کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ سمجھتا تھا لیکن ہمارے انکار ہی کو ہماری لیاقت کی دلیل بنالیا گیا۔ ہم دونوں میں سے ہر ایک نے اپنا ووٹ دوسرے کے حق میں استعمال کیا تاکہ اس منصب پر میری بجائے وہ آجائے۔ قرعہ انتخاب چونکہ میرے حق میں نکل آیا تو میں نے یہ شرط عائد کردی کہ مجھے کراچی چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ بحیثیت نائب سرپرست اعلیٰ میں ہر انگریزی ماہ کے پہلے دس روز مرکزی دفتر جھنگ میں رہا کروں گا۔ میری اس شرط کو قبول کرلیا گیا۔ میں نے اور بھی کئی مجبوریاں بیان کیں لیکن میری ہر مجبوری کے جواب میں قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی میرے لئے کسی نہ کسی رعایت کا اعلان کر دیتے یوں اس منصب کو قبول نہ کرنے کی میری ہر کوشش بہت جلد ناکام ہو جاتی۔

لطیفہ:- قائد سپاہ صحابہؓ سے سوا سالہ جیل کی رفاقت کے دوران جب کبھی بھی میرے نائب سرپرست اعلیٰ کے انتخاب کی بات چھڑتی تو قائد محترم مسکراتے ہوئے فرماتے۔ کیوں جرنیل صاحب کیسے رہی؟ آپ تو کہتے تھے میں جھنگ صرف دس دن آیا کروں گا۔ صرف ایک جمعہ مسجد میں پڑھایا کروں گا۔ بقیہ کراچی ہی رہوں گا لیکن اب جب میں تمہیں کہتا تھا کہ غیر ملکی دورہ پر جاؤ۔ کراچی، سندھ، بلوچستان، سرحد کے تنظیمی دورے پر جاؤ تو تمہارا جواب ہوتا تھا۔ جھنگ میں بڑی مصروفیت ہے۔ میں نے آج فلاں گاؤں میں بجلی کا افتتاح کرنا ہے۔ فلاں بازار میں دوکان کا افتتاح کرنا ہے آج پنچائت نمٹانی ہے D.C، S.S.P سے ملاقات کرنی ہے۔ گویا کہ اب تم جھنگ سے نکلتے ہی نہیں تھے۔ بتاؤ کدھر گئیں وہ تمہاری شرائط اور مجبوریاں؟ تو میں جواب دیتا کہ جناب والا! مجھے کیا علم تھا کہ آپ جن مسائل کے سمندر میں اور جھنگ کی سماجی خدمات کی ذمے داریوں کی دلدل میں دھکیل رہے ہیں میں اس میں داخل ہو کر باہر بھی نہیں نکل سکوں گا۔ جب تک جھنگ نہیں آیا تھا تو سب باتیں تھیں لیکن جب جھنگ والوں نے مجھے پیار، خلوص، محبت اور چاہت سے اپنایا تو پھر میں کیسے انہیں چھوڑ کر کسی اور طرف جا سکتا تھا۔ پھر تو اب یہ فیصلہ ہے کہ زندگی مشن جھنگوی کی امانت ہے اور جسم سرزمین جھنگ کی امانت ہے۔

والد ماجد کی طرف سے شکوہ اور نصیحت

ہم کہ تجھ سے عہد وفا کر چلے
آبروئے جنوں کچھ سوا کر چلے
خود تو جیسے کٹی زندگی کاٹ لی
ہاں نئے دور کی ابتداء کر چلے!

نائب سرپرست اعلیٰ منتخب ہو کر راولپنڈی سے سیدھا جھنگ پہنچا اور جمعہ پر تاریخی تقریر کی۔ اگلے روز اپنے آبائی گاؤں پہنچا اور اپنے والد محترم کو نئی صورت حال اور نائب سرپرست اعلیٰ کے عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا بتایا تو انہوں نے شکوہ فرماتے ہوئے کہا بیٹا! اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل مجھ سے مشورہ تو کرلیا ہوتا! میرے پاس واقعتاً اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے عرض کیا "اباجی" یہ تو آخری وقت تک مجھے بھی علم نہ تھا کہ میرے بار بار انکار پر بھی مجھ ہی کو آگے لایا جائے گا جبکہ ہمارے کراچی کے تمام ساتھی پہلے سے فیصلہ کرکے چلے تھے کہ اس عہدہ پہ مجھے لانے کی کوشش کی گئی تو صاف انکار کردیا جائے گا۔ لیکن ہمارے انکار کے باوجود جماعت نے فیصلہ کردیا تو میں نے اس لئے قبول کرلیا کہ " آپ دین کے ہر کام میں میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ "اس لئے اب بھی اس کی تائید کردیں گے۔

یہ سن کر والد محترم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمانے لگے "بیٹا!" میں نے تمہیں مانگا ہی خدمت دین کے لئے تھا میں رکاوٹ کیسے بن سکتا ہوں۔ دراصل اخبارات کی خبر سے جب تمہارے نائب سرپرست اعلیٰ بنکر جھنگ آنے کا علم رشتہ داروں اور ہمارے تعلق داروں کو ہوا تو وہ میرے پاس خود آنے اور پیغام بھجوانے لگے کہ " آپ اپنے بیٹے کو جھنگ کی جلتی لپکتی اور شعلے مارتی آگ میں کودنے سے روکیں۔ جس شہر میں مولانا حق نواز، مولانا ایثار القاسمی کو شہید کردیا گیا ہے اور ہر دوسرے تیسرے دن جنازہ اٹھ رہا ہے۔ اکثر ایام کرفیو نافذ رہتا ہے۔ وہاں جھنگوی و قاسمی" کے "مصلّی کا وارث بن کر جانا مذاق نہیں ہے بلکہ موت کے منہ میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔" میں نے پوچھا۔ اباجی پھر آپ نے کیا جواب دیا تو فرمانے لگے! اب تک تو میں سب کی باتیں سنتا رہا ہوں اب جب مجھے علم ہوگیا ہے کہ تم نے یہ عہدہ مانگ کر نہیں لیا ہے بلکہ تمہارے انکار کے باوجود تمہیں یہاں لایا گیا ہے۔ تو پھر تم اب میری بات دھیان سے سنو!

"جب تک کوئی مجاہد میدان جنگ میں نہیں اتر تا اس وقت تک اس کے پاس سوچنے سمجھنے اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے کا جواز ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ میدان کارزار میں اتر آئے تو پھر اسے فرار کی راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے۔"

لہٰذا اب تم ڈٹ جاؤ اور کسی بات کی فکر نہ کرو۔ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس ذات برحق نے پہلے تمہاری اغواء کرنے والوں کے نرغہ سے جان بچائی اور گولیاں مارنے والوں کے عزائم کو ناکام بنایا وہ ذات اب بھی تمہاری حفاظت کرے گی۔"
والد محترم کی اس جانفزا نصیحت نے قلب و جگر کو فرحت عطا کی، اور میں دین متین کی اشاعت و حفاظت کے لئے تازہ دم ہو گیا۔

جھنگ باضابطہ پہلی آمد سیاسی و سماجی امور سرانجام دینے میں مشکلات

فروری ۱۹۹۱ء کے آخری عشرہ میں کراچی سے دس روز کے لئے جھنگ پہنچا اور مرکزی دفتر کی بالائی منزل پر قیام کا اہتمام کیا۔ اگلے روز جب مسجد حق نواز شہید کے نائب خطیب و سماجی راہنما جھنگ ضلع کے صدر مولانا مختار احمد سیال کے ہمراہ دفتر میں بیٹھا تو آہستہ آہستہ شہر اور دیہات سے آنے والے افراد کی تعداد میرے ارد گرد بڑھتی گئی۔
اب ایک ایک سے تعارف کے بعد جب حال و احوال معلوم کیے تو کسی کی طرف سے پولیس کی زیادتیوں کا مسئلہ پیش کیا گیا کسی کی طرف سے زمین کے جھگڑے کی بات کی گئی، کسی نے اپنے تبادلے کے لئے تعاون کرنے کا کہا، کسی نے مقدمے کی تفتیش تبدیل کرانے کے لئے S.P پولیس سے سفارش کرنے کا کہا، کسی نے حوالات میں بند اپنے بے گناہ افراد کو چھڑوانے کی درخواست پیش کی، کوئی آبرو لٹ جانے کا رونا رویا اور کسی نے زمین کے پانی کی چوری پر مخالفین کے خلاف ایکشن لینے کی آرزو کا اظہار کیا،

اتنے حضرات کے الگ الگ مسائل سنکر میرا دماغ چکرا گیا اور پورا جسم پھوڑے کی طرح درد کرنے لگ گیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں سخت بخار میں مبتلا ہوں۔ میں حیران تھا کہ بھلا میں اتنے سارے مسائل کو کیسے حل کر سکتا ہوں کوئی ایک بات ہوتی تو میں کوشش کرتا۔ اب میں کس کس دفتر میں جاؤنگا اور کیا کروں گا۔ یہ سوچ کر مجھے اپنے آپ پر اور جماعت کی قیادت و شوریٰ کے ممبران پر سخت غصہ آنے لگا کہ انہوں نے مجھے کہاں لاکر کھڑا کردیا ہے۔ اچھا بھلا کراچی میں جماعت کا کام کرتا تھا۔ نت نئی یونٹوں کا قیام اور تربیتی و فکری نشستوں کا سلسلہ شروع تھا۔ جماعت کی ساکھ بڑھ رہی تھی اور مشن کو پذیرائی مل رہی تھی وہ سب کچھ چھوٹ گیا اور اب یہاں لوگوں کے تھانے کچہری کے کام کرانے پڑ گئے۔ مولانا مختار احمد سیال صاحب نے میری ذہنی کیفیت اور جسمانی حالت کا اندازہ لگالیا تو کہنے لگے حضرت! آپ کا آج کچھ ساتھیوں سے تعارف ہوگیا ہے۔ بس آپ اب آرام کریں اور میں ان تمام حضرات کو ہمراہ لے کر کچہری جاتا ہوں اور ان کے کام کرواتا ہوں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اوپر کی منزل پر جاکر چارپائی پر لیٹ گیا۔ دو گھنٹے آرام کرنے کے بعد فون اٹھایا اور قائد سپاہ صحابہؓ سے رابطہ کیا۔ قائد محترم سے دعا سلام ہوتے ہی میں نے ان پر چڑھائی کردی کہ آپ نے مجھے کہاں پھنسا دیا ہے؟

مفلسی اور یہ مظاہر ہیں نظر کے سامنے
سینکڑوں سلطان جابر ہیں نظر کے سامنے
سینکڑوں چنگیز و [illegible] ہیں نظر کے سامنے
اے غم دل کیا کروں؟ اے وحشت دل کیا کروں!

بخدا مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔ وہ عظیم قائد میری سلگتی باتیں سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔ میں نے کہا آپ ہنس رہے ہیں مجھے بخار چڑھ چکا ہے تو

انہوں نے فرمایا! "بستی بسانا آسان نہیں۔ بستے بستے بستی ہے۔" جرنیل صاحب! عوام کے دلوں میں مقام پیدا کر کے اسمبلیوں میں پہنچ کر اپنے مشن کی آواز بلند کرنا اتنا آسان ہوتا تو آج ہر مولوی اور شیخ الحدیث اسمبلی میں بیٹھا ہوتا۔ چونکہ آپ کو اس میدان سے واسطہ نہیں پڑا ہے اس لئے آپ پریشان ہو گئے ہیں آہستہ آہستہ طبیعت عادی ہو جائے گی۔

آج جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں تو خود مجھے عجیب محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت میرا کیا حال تھا۔ جبکہ اب صورت حال یہ ہے ہر طرف مسائل ہی مسائل ہیں، مشکلات ہیں، عوام کے مطالبات ہیں، ذاتی اور خاندانی جھگڑے ہیں لیکن ایک ایک دن میں دو سو، چار سو افراد کے مسائل سننا اور ان کے حل کے لئے کوشش کرنا، کسی کے لئے فون کرنا، کسی کو رقعہ دینا، کسی کے ساتھ اپنا آدمی بھیجنا، اتنا آسان کام لگتا ہے کہ صبح سے شام تک اور رات گئے تک وقت گذر جاتا ہے مگر طبیعت پر بوجھ تک محسوس نہیں ہوتا ہے۔ دیکھنے والے اور ساتھ کام کرنے والے تھک جاتے ہیں۔ تین تین ٹیلیفونوں پر باتیں بیک وقت ہو رہی ہیں۔ پنچائت میں بیٹھ کر فریقین کی باتیں سنی جا رہی ہیں لیکن کوئی گھبراہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ جاگیرداروں کے مظالم کی داستانیں، غریبوں، مزدوروں، کسانوں کی باتیں اور شکایتیں سنتا ہوں، تو دماغ کھول اٹھتا ہے، بیٹھے بیٹھے کھڑا ہو جاتا ہوں، مٹھیاں خود بخود بھینچ جاتی ہیں اور دل پوری شدت سے دھڑک اٹھتا ہے۔

دل میں اک شعلہ بھڑک اٹھا ہے، آخر کیا کروں؟
میرا پیمانہ چھلک اٹھا ہے، آخر کیا کروں؟
زخم سینے کا مہک اٹھا ہے، آخر کیا کروں؟
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں؟

لے کے ہر چنگیز کے ہاتھوں سے خنجر توڑ دوں!
تاج پر اس کے دمکتا ہے جو پتھر توڑ دوں!
کوئی توڑے یا نہ توڑے میں ہی بڑھ کر توڑ دوں!
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں؟

بڑھ کے اس اندر سبھا کا سازو ساماں پھونک دوں
اس کا گلشن پھونک دوں اس کا شبستاں پھونک دوں
تخت سلطاں کیا، میں سارا قصر سلطاں پھونک دوں
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں؟

اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ خدمت خلق کی توفیق نصیب ہو رہی ہے۔ لوگ دعائیں دیتے جا رہے ہیں۔ جاگیرداروں، نوابوں، وڈیروں کے دروازوں سے دھتکارے ہوئے افراد آکر اپنے مسائل پیش کر کے اس بات پر خوش ہو جاتے ہیں کہ ان کی بات تو سننے والا ایم۔ این۔ اے یا ایم۔ پی۔ اے موجود ہے۔ ان کی عزت نفس تو مجروح نہیں ہو رہی ہے۔ انہیں مسجد میں بیٹھا اپنا نمائندہ مل تو رہا ہے۔

سالانہ امدادی فنڈز سکیم کا اجراء

یہ وہ دن تھے جب سپاہ صحابہؓ کے تنظیمی امور چلانے اور انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس کو کامیاب کرنے کے لئے جماعت کے پاس فنڈز بالکل نہ تھے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ملک بھر میں سالانہ امدادی فنڈز سکیم کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ ہر کارکن ہر سال کم از کم پچاس روپے کا ایک ٹکٹ کٹوا کر جماعتی فنڈ کو مضبوط بنانے میں حصہ لیا کرے۔ چنانچہ اس مہم کا باضابطہ آغاز ۱۰ فروری کو قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی نے عثمانیہ مسجد ریل بازار

جھنگ صدر میں خود اپنے نام کا ٹکٹ کاٹ کر کیا۔ چنانچہ پھر دیکھتے ہی دیکھتے کراچی سے پشاور تک جوش و خروش سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور لاکھوں روپے جماعت کے فنڈز میں جمع ہو گئے۔

فکر معاش ہم کو پریشاں نہ کر سکی
لیکن غم جہاں میں پریشاں رہے ہیں ہم
مرعوب کر سکی نہ چمن میں بہار گل
اپنے چمن میں آپ بہاراں رہے ہیں ہم

○

قتل کا پہلا مقدمہ

قارئین نوٹ فرمائیں کہ نائب سرپرست اعلیٰ منتخب ہو کر ابھی میں نے جھنگ میں قدم بھی نہیں جمایا تھا کہ ۲۵ جنوری کو جھنگ سٹی میں مختار شاہ نامی شیعہ کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا۔ مدعی فریق نے اس کی ایف آئی آر میں میرا نام بھی لکھوا دیا کہ قتل ان کے ایماء پر ہوا ہے حالانکہ میری تو ابھی جھنگ کے علماء سے بھی شناسائی نہیں ہوئی تھی۔ گمنام شخص کو میں نے کیونکر قتل کرانا تھا۔ اگر جھنگ کی پولیس و افسران کے ذمہ داران اور حکومت پنجاب اس وقت اس جھوٹی F.I.R درج نہ کرتی تو آج ہر قتل کے مقدمے میں لیڈر کا نام درج کرانے کا رواج جاری نہ ہوتا۔

لطیفہ:- میں نے اس قتل کے مقدمے کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا ہے کہ اس مقدمہ سے میری ضمانت اب ساڑھے آٹھ سال بعد اسی ماہ جولائی کی ۴ تاریخ کو ہوئی ہے۔ مجھ پر قتل کے بعد میں بیسیوں مقدمات بنائے گئے جن میں میری ضمانتیں ہوتی رہیں یا میں بے گناہ قرار پا کر بری ہوتا رہا۔ لیکن یہ پہلا مقدمہ سب سے آخری مقدمہ ثابت ہوا۔

امیر عزیمت مولانا حق نواز شہید کا پہلا یوم شہادت

۲۲ فروری ۱۹۹۱ء بانی سپاہ صحابہؓ امیر عزیمت مولانا جھنگوی" کا پہلا یوم شہادت تھا۔ اس مناسبت سے جماعت یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اس موقعہ پر اسلام آباد میں انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس منعقد کی جائے گی۔ لیکن ۱۰ جنوری ۱۹۹۱ء کو ممبر قومی اسمبلی و نائب سرپرست اعلیٰ سپاہ صحابہؓ مولانا ایثار القاسمی کی شہادت کے اندوہناک سانحہ کے بعد ۲۰ جنوری کو راولپنڈی میں منعقدہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ کانفرنس کا انعقاد اب ۲ جون کو کیا جائے گا۔ تاہم ۲۲ فروری کو لاہور میں حق نواز شہید سیمینار کا اہتمام کیا جائے۔

چنانچہ ۲۲ فروری کو فلیٹیز ہوٹل لاہور میں ایک سادہ مگر پر وقار سیمینار کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ممتاز مذہبی سکالروں، علماء کرام، صحافی حضرات، سیاستدانوں اور مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے اہم راہنماؤں نے بھرپور شرکت کی اور فکر حق نواز شہید کو وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے سپاہ صحابہؓ کے موقف کی تائید کی۔ پنجاب میں میرے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ میرا تعارف مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام اور صحافی حضرات سے ہوا۔

جھنگ کے خصوصی حالات کی پیداوار مسلح گروپ
جسے پولیس نے اشتہاری گروپ بنا دیا

چونکہ صرف پونے گیارہ ماہ کے اندر اندر بانی سپاہ صحابہؓ و سنیت کے بے تاج بادشاہ جھنگ کی عوام میں سیاسی و مذہبی بیداری کی روح پھونکنے والی ہر دلعزیز شخصیت۔ عظیم قائد، رہبر اور راہنما مولانا حق نواز جھنگوی اور جھنگ کے ۲۳ ہزار افراد کے

دونوں سے کامیاب ہونے والے ممبر قومی و صوبائی اسمبلی مولانا ایثار القاسمی دشمن کی ننگی جارحیت اور گھناؤنی سازش کا نشانہ بنا دیئے گئے تھے۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ کسی عام انسان کا قتل یا کوئی معمولی نقصان نہ تھا۔ اس پر رد عمل کے طور پر اشتعال اور احتجاج کا پیدا ہونا، جلسے، جلوسوں اور ہڑتالوں کا تسلسل ایک فطری عمل تھا۔ لیکن حکومت اس بات پر بضد تھی کہ اس قدر نقصان عظیم کے بعد بھی اف تک نہ کی جائے۔ قاتلوں اور ان کے سرپرستوں کی گرفتاری کے لئے آواز بلند نہ ہو اور ہڑتالوں کے پرامن انداز سے بھی حکومت کی مجرمانہ خاموشی کی مذمت نہ کی جائے۔

دوسری طرف شیعہ جاگیردار اور نواب حکومت وقت کے منافق اور قاتل حمایتی اپنی طاقت و قوت کے نشہ میں سرشار ہو کر جھنگ کی عوام کو خوف زدہ کرنے اور انہیں ظلم سہ کر بھی رونے نہ دینے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے جدید اسلحہ سے مسلح غنڈوں کے ذریعہ شہر بھر میں فائرنگ کر کے نہ صرف دہشت و خوف کی فضا پیدا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ بلکہ معصوم جانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا گھناؤنا کھیل شروع کر دیا۔ جس کی زد میں آکر مولانا حق نواز شہید کی شہادت کے روز بھی جھنگ شہر کا معصوم آصف ندیم شہید ہوا ایک ماہ بعد ۲۳ مارچ کو جھنگ سٹی کی مسجد اہلحدیث میں بم دھماکہ سے محمد طارق، محمد اسماعیل، محمد شوکت شہید اور ۲۵ افراد زخمی ہوئے۔ ۱۱ مئی کو جانی شاہ نامی رکشہ ڈرائیور ۲۷ مئی کو دفاع صحابہ کانفرنس بلدیہ گراؤنڈ میں محمد سلیم، ۱۱ اگست کو احمد پور سیال میں محمد صدیق بٹ، یکم نومبر کو جھنگ سٹی میں نعیم اختر اور محمد امجد بٹ، ۱۱ دسمبر کو چھ بہنوں کے اکلوتے بھائی آفتاب، ۱۵ دسمبر کو شکیل احمد نامی ایک نوجوان کو شیعہ جاگیردار نواب امان اللہ کے گھر سے فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا اور ۱۴ دسمبر کو جب جھنگ سٹی میں جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی پہنچے تو مسجد کے محراب پر باہر سے تین گرنیڈ پھینک دیئے گئے اور ۴ جنوری کو سپاہ صحابہؓ سٹوڈنٹس پاکستان کے کنوینر

عمر فاروق پر قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔

جب اس طرح کسی مجبور، بے بس اور غریب قوم کو مسلسل ظلم و جبر کا نشانہ بنایا جائے گا تو کیا ردعمل کے طور پر اس قوم کے لوگ اپنے دفاع کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں ماریں گے۔ بالاخر چند نوجوانوں نے شیعہ جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے فیصلہ کر لیا۔ کہ ہم بھی اب اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں تو کم از کم اینٹ سے ضرور ہی دیں گے۔ پھر جب یہ نوجوان میدان میں آئے تو جاگیرداروں اور نوابوں کے ڈیروں سے آگ اگلتی ہوئی بندوقوں اور کلاشنکوف کی نالیاں خاموش ہو گئیں۔ نتیجتاً یہ نوجوان جھنگ کے عوام کے دلوں کی دھڑکن بن گئے۔

ہم نے مانا جنگ کڑی ہے!
سر پھوٹیں گے، خون بہے گا،
خون میں غم بھی بہہ جائیں گے
ہم نہ رہیں غم بھی نہ رہے گا

O

میں جب مولانا ایثار القاسمی شہیدؒ کے جانشین کی حیثیت سے جھنگ پہنچا تو مجھے ان مسلح نوجوانوں سے جو تعداد میں ایک درجن سے بھی کم تھے) ملنے کا موقع ملا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ اب حالات کو انشاء اللہ ہم احسن انداز سے سدھاریں گے۔ آپ لوگ ہتھیار پھینک دیں اور تنظیم سازی کے کام میں لگ جائیں۔ اس سلسلہ میں میں نے اپنے پہلے ہی جمعہ کے خطبہ میں کہا کہ اب نوجوان خود کو اسوہ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھالیں اور شہری لوگوں کے ساتھ مل کر امن کمیٹیاں قائم کریں۔ اسلحہ رکھ دیں مگر میری اس پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے حکومت نے ان نوجوانوں کے گھروں پر پولیس چھاپوں کا سلسلہ شروع

کرادیا۔ کسی کی والدہ کو اٹھا کر تھانے لیجایا جا رہا ہے تو کسی کی بیوی کو زدو کوب کیا جا رہا ہے کسی کے بوڑھے والد کی توہین کی جا رہی ہے تو کسی کی بہنوں کو سربازار تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ جبکہ دوسری طرف سپاہ صحابہؓ کے قائدین اور کارکنوں کے قاتل آزاد گھومتے پھرتے ہیں۔ انہیں کوئی روکنے ٹوکنے اور پوچھنے والا نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو نوجوان محض اپنے اور قوم کے دفاع کے لئے ہنگامی حالات کے پیش نظر میدان میں آئے تھے اب انہیں باضابطہ اشتہاری قرار دے کر گولی مارنے کا حکم صادر کر دیا گیا۔

میں آج بھی پاکستان پولیس کے اس رویہ کو ملک میں قتل و غارتگری کے واقعات کا سبب یقین کرتا ہوں کہ جس نے معمولی جرائم میں ملوث نوجوانوں کو خطرناک مجرموں کی صف میں لاکھڑا کیا۔ جھنگ ہو یا کراچی لاہور ہو یا فیصل آباد، مذہبی قتل و غارتگری ہو یا قومی و لسانی فسادات ان سب میں شدت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کچھ نوجوان قانون سے مایوس اور اپنے اہل خانہ سے پولیس کی زیادتیوں اور ناانصافیوں سے تنگ آکر قانون کو ہاتھ میں لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ میں نے حکومت کی طرف سے مخالفت اور ان نوجوانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے باوجود اپنی اس کوشش کو جاری رکھا کہ ہمیں کسی صورت میں بھی اسلحہ کی زبان سے جواب نہیں دینا چاہیے۔ بعض اوقات میں نے انور اور سلیم فوجی جیسے نوجوانوں کو اپنے ہاتھوں سے بھی پیٹا کہ میں تمہیں قانون ہاتھ میں لینے نہیں دونگا۔ مگر پولیس گردی بڑھتی رہی اور ان نوجوانوں کا اشتعال بھی، آخر انور اور سلیم فوجی پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اور خود پولیس کے لوگ بھی بکتر بند گاڑی سمیت دہشت گردی کی آگ میں جلتے گئے۔ بالاخر مسلسل ان نوجوانوں کو سمجھاتے رہنے کا یہ اثر ہوا کہ ان پر کوئی سنگین الزام لگانے میں پولیس ناکام رہی اور وہ گرفتار ہو کر تفتیش کے مراحل سے گزرتے اور جیلوں میں وقت گزارتے ہوئے رہا ہو گئے اور اب ایک اچھے مذہبی راہنما اور تاجر کی صورت میں خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔

میری عمرہ کے لئے تیاری اور جھنگ میں گرفتاریاں

ماہ فروری کے آخری اور مارچ کے ابتدائی ایام جو کہ رمضان المبارک کے پہلے عشرہ پر مشتمل تھے جھنگ میں گذارنے کے بعد کراچی پہنچا تو دیرینہ خواہش اور زندگی کی ایک بڑی آرزو کی تکمیل کے لئے سفر عمرہ کی تیاری شروع کردی تاکہ رمضان المبارک کی زیادہ سے زیادہ ساعتیں حرمین شریفین میں گذار سکوں، تو اسی اثناء میں جھنگ سے خبر آئی کہ گذشتہ شب پولیس نے سپاہ صحابہؓ کے مرکزی جنرل سیکرٹری یوسف مجاہد صاحب اور تیرہ افراد کو گرفتار کرلیا ہے۔ وجہ صرف یہ ہوئی کہ ۲ فروری کو جھنگ پولیس نے اشتہاریوں کی گرفتاری کے بہانہ اپریشن کے نام پر جھنگ کے عوام پر ظلم و ستم کیا تھا اور سنی ماؤں بیٹیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا پھر کسی بھی اشتہاری کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہونے کے غصہ میں لوگوں کے گھروں کو لوٹنا شروع کردیا تھا۔ اس پر سخت احتجاج جاری تھا۔ یہاں پولیس کی زیادتیوں پر احتجاج کرنا بھی جرم قرار پایا۔ اس لئے ۲۷ مارچ کو حافظ عبدالقدوس کی گرفتاری کے لئے پولیس اس مسجد میں داخل ہوگئی جہاں وہ نماز تراویح پڑھا رہے تھے۔ مسجد میں جوتوں سمیت پولیس کے داخلہ اور امام تراویح کی گرفتاری سے ایک مرتبہ پھر جھنگ میں اشتعال پھیل گیا۔ مساجد میں اس ظلم کے خلاف لاؤڈ سپیکروں سے نعرے گونجنے لگے۔ اتفاق سے قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی بھی جھنگ میں تھے۔ وہ یوسف مجاہد صاحب، چوہدری سلطان صاحب اور کئی دیگر ساتھیوں کے ہمراہ مذاکرات کے لئے تھانہ کوتوالی پہنچے تو خبر گرم ہوگئی کہ پولیس نے انہیں بھی گرفتار کرلیا ہے۔

رات کی تاریکی میں کوتوالی تھانہ کے سامنے عوام اور پولیس کے مابین تصادم کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ قائد سپاہ صحابہؓ عوام کو صبر کی تلقین کی لئے تھانہ کے گیٹ سے باہر آئے تو وہ بھی پولیس کی فائرنگ سے بال بال بچے جونہی وہ عوام کو مطمئن کر کے گھروں میں واپس

بھیجنے میں کامیاب ہوئے تو تھانہ میں موجود یوسف مجاہد اور ان کے ساتھیوں کو نہ صرف گرفتار کر لیا گیا بلکہ بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان دنوں پولیس کا رویہ سپاہ صحابہؓ کے ساتھ کیسا تھا کہ جو لوگ کسی مظلوم کی مدد کے لئے تھانہ میں سفارشی بن کر آتے یا مذاکرات کے لئے پہنچتے تو انہیں ہی گرفتار کر لیا جاتا اور پولیس گردی کا نشانہ بنایا جاتا۔

جونہی مجھے کراچی میں یہ خبر ملی، میں فوراً جھنگ پہنچا۔ امیران سے ملاقات کی دور دراز کے علاقہ میں موجود تھانہ مسن میں انہیں زخمی حالت میں حوالات کا مہمان دیکھ کر حکومت کی اس کاروائی پر دل مسوس کر رہ گیا۔ قائد سپاہ صحابہؓ نے کمال شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے حکماً مجھے فرمایا کہ تم عمرہ پر جاؤ اس طرح کے حالات یہاں روزانہ کا معمول ہیں۔ میں خود یہاں موجود ہوں۔ میں نے کہا ایک طرف جھنگ میں ظلم و بربریت کا بازار گرم ہو رہا ہو۔ دوسری طرف میں عمرہ پر چلا جاؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا تمہاری جگہ میں موجود ہوں تمہارا یہ عمرہ کا پہلا سفر ہے۔ پھر نامعلوم حالات کیسے ہوں۔ حضرت امیر عزیمت جھنگوی شہید اور مولانا ایثار القاسمی شہید جھنگ کے انہی حالات کا شکار ہو کر کئی بار عمرہ پر جانے کا ارادہ تبدیل کرتے رہے۔ آخر زیارت حرمین کی آرزو تو پوری نہ ہوئی جنت کے مہمان بن گئے۔ قائد سپاہ صحابہؓ کی اس ہدایت و نصیحت کے بعد میں واپس کراچی پہنچا اور عمرہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

حرمین شریفین کا پہلا سفر، جذبات و احساسات

کراچی ڈویژن کے عہدیدار راشد بھائی کے ہمراہ عمرہ کے پہلے سفر پر جانے کا پروگرام بنا تو اس پہلے سفر میں کیفیات ہی کچھ اور تھیں۔ آنکھوں میں حرم محترم کے نظارے سجانے کی بیقراری کا یہ عالم تھا کہ جب جدہ میں راشد بھائی کے عزیز ہمیں لینے

آئے اور اپنے گھر لے گئے تو مجھے ایک پل چین نہیں آ رہا تھا۔ میزبان کا کہنا تھا کہ صبح کے وقت حرم چلیں گے اور ٹھنڈے ٹھنڈے خوشگوار موسم میں عمرہ مکمل کریں گے مگر میرا اصرار تھا کہ ابھی چلنا چاہیے، حالت ایسی تھی جیسے کسی پیاسے کو نہر کے پاس لا کر کہا جائے ابھی پانی نہ پینا کیونکہ موسم اچھا نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ میں ورود اور دیدار بیت اللہ

ترا در ہو، مرا سر ہو، دل ہو، ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے۔ مگر تمہید طولانی!

جدہ سے مکہ کی طرف جاتے ہوئے کالی کالی پہاڑیاں اس لئے جان سے زیادہ پیاری اور محبوب ترین لگ رہی تھیں کہ انہوں نے پہاڑوں پر آمنہ کے چاند کی زیارت کی ہوگی آپ کے قدوم میمنت لزوم کے لمس کی حلاوت کو اپنے دامن میں سمیٹا ہوگا اور نہ جانے کیسے رشک ملکوت صفات کے مالک عظیم انسانوں کی نظروں نے ان پہاڑوں کو عزت بخشی ہوگی۔ شہر مکہ میں داخل کیا ہوا یوں لگا، جیسے شہر جذبات میں آ گیا ہوں۔ جہاں نہ دل اپنے قابو میں رہتا ہے اور نہ زبان اپنے بس میں۔ لبیک اللھم لبیک کی صدائیں روح کی گہرائی سے اٹھ رہی تھیں۔ پھر وہ وقت بھی آ پہنچا کہ جس کے ایک لمحہ پر ہزاروں سال فدا ہو جائیں تو کم ہے کہ سامنے وہ اللہ کا گھر جلال رب کی عظمت و کبریائی کی ترجمانی کرنے والا بیت عتیق جسکا دامن اتنا وسیع کہ ساری کائنات اس کے سامنے ایک ذرہ ناچیز۔ جس کی محبوبیت کی یہ شان کہ انسان و جن تو درکنار عرش عظیم کے حاملین بھی اس کی ایک جھلک کے طلبگار، وہ جو ایسی شمع ہدایت کہ جس کے پروانے چار دانگ علم سے لبیک کہتے ہوئے احرام کی دو چادریں اوڑھے ننگے سر، پراگندہ حال اس کی جانب دوڑتے چلے آتے ہیں۔ وہ پہلا گھر جو انسانیت کے لئے رحمت پروردگار کا سایہ بن کر بلند ہوا۔

آنکھیں تھیں کہ اس کی عظمت و شان کی وسعتوں میں کھو کر رہ گئیں۔ زبان بے اختیار اس کی عظمت کے گن گانے لگی۔ ہاتھ ایسے اٹھے کہ آسمانوں کی بلندیوں کو سمیٹتے محسوس ہوئے۔ پھر کسی نے ہاتھ سے ہلا کر کہا آگے بڑھو اور ردائے محبوب کو تھام کر قربت کی لذتوں سے آشنا ہو جاؤ۔ قدم اٹھے اور دل و جاں طواف کی لذتیں سمیٹنے لگے۔ کبھی پروانے کی طرح دیوانہ وار چکر لگاتے رہے اور جب بے قراری بڑھ گئی تو غلاف کعبہ کو تھام کر حسرتیں اور آرزوئیں سامان تسکین پیدا کرنے لگیں۔ سات چکروں کی تکمیل کے بعد کوہ صفا پر جا پہنچے تو ایک پیغمبر کی زوجہ محترمہ اور دوسرے پیغمبر کی والدہ ماجدہ سب سے بڑھ کر یتیم مکہ کی دادی اماں حضرت حاجرہ کا وہ روح افزاء منظر سامنے آگیا کہ جسے بارگاہ ایزدی میں اتنا شرف نصیب ہوا کہ اب ہر بڑا اور چھوٹا۔ مرد و عورت۔ امیر غریب اسی سنت پر عمل پیرا ہو کر رضائے الٰہی اور خوشنودی رب کا امیدوار رہتا ہوا ہے۔

عمرہ کے اس پہلے سفر کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ مکہ مکرمہ کے احباب سے زیادہ جان پہچان نہ تھی۔ جس کے باعث صبح و شام ایک ایک عمرہ کرنے اور احرام کے ساتھ مسجد حرام میں تمام وقت گذارنے کا موقع مل گیا۔ پھر جب کچھ شناسا چہرے سامنے آگئے تو وہ راز و نیاز اور قلندرانہ اسلوب کے سارے لمحات ختم ہو گئے۔ کیونکہ اب ہر وقت کوئی نہ کوئی ساتھی ساتھ ضرور رہو تا تھا۔

بارگاہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری

مدینہ منورہ سے آئے ہوئے قاری عبداللطیف صاحب سے جب تعارف ہوا تو ان کا اصرار بڑھ گیا کہ میرے ہمراہ میری گاڑی پر مدینہ چلیں اور قیام بھی میرے پاس کریں۔ مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب کی خواہش بھی یہی تھی چنانچہ اب "طریق ہجرہ" پر سفر مدینہ شروع ہوا تو دماغ کے کمپیوٹر پہ پیارے نبیؐ و صدیقؓ کے سفر ہجرت کی تصویر ...

نمودار ہونے لگیں۔ ایسے محسوس ہونے لگا جیسے اونٹنی پر سوار یہ دونوں ہستیاں ابھی محو سفر ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر ان کے سراپا حسن و جمال کا دیدار کرنے میں مصروف ہیں۔ طریق ہجرہ کے نام سے موسوم یہ روڈ چونکہ انہی خطوط پر تعمیر ہوا ہے جن پر ہجرت کا سفر ہوا تھا اس لئے راستہ میں کئی مقامات پر بورڈ پر لکھے ہوئے وادیوں کے نام بڑے مانوس مانوس محسوس ہوئے اور ایک مسلمان کے لئے یہ نامانوس ہو بھی کیسے سکتے ہیں کہ انہی وادیوں اور راہوں پر تو سفر ہجرت کی یادوں کے موتی بکھرے ہوئے ہیں۔

مسجد قباء کے سامنے کار رکی تو اس مسجد میں داخل ہوتے ہوئے قرآن کریم کی وہ آیات زبان پر جاری ہوگئیں جن میں "لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" کے القابات سے اس مسجد کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔

پھر نظریں تیزی سے شہر حبیب ﷺ کی فضاؤں میں کسی ایسی چیز کو تلاش کرنے میں مصروف ہوگئیں جس کی جستجو میں شاید وہ صدیوں سے سرگرداں تھیں۔ وہ ایسا مطلوب تھا کہ جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور ملتا ہے۔ وہ آرزوؤں کا محور اور تمناؤں کا ماویٰ جس سے مردہ روحیں زندگی پاتی ہیں۔ اللہ کی دھرتی پر قائم وہ شرف و عزت والا قبہ کہ جس پر خلد کے مکیں بھی جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ جہاں آسمانوں سے اترنے والے درود و سلام کے نذرانے پیش کرنے کو اپنی سعادت یقین کرتے ہیں۔ ہاں ہاں میری نگاہیں متلاشی تھیں اس مہبط جبرائیل کی، جسے گنبد خضریٰ کہتے ہیں اور پھر جب انوار الٰہیہ اور جمال رحمٰن کے پر کیف رنگوں کا لباس پہنے ہوئے اس جنت نظیر منظر سے آنکھیں چار ہوئیں تو آتش شوق اور بھڑک اٹھی۔ قبل اس سے کہ عشق عقل کا دامن کھینچ کر مستی میں لیجاتا عقل نے آواز دے کر کہا خبردار! ادب کا مقام ہے سنبھل کر قدم اٹھانا کہیں معمولی سا بھی پاؤں پھسلا تو دین کے رہو گے نہ دنیا کے۔ یہ چیخنے چلانے اور مجنونہ انداز میں شور و شغب برپا کرنے کا مقام نہیں ہے۔ یہاں تو اونچی آواز میں کھانسنا بھی حبط اعمال کا باعث بن

سکتا ہے۔ عشق نے بے قرار ہو کر پوچھا پھر بارگاہ محبوب میں حاضری کس طور پر دی جائے تو جواب آیا لبوں پہ درود و سلام کے الفاظ سجالو لیکن آواز پر لگی مہر ٹوٹنے نہ پائے۔ اب جب مواجہہ شریف پر قدم آپہنچے تو اب تک صبر و تحمل کی زنجیر میں جکڑے ہوئے بے قرار دل نے کہا اجازت ہو تو روضہ اطہر کی جالی سے چمٹ جاؤں اور در رسولؐ پر پیشانی رکھ دوں تو فوراً شریعت مطہرہ کے کھلے ابواب نظروں کے سامنے آگئے اور بول بول کر کہنے لگے۔ ہزاروں میل کا سفر کر کے یہاں آنے کے بعد بھی تمہیں دین کی سمجھ نہیں آئی یہ مقام سلام و درود کا ہے یہ مقام عاجزانہ طور پر نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا ہے۔ یہ مقام عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرنے کا ہے۔ تیرے دامن میں جو کچھ ہے اسے عقیدت کے رنگ میں پیش کر اور آگے بڑھ کر پھر اپنے محبوب سے تادم آخر اتباع سنت اور خدمت اسلام پر کاربند رہنے کا عہد و پیماں کر روز حشر شفاعت کبریٰ کا طلبگار ہو۔ خود کو جانثاران صحابہؓ کی صفوں میں شامل کرنے کا عزم کرتے ہوئے اب آگے بڑھ کر پیارے محبوب کے پیارے یاروں پر سلام پڑھ جب اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے تو پھر اپنی جبین نیاز وہاں جھکا دے جہاں چودہ سو سال قبل رحمت اللعالمین مراد المشتاقین سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی والضحیٰ والی پیشانی جھکا کرتی تھی۔ اس لئے کہ جس مقام نے رسول رب العالمین کے چہرہ اقدس کے بوسے لئے ہیں۔ وہ آج تک امت کو ان بوسوں کا قرض لٹا رہا ہے۔ ادھر ریاض الجنت میں کچھ وقت گزار کہ سنت اللہ یہ ہے جہنمی تو جنت میں جائیں گے لیکن جنت میں داخل ہونے والوں کو جہنم نہ بھیجا جائے گا۔

بارگاہ رسالت مآب میں حاضری کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ذرا سی بے ادبی اور دل کی بیگانگی سے لینے کے دینے پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ پھر اپنے آقا کے حضور ایک گنہگار خطاکار غلام کی پیشی ہی اس احساس میں مبتلا کر دیتی ہے کہ کیا آقا نادار کو منہ دکھانے کے قابل بھی ہے؟ یہ تو سرور کونین رد رح دو عالم کی رحمت و شفقت والی صفات

اور رؤف و رحیم والے مبارک خصائل ہی کا کمال ہے کہ سرتاپاء معصیت و عصیان کی کیچڑ میں لتھڑے ہوئے بھی خطاؤں کی گٹھڑیاں سر پر اٹھائے ناز و نخرے سے چلے آتے ہیں کہ آقا کے دربار رحمت سے ان کی سیّات حسنات میں تبدیلی ہو جائیگی۔

حضرات شیخین کی خدمت میں حاضری اور عاجزانہ سلام

بارگاہ رسالت میں جذبات کی زبان سے عقیدت و محبت کا اظہار کرنے کے بعد آپ کے سفرو حضرد نیاو قبر کے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں پہنچا تو قلب و دماغ میں ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا۔ کبھی خیال پیدا ہو تا کہ امیر عزیمت سے لے کر آج تک کے شہیدوں کے خون کا نذرانہ پیش کر کے اپنی عقیدت کا اظہار کروں۔ کبھی یہ خوف سوار ہو جاتا کہ کہیں روضہ کے اندر سے آواز نہ آجائے "باہر کتے ہماری مقدس قباؤں کو نوچنے اور ہمارے مقام کی طرف منہ کر کے بھونکنے میں معروف ہیں اور تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟ کیا چند تقریریں اور جوشیلے نعروں سے تم سمجھ بیٹھے ہو کہ ہمارے قرض کا بدلہ اتر گیا؟ لیکن دل نے حوصلہ دیا کہ یہ بڑے لوگوں کا دربار ہے۔ اور ان کا "بڑا ظرف" ہوتا ہے۔ جب ان کا کوئی نوکر و خادم اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر آجائے اور از سر نو وفاداری کا عہد کرنے کو تیار ہو تو وہ گلے لگا لیا کرتے ہیں۔ یہ لجپالوں کی نگری ہے۔ یہاں کوئی دامن میں چند ٹوٹے پھوٹے اعمال کے ٹکڑے بھی ڈال کر آجائے تو کچھ لے کر ہی جاتا ہے۔

ان مقدس شخصیات کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کے بعد باب جبرئیل سے باہر آیا اور ایک نظر گنبد خضریٰ پر ڈالی تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے حوران بہشت کوثر و تسنیم سے اسے غسل دینے میں مصروف ہیں۔ قدم آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ جنت البقیع میں داخل ہوا وہاں آرام فرما امت کی ماؤں اور آقاء نامدار کی ازواج مطہرات کی

خدمت میں ایک مدت سے بچھڑے ہوئے بیٹے کی طرح ہزاروں ارمان و آرزوئیں لے کر بڑھتا گیا وہیں پر اہل بیت رسول کے چشم و چراغ بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں اور حضرت حسنؓ و دیگر حضرات کے حضور سلام پیش کرنے کے لئے کھڑا رہا۔ پھر کسی بتانے والے کا شکریہ ادا کر کے امام مظلوم سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی بارگاہ اقدس میں پیش ہوا تو ایسے لگا جیسے جامع القرآن شہید مظلوم اس وقت بھی تلاوت کلام اللہ میں معروف ہیں۔ سلام عقیدت پیش کر کے واپس مدینہ منورہ میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچا۔

رات کو تراویح میں قرآن مجید کی سماعت کا اس مسجد میں کھڑے ہو کر مزہ ہی کچھ اور تھا۔ جس مسجد کے صحن میں قرآن مقدس کا نزول ہوا کرتا تھا۔ امام تراویح کی آواز دل کی گہرائیوں تک اترتی چلی جارہی تھی۔ پوری مسجد پر رنگ و نور کا ایک ہالہ نظر آ رہا تھا۔ جسے بالیقین فرشتوں کی صفوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ تلاوت کی آواز سے ایسے لگتا تھا۔ جیسے نور کی گھٹائیں انسانی قلوب کی بنجر زمینوں پر موسلا دھار انداز میں برس رہی ہوں۔

تراویح کے بعد پاکستان کے ان حضرات سے جو سالہا سال سے مدینہ منورہ میں خدمت قرآن میں معروف ہیں۔ ملاقاتیں ہوئیں اور پھر عید الفطر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

عید الفطر کی ادائیگی کے بعد وہ قیامت کا لمحہ بھی آ پہنچا جب سلام وداع کے لئے بارگاہ رسالت مابؐ میں حاضر ہوا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات بے اختیار جاری تھی۔ جدائی کا احساس ہی ناقابل برداشت ہوا جاتا تھا اور پھر جب شہر مدینہ سے رخصتی ہوئی تو ایسے محسوس ہوا جیسے روح کو جسم سے نکالا جارہا ہے یا گلشن بہار سے کسی کو تپتے صحرا کی طرف منتقل کیا جارہا ہے۔

راولپنڈی میں "انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس" کی تیاریاں

4 مئی کو قائد سپاہ صحابہؓ کی ہدایت پر تمام مرکزی و صوبائی عہدیداران اور

راولپنڈی کے کارکنان جامعہ فرقانیہ میں جمع ہوئے اور 2 جون کی کانفرنس کے انتظامات کو حتمی شکل دی گئی۔

کانفرنس کے انتظامات کے لئے الگ الگ کیٹیاں تشکیل دی گئیں اور ہزارہ کے ،،ذ، راولپنڈی کے گردونواح کے قریبی شہروں میں پروگرام منعقد کرنے کے فیصلے ہوئے۔ شہر میں وال چاکنگ کے لئے گروپ تشکیل دیئے گئے۔ اخبارات کے صحافیوں سے رابطہ پیدا کر کے کانفرنس کے اغراض و مقاصد کو اجاگر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کانفرنس کے مہمان خصوصی اور علماء و مشائخ کے پاس دعوت نامے لے کر جانے والے افراد مقرر کیئے گئے۔ ممبران قومی اسمبلی وفاقی و سیکرٹریز سے ملنے والے جماعت کے ذمہ داران کا تعین کیا گیا۔

حکومت کی طرف سے پیدا کردہ مشکلات اور کانفرنس کی راہ میں روڑے اٹکانے کے اقدامات کا جائزہ لے کر یہ طے پایا کہ حکام بالا کو اس بات سے آگاہ کر دیا جائے کہ سپاہ صحابہؓ ہر حالت میں 2 جون کو اسلام آباد میں کانفرنس کا انعقاد عمل میں لائے گی۔ اگر ریاستی قوت اور جبر کے ذریعے راستہ روکنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج نہایت خطرناک ہونگے۔ کیونکہ یہ بات ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو گی کہ اسلام آباد میں دشمنان اسلام گستاخان صحابہؓ اور غیر ملکی ایجنٹ تو سیکرٹریٹ پر قبضہ کر کے حکمرانوں کو بلیک میل کرتے پھریں، تو انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو اور سپاہ صحابہؓ کو پر امن طور پر کانفرنس کے منعقد کرنے کی اجازت نہ دیجائے۔ ہم اس بات کی پر زور تردید کر کے حکومت کو یقین دلانا چاہتے تھے کہ سپاہ صحابہؓ کے کوئی خطرناک عزائم نہیں ہیں۔ خفیہ ایجنسیوں میں گھسے ہوئے بعض متعصب لوگ حکومت کو اس کانفرنس کے حوالے سے جو غلط رپورٹس بھیج رہے ہیں ان پر ہرگز اعتماد نہ کیا جائے۔

اس اجلاس میں مندرجہ ذیل فیصلے بھی کئے گئے اور ملکی سیاسی صورت حال اور

نئے پیش آمدہ حالات کا جائزہ بھی لیا گیا۔ فیصلہ کیا گیا کہ جھنگ کی جاگیردار سیاستدان بیگم عابدہ حسین کی طرف سے الیکشن 90ء میں عبرتناک شکست کے بعد سپاہ صحابہؓ پر جو الزام تراشی کا سلسلہ شروع ہوا ہے اسے عدالت میں چیلنج کیا جائے۔ بیگم عابدہ حسین پر اس کی طرف سے سپاہ صحابہؓ کو "را" کی طرف سے مدد ملنے کے بیان پر عدالت میں ایک کروڑ جرمانہ کا دعویٰ دائر کرکے اسے نوٹس بھجوائیں کہ وہ عدالت میں آکر اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرے۔ اس فیصلہ کے تحت 15 مئی کو یوسف مجاہد صاحب کی طرف سے دعویٰ دائر کردیا گیا۔

اس اجلاس میں مولانا سمیع الحق صاحب کو خراج تحسین پیش کیا گیا جنہوں نے 30 مارچ کے روز 8 جماعتی اتحاد کی تشکیل کے موقع پر ہونے والے اجلاس میں ساجد نقوی کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے انکار کردیا تھا جبکہ مولانا محمد خان شیرانی قاضی حسین احمد، مولانا عبدالستار نیازی صاحب نے نماز ادا کرلی تھی۔ نیز 13 مارچ کو صادق گنجی قتل کیس کے فیصلہ پر بھی اظہار افسوس کیا گیا۔ جس میں خصوصی عدالت کے جج نے شیخ حق نواز کو سزائے موت اور باقی چھ گرفتار شدگان کو عمر قید کی سزا سنائی تھی۔

اجلاس میں جھنگ پولیس کی طرف سے 2 فروری کو جھنگ میں پولیس اپریشن کے نام پر عورتوں پر تشدد اور لوٹ مار کے شرمناک واقعہ پر احتجاج کرنے کے جرم میں 27 مارچ کو یوسف مجاہد صاحب اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کے باعث سالانہ امدادی فنڈ سکیم پر مرتب ہونے والے تاثرات کا بھی جائزہ لیا گیا اور 14 فروری کو چیئرمین بلدیہ میونسپل کمیٹی شہدادپور کی طرف سے چھ چوکوں کے نام صحابہؓ کرام کے اسماء گرامی سے موسوم کرنے کا خیر مقدم کیا گیا۔

قائد سپاہ صحابہؓ نے 31 جنوری کو بنگلہ دیش کے سات روزہ دورہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ کیا۔ 21 جنوری کو سپاہ صحابہؓ چھچھ حضرو کے شہید ہونے والے صدر

سپاہ صحابہؓ کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔ اجلاس کے خاتمہ پر تمام عہدیداران وراہنما ایک نئے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ عزم کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ اب اسلام آباد کی سرزمین پر جھنگوی شہید کے مشن کا نعرہ بلند کر کے ہی گھروں کو واپس لوٹیں گے۔

یہی وہ جذبہ صادق تھا کہ جس نے چند دنوں کے اندر اندر انٹرنیشنل حق نواز کانفرنس کے انتظامات، اعلانات، نشرواشاعت کے کام کو اس سطح پر پہنچادیا کہ دشمن اور حکمران حیران و پریشان ہو کر رہ گئے۔

میاں شہباز شریف اور وفاقی وزیر داخلہ سے ملاقات

انٹرنیشنل حق نواز شہید کی تیاریاں عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ قافلے اپنے اپنے شہروں سے اسلام آباد کی طرف روانہ ہونے کو تھے۔ اسلام آباد میں کانفرنس کے انتظامات کے لئے سامان وغیرہ پہنچادیا گیا تھا اور کارکن انتظامات کو آخری شکل دینے کو تیار ہی تھے کہ حکومت کی طرف سے کانفرنس کی اعلانیہ اور کھلی مخالفت کی کاروائیاں تیز ہو گئیں۔ راولپنڈی کی دیواروں سے چاکنگ پر چونا پھیرنے، بینر اتارنے، پرچم کھینچنے اور پوسٹر پھاڑنے کے ساتھ ساتھ اسلام آباد لال کوارٹرز گراؤنڈ میں پولیس کا پہرہ لگادیا گیا اور اسلام آباد میں ہر قسم کے جلوس کے داخلے پر پابندی عائد کردی گئی۔

حکومت کے ان اقدامات سے کارکنوں میں سخت اشتعال کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آجائے۔ چنانچہ چیئرمین سپریم کونسل مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ قائد سپاہ صحابہؓ حضرت فاروقی ولی کامل الشیخ عبدالحفیظ مکی کی تھوڑی سی کوشش سے وفاقی وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین اور وزیراعظم میاں نواز شریف کے بھائی میاں شہباز شریف کے ساتھ ملاقات یکم جون سہ پہر کے وقت طے ہوئی۔

وقت مقررہ پر وزیر اعظم ہاؤس (سابقہ سندھ ہاؤس) میں ان ہر دو حضرات سے کئی گھنٹے مذاکرات کا سلسلہ چلا۔ ان کی طرف سے اولاً تو کانفرنس کا پروگرام ہی منسوخ کرنے کا مطالبہ سامنے آیا اور خرچ اخراجات جو ہو چکے تھے۔ ان کی ادائیگی حکومت کی طرف سے کرنے کی پیش کش کی گئی لیکن ہماری طرف سے کہا گیا کہ ایسی بات تو آپ سوچیں بھی نہیں پھر کہا گیا کہ آپ لیاقت باغ میں جلسہ کرلیں کیونکہ اسلام آباد میں کسی صورت بھی ہم اجازت دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ یہ انٹرنیشنل شہر ہے اور تمام ممالک کے سفارتخانے یہاں ہیں اس لئے ہم کسی صورت یہ رسک نہیں لے سکتے ہیں۔ یہاں آج آپ جلسہ کریں کل کوئی اور گروہ آجائے۔ ادھر ہمارے وفد کے تمام ارکان بھی ڈٹے ہوئے تھے کہ اب تو یہ کانفرس نہ صرف طے ہو چکی ہے بلکہ اس کی تمام تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں اگر آپ نے پہلے یہ تجاویز پیش کی ہوتیں تو ہم ضرور ہمدردانہ غور کرتے۔ لیکن اب صرف 12 گھنٹے قبل ہمارے لئے پروگرام تبدیل کرنا خود ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ مذاکرات میں کہیں کہیں تلخی بھی ہوئی لیکن مجموعی طور پر خوشگوار ماحول رہا ایک بات ان مذاکرات میں سامنے آئی اور آئندہ کے لئے تجربہ کے طور پر ذہن میں رہی وہ یہ تھی کہ حکام کے ساتھ مذاکرات کے موقعہ پر کسی سرکاری ملازم کو اپنی حمایت میں ساتھ نہیں رکھنا چاہیے۔ خصوصاً سرکاری مساجد کے خطباء یا اوقاف کے ملازمین کیونکہ ان مذاکرات میں سرکاری خطباء جو بڑی بھاری بھرکم شخصیات کے مالک ہیں۔ ایسی ایسی باتیں کرتے رہے کہ میری عقل دنگ رہ گئی۔ مذاکرات میں شرکت ہماری طرف سے کر رہے تھے اور باتیں ساری حکومت کی حمایت میں کرتے چلے جاتے تھے۔ انہوں نے تو ایک مرتبہ کانفرنس کے راولپنڈی ہی میں انعقاد پر اس قدر ہم پر زور دیا کہ خود ہم پریشان ہو کر رہ گئے۔ بعد میں تجربہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ سرکاری ملازم، سرکار کا وفادار پہلے ہوتا ہے باقی وفاداریاں دوسرے نمبر پر رہتی ہیں۔ خدا خدا کر کے شام کے وقت کئی شرائط و پابندیوں

کے بعد مرکزی لال مسجد کے متصل کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت مل گئی۔ اجازت کی خوشی میں تمام ساتھی ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے تاہم چند نوجوانوں کا اصرار تھا کہ لال کوارٹر گراؤنڈ میں کانفرنس ہونا چاہیے مگر انہیں سمجھانے میں زیادہ وقت پیش نہ آئی۔

کچھ دیر چپ رہیں ابھی صحن چمن میں گل
موسم کرے گا آپ بہاروں پہ تبصرہ

اسلام آباد میں پہلی عظیم الشان انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس

حکومت سے مذاکرات کے بعد صرف 12 گھنٹے قبل مرکزی جامع مسجد لال کے متصل کانفرنس کی اجازت کے باضابطہ مل جانے سے تمام ساتھیوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے اور ایک بڑا خطرہ ٹل گیا۔ ورنہ حکومت کی طرف سے دفعہ 144 کے نفاذ اور پابندیوں کے اقدامات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہزاروں ساتھیوں کو دوپہر ہی سے اسلام آباد کے مختلف مراکز میں بھیج کر وقت مقررہ پر کانفرنس کی جگہ اکٹھے ہونے کی ہدایت دے کر روانہ کر دیا گیا تھا اور کانفرنس کی اجازت دینے پر حکومت کے مجبور ہو جانے کا ایک بڑا باعث یہ بھی تھا کہ ان کی خفیہ ایجنسیاں انہیں ان تمام تیاریوں سے آگاہ کر چکی تھیں۔ دیر سے اجازت ملنے پر بھی اطمینان کا سانس لیا گیا اور کارکنوں کو کانفرنس کے انتظامات کرنے کا حکم ملا۔ راتوں رات سینکڑوں کارکنوں نے مرکزی جامع مسجد لال کے سامنے روڈ پر اسٹیج بنانے اور ٹینٹ کھڑا کر کے قناتوں سے مہمانان خصوصی کی نشستوں، پریس کی گیلریوں وغیرہ کی سیٹنگ اس انداز میں کر دی کہ صبح جب اعلیٰ حکام نے پورا روڈ بند پایا اور روڈ پر کانفرنس کا سٹیج بنا دیکھا تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ میری ڈیوٹی یکم جون شام کے وقت ہی ایس۔ ایس۔ پی راٹھور کے ساتھ لگا دی گئی تھی کہ ان کے ہمراہ جلوسوں کے آنے والے راستوں کے انتظامات کا جائزہ لوں۔ رات گئے تک تمام سرکاری ملازمین کی ڈیوٹیاں

لگوانے کے بعد میں نے واپس "قائد سپاہ صحابہ" کو تمام کارگذاری سنائی۔ صبح کے وقت انہی افسران نے مجھ سے رابطہ کیا کہ آپ نے یہ کیا کر دیا ہے؟

میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگے آپ نے تو روڈ پر اسٹیج لگا کر تمام روڈ بند کر دیئے ہیں جبکہ ہماری اطلاع کے مطابق کانفرنس لال مسجد کے متصل دوسری طرف منعقد کرنا تھی۔ میں نے کہا بس اب اس بحث کو جانے دیں اور آپ لوگ آنے والے جلوسوں کے انتظامات کا جائزہ لیں۔

کانفرنس کے مقررین اور مہمانان خصوصی

کانفرنس کی دو نشستیں ہوئیں جن میں قائد جمعیت مولانا سمیع الحق صاحب، سینئر حافظ حسین احمد، ممبر قومی اسمبلی، مولانا علی اکبر، ممبر قومی اسمبلی عطاء محمد قریشی، سید امیر حسین گیلانی، مولانا علی شیر حیدری، مولانا محمد حنیف جالندھری، مولانا بشیر احمد گولڑوی نے پہلی نشست میں خطاب کیا اس نشست کا آخری خطاب کرنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔ جبکہ صدارت الشیخ عبد الحفیظ مکی نے کی۔

دوسری نشست جو ظہر سے عصر تک جاری رہی۔ اس میں مولانا محمد ضیاء القاسمی کے علاوہ کئی سیاسی ومذہبی شخصیات کا خطاب ہوا اور آخری معرکۃ الاراء خطاب قائد سپاہ صحابہ" علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی کا تھا۔ بلاشبہ آپ کا خطاب ایک الہامی خطاب تھا۔ اس خطاب کے ایک ایک لفظ پر اسٹیج پر بیٹھے ہوئے سیاستدان اور مذہبی سکالر جھوم جھوم جاتے تھے۔ آپ نے امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلہ میں خلافت ورلڈ آڈر کا اعلان کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت عالم اسلام کی بقاو سلامتی اس بات میں ہے کہ وہ خود کو خلافت کے نظام سے منسلک کرلیں۔ نظام خلافت کے قیام سے ہی ہم دنیائے کفر کے تمام چیلنجوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں بچاس اسلامی ممالک موجود ہیں۔ دنیا کی قیمتی ترین

دولت۔ سونا، پٹرول، پام آئل، قیمتی پتھر اور مالی وسائل سے عالم اسلام مالا مال ہے۔ آج ہمارے افتراق و انتشار کے باعث امریکہ اور روس جیسی قوتیں ہمارے وسائل پر قابض ہو رہی ہیں۔ عالم اسلام کو اقوام متحدہ جیسے یہودیت و عیسائیت کے مقاصد پورے کرنے والے ادارہ سے لاتعلق ہو کر اسلامی اسمبلی تشکیل دینی چاہیے۔ جہاں تمام اسلامی ممالک اور ریاستوں کے نمائندے مل بیٹھ کر اپنی قسمت کا فیصلہ خود کیا کریں اور اپنے وسائل اپنے کمزور بھائی ممالک پر خرچ کریں۔ انہوں نے کہا پاکستان کے پاس افرادی قوت ہے۔ سعودیہ کے پاس پٹرول ہے۔ کویت اور عرب امارات سیال سونے سے مالا مال ہیں۔ انڈونیشیا، ملائیشیا کے پاس ربڑ کے ذخائر ہیں۔ افغانستان میں قیمتی پتھروں کی کانیں ہیں۔ کسی ملک میں تانبہ ہے تو کسی کے پاس لوہا ہے۔ اگر اسلامی ممالک باہم تجارت کو فروغ دیں اور ایک مشترکہ اسلامی فوج ترتیب دیں تو یہ دنیا کی سب سے بڑی فوجی قوت ہوگی۔ ہمیں اپنے مشترکہ وسائل سے ایٹمی میدان میں مل کر ترقی کرتے ہوئے امریکہ اور روس کی اجارہ داری کو ختم کرنا ہوگا۔

انہوں نے کہا جھنگوی شہید کا مشن آفاقی مشن ہے۔ ہماری جنگ ہر اس طبقہ اور گروہ سے جو اسلام اور مسلمانوں کا استحصال کر رہا ہے۔ ہم آئینی جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم نے اپنے نمائندہ ایثار القاسمی کو منتخب کرا کر اسمبلی میں بھجوایا لیکن انہیں چند ماہ بعد ہی راستہ سے ہٹانے کی ناپاک سازش کر کے شہید کر دیا گیا۔ لیکن ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے اور اسمبلی کے درمیان اب زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ایک وقت آئے گا جب اس اسمبلی میں اصحاب رسولؐ کے دشمن کے لئے قانون سازی ہوگی۔

کانفرنس میں شاعر انقلاب طاہر جھنگوی نے خوبصورت نظم پیش کی۔ جس سے کارکنوں میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا ہو گیا۔ ان کی نظم کے بعض مندرجہ ذیل مصرعے بہت ہی پسند کئے گئے۔ :

ہم امن و سکون کے داعی ہیں ہر ظلم مٹا کر دم لینگے
کیوں سنی ہے مظلوم یہاں ہم حق دلوا کر دم لینگے

شیعہ تو قرآن کا منکر ہے کیوں اسکو مسلمان کہتے ہو
کافر کے منہ سے مسلم کا پردہ ہٹوا کر دم لینگے

بے جرم شہید ہوا جھنگوی ایثار بھی تم نے چھین لیا
ہم اک اک خون کے قطرہ سے طوفان اٹھا کر دم لینگے

جھنگوی کے پاک مشن کے لئے ہم باندھ چکے ہیں سر پہ کفن
یا مشن مکمل کریں گے یا جان لٹا کر دم لینگے

قائد سپاہ صحابہؓ کی تقریر کے اختتام کے بعد میں نے کارکنوں اور شرکاء کانفرنس کو ڈسپلن کا انوکھا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر دعا میں شامل ہونے کی تلقین کی چنانچہ تاحد نظر انسانوں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر بیٹھ گیا۔ اس پر میں نے سب سے وعدہ لیا کہ وہ جس طرح پر امن طور پر اسلام آباد میں داخل ہوئے ہیں اسی طرح پر امن واپس چلے جائیں اگر کسی کی گاڑی کا ٹائر بھی پنکچر ہو تو وہ اسلام آباد سے باہر جا کر لگوائے۔

نماز مغرب کے وقت اسلام آباد کے اعلیٰ افسران شکریہ ادا کرنے کے لئے آئے اور کہا جس ڈسپلن کے ساتھ آج کی کانفرنس کے اختتام پر آپ کے کارکنوں نے اسلام آباد سے واپسی کی ہے۔ ہم نے اپنی سرکاری سروس کے دوران اس طرح کے عوامی اور جماعتی سطح پر ڈسپلن کا مظاہرہ نہیں دیکھا۔

○

قومی اسمبلی کے الیکشن کے لئے میری نامزدگی

انٹر نیشنل حق نواز شہیدؒ کانفرنس کی زبردست کامیابی کے بعد 22 جون 1991ء کو مسجد حق نواز شہید کی چھت پر سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس عاملہ اور جھنگ کے ممتاز علماء کرام، خطباء عظام اور تاجران شہر و معززین کا ایک نمائندہ اجلاس ہوا۔ جس میں ملکی صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور جھنگ کے موجودہ مخصوص حالات پر گفت و شنید ہوئی۔ 6 مئی کو جھنگ کے ایڈیشنل سیشن جج میاں عبداللطیف کی طرف سے مولانا حق نواز شہید کے چار نامزد قاتلوں میں سے طاہر حسین اور محمد نواز کو سزائے موت اور فیض اللہ عرف کاکالی و کاظم حسین کو عمر قید کی سزا سنائے جانے پر اطمینان کا اظہار کر لیا گیا۔ تاہم اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا کہ حکومت نے اصل سازشی عناصر اور ایف۔ آئی۔ آر میں نامزد شیعہ لیڈروں اور جھنگ کے جاگیرداروں کو نہ صرف شامل تفتیش تک نہیں کیا بلکہ ان کے خلاف کسی قسم کی بھی کارروائی نہیں کی گئی۔ 19 مئی کو یوسف مجاہد کی طرف سے بیگم عابدہ حسین کے بیانات کا نوٹس لینے پر عدالت میں دائر کردہ دعویٰ کی تفصیلات بھی اجلاس کو بتائی گئی اور 2 جون کی انٹر نیشنل کانفرنس کی کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا۔

10 جون کو ایک طرف ایہ کے صدر مولانا عبدالصمد آزاد شہید کے واقعہ قتل پر سخت غم و غصے کا اظہار کرنے کے علاوہ 10 جون کو جھنگ سٹی میں محمد انور عرف انو کو پولیس کی طرف سے بہیمانہ انداز میں بے ہوش کر کے مارنے اور پھر اس کے مردہ جسم پر گولیاں داغنے کے ناپاک اقدام کی مذمت کی گئی۔

ان تمام امور کے بعد اجلاس کے اہم ایجنڈے پر بحث و تمحیص شروع ہوگئی۔ ایجنڈا یہ تھا کہ مولانا ایثار القاسمی شہید کی شہادت سے خالی ہونے والی قومی اسمبلی و صوبائی اسمبلی کی سیٹوں پر ہمارے امیدوار کون ہوں گے تو صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر چونکہ میاں اقبال

حسین پہلے ہی سے نامزد تھے اور دس جنوری کو انہی کے لیے ووٹنگ ہو رہی تھی کہ مولانا ایثار القاسمی کی شہادت کا الم ناک سانحہ پیش آگیا۔ لہٰذا اس سیٹ پر اب بھی وہی متفقہ امیدوار قرار پائے۔ قومی اسمبلی کی سیٹ پر نامزدگی کے لئے ہر طرف سے میرا نام تو آرہا تھا لیکن اس بات پر زور دیا جا رہا تھا کہ میں اب کراچی سے اپنے بچوں کو جھنگ لے آؤں اور اپنا اکثر وقت جھنگ کے عوام کے لیے وقف کر دوں۔

احباب کے سخت اصرار اور جھنگ کے مخصوص حالات کے تقاضہ کے پیش نظر مجھے ان کا مطالبہ ماننے پر راضی ہونا پڑا۔

کراچی سے جھنگ ہجرت اور اہل کراچی کی والہانہ محبت

"بالآخر وہی ہوا جس کا ہمیں خدشہ تھا۔ اگر یونہی چھوڑ کر جانا تھا تو یہاں جامع مسجد صدیق اکبرؓ کو مرکز سپاہ صحابہؓ کس لئے بنایا تھا؟ ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ آپ جھنگ جا کر پھنس جائیں گے مگر آپ ماننے کو تیار نہ تھے۔ اب جب آپ بچوں کو بھی ساتھ لے جارہے ہیں تو پھر لگتا ہے آئندہ سالوں اور مہینوں بعد ہی ملاقات ہوا کرے گی۔" یہ وہ شکایات اور شکوے تھے جو مسجد صدیق اکبرؓ میں تربیتی کنونشن میں شریک ہر اس شخص کی زبان پر تھے۔ جسے میری کراچی سے جھنگ ہجرت کر جانے کی خبر تھی لیکن میرے پاس اس کا ایک ہی جواب تھا کہ اے اہل کراچی! میں کبھی تم سے جدا نہ ہوتا اور ایک لمحہ بھی اس جدائی کا تصور نہ کرتا کیونکہ میں تو خود مولانا حق نواز شہید کو دعوت دیا کرتا تھا کہ وہ کراچی ایسے بین الاقوامی شہر میں مستقل ڈیرے ڈال دیں تاکہ دنیا بھر میں مشن سپاہ صحابہؓ کو تیزی سے اجاگر کیا جاسکے۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ شہیدین قائدین کا شہر اور اس کی وہ مٹی جس میں جھنگوی و قاسمی آرام کر رہے ہیں۔ مجھے پکار رہی ہے۔ میں ہر ایک کو انکار کر سکتا ہوں مگر جھنگوی و قاسمی کے محراب و منبر کو کیسے انکار کردوں۔

میں جانتا ہوں کہ بظاہر میں کراچی جیسے پر بہار گلشن کو چھوڑ کر بچوں سمیت جھنگ کے پر آشوب اور ہنگاموں کی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھرے شہر میں کود رہا ہوں۔ لیکن مجھے اب اس شہر کو پھر سے امن کا گہوارہ بنانا ہے۔ جن لوگوں کا امن و سکون اور چین دشمن نے صرف اس وجہ سے چھین لیا کہ انہوں نے جھنگوی و قاسمی کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ مجھے اب اس شہر کے وفا شعار لوگوں کو حکومت اور سیاسی وڈیروں کے پالتو انسان نما درندوں سے محفوظ کرنا ہے۔ یہ بات کوئی ذہن میں مت لائے کہ میں اسمبلی کی رکنیت اور ممبری کی خواہش میں کراچی چھوڑ رہا ہوں۔ کراچی کے حالات اس وقت اس مقصد کے لئے سازگار ہیں جبکہ جھنگ میں زندگی ہر وقت موت کے سائے میں رینگتی ہے میں جس مصلیٰ پر کھڑے ہونے کا فیصلہ کر چکا ہوں وہ مصلیٰ دنیا بھر کے دشمنان اسلام کی نظروں میں کھٹکتا ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھے بھی دشمن چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ مگر ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے قائدین کی مسند کو لاوارث نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ میرے ان الفاظ نے جو دل کی گہرائیوں سے نکل کر ساتھیوں کے دلوں پر اتر رہے تھے۔ کارکنوں کی ایک بڑی تعداد کو اس طرح ہلا کر رکھ دیا کہ وہ روتے بھی جاتے تھے اور میرے فیصلے کو سراہتے بھی جاتے تھے وہ ایک طرف میری جدائی پر دل گرفتہ بھی تھے تو دوسری طرف اپنے مرکز کی نگرانی اور قائدین کے محراب و منبر کے آباد و شاد رکھنے کے اس فیصلہ پر مطمئن بھی۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ ہر انگریزی مہینہ کا آخری جمعہ میں کراچی پڑھایا کروں گا۔ مگر وقت نے پھر اس وعدہ کے ایفاء کا بھی نہ چھوڑا۔

جینا پڑا ہے وقت کی رفتار دیکھ کر
بیٹھے کہیں نہ سایہ اشجار دیکھ کر

○

دورہ افغانستان کی یادیں، افغانستان کا مختصر پس منظر اور جہاد افغانستان کا تعارف

سرزمین افغانستان اپنی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت سے ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ پہلی صدی ہجری میں ہی جب یہاں اسلام کی کرنیں روشنی کا پیغام لے کر آئیں تو یہ سرزمین اسلامی لشکروں اور قافلوں کا مسکن بن گئی۔ یہی وہ سرزمین ہے جس پر انگریز جیسے عیار اور روس جیسے دین دشمن کو بھی قدم جمانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ٹیپو سلطان کا دور ہو یا سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جہاد برصغیر کے مسلمانوں کی نظریں سکھوں، انگریزوں، مرہٹوں اور ہندو راجاؤں کے ظلم کا شکار ہونے کے بعد ہمیشہ اس علاقہ افغانستان کی طرف ہی اٹھتی رہیں۔ تاکہ وہاں سے کوئی نجات دہندہ آئے اور تخت دھلی پر جلوہ افروز ہو کر اسلام کا سکہ رائج کرے۔ برصغیر سے انگریز کے جاتے ہی اس خطہ پر روس کی للچائی ہوئی نظریں پڑنے لگیں تو آہستہ آہستہ کمیونسٹ سرخ انقلاب افغانستان کے دروازے پر پہنچ گیا اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے افغانستان کی حکومت پر روس نواز لادین کمیونسٹ قابض ہو گئے۔ علماء افغانستان نے اس روسی انقلاب کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور جہاد کا راستہ اپنانے کا فیصلہ کر کے میدان میں اتر پڑے۔ کلہاڑیوں، لاٹھیوں سے شروع ہونے والا یہ "جھگڑا" پھر دنیا بھر میں مجاہدین افغانستان کے جہاد کے نام سے متعارف ہو گیا۔ پاکستان کے علماء کرام اور دینی مدارس کے طلباء نے اپنے افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ جہاد میں حصہ ڈالنا شروع کر دیا تو حکومت پاکستان نے مہاجرین افغانستان کے سر پر دست شفقت رکھ کر اپنی بساط سے بڑھ کر خدمت کی۔ اس جہاد میں ایک اندازہ کے مطابق سولہ لاکھ انسانوں نے قربانی پیش کی اور آہستہ آہستہ افغانستان کے علاقے روس اور اس کے مسلح حواریوں سے آزاد ہونا شروع ہو گئے۔

پاکستان سے ویسے تو دوسری نیم سیاسی و دینی جماعتوں کی توجہ انہوں نے گلبدین

حکمت یار افغان کمانڈر کے زیر قیادت جہاد میں حصہ لیا لیکن سب سے بڑی تعداد مسلک دیوبند کے اساتذہ و طلبہ کی تھی۔ جو ملا جلال الدین حقانی' پروفیسر عبدالرسول سیاف' محمد نبی محمدی جیسے افغان راہنماؤں کی زیر قیادت اپنی پاکستانی جہادی تنظیمیں حرکتہ الجہاد الاسلامی۔ اور حرکتہ المجاہدین۔ جمعیت المجاہدین کے پلیٹ فارم سے میدان کارزار میں مصروف تھی۔ پاکستان کے ان مجاہدین نے ہر مقام پر جرأت و بہادری اور دلیری و جوانمردی کے ایسے نقوش ثبت کئے کہ جنہیں عرصہ تک یاد رکھا جائے گا۔

خود افغان قوم کے مجاہدین کے بارے میں تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ان کا تعلق کہیں مخالفت روس نواز گروپ سے نہ ہو کیونکہ ان کی باہم شناسائی اور تعلقات تو تھے ہی لیکن عرب مجاہدین ہوں یا پاکستان کے مدارس سے جنگال بُرما کے طلبہ یا پاکستانی علاقوں کے نوجوان۔ ان پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جاتا تھا کہ ان سے کسی قسم کی خیانت کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔

مجھے خود ذاتی طور پر 1988ء میں افغانستان کے جہاد میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہو چکی تھی پھر 1990ء کے آخری مہینوں میں خوست کے محاذ جنگ پر وقت گذارنے کا موقع مل چکا تھا۔ اس لیے قلبی طور پر افغانستان کے جہاد سے ایک تعلق اور رشتہ استوار تھا۔ 1991ء میں جب خوست فتح ہو گیا تو حرکتہ المجاہدین کے امیر مولانا فضل الرحمٰن خلیل صاحب اور کمانڈر عبدالجبار کی خصوصی دعوت پر افغانستان کے تین روزہ دورہ کا پروگرام تشکیل دیا گیا۔

8 جولائی کو براستہ میران شاہ ہم افغانستان میں داخل ہوئے اور کوئٹ ہسپتال کے پڑوس میں حرکتہ المجاہدین کے دفتر میں کچھ دیر آرام کیا پھر افغانستان کی طرف سفر ہوا۔ پہلے روز ہمارا استقبال "باور" کی مشہور فوجی چھاؤنی میں بڑے پرتپاک انداز سے ہوا۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں مجاہدین نے فضا میں اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے

بلند کرنے کے ساتھ ساتھ راکٹ لانچر داغ کر اور کلاشنکوف کے برسٹ نکال کر کیا۔ استقبال کے اس انداز سے ہی یہ بات عیاں ہو رہی تھی کہ میدان جہاد میں غازی کی اذان اور ہے اور مسجد میں ملا کی اذان اور ہے۔ بقول اقبال۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن!
ملا کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

"یاور" چھاؤنی میں افغان کمانڈروں اور راہنماؤں سے ہماری ملاقاتیں ہوئیں۔ انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اور بتایا کہ سپاہ صحابہؓ کے کارکن جتنے جوش و جذبہ کے ساتھ یہاں ٹریننگ کے مشکل ترین مراحل طے کر کے محاذ جنگ پر نمایاں کارنامے سرانجام دیتے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ ہم سوچتے رہتے تھے کہ اس جماعت کے لیڈران نے آخر ان نوجوانوں کو کیسے نشے میں مبتلا کر دیا ہے کہ ان کا جنون لحہ بہ لحہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ہم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا دراصل سپاہ صحابہؓ کی قیادت عمل پر یقین رکھتی ہے اور جو بات منہ سے کہتی ہے۔ اس کی صداقت کو منوانے کے لیے پہلے خود اپنے خون کا نذرانہ پیش کرتی ہے۔

"یاور" میں ہمیں ریڈیو سٹیشن کا معائنہ کرایا گیا اور بلند و بالا پہاڑوں میں کھودی گئی لمبی لمبی سرنگوں میں لے جا کر مجاہدین کی رہائشی بارکیں' اسلحہ کے ڈپو اور جنگی قیدیوں کے لیے بنائی گئیں بارکیں۔ ٹریننگ سنٹر کے مختلف مخصوص حصے دکھائے گئے۔ جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مجاہدین نے کیسی لمبی منصوبہ بندی اور مضبوط قدموں پر اپنا سفر جاری رکھا ہوا ہے۔

اگلے روز ہمارا قافلہ جو کہ قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی کی قیادت میں دس سے زائد افراد پہ مشتمل تھا۔ حرکۃ المجاہدین کے کمانڈر عبدالجبار کے ہمراہ "لیزا"

سے ہوتا ہوا خوست پہنچا۔ خوست شہر جو کہ چاروں طرف سبز درختوں میں ڈھکا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ کھنڈرات کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ شاید ہی کوئی مکان ایسا ہو جسے کسی گولی، بم یا راکٹ لانچر نے زخمی نہ کیا ہو۔ بازاروں میں دکانیں ٹوٹی پھوٹی چھتیں گری ہوئی اور دروازے غائب تھے۔ ہمیں سابق گورنر کے محل میں لیجایا گیا تو ایسے لگا جیسے کسی کباڑ خانے میں آ پہنچے ہیں۔ کسی کھڑکی کا کوئی شیشہ اور دروازے کی کوئی لکڑی اپنی صحیح حالت پر نہ تھی اور یہ محل اپنے کیمونسٹ مکینوں کے زوال کی داستان زبان حال سے بیان کر رہا تھا۔ پھر ہمیں اسلحہ کے بڑے بڑے ڈپو دکھائے گئے جو جہاد کی برکت سے مجاہدین کے قبضے میں آ چکے تھے۔ اور خوست کے بلند و بالا قلعہ پر لیجایا گیا جہاں طیارہ شکن توپیں نصب تھیں۔ فضاء میں ہر طرف بارود کی مہک رچی ہوئی تھی اور گولیوں کے خول بکھرے پڑے تھے۔ بڑے بڑے بموں کے بے شمار خول ٹوٹے ہوئے پائپوں کی طرح چاروں طرف بکھرے پڑے تھے جو اس حقیقت پر گواہی دے رہے تھے کہ خوست میں موجود روس اور اس کے حواریوں نے کلاشنکوف سے مسلح پیدل آنے والے مجاہدین کی راہیں روکنے کے لئے بے دریغ اور بے حساب فائر کیے تھے لیکن یہ توپوں کے گولے اور ٹینکوں پر لگے ہتھیار بھی مجاہدین کا راستہ نہ روک سکے۔

گردیز کے محاذ جنگ پر ایک رات

خوست کے مفتوحہ شہر کو دیکھ کر جہاد کے جذبات بیدار ہوئے تو وفد کے شرکاء نے گردیز کے محاذ جنگ پر پہنچ کر اگلے مورچوں میں موجود مجاہدین کے ساتھ وقت گزارنے پر اصرار کیا۔ کمانڈر صاحب نے ہر چند وہاں کے خطرناک حالات سے آگاہ کر کے اس جذبہ کو سرد کرنے کی کوشش کی لیکن میرا اور ساتھیوں کا اصرار بڑھتا گیا اور یہ قافلہ سہ پہر عصر سے قبل خوست سے گردیز جانے والی شاہراہ پر گامزن ہو گیا۔ اگر چہ یہ شاہراہ بڑی مضبوط او ...

خوبصورت تھی لیکن ہر دو چار فرلانگ پر بم دھماکوں کے اثرات سے تباہ ہوئی پڑی تھی۔ رات کے سناٹے اور تاریکی میں گردیز کے محاذ جنگ کی طرف گاڑیوں کی لائٹیں بند کر کے بڑھتے گئے۔ اور پھر گاڑیوں سے اتر کر پہاڑوں پر موجود مورچہ نما مکانات میں (جو خستہ حالت میں اکا دکا کہیں کہیں بنے ہوئے تھے) چلے گئے۔ مجاہدین کو جیسے ہی ہمارے پہنچنے کی خبر ملی تو فرط مسرت سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ رسم میزبانی ادا کرنے کے لئے مجاہدین نے ہانڈیاں اینٹوں کے چولہوں پر رکھ کر آگ جلادی تاکہ قہوہ تیارہ کر کے سوکھی روٹی کے ساتھ ہماری مہمان نوازی کریں۔ آگ کا جلنا تھا کہ فضا میں دشمن کے طیاروں کی گونج سنائی دینے لگی اور ساتھیوں نے چولہے بجھا کر اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ اور ہم نے ٹھنڈے قہوے ہی کے ساتھ ماحضر تناول کیا اور دشمن کی کاروائی دیکھنے لگ گئے۔

دشمن طیارے اندھیرے ہی میں بم باری کر کے اپنے اندرونی خوف کا اظہار کر رہے تھے۔ اس بات سے وہ بھی باخبر تھے کہ بموں سے پہاڑوں کے چند پتھروں کے اڑنے کے سوا کوئی نقصان نہ ہو گا۔ لیکن ڈرے ہوئے سانپ کی طرح پھنکار کر مجاہدین کو مرعوب کرنے کی ناکام کوشش ان کے فرائض میں شامل تھی۔

خوبانیوں کا شوق اور طیاروں کا حملہ

اگلے روز گردیز سے واپسی پر راستے میں خوبانیوں کا باغ نظر آیا تو ساتھیوں نے پکی خوبانیوں سے لطف اندوز ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جسے مان لیا گیا۔ ابھی ہم گاڑیاں روڈ پہ کھڑی کر کے خوبانیاں توڑنے میں مصروف تھے کہ دشمن کے بمبار طیارے سر پر آپہنچے۔ کمانڈر کی ہدایت پر سب ساتھی زمین پر اوندھے منہ لیٹ گئے اور بم دھماکوں پر کلمہ کا ورد شروع کر دیا۔ ایسے لگا کہ اب ہم میں سے اکثر ساتھی شہادت کے سفر پر جاپہنچے ہیں۔ لیکن طیاروں کی واپسی پر سبھی اپنی اپنی جگہ سے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ

نے بال بال حفاظت فرمائی۔ حضرت فاروقی فرمانے لگے اب چلو خوبانیوں کا مزہ خوب چکھ لیا ہے۔ میں نے کہا جو ہونا تھا ہو گیا اب خوبانیاں تو سیر ہو کر کھانی لینی چاہییں۔ چنانچہ خوبانیاں جی بھر کر کھائیں اور واپس ٹریننگ سینٹر پہنچ گئے۔ رات وہاں گذاری اور اگلی صبح وطن واپسی ہوئی۔

افغانستان سے واپسی پر چنیوٹ سے پر تشدد گرفتاری

11 جولائی کو جب واپس ہمارا قافلہ ہوں پہنچا تو روزنامہ جنگ لاہور پر نظر پڑی جس کے پہلے صفحہ پر سب سے اوپر یہ سرخی ہمارا خیر مقدم کر رہی تھی کہ "حکومت پنجاب نے محرم سے قبل مولانا ضیاء الرحمان فاروقی اور مولانا اعظم طارق سمیت سپاہ صحابہؓ کے مرکزی راہنماؤں کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور گرفتاریاں آئندہ چوبیس گھنٹوں میں شروع ہو سکتی ہیں۔" اس خبر سے حکومت کے ناپاک عزائم سامنے آچکے تھے۔ بعض احباب نے مشورہ دیا کہ محرم کے ایام افغانستان میں گزار لئے جائیں یا کم از کم پنجاب میں رہائش نہ رکھی جائے لیکن قائد محترم اور میرا فیصلہ یہی تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو ہمیں واپس جھنگ پہنچنا ہے۔ کیونکہ 11 جولائی کو میں نے چنیوٹ میں شہداء مدینہ کانفرنس میں خطاب کا وقت دے رکھا تھا اور حضرت فاروقی نے چک جھمرہ میں شان علی المرتضیٰ کانفرنس میں خطاب کرنا تھا۔ چنانچہ طے پایا کہ ڈیرہ اسماعیل خان سے آگے کا سفر حلیہ بدل کر موٹر بس کے ذریعہ کیا جائے تاکہ جھنگ پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

چنانچہ قائد محترم نے چشمہ اتار کر ایک سفید کپڑے کی پگڑی باندھ لی اور سیٹ پر بیٹھتے ہی سو گئے۔ میں نے چشمہ اتار کر سر کے بال بے ڈھنگے طریقے سے بکھیر دیئے اور سفر شروع ہو گیا۔

پہنچتے میں پولیس کے تمام "ناکے" حسن و خوبی کراس ہوتے رہے۔ جھنگ پہنچ

خوبصورت تھی لیکن ہر دو چار فرلانگ پر بم دھماکوں کے اثرات سے تباہ ہوئی پڑی تھی۔ رات کے سناٹے اور تاریکی میں گردیز کے محاذ جنگ کی طرف گاڑیوں کی لائیٹیں بند کر کے بڑھتے گئے۔ اور پھر گاڑیوں سے اتر کر پہاڑوں پر موجود مورچہ نما مکانات میں (جو خستہ حالت میں اکا دکا کہیں کہیں بنے ہوئے تھے) چلے گئے۔ مجاہدین کو جیسے ہی ہمارے پہنچنے کی خبر ملی تو فرط مسرت سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ رسم میزبانی ادا کرنے کے لئے مجاہدین نے ہانڈیاں اینٹوں کے چولہوں پر رکھ کر آگ جلا دی تاکہ قہوہ تیارہ کر کے سوکھی روٹی کے ساتھ ہماری مہمان نوازی کریں۔ آگ کا جلنا تھا کہ فضا میں دشمن کے طیاروں کی گونج سنائی دینے لگی اور ساتھیوں نے چولہے بجھا کر اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ اور ہم نے ٹھنڈے قہوے ہی کے ساتھ ماحضر تناول کیا اور دشمن کی کاروائی دیکھنے لگ گئے۔

دشمن طیارے اندھیرے ہی میں بم باری کر کے اپنے اندرونی خوف کا اظہار کر رہے تھے۔ اس بات سے وہ بھی باخبر تھے کہ بموں سے پہاڑوں کے چند پتھروں کے اڑنے کے سوا کوئی نقصان نہ ہو گا۔ لیکن ڈرے ہوئے سانپ کی طرح پھنکار کر مجاہدین کو مرعوب کرنے کی ناکام کوشش ان کے فرائض میں شامل تھی۔

خوبانیوں کا شوق اور طیاروں کا حملہ

اگلے روز گردیز سے واپسی پر راستے میں خوبانیوں کا باغ نظر آیا تو ساتھیوں نے پکی خوبانیوں سے لطف اندوز ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جسے مان لیا گیا۔ ابھی ہم گاڑیاں روڈ پہ کھڑی کر کے خوبانیاں توڑنے میں مصروف تھے کہ دشمن کے بمبار طیارے سر پر آ پہنچے۔ کمانڈر کی ہدایت پر سب ساتھی زمین پر اوندھے منہ لیٹ گئے اور بم دھماکوں پر کلمہ کا ورد شروع کر دیا۔ ایسے لگا کہ اب ہم میں سے اکثر ساتھی شہادت کے سفر پر جا پہنچے ہیں۔ لیکن طیاروں کی واپسی پر سبھی اپنی اپنی جگہ سے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ

میری بے باکانہ گفتگو پر غصے میں بھرے بیٹھے تھے۔ بس انہوں نے ہم چاروں آدمیوں کو اپنے نرغے میں لے کر ہم پر مکوں، ڈنڈوں، ٹھڈوں کی بوچھاڑ کر دی اور مار مار کر ہمارے حلیئے بگاڑ دیئے پھر ہمیں حوالات میں بند کر دیا۔ اس موقع پر چنیوٹ کے حکیم خالد صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے اور فیصل آباد کا ساتھی عابد بھی ہمراہ تھا۔ ان کی بھی میری وجہ سے پولیس کے ہاتھوں تواضع ہو گئی۔ جب ہم حوالات میں پہنچے تو اپنے اپنے وجود کا جائزہ لیا۔ عجیب صورت حال تھی کسی کی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی تو کسی کا سر پھٹا ہوا تھا۔ کسی کی پشت سیاہ ہو رہی تھی تو کسی کا بازو زخمی تھا۔ میرے بھی بازوؤں پر زیادہ چوٹیں تھیں خاص طور پر ڈنڈوں کے نشان ابھرے ہوئے تھے۔

لطیفہ:- اس موقع پر جب میں نے فاروق بھٹی سے کہا بھائی صاحب کیسے رہے؟ تو انہوں نے ایک بڑی سی گالی کا تحفہ پولیس کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا یہ لوگ کتنے ظالم ہیں کہ مارتے وقت یہ بھی خیال نہیں کرتے انسان کی ہڈی پسلی تو نہ توڑیں۔ میری انگلی توڑ دی ہے اور یہ سارا ہاتھ سوج گیا ہے۔ اس پر ہم سب ہنس پڑے۔ پولیس ملازمین نے ہمیں ہنستے دیکھا تو اور طیش میں آ گئے کہنے لگے ابھی تمہیں زیادہ مار نہیں پڑی تبھی ہنس رہے ہو میں نے کہا تم نے تو اپنا دل ٹھنڈا کر لیا ہے اب ہمیں ہنس کر اپنا دل ٹھنڈا کرنے دو۔

کچھ ہی دیر گذری تھی کہ پولیس کی گاڑیاں آ گئیں اور ہمیں تھانہ صدر سے نکال کر دور دراز کے ویران علاقہ میں قائم تھانہ چوکی کانڈیوال لے گئیں اور بند کر دیا۔ ہم چھ ساتھی تھے جبکہ اس چھوٹے سے کمرے میں چھ سات آدمی ہم سے پہلے موجود تھے۔ حالت یہ ہو گئی کہ 13/12 آدمی کمرے میں میں ٹھیک طرح بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے اور قضاء حاجت کے لئے کوئی انتظام نہ تھا اور ادھر جولائی کا گرم موسم۔ بجلی کا پنکھا غائب، تین روز تک ہم اس جہنم نما تھانہ کی کوٹھڑی میں بند رہے اور یہ ایام جس قدر تلخ گذرے ان کی آج

تک یاد باقی ہے۔

جھنگ جیل آمد:- تیسرے روز ہمیں جھنگ جیل میں شام کے وقت لا کر بند کر دیا گیا۔ اس وقت بھی زخموں کی صورت حال یہ تھی کہ جیل حکام نے ہمیں لینے سے انکار کر دیا کہ ان کا علاج کرایا جائے لیکن میں نے کہا آپ ہمیں جیل میں رکھ لیں اور ان جلادوں سے جان چھڑائیں۔ ہم خود ہی علاج کر لیں گے۔

جھنگ جیل میں موجود مرکزی ساتھی طارق افضال اور کئی دوسرے احباب سے ملاقاتیں اگلے روز ہوئیں۔ کیونکہ پہلی رات ملاحظہ خانے کے مہمان رہے۔ جو جیل میں آنے والوں کے لئے پہلی رات کا میزبان کمرہ ہوتا ہے۔ نہ بجلی، نہ پانی، نہ روشنی، مچھر کی بھتات اور ہر طرف بدبو، جیل حکام نئے آنے والوں کو مرعوب کر کے ان سے مستقل آمدنی کا سلسلہ چلانے اور انہیں اپنے ڈھب پر چلانے کے لئے پہلی دو چار راتوں کی سلامی اس طرح دیتے ہیں پھر اگلے روز ہی کسی کو جھاڑو پکڑوا دیتے ہیں اور کسی کو ایسی مشقت کا کام دے دیتے ہیں کہ جسے سرانجام دینا ممکن ہی نہ ہو۔ آخر وہ قسمت کا مارا انسان جب اپنی مدد کے لئے کسی خوف خدا رکھنے والے شخص کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھتا ہے تو۔ بھیڑیئے زاہد و عابد اور غم گسار کا روپ دھار کر اسے کہتے ہیں "اچھا ٹھیک ہے تم عزت والے آدمی ہو ہم تم سے کام نہیں لیتے تم وعدہ کرو کہ گھر سے جب ملاقات آئے گی تو ہمیں دو ہزار یا تین ہزار (جیسی مرغی ہو) دے دینا۔ اس طرح یہ مصیبت کا شکار اپنی جان چھڑانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بس پھر جب اس کی ملاقات کا وقت آتا ہے تو یہ ملازم اس کے ساتھ ہی ملاقات کے شیڈ میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کی پسلیوں پر کچوکے لگا لگا کر کہتے ہیں کہ "پیسے مانگو پیسے" اور جونہی وہ اپنے گھر والوں سے پیسے لیتا ہے یہ فوراً اس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں۔

دنیا میں بڑے بڑے بے حس' پتھر دل انسانوں کو دیکھا سنا اور پڑھا ہے لیکن میرے جیل کے تین سالہ تجربہ نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جیل کے یہ ملازمین اور حکام اپنے سینوں میں دل نہیں بلکہ پتھر کی سل رکھتے ہیں اور پھر مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ کا ان کو مٹھا ہولوہ لقب یاد آجاتا ہے جو وہ اکثر ملاقات پر انہیں دیکھ کر فرماتے ہیں کہ !

"یہ جنسی دلرونے ہیں" جیل کے عنوان پر آگے تفصیل سے لکھوں گا کہ کس طرح نیچے سے لے کر اوپر تک سب حساب وکتاب کے مطابق کھاتے ہیں اور ہر ماہ چلے اور ملاقاتوں کی ڈیوٹیوں کی بولیاں لگتی ہیں جو زیادہ بولی لگادے ان لوٹ مار کے اڈوں پر ایک ماہ کے لیے ڈیوٹی لے لے۔

فیصل آباد جیل منتقلی اور رہائی

ابھی جھنگ جیل میں جماعتی ساتھیوں کے ہمراہ ہنسی خوشی دو دن ہی گزرے تھے کہ ملازم نے آکر کہا آپ کو ڈیوڑھی میں طلب کیا گیا ہے۔ شاید آپ کی رہائی ہے۔ میں نے کہا لیکن میرے ساتھیوں کی رہائی کے آرڈر کیوں نہیں آئے؟ میں اکیلا رہا نہیں ہوں گا۔ اس نے کہا آپ ڈیوڑھی چل کر یہی بات کریں۔ احباب نے کہا آپ کپڑے بدل لیں اور جوتا پہن لیں۔ میں نے کہا نہیں میں یہی ہوائی چپل پہن لیتا ہوں اور سر پر ٹوپی رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈیوڑھی پہنچے تو بتایا گیا کہ آپ کو ڈپٹی کمشنر صاحب نے بلوایا ہے۔ یہ کہتے ہوئے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنانا شروع کر دیں۔ اور باہر لا کر جیل کی گاڑی میں بند کر دیا اور گاڑی شہر سے نکل کر فیصل آباد کی طرف دوڑنا شروع ہو گئی۔ ادھر بیچارے جیل والے ساتھی باہم شکوہ کرنے لگے کہ کیسا لیڈر ہے جو بغیر ملے ہی رہا ہو گیا ہے۔ ادھر مجھے فیصل آباد جیل کے نیو سیل میں لا کر خطرناک قیدیوں' ڈاکوؤں اور قاتلوں کے پاس بند کر دیا گیا' اور مزید ظلم یہ کیا کہ باقی خطرناک قیدیوں کی طرح میری بھی "اڑتی" لگادی۔ اڑتی کا مطلب یہ ہے کہ صبح ایک نال

میں ہونگے تو شام کو سامان اٹھا کر دوسرے سیل میں بند ہونا ہوتا ہے۔ اس طرح آدمی کو روزانہ گھمایا جاتا ہے۔ کسی ایک جگہ سکون سے رہائش نہیں دی جاتی۔

تین چار دن کے بعد جھنگ میں خبر پہنچی کہ میں فیصل آباد جیل پہنچا دیا گیا ہوں۔ اس سے قبل باہر والے سمجھتے تھے کہ میں جھنگ جیل میں ہوں اور جیل والے سمجھتے تھے کہ میں رہا ہو گیا ہوں۔ پانچویں چھٹے روز فیصل آباد میں ملاقات آئی تو میں نے بتایا کہ میرے پاس پہننے کو کپڑے نہیں ہیں اور سونے کو بستر نہیں ہے۔ روزانہ نئے سیل میں اڑتی لگتی ہے جس کے باعث سخت پریشانی ہے۔ اس وقت مہر عمر دراز صاحب سپرنٹنڈنٹ تھے۔ انہوں نے اڑتی ختم کر دی۔ احباب نے بستر کپڑے بھجوا دیئے یوں ایک ماہ یہاں گذار کر 12 اگست کو ضمانت پر رہا ہوا۔ ابھی تک چونکہ میرے بچے کراچی ہی میں رہائش پذیر تھے۔ اس لئے اسی شام بذریعہ ہوائی جہاز کراچی روانہ ہو گیا۔

فیصل آباد جیل میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحبؒ، مولانا ضیاء القاسمی صاحبؒ، سید صادق حسینؒ شہید اور قائد محترمؒ کے علاوہ فیصل آباد کے دینی مدارس کے مدرسین اور طلبہ بڑی تعداد میں ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے۔

جھنگ میں میاں اقبال حسین کی شہادت

فیصل آباد سے رہا ہو کر 12 اگست 91ء کو کراچی پہنچا اور ابھی ایک روز ہی گذارا تھا کہ اگلی شب آٹھ نو بجے فون پر اطلاع ملی کہ جھنگ کے ممتاز سماجی سیاسی اور تاجر راہنما میاں اقبال حسین صاحب جو کہ 10 جنوری کو ضمنی الیکشن میں سپاہ صحابہؓ و انجمن تاجران کے مشترکہ امیدوار تھے۔ جھنگ میں ٹوبہ روڈ پر افسر کالونی کے گیٹ پر شہید کر دیئے گئے ہیں۔ پس منظر یہ معلوم ہوا کہ A.D.C.G کا فون آیا تھا کہ آپ میری بات سن جائیں۔ وہ اکیلے اپنی پجارو ڈرائیو کرتے ہوئے جب آفیسرز کالونی کے گیٹ پر رکے تو مسلح

افراد نے فائرنگ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ یوں جھنگ ایک مرتبہ پھر آنسوؤں میں ڈوب گیا۔

آنکھ روئے گی، جگر روئے گا، دل روئے گا
اپنے جانباز پہ ہر آنکھ کا تل روئے گا

میاں صاحب کی شخصیت شرافت، غریب پروری، دینی مدارس کی سرپرستی اور سپاہ صحابہؓ کے اسیران کے لئے تعاون اور خیر کے کام میں ہمیشہ پیش قدمی کے لحاظ سے ایک انفرادی شان رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان کو نوازا بھی خوب ہے۔ "صوفی خاندان" کے نام سے یہ خانوادہ جھنگ کے معزز خاندان کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ فلور ملیں، ٹیکسٹائل ملیں، آڑھت وغیرہ کا کاروبار ان تمام بھائیوں کا مشترکہ ہے۔ "صوفی خاندان" اپنے نام کی طرح عادات و خصائل میں واقعتاً ایک الگ مقام رکھتا ہے۔ لیکن میاں اقبال حسین صاحب کے اوصاف حمیدہ اس تمام خاندان کے افراد سے کچھ زیادہ ہی نمایاں تھے۔ میاں صاحب کی شہادت کی خبر سن کر میں نے پھر ایئرپورٹ کا رخ کیا جہاں پر میاں اقبال حسین کے چھوٹے بھائی حاجی عابد حسین سے ملاقات ہو گئی جو کاروباری سفر پر کراچی آئے ہوئے تھے۔ اور سپاہ صحابہؓ کے ساتھ ان کا تعلق نمایاں تھا۔ مجھے رات کو چانس پر سیٹ نہ مل سکی۔ حاجی عابد صاحب لاہور کی پرواز پر چلے گئے اور میں صبح کی پرواز سے فیصل آباد پہنچ گیا جہاں سے سیدھا سول ہسپتال پہنچا اور میاں اقبال حسین کے وجود پر لگی گولیوں کے زخم دیکھ کر انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر آپریشن تھیٹر سے باہر آیا تو ہسپتال کے دروازے پر مشتعل کارکنوں اور جوش و جذبات سے لبریز شہریوں کو حوصلہ اور بردباری اختیار کرنے کی تلقین کی۔ انہیں بتایا کہ اگر آپ حضرات کی طرف سے کسی قسم کی بھی کوئی بے صبری کا مظاہرہ ہوا تو پھر ہم قاتلوں تک نہیں پہنچ پائیں گے۔

دشمنوں اور حکومت کی کوشش ہے کہ جھنگ میں بدامنی پیدا ہو اور کوئی ایکشن

آدھ آدمی شیعہ کا بھی دہشت گردی کا نشانہ بن جائے۔ تاکہ اس کی آڑ میں اس مقدمے کا پریشر حکومت سے ختم ہو جائے۔ تاجران حضرات نے غیر معینہ مدت کے لئے ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ مساجد سے میاں صاحب کے جنازہ کے اعلانات شروع ہو گئے۔ صبر و تحمل کی تلقین لاؤڈ سپیکروں سے کرائی گئی۔ مگر پھر بھی بعض علاقوں میں ہوائی فائرنگ اور شادی بیاہ پر چلائے جانے والے گولوں کے دھماکوں کی آوازیں آرہی تھیں اور ہر آواز پر لوگ سہم کر رہ جاتے تھے۔ شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں ایک ویرانی سی بکھری تھی۔ ہر شخص کی زبان پر یہ لفظ تھے کہ "اگر میاں اقبال حسین جیسا بے ضرر غریب پرور اور شریف انسان بھی دہشت گردوں کے ہاتھوں سلامت نہیں رہا تو پھر اب شہر میں ہوگا کیا؟

میاں صاحب کا جنازہ اٹھا تو پورا جھنگ امڈ آیا۔ کافی احباب نے مشورہ دیا کہ میاں صاحب کو حضرت جھنگوی و قاسمی کے پہلو میں دفن کیا جائے لیکن ان کے والد کا اصرار تھا کہ قبرستان میں ان کے خاندان کی قبروں کے درمیان ہی دفنایا جائے چنانچہ انہی کی ہدایت پر عمل کیا گیا۔

لاہور میں دفاع پاکستان کانفرنس پر بموں سے حملہ

پاکستان میں ہر سال چھ ستمبر کا دن یوم دفاع پاکستان کے طور پر منایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس روز ہندوستان کی ننگی جارحیت کا مظاہرہ کرنے والی بھارتی فوج کے سامنے افواج پاکستان نے سیسہ پلائی دیوار بن کر وطن عزیز کی سرحدوں کا ایسا دفاع کیا تھا کہ 6 ستمبر 1965ء کا روز ایک یادگار حیثیت اختیار کر گیا۔ اس مناسبت سے سپاہ صحابہؓ لاہور نے چوبرجی گراؤنڈ لاہور میں دفاع پاکستان کانفرنس کا اہتمام کیا اور کانفرنس کے انتظامات وسیع پیمانے پر کیے مختلف سیاسی مذہبی اور سابق ریٹائرڈ فوجی افسران کو بھی مدعو کیا۔ یہ کانفرنس خالصتاً ایک قومی سوچ پر مبنی تھی۔ حب الوطنی کے تقاضوں اور نظریہ پاکستان کو اجاگر کرنے

ملک کی جغرافیائی حدود کے تحفظ کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کی طرف ملک و قوم کی توجہ دلانا مقصود تھا۔

6 ستمبر 91ء جمعہ کا خطبہ میں نے مسجد حق نواز شہید جھنگ میں دیا اور وہاں سے فارغ ہو کر لاہور جانے کے لئے گاڑی میں سوار ہوئی، ہا تھا کہ ایک ساتھی نے خانگڑھ میں خواجہ محمد یوسف سرپرست سپاہ صحابہؓ ضلع مظفر گڑھ ۔کے گھر میں گرنیڈوں سے حملہ کی خبر سنائی اور بتایا کہ خواجہ صاحب شدید زخمی ہیں۔ اس خبر سے طبیعت بہت رنجیدہ ہوئی اور خواجہ صاحب کی صحت یابی کے لئے دعائیں کرتا ہوا سمندری روانہ ہوا۔ وہاں حضرت قائد سپاہ صحابہؓ فاروقی صاحب بھی جمعہ سے فارغ ہو کر میرا انتظار کر رہے تھے۔ ہم دونوں ایک ہی گاڑی میں سوار ہو کر لاہور روانہ ہوئے اور قریباً دس بجے شب کانفرنس کے مقام پر پہنچے۔ ہماری آمد کی اطلاع پر اسٹیج خیر مقدمی نعرے بلند ہونے لگے اور کارکنوں کی طرف سے پرجوش انداز میں استقبالیہ نعروں کا جواب دیا گیا۔ ہم بھی ہاتھ ہلا کر نعروں کا جواب دینے کے بعد اسٹیج پر بیٹھ گئے۔ اسٹیج سیکرٹری قاری محمد الیاس فاروقی سے معلوم کیا کہ پروگرام کتنا طویل ہے۔ ہماری تقریر کی باری کب تک آئے گی؟ تو انہوں نے بتایا کہ مقررین کی تعداد بہت زیادہ ہے کم از کم دو گھنٹے بعد آپ کا خطاب شروع ہو سکے گا۔ ہم نے باہم مشورہ کیا کہ اتنی دیر میں ہم نماز عشاء ادا کرنے اور خان گڑھ رابطہ کر کے کچھ حالات معلوم کرنے کے علاوہ تھوڑا سا آرام بھی کر لیں گے۔ چنانچہ یہ سوچ کر ہم دونوں اسٹیج سے نیچے اترے اور ڈیڑھ دو کلو میٹر دور ایک ساتھی کے مکان پر آرام کرنے پہنچ گئے۔ قریباً ساڑھے گیارہ بجے شب میں غسل کر کے تیار ہو کر اپنی گاڑی پر جلسہ گاہ کی طرف جانے لگا تو وہاں ہمارے ساتھ سیکورٹی کے لئے موجود پولیس کی موبائیل گاڑی کی وائرلیس سیٹ پر آواز سنائی دی کہ "چوبرجی گراؤنڈ کے جلسہ پر گرنیڈوں اور بموں سے حملہ ہو گیا ہے کافی لوگ ہلاک اور زخمی ہونے کی خبر ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے قائد سپاہ صحابہؓ کو آگاہ کیا اور ان سے کہا کہ آپ

یہیں ٹھہریں میں خود وہاں پہنچتا ہوں جب چوبرجی گراؤنڈ کے قریب پہنچے تو عجیب سماں تھا۔ رات کے بارہ بجے کا وقت خوف و ہراس میں مبتلا جلسہ کے شرکاء ادھر ادھر بھاگنے میں مصروف، زخمیوں کی چیخ وپکار، شہیدوں کے جسم کے لوتھڑے اور وجود کے کپڑے ٹیوب لائٹوں کی کرچیاں اور جلی ہوئی قناتیں فضاء کو مزید سوگوار اور وحشت ناک بنائے ہوئے تھیں۔ لوگ جلسہ گاہ سے دور دور ٹولیوں کی شکل میں کھڑے ہوئے یوں محسوس کر رہے تھے جیسے ابھی انہیں بھی اچانک تخریب کاری کا اژدھا زمین سے نکل کر نگل لے گا۔ میں نے فوراً اسٹیج کا رخ کیا چونکہ یہ گرنیڈ حقیقت میں اسٹیج پر ہی پھینکے گئے تھے جہاں صرف ایک گھنٹہ قبل ہم بیٹھے ہوئے تھے لیکن یہ اسٹیج سے تھوڑی دور جا کر گرے تھے۔ میں نے اسٹیج پر پہنچتے ہی میکروفون اپنے ہاتھ میں لیا اور بلند آواز سے کہا! "سپاہ صحابہؓ کے ساتھیو! کارکنو اور سپاہیو! آپ کا بھائی محمد اعظم طارق آپ سے مخاطب ہے۔ آپ جہاں جہاں ہیں فوراً واپس لوٹ آئیں۔ ہم دوبارہ جلسے کا آغاز کرنے والے ہیں تاکہ دشمن کو معلوم ہو جائے کہ اصحابؓ رسولؐ کے سپاہی آج بھی میدان احد کا نقشہ پیش کر سکتے ہیں کوئی ساتھی خوفزدہ نہ ہو۔ شہادت ہمارا مطلوب و مقصود ہے۔ ہم بموں، گولیوں سے گھبرانے والے نہیں ہیں۔" اس وقت نہ جانے اس آواز میں کیا تاثیر پیدا ہو گئی تھی کہ جس کے کان میں آواز پہنچی وہ فوراً بھاگتا ہوا جلسہ میں پہنچ گیا اور جلسہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ شہیدوں کی نعشوں اور زخمیوں کو چند ذمہ دار احباب کے ذریعے ہسپتالوں میں پہنچا دیا گیا۔ اس اثناء میں قائد سپاہ صحابہؓ بھی تشریف لے آئے تو میں اسٹیج ان کے حوالے کر کے ہسپتال کی طرف چل دیا، جہاں پر موجود سینکڑوں نوجوانوں کو جمع کر کے خون کے عطیات دینے کے لئے آمادہ کیا تو کارکن وہیں گھاس پر لیٹ گئے اور ڈاکٹروں کی ٹیمیں خون لینے میں مصروف ہو گئیں۔ ادھر سے قائد سپاہ صحابہؓ بھی جلسے کو دعا کے ساتھ ختم کر کے ہسپتال آ گئے۔ اب ہم زخمی کارکنوں کی عیادت کے لئے ایمرجنسی وارڈ میں داخل ہوئے تو یہاں بھی عجیب سماں تھا۔ درجنوں

بیڈز پر زخمی کارکن آنکھیں موندے لیٹے ہوئے ہیں۔ خون کی ڈرپیں ان کے بازوؤں میں لگی ہوئی اور آکسیجن کے ماسک منہ پر چڑھے ہوئے تھے۔ ہم نے آگے بڑھ کر ایک ایک کارکن کے سر پر ہاتھ رکھنا شروع کیا تو کئی زخمی کارکنوں نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھا تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ میں آج تک اس منظر کو فراموش نہیں کرسکا ہوں کہ جب ہم زخمی نوجوانوں اور بچوں سے پوچھتے تھے کہ بیٹا کیا حال ہے؟ تو ان کا جواب ہوتا تھا۔ ہمارے پیارے قائدین! اگر آپ ٹھیک ہیں تو ہم بھی ٹھیک ہیں۔ آپ کو دیکھنے سے پہلے تکلیفیں تھیں اب ہم بالکل ٹھیک ہیں۔ بعض زخمیوں نے اٹھ کر ہم سے مصافحہ کرنے کی کوشش کی تو ڈاکٹروں اور صحافیوں نے اس منظر کو دیکھ کر بے اختیار کہا۔ ایسا جذبہ اور قیادت کے ساتھ والہانہ محبت کا منظر ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔

رات بھر ہم مختلف ہسپتالوں میں شہیدوں کی نعشیں تلاش کرنے اور زخمیوں کی عیادت میں مصروف رہے۔ فجر کی نماز کے بعد بمشکل ایک گھنٹہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں آرام کیا جبکہ رات ہی کو اخبارات میں دن دس بجے مال روڈ پر جنازے پڑھائے جانے کا اعلان دے دیا تھا اور مساجد سے اعلانات نشر ہو رہے تھے۔

مختلف ہسپتالوں سے نعشیں پوسٹ مارٹم کے بعد وصول کر کے جنازے کے لئے تیار کی جارہی تھیں اور انہیں اپنے اپنے آبائی علاقوں میں بھجوانے کا بندوبست جاری تھا کہ اچانک جھنگ سے فون آنا شروع ہو گئے کہ بھکر روڈ پر صوفی ٹیکسٹائل ملز کے قریب جھنگ کے پانچ علماء کرام کو گولیوں سے زخمی کر دیا گیا ہے۔ ہر دس منٹ کے بعد ایک عالم کی شہادت کی خبر مل رہی تھی۔ ہم دعا کر رہے تھے کہ کاش ان پانچ حضرات سے کوئی ایک زندہ بچ رہے لیکن گیارہ بجے دوپہر تک تصدیق ہو گئی کہ پانچوں حضرات شہادت کا جام نوش کر گئے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر خان گڑھ، لاہور اور جھنگ میں ہونے والی ان تین دہشت گردی کی وارداتوں نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا۔ ایسے معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم چار روز

طرف سے دشمن کے نرغے میں ہیں اور وہ جدید اسلحہ سے مسلح ہو کر اب پورے ملک میں جنگ شروع کر چکا ہے۔

لاہور میں دوپہر بارہ بجے کے قریب چار کارکنوں کے جنازے ایک ساتھ جب مال روڈ پر رکھے گئے تو ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ادھر جھنگ کی خبر سے بھی علماء طلبہ و دینی حلقوں میں سخت خوف و ہراس اور غم و غصہ پھیل چکا تھا۔ ہر شخص ہماری جانوں کو چند لمحوں کی مہمان سمجھ کر ہم سے لپٹ کر تعزیت بھی کر رہا تھا اور احتیاط کی تلقین بھی کر رہا تھا لیکن ہمارا جواب یہی تھا کہ اگر اس راستہ میں ہماری جان جاتی ہے تو ہم خوش ہیں لیکن ہم اپنے مشن سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

جھنگ میں پانچ علماء کرام کی مظلومانہ شہادت

ہماری پریشانی اور کرب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے کہ ہم اس جماعت کے ذمہ دار تھے۔ جس کے کارکنوں کو ذبح کیا جا رہا تھا۔ جس کے علماء کو گولیوں سے تڑپایا جا رہا تھا۔ جن کے ساتھیوں کو بم دھماکوں سے چھلنی کیا جا رہا تھا اور ہم کبھی ایک شہر کبھی دوسرے شہر میں جنازے اٹھانے اور شہیدوں کو کفن پہنانے کارکنوں کو صبر کی تلقین کرنے، یتیم بچوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لئے بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ اللہ کی ذات کے سوا کوئی سہارا اور صبر کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اور احتجاج کے دو بول بولنے کے علاوہ کوئی اختیار نہ تھا۔ ہم روتے کارکنوں کو چپ کراتے۔ مشتعل نوجوانوں کو ٹھنڈا کرتے۔ مایوس لوگوں کو امید کی کرن دکھاتے پھر رہے تھے لیکن ہمیں صبر دلانے والا اور ہماری مایوسیوں کو امیدوں میں بدلنے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہ تھا بلکہ بعض لیڈروں نے ایسے مواقع پر بھی ہمارے زخموں پر نمک پاشی کرنے کی عادت ترک نہ کی۔

جھنگ میں صبح دس بجے سوزوکی کار میں سوار ہو کر اٹھارہ ہزاری کی طرف جاتے ہوئے صوفی ٹیکسٹائل ملز کے قریب جن پانچ علماء کرام کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا وہ اپنی اپنی جگہ جھنگ میں ایک علمی مذہبی اور دینی مقام رکھتے تھے۔ ۷۰ سالہ سید صادق حسین شاہ بلاشبہ جھنگ کے علمی میدان کے شہ سوار اور زہد و تقویٰ کا مجسم پیکر تھے۔ مولانا رشید احمد مدنی نماز فجر کے بعد قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے والے بہترین خطیب، مدرس، مہتمم اور مایہ ناز عالم تھے۔ قاری حذیفہ انتہائی فرشتہ صفت نوجوان اور تیزی سے جھنگ کے علمی حلقوں اور سماجی میدان میں پذیرائی حاصل کرنے والا نوجوان تھا۔ حبیب الرحمٰن صاحب و حاجی عزیز الرحمٰن صاحب بھی اپنی دین دوستی و مذہبی لگاؤ کے باعث علماء کی صف میں شامل تھے۔

لاہور سے ہم لوگ شام کے وقت سیدھے جب جھنگ کے سول ہسپتال پہنچے تو ان حضرات کی نعشیں خاک و خوں میں لت پت حالت میں پڑی ہوئی تھیں اور یہ علم و عمل زہد و تقویٰ کے پیکر زبان حال سے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم و جبر کی کہانی سنا رہے تھے۔ پورا جھنگ اس بات کا گواہ ہے کہ اس موقعہ پر ولی کامل سید صادق حسین شہید کے چہرہ پر اس قدر نور کی بارش ہو رہی تھی کہ جسے بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دوسرے روز جب یہ پانچوں جنازے اسلامیہ ہائی سکول میں اکٹھے لائے گئے تو پورا شہر روتا ہوا گھروں سے باہر نکل آیا۔ خواتین گھروں کی چھتوں پر سے جنازوں کے جلوس کو دیکھ کر صدمہ سے بے حال ہو رہی تھیں اور نوجوان جنازوں کے ساتھ ساتھ چلتے غش کھا کر گر رہے تھے۔

☆ جنازہ کے موقع پر قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن اور دیگر سیاسی و مذہبی راہنما بھی پہنچ چکے تھے۔ آنسوؤں کی برسات میں ان شہداء کرام کو الوداع کہا گیا اور ان کی خدمات کو

خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس واقعہ کی ایف۔ آئی۔ آر درج کرانے کے لئے جب مشورہ ہوا تو قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور ان کے رفقاء نے جھنگ کے حالات کو نہ جانتے ہوئے ہمارے پر زور اصرار کے باوجود اپنی ضد کو پورا کیا اور اپنی مرضی سے ایسی ایف۔ آئی۔ آر درج کرائی کہ جس کے نتیجے میں پورا مقدمہ کمزور ہو گیا اور بالآخر اصل قاتل گرفتار ہو کر بھی بری ہو گئے۔ ورنہ ایسی مثال ہی نہیں کہ دن دیہاڑے پانچ علماء بربریت کا شکار ہوں اور ان کے قاتل قانون کی دست برد سے بچ جائیں۔ آج بھی میرے دل میں اس بات کا ارمان ہے کہ پانچ علماء کرام کے قاتل قانون کے ہاتھوں بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور ان کے حوصلے اور بلند ہو گئے ہیں۔

جب تک کسی میدان کے واقف کار سے مشورہ نہ لیا جائے چاہے انسان کتنا ہی بڑا قائد کیوں نہ ہو ضرور نقصان اٹھاتا ہے۔ یہی نقصان بعض حضرات کی محض ذاتی "انا" کو عملی جامہ پہنانے کی شکل میں اہل جھنگ کو اٹھانا پڑا۔)

فیصل آباد میں کل پاکستان سنی علماء کنونشن کا انعقاد

ملک بھر میں شیعہ جارحیت جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی۔ قاتل تخریب کار دہشت گرد دندناتے پھر رہے تھے۔ مساجد مدارس کے علماء، خطباء، مدرسین و طلبہ شیعہ کے حملوں کا شکار ہو رہے تھے۔ حکومت صرف خاموش تماشائی نہیں بلکہ قصداً کوئی اقدام قاتلوں کے خلاف اٹھانے سے گریزاں تھی۔ ہماری طرف سے جن لوگوں کو F.I.R میں نامزد کیا جاتا وہ دوسرے روز ارباب حکومت کے ساتھ گپ شپ لگاتے نظر آتے۔ لاہور اور جھنگ کے واقعات نے علماء کرام میں تشویش کی لہر پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ ان حالات میں سپاہ صحابہؓ کی سپریم کونسل کے چیئرمین مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب نے سیاسی لیڈروں، ریٹائرڈ ججوں، صحافیوں اور اہلسنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر کے علماء

کرام، مذہبی و دینی لیڈروں سے ملاقاتیں شروع کیں۔ اور انہیں شیعہ کی حد سے بڑھتی ہوئی جارحیت اور حکومت کی مجرمانہ خاموشی سے آگاہ کیا اور سنی علماء کنونشن کی دعوت دی۔

چنانچہ 9 ستمبر 1991ء کو جامعہ قاسمیہ غلام محمد آباد فیصل آباد میں اس کنونشن کا انعقاد عمل میں آیا اور کنونشن میں تبلیغی جماعت کے نامور راہنماؤں، مسلک بریلوی، اہلحدیث کے علمی و دینی میدان کے نامور علماء اور دیوبند مسلک کے مشاہیر نے بڑی تعداد میں شریک ہو کر سپاہ صحابہؓ کے بارے میں پیدا کردہ اس تاثر کا بھی سدباب کر دیا کہ سپاہ صحابہؓ کو ان طبقات کی حمایت حاصل نہیں ہے اور ساتھ ساتھ حکمرانوں اور دشمنوں کو یہ باور کرا دیا کہ وہ سپاہ صحابہؓ کو تنہا مت سمجھیں۔

وزیر اعظم کی دعوت پر شیعہ سنی لیڈروں کا گورنر ہاؤس میں اجلاس

ملک میں شیعہ سنی فسادات کے حوالہ سے تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال پر حکومت کی خاموشی پر جب ہر طرف سے احتجاج کی صدا بلند ہونے لگی اور قومی اخبارات بھی اپنے اداریوں کے ذریعے حکومت کو احساس دلانے لگے تو باخبر ذرائع کے مطابق حکومت کے ایک اہم اجلاس میں اس بات پر قریباً قریباً اتفاق کر لیا گیا کہ سپاہ صحابہؓ اور تحریک جعفریہ پر پابندی عائد کر دی جائے لیکن چند اعلیٰ افسران نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے بتایا کہ تحریک جعفریہ پر پابندی سے ایرانی حکومت کی طرف سے ہمیں سخت دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ایسی حالت میں ایرانی کمانڈوز کی تخریب کاریوں میں اضافے کا بھی امکان ہے۔ تو پھر یہ طے پایا گیا کہ حکومت شیعہ لیڈروں اور سپاہ صحابہؓ کے رہنماؤں کو طلب کرے اس کے ساتھ ساتھ ملک کے تمام مکاتب فکر کے چوٹی کے علماء بھی بلوا لئے جائیں اور ایک متفقہ ضابطہ اخلاق پر سب کو جمع کیا جائے۔

چنانچہ 20 ستمبر کی تاریخ کا تعین کر کے اس اجلاس کے دعوت نامے جاری کر دیئے گئے۔ سپاہ صحابہؓ کی طرف سے قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی، چیئرمین سپریم کونسل مولانا محمد ضیاء القاسمی اور مجھے اس اجلاس میں نمائندگی کے لئے بلوایا گیا۔ ہم نے دعوت نامہ کے ملتے ہی بڑے پیمانے پر یہ انتظام شروع کر دیا کہ شیعیت کی سینکڑوں، اردو، عربی، فارسی کتب کے ہزاروں فوٹو سٹیٹ کرا کے پچاس کے قریب دستاویزات تیار کر کے ہمراہ لے لیں۔ تاکہ علماء کرام میں تقسیم بھی کی جائیں اور بوقت ضرورت اس سے حوالہ جات بھی پیش کئے جائیں۔

گورنر ہاؤس میں اجلاس شروع ہوا تو سرکاری علماء نے اخوت، اتحاد، بھائی چارے پر لچھے دار تقاریر کیں اور وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب، وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں، وفاقی وزیر مذہبی امور مولانا عبدالستار نیازی صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر نمبر بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ نے نہایت درد بھرے لہجے میں کہا وزیر اعظم صاحب! ہم آپ سے صرف یہ بھیک مانگنے آئے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دوپٹے کی عزت و ناموس کا تحفظ کریں۔ ہماری کسی سے کوئی ذاتی عداوت اور مخالفت نہیں ہے۔ ہمارا صرف ایک جرم ہے کہ ہم اہلبیت رسول ؐ اور اصحاب رسول ؐ کی گستاخی برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ حضرت قاسمی صاحب کی اس مختصر مگر پر مغز اور درد بھری تقریر کا تمام سامعین پر بے حد اثر ہوا۔

حضرت قاسمی صاحب کے بعد شیعہ راہنماؤں نے خطاب کرنا تھا چنانچہ انہوں نے بھرپور تقیہ کاروائی ہتھیار استعمال کیا اور وزیر اعظم صاحب کی خوشامد کرتے ہوئے اخوت، اتحاد، بھائی چارے کی رٹ شروع کر دی اور کہا کہ ہم ازواج مطہرات اور اصحاب رسول ؐ کی عزت کرتے ہیں۔ ہم پر بلاوجہ الزام تراشی کی جا رہی ہے۔ ہم بھی قرآن پاک میں تحریف کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر سمجھتے ہیں۔ شیعہ لیڈران کی تقاریر کے بعد ۔گ

محفل بالکل بدل گیا اور ایسے لگا جیسے ہر آنکھ ہماری طرف غصے اور نفرت سے دیکھ رہی ہے کہ تم لوگ سپاہ صحابہؓ والے ہی شرارتی ہو ورنہ شیعیت تو مقدس گائے ہے ان کے عبا و قبا پر کسی قسم کا داغ نہیں ہے بلکہ یہ قبائیں تو پارسائی کی علامت ہیں۔ شیعہ لیڈران کی تقریر کے بعد مولانا عبدالستار نیازی نے وزیراعظم کو خطاب کی دعوت دے دی۔ اس پر قائد سپاہ صحابہؓ حضرت فاروقی کھڑے ہو گئے کہ آپ نے ہمیں تو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قاسمی صاحب آپ کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ ہم نے کہا شیعہ کی طرف سے بھی ایک سے زیادہ مقررین کو موقعہ ملا ہے لہٰذا آپ ہمیں موقع دیں۔ میاں نواز شریف نے کہا کہ اچھا آپ بات کر لیں لیکن ان کے لہجے میں تلخی اور چہرہ پر ناراضگی کے آثار نمایاں تھے۔ قائد سپاہ صحابہؓ نے مختصری تمہید کے بعد کہا کہ ایک طرف شیعہ حضرات یہاں پر ہر بات سے انکار کر رہے ہیں اور صحابہؓ کرام و ازواج مطہرات کی عزت کرنے کی بات کرتے ہیں۔ دوسری طرف حالت یہ ہے کہ لاہور ماڈل ٹاؤن کے شیعہ ادارہ جامعہ المنتظر سے یہ تازہ کتاب شائع ہوئی ہے جس پہ لکھا گیا ہے۔ (معاذ اللہ) "اگر انسان اپنے آلہ تناسل پر ابوبکر و عمر کا نام لکھ کر جماع کرے تو انزال نہ ہو گا۔" اس حوالہ کا بیان کرنا تھا کہ تمام اجلاس کے شرکاءؒ، علماءؒ، خطباء اور حکمران توبہ توبہ لاحول ولاقوت۔ استغفراللہ پڑھنے لگ گئے۔ قائد سپاہ صحابہؓ نے فرمایا یہ کتاب میں آپ کو بھجوا رہا ہوں یہ دوسری کتاب خمینی کی کشف الاسرار ہے۔ جس میں اس نے لکھا ہے کہ معاذ اللہ حضرت عمرؓ اصلی کافر اور زندیق تھے۔ ان دو حوالوں نے پورے مجمع پر سکتہ طاری کر دیا۔ میاں نواز شریف نے کہا کتاب مجھے دیں۔ میں ایسے بے ایمانوں کو سخت سزا دلواؤں گا۔ ہم نے کہا ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے لئے دو اڑھائی سو دل آزار شیعہ کتب کا سیٹ لائے ہیں جن کے ایک ایک صفحہ پر اس طرح کے کفریہ اقوال موجود ہیں۔ اس مختصری مگر موثر اور جامع تقریر کے بعد مولانا عبدالستار نیازی نے کہا۔ "ہم ایسے حرامزادے

کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔

اب وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب کی تمام تقریر ان غلیظ عبارات پر مبنی لٹریچر اور اس کے مصنفین کے خلاف کاروائی کرنے پر محدود ہو کر رہ گئی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ میں مولانا عبد الستار نیازی صاحب کی چیئرمینی میں کمیٹی قائم کرتا ہوں جو آپ علماء کرام کے ساتھ بیٹھ کر ان گستاخوں کو موت کی سزا دلوانے کی سفارشات مرتب کرے گی۔ وزیر اعظم کی تقریر کے بعد ایک پر تکلف کھانا دیا گیا۔ ہم نے فوٹو سٹیٹ مسودات تمام حضرات کو تقسیم کئے شرکاء اجلاس علماء کرام کا کہنا تھا کہ آج سپاہ صحابہؓ والوں نے اپنے مؤقف کو پیش کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ شیعہ لیڈران منہ چھپاتے پھر رہے تھے اور انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اب کیا کریں۔

دوسرے روز تمام قومی اخبارات خصوصاً پاکستان کے سب سے زیادہ شائع ہونے والے اخبار روزنامہ "جنگ" نے بڑی سرخیوں سے اجلاس کی کاروائی اور قائد سپاہ صحابہؓ کی حرف بہ حرف تقریر شائع کر دی جس سے تمام طبقوں میں سپاہ صحابہؓ کی آواز پہنچ گئی۔

مینار پاکستان پر شیعہ کانفرنس کی تقاریر اور دھمکیاں

21 ستمبر کو لاہور مینار پاکستان پر تحریک جعفریہ کی کانفرنس تھی۔ جس میں وزیر اعظم کی زیر صدارت ہونے والے اس اجلاس کی کاروائی پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور بار بار اس موقف کو دھرایا گیا کہ ہم صحابہؓ کرام کی گستاخی پر سزائے موت کے بنائے جانے والے کسی قانون کو تسلیم نہیں کریں گے اور یہ کہ ہمیں گلی گلی شہر شہر کافر کہا جا رہا ہے۔ ساجد نقوی نے کہا آئندہ ہم ہر اس زبان پر گولی ماریں گے جو ہمیں کافر کہے گی۔

28 ستمبر کی شیعہ کانفرنس کی تقاریر اس بات کا مظہر تھیں کہ شیعیت اعلیٰ سطحی اجلاس میں منہ کی کھا کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہے۔

اس کانفرنس میں جنرل فضل حق کے خلاف کھلم کھلا نعرے بازی ہوئی اور ہمیں فضل حق کا سر چاہیے" کے نعرے لگائے گئے۔ اور پھر کانفرنس سے ٹھیک پانچ دن بعد پشاور میں 3 اکتوبر کو جنرل فضل حق کو قتل کر دیا گیا۔ جنرل فضل حق سابق گورنر سرحد تھے اور ضیاء الحق کے مارشل لاء میں اقتدار پر آئے تھے۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے امریکہ کے اشارے پر تحریک جعفریہ (جو پہلے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ تھی) کے لیڈر علامہ عارف الحسینی کو قتل کرا دیا تھا۔ جنرل فضل حق کے بیٹوں نے قتل کا الزام تحریک جعفریہ پر لگایا۔ میاں نواز شریف کی جنازہ میں موجودگی پر شیعہ کے خلاف نعرے لگائے گئے لیکن شیعہ لیڈران کو گرفتار نہ کیا گیا کیونکہ ان کی پشت پناہی ایران کی طرف سے ہو رہی تھی۔

جھنگ میں سپاہ صحابہؓ کی تنظیم اور عوام میں دہشت گردی کے مقابلے کا جذبہ اجاگر کرنا

ستارے ڈوبنا شبنم کا رونا، شمع کا بجھنا!
بہت سے مرحلے ہیں، صبح کے ہنگام سے پہلے!

جھنگ کی سرزمین پر ڈیڑھ سال کے اندر اندر ایک درجن کے قریب علماء اور دو درجن کے لگ بھگ بے گناہ شہریوں اور حاجی اقبال حسین جیسے نیک طبیعت انسان کے قتل سے ایک ایسا خوف و دہشت کا ماحول پیدا ہو چکا تھا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر سہا ہوا تھا اور خود کو غیر محفوظ سمجھتا تھا۔ معمولی سی افواہ پر دکانوں کے شٹر گرنے لگ جاتے۔ لوگ سر شام ہی دکانیں بند کر کے گھروں میں دبک کر بیٹھ جاتے۔ دروازے پر ہونے والی ہر دستک سے دل کی جڑوں تک خوف کی ایک لہر دوڑ جاتی۔ رات کے وقت گلیوں بازار میں اس طرح خاموشی اور ویرانی ہوتی جیسے کوئی "دیو" ان گلیوں میں گھوم گیا ہے۔ کہیں کہیں پولیس کے ناکے لگے ہوتے جو غریبوں اور مسافروں کو لوٹنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے

دیتے۔ ایسے عالم میں کہیں سے فائرنگ کی آواز یا پٹاخے کی آواز کا کانوں میں آنا گھروں میں لیٹے ہوئے عوام کے وجود پر کپکپی طاری کر دیتا اور ہر ایک کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے۔
"اللہ خیر کرے پھر کچھ ہو گیا ہے۔"

گلیوں بازاروں میں مشکوک افراد کے گھومنے سے ہی لوگوں میں افراتفری پیدا ہو جاتی۔ ایسی صورت حال میں ضرورت اس بات کی تھی کہ لوگوں میں کسی طرح اس دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ چنانچہ جھنگ کی سٹی باڈی کے صدر چوہدری سلطان محمود سیکرٹری افتخار لودھی اور مولانا مختار احمد سیال (صدر ضلع جھنگ) کے ہمراہ جھنگ کے اکتالیس بلدیاتی حلقوں میں تربیتی پروگرام اور یونٹ سازی کی مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ ہر ہر حلقہ میں جا کر کارکنوں سے خطاب کرنا انہیں جرات، بہادری سے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرنا اور لوگوں میں تخریب کار عناصر پر کڑی نظر رکھنے کا احساس پیدا کرنا مقامی یونٹوں کی باڈیاں تشکیل دینا ہماری سرگرمیوں کا حصہ بن گیا اور رات دیر گئے تک ہم جھنگ کے علاقوں میں پھرتے رہتے۔ اس سے ایک طرف تو جماعت کی بنیادیں مضبوط ہوتی گئیں اور جو قائدین کی شہادت اور پولیس کی طرف سے پکڑ دھکڑ کی بناء پر تنظیمی رشتہ ختم ہونے کے قریب جا پہنچا تھا۔ دوبارہ بحال ہو گیا۔ دوسرے لوگوں کے دلوں سے آہستہ آہستہ خوف و وحشت کا مادہ زائل ہوتا چلا گیا۔

بلدیاتی الیکشن کی تیاریاں

نومبر کے مہینے میں حکومت پنجاب کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ 28 دسمبر کو ملک بھر میں بلدیاتی الیکشن کرائے جائیں گے۔ اس اعلان سے پورے صوبے میں الیکشن کی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ لیکن جھنگ میں الیکشن میں حصہ لینے والوں کا نام تک نہیں تھا۔ چند علاقوں میں آزادانہ طور پر الیکشن میں حصہ لینے والے لوگوں نے دیواروں پر اپنی چاکنگ

کرانا شروع کر دی تھی لیکن اپنے آپ کو کسی بھی مکتب فکر سے جوڑنے کی بجائے امن پسند قرار دے کر بطور امیدوار پیش کیا جا رہا تھا اور مسلم لیگ کی حکومت کے باعث مسلم لیگ کے امیدواراور شیخ محمد اقبال کے گروپ کے حامیوں نے مل کر "امن پسند گروپ" تشکیل دے کر میدان میں قدم رکھے۔ انہی ابتدائی ایام میں محلہ حق نواز شہید میں پانچ موثر شیعہ افراد کے قتل کا واقعہ پیش آگیا۔ جس کے باعث اب ہر شخص اس بات سے خوف زدہ تھا کہ اگر سپاہ صحابہؓ کی طرف سے امیدوار بن کر سامنے آیا تو شیعہ جارحیت کا نشانہ بن جائے گا۔ لہٰذا مخلص۔ باصلاحیت اور سماجی کارکن سخت تذبذب کا شکار تھے۔

چنانچہ اس خوف و وحشت کی فضاء کے خاتمے کے لئے بعض علاقوں میں سخت محنت کر کے امیدوار تلاش کرنا پڑے۔ قائد سپاہ صحابہؓ ملک سے باہر تھے۔ اس لئے ساری ذمہ داری اب مجھ پر آن پڑی تھی۔ ہم نے باہم مشورہ سے تمام یونٹوں کے عہدیداران کا ایک اہم کنونشن مسجد حق نواز شہید میں طلب کیا اور اس میں حالات پر روشنی ڈالی گئی۔ کنونشن میں فیصلہ کیا گیا کہ جھنگوی گروپ کے پلیٹ فارم سے بلدیاتی الیکشن میں ضرور حصہ لیا جائے اور میری سربراہی میں ایک چار رکنی کمیٹی تشکیل پائی جو شیخ حاکم علی، چوہدری سلطان محمود اور شیخ محمد اشفاق پر مشتمل تھی۔ جس کا کام جھنگوی گروپ کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ لینے کے خواہش مند امیدواران سے درخواستیں لینا امیدوار کا اعلان کرنا اور بلدیاتی الیکشن کے تمام امور کو کنٹرول کرنا تھا۔

اس کنونشن کے بعد فضاء کافی ہموار ہو گئی۔ اکثر حلقوں سے دو دو، تین تین، چار چار امیدواروں نے اپنی درخواستیں سیکورٹی فیس ہزار روپے کے ہمراہ جمع کرائیں۔

ہماری چار رکنی کمیٹی نے مسجد حق نواز شہید میں باوضو ہو کر قرآن مجید پہ حلف اٹھایا کہ ہم جماعت کے مفاد اور بہتری میں فیصلے کریں گے اور ہرگز اپنی اغراض اور ذاتیات کو اس میں داخل نہ کریں گے۔

چنانچہ درخواستوں کی وصولی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور جن حلقوں سے لوگ امیدوار بننے سے ہچکچا رہے تھے۔ ان علاقوں میں مخلص اور سماجی لوگوں کے حوصلوں کو بڑھا کر انہیں الیکشن میں حصہ لینے کے لئے تیار کر لیا۔ جن امیدواروں کی درخواستیں آ چکی تھیں۔ ان کے مابین فیصلے کرنے کی گھڑیاں نہایت دشوار اور کٹھن تھیں۔ ہم پہلے ہر حلقہ سے جماعت کے عہدیداران کی رپورٹ لیتے پھر معززین کا مشورہ لیا جاتا۔ پھر خود امیدوار کی قربانیوں کو جانچا جاتا اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا۔ اب صورت حال یہ ہوتی کہ ایک ایک حلقہ سے دو دو، تین تین، امیدوار اپنی حمایت میں جماعت کے الگ الگ عہدیدار ہمراہ لے آتے۔ معززین بھی ہر امیدوار کے ہمراہ ہوتے۔ اس حالت میں کسی ایک کے حق میں فیصلہ کرنا باقی دوسری دو تین پارٹیوں کو ناراض کرنے کے مترادف ہوتا۔ تو کوشش یہی ہوتی کہ امیدواروں کے درمیان ایسی صورت پیدا کی جائے کہ خود ہی کسی ایک پر راضی ہو جائیں۔ کسی موقع پر قرعہ اندازی بھی کرنا پڑتی۔ کہیں جب کوئی چارہ کار نہ ہوتا تو دو ٹوک کسی ایک کے حق میں اعلان بھی کرنا پڑتا.... مگر چونکہ ہر امیدوار کی طرف سے حلفاً اس بات کا عہد کیا ہوتا تھا کہ وہ ہمارے فیصلہ کو تسلیم کرے تو بحمد اللہ تمام فیصلے تسلیم کر لیئے جاتے۔

جھنگ کے اکتالیس بلدیاتی حلقوں میں سے سات حلقوں کے امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ ان سات میں سے چھ کا تعلق جھنگوی گروپ سے تھا۔ ایک کا تعلق شیخ اقبال کے گروپ سے تھا اور وہ بھی اس وجہ سے ہو گیا کہ ہم نے اس حلقہ سے جس شخص کو کاغذات نامزدگی داخل کرانے کا کہا وہ عین وقت پر الیکشن لڑنے سے دست بردار ہو گیا۔ الیکشن سے قبل ہی جھنگوی گروپ کے چھ افراد کے بلا مقابلہ منتخب ہو جانے کا کارنامہ ایسا تھا۔ جس سے کارکنوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ ان بلا مقابلہ منتخب ہونے والوں کے لئے مجھے ذاتی طور پر جو محنت کرنا پڑی اور مقابلہ پر کھڑے ہونے والوں کو عدالتوں میں جا کر

آخری وقت جس طرح سمجھا بجھا کر منانا پڑا۔ یہ اپنی جگہ ایک الگ داستان ہے۔

میں آج بھی اس ماسٹر صاحب کا مشکور ہوں جس نے میرے کہنے پر آخری وقت میں A.D.C.G کی عدالت سے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لئے اور یوں سپاہ صحابہؓ کے جلسوں میں نئے نئے نعروں کو جنم دینے والا چراغ پہلوان بلامقابلہ کونسلر منتخب ہو گیا۔ اس طرح شیخ فاروق صاحب کے لئے بھی محنت کافی کرنا پڑی۔

والد ماجد کے انتقال کا ناقابل برداشت صدمہ

انہی دنوں میرے والد ماجد کی وفات کا حادثہ پیش آگیا۔ میرے والد ماجد حاجی فتح محمد اپنی خاص طبیعت کے اعتبار سے ہمارے پورے خاندان میں اپنی مثال آپ تھے۔ نوجوانی سے تہجد کی پابندی، تلاوت، وظائف، سفر و حضر میں کسی صورت ترک نہ کرنا اور فجر کی اذان پابندی سے مسجد میں کہنا اور نمازیوں کے لئے ہینڈ پمپ سے پانی نکال کر رکھنا ان کی مستقل عادت تھی جو سردیوں گرمیوں اور بارشوں کے موسم میں برابر جاری رہتی۔ آخری چند سالوں میں فجر کے بعد قرآن کریم کا درس دینا اور ظہر کے بعد فضائل اعمال سے درس دینا مستقل معمول تھا۔ دینی امور کی انجام دہی کے علاوہ، برادری کے معاملات، دکانداری، زراعت کی نگرانی، عدالتی جھگڑوں، پنچائت کے معاملات نمٹانے بھی انہی کے ذمہ تھے۔ تھانہ کچہری کے سب امور وہ خود سرانجام دیتے تھے۔ پنجاب بھر میں پھیلے ہوئے خاندان کے جھگڑے نمٹاتا۔ بچے بچیوں کے رشتے ناطے طے کراتا۔ زمینوں کی تقسیم وراثت کی بانٹ انہی کے مشورہ سے ہوتی۔

اپنی ذاتی حصہ کی زمین 15 ایکٹر (140) کنال تھی۔ جو اس گاؤں کی نہری زمین ہے۔ مزید مختلف اوقات میں خریدتے رہنے سے یہ بڑھ کر 22 ایکٹر (176) کنال تک جا پہنچی تھی۔

اپنے بڑے بھائی مولوی عطاء اللہ خان المعروف (باباجی) کو صرف اور صرف دین کے کاموں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ وہ کسی بھی دنیاوی معاملہ میں دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ ہندوستان ہی میں مدرسہ انوار الاسلام کی اپنے گاؤں "کلیان" میں بنیاد رکھ کر اس کی ذمہ داری اٹھالی تھی۔ جو پاکستان میں آکر بھی سرانجام دیتے رہے۔ مدرسین کا تقرر، خطیب و امام کی تعیناتی، ان کی تنخواہوں کی ادائیگی، رہائشی طلبہ کے قیام و طعام کا بندوبست باباجی کے فرائض میں شامل تھا۔ سارا سارا دن ہزاروں نوافل مسجد میں گھر میں ادا کرتے رہنا ان کا وظیفہ زندگی تھا۔ باباجی کے پانچوں بیٹوں اور دونوں بیٹیوں پھر آگے ان کی اولاد کے رشتے ناطے وغیرہ اور خاندان کے تمام امور سے (باباجی) کو کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ سب کام حاجی صاحب کے کرنے کے تھے۔

اس قدر مصروفیات کے باجود میرے والد صاحب نے ہماری پرورش پر جس قدر توجہ دی اور جس شفقت پیار اور محبت سے ہمیں پالا اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ وہ میرے استاد بھی تھے اور میرے دوست بھی تھے۔ انہیں مجھ سے بڑی توقعات وابستہ تھیں اور ہم آپس میں گھنٹوں بیٹھ کر دینی معاملات ملکی و گھریلو امور پر گفتگو کرتے رہتے وہ ہماری تعلیم کے دنوں اور بعد میں سپاہ صحابہؓ کی تحریک سے وابستگی کے دنوں میں ہر ہر مسئلہ پر ہم سے گفتگو کرتے۔ انہیں جب میں نے بتایا کہ جھنگ میں ہمارے چھ کونسلر بلا مقابلہ منتخب ہو گئے ہیں تو بڑے خوش ہوئے اور ڈھیروں دعائیں دیں اور فرمانے لگے مجھے تو اس وقت کا انتظار ہے۔ جب تو خود ایک اعلیٰ مقام پر پہنچ کر دین کی خدمت کر رہا ہو گا۔ میں نے کہا" ابا جی" میں اس وقت جس مقام پر ہوں یہ مقام بھی تو کسی مولوی کو حاصل نہیں ہے تو فرمانے لگے نہیں۔ مجھے بچپن سے اب تک تمہارے سب خواب یاد ہیں۔ (مجھے بچپن سے جو آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی زیارتیں نصیب ہونا شروع ہوئی تھیں۔ میں کسی سے ان کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ صرف والد صاحب کو ہی بتاتا تھا وہ بڑی دلچسپی سے سنتے۔

جب میں کراچی ہوتا تھا تو اس وقت کراچی آ کر یا جب ملاقات ہوتی۔ کرید کرید کر پوچھتے کہ کوئی نئی بات بتلاؤ۔ کچھ باتیں میں عرض کر دیتا اور کچھ مجھے بتاتے ہوئے شرم آتی۔ اب والد صاحب کی وفات کے بعد تو نہ کسی سے بتانے کو جی چاہتا ہے اور نہ کسی کو اس طرح سننے کا شوق ہو سکتا ہے۔

8 دسمبر کو جھنگ میں امیدواروں کی حتمی لسٹ کا اعلان کر دیا گیا۔ 9 دسمبر صبح کے وقت فون پر خبر ملی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ "انا اللہ و انا الیہ راجعون

فوراً گاؤں پہنچا جو نہی گھر کے دروازے سے گزرا تو سر سے ٹوپی اتر کر گر گئی۔ اس وقت ذہن میں آیا کہ آج سر سے والد صاحب کی سرپرستی کا سایہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ وہ شجر سایہ دار تھا جس نے کبھی گرم ہوا نہ لگنے دی ہر پریشانی، دکھ، مصیبت کے وقت ایسا حوصلہ دیا کہ میں ایک مرتبہ پھر نئی توانائی کے ساتھ مصروف عمل ہو گیا۔ لیکن آج اس کال کوٹھڑی میں ان کی یادوں کے چراغ روشن کرتے ہوئے بار بار میری زبان پر یہ شعر آ رہا ہے۔

ہوا جس کو لگنے نہ دیتی تھی بلبل وہ گل آج باد خزاں کھا رہا ہے

گھر میں داخل ہوا تو سامنے والد صاحب آنکھیں موندے، نہایت اطمینان سے لیٹے ہوئے تھے۔ ان کی پیشانی پر لب رکھ کر بے خود ہو کر روتا رہا۔ سب عزیز و رشتہ دار ہمارے تعلق سے آگاہ تھے۔ اس منظر نے ہر ایک کو رلا کر رکھ دیا۔

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا!

دل اس قدر بے قراری میں مبتلا ہو گیا کہ ایک پل چین نہیں آ رہا تھا۔ جنازہ اور

تدفین سے فارغ ہو کر واپس آ گئے۔ لوگ دور دور سے تعزیت کے لئے آ رہے تھے مگر ہم دونوں بھائیوں کی حالت غیر تھی۔ ادھر ہماری پھوپھی ہمارے لئے حوصلہ کا سامان کرتی کرتی صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتیں ادھر ہم بہن بھائی پھر بے خود ہو جاتے۔

دو، چار روز گذر گئے۔ دل ہر کام سے اچاٹ ہو گیا۔ والد صاحب کیا گئے بس زندگی کی روح چلی گئی۔ جھنگ کے احباب نے واپسی کا پروگرام پوچھا تو کچھ جواب نہ دے سکا۔ علماء کرام اساتذہ کرام اور مشائخ تشریف لاتے رہے۔ صدموں اور دکھوں کے زخموں کا سب سے بڑا مرہم خود وقت ہے۔ آہستہ آہستہ طبیعت سنبھلنے لگی اور ایک ہفتہ کے بعد جھنگ چلا آیا۔

الیکشن سے ایک روز قبل عثمانیہ مسجد میں بم دھماکہ تین نمازی شہید

والد صاحب کی وفات کا صدمہ بھی طبیعت پر موجود تھا۔ جھنگ آ کر احباب کی الیکشن مہم میں شریک ہونے کو مشن اور کاز کے لئے چیلنج سمجھ کر سرانجام دینا شروع کیا اور چند ہی دنوں میں یہ مہم اس نہج پر پہنچ گئی کہ مخالفین کو اپنی شکست دیوار پر لکھی نظر آنے لگی۔ چنانچہ جو طبقہ گذشتہ گیارہ ماہ سے تخریب کاری اور قتل و غارتگری کے ذریعہ دوہرے مقاصد حاصل کرتا چلا آ رہا تھا۔ یعنی جھنگ میں ضمنی الیکشن رکوانا اور علماء کرام کو راستہ سے ہٹانا۔ وہ تخریب کار طبقہ جاگیرداروں اور نوابوں کی ہدایت پر سرگرم ہو گیا اور بلدیاتی الیکشن سے ایک روز قبل 27 دسمبر جمعہ کے روز صبح جامع مسجد عثمانیہ سیٹلائٹ ٹاؤن میں اس وقت نمازیوں پر گرنیڈ سے حملہ کر دیا گیا جب وہ مولانا محمد الیاس بالاکوٹی سرپرست سپاہ صحابہ ضلع جھنگ کی امامت میں پہلی رکعت کے رکوع میں جا رہے تھے۔ اس حملہ سے تین سفید ریش نمازی موقع پر شہید ہو گئے۔ مولانا محمد الیاس بالاکوٹی صاحب اور ان کے درجنوں نمازی زخمی ہو کر ہسپتال پہنچ گئے۔ میں جب ہسپتال میں عیادت کے لئے پہنچا تو کیا

جب میں کراچی ہوتا تھا تو اس وقت کراچی آکر یا جب ملاقات ہوتی۔ کرید کرید کر پوچھتے کہ کوئی نئی بات بتلاؤ۔ کچھ باتیں میں عرض کر دیتا اور کچھ مجھے بتاتے ہوئے شرم آتی۔ اب والد صاحب کی وفات کے بعد تو نہ کسی سے بتانے کو جی چاہتا ہے اور نہ کسی کو اس طرح سننے کا شوق ہو سکتا ہے۔

8 دسمبر کو جھنگ میں امیدواروں کی حتمی لسٹ کا اعلان کر دیا گیا۔ 9 دسمبر صبح کے وقت فون پر خبر ملی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ "انا اللہ وانا الیہ راجعون"

فوراً گاؤں پہنچا جونہی گھر کے دروازے سے گذرا تو سر سے ٹوپی اتر کر گر گئی۔ اس وقت ذہن میں آیا کہ آج سر سے والد صاحب کی سرپرستی کا سایہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ وہ شجر سایہ دار تھا جس نے کبھی گرم ہوا نہ لگنے دی ہر پریشانی، دکھ، مصیبت کے وقت ایسا حوصلہ دیا کہ میں ایک مرتبہ پھر نئی توانائی کے ساتھ معروف عمل ہو گیا۔ لیکن آج اس کال کوٹھڑی میں ان کی یادوں کے چراغ روشن کرتے ہوئے بار بار میری زبان پر یہ شعر آ رہا ہے۔

ہوا جس کو لگنے نہ دیتی تھی بلبل　　وہ گل آج باد خزاں کھا رہا ہے

گھر میں داخل ہوا تو سامنے والد صاحب آنکھیں موندے، نہایت اطمینان سے لیٹے ہوئے تھے۔ ان کی پیشانی پر لب رکھ کر بے خود ہو کر روتا رہا۔ سب عزیز و رشتہ دار ہمارے تعلق سے آگاہ تھے۔ اس منظر نے ہر ایک کو رلا کر رکھ دیا۔

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا!

دل اس قدر بے قراری میں مبتلا ہو گیا کہ ایک پل چین نہیں آ رہا تھا۔ جنازہ اور

چلی آرہی تھیں۔ چنانچہ سر شام ہی مسجد حق نواز شہید میں لوگ جمع ہونے لگے۔ پھر ہر ہر حلقہ سے کامیاب ہونے والے جھنگوی گروپ کے کونسلر گلے میں پھولوں کے ہار پہنے گلیوں کوچوں سے نعرے لگاتے اور شہید قائدین کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے جلوسوں کی صورت میں مسجد میں پہنچنے لگے۔ عشاء کی نماز تک نتیجہ آچکا تھا۔ جس کے مطابق جھنگوی گروپ نے بقایا 35 پینتیس سیٹوں میں سے اکیس نشستیں جیت لی تھیں۔ چھ پہلے بلامقابلہ حاصل ہو چکی تھیں۔ اس طرح اکتالیس میں سے 27 نشستیں حاصل کر کے جھنگوی گروپ واضح اکثریت سے کامیاب ہو گیا۔ اگلے روز اخبارات نے بڑی سرخیوں میں یہ خبریں شائع کیں کہ جھنگ میں جھنگوی گروپ چھا گیا اور سمندری میں مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کے دونوں بھائی کامیاب ہو گئے۔

چیئرمین بلدیہ کا انتخاب اور اسیر کونسلر کی کامیابی

بلدیاتی الیکشن کے بعد پنجاب حکومت نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح خرید و فروخت کے ذریعہ اپنا مسلم لیگی چیئرمین منتخب کرالے۔ لیکن ڈپٹی کمشنر و اسسٹنٹ کمشنر کے ذریعہ ان کی اس طرح کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔

کونسلروں کے حلف اٹھانے کے بعد خواتین کی چار نشستوں اور مزدوروں کی دو نشستوں پر بھی جھنگوی گروپ کے امیدوار کامیاب ہو گئے۔ اس طرح جھنگوی گروپ کی تعداد 27 سے بڑھ کر 33 تک پہنچ گئی۔ پھر بلدیہ جھنگ کی چیئرمینی کے لئے فیصلہ کرنے کا کٹھن مرحلہ آپہنچا۔ اس سلسلے میں منتخب کونسلروں، تاجران، معززین اور جماعت کے عہدیداران کی آراء و تجاویز اس طرح حاصل کی گئیں کہ یہ لوگ ایک ایک کر کے مجھے ملتے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ ان کی رائے کو اپنے خفیہ اشاروں میں تحریر کر لیتا۔

کثرت رائے اس شخص کی چیئرمینی کے لئے سامنے آئی جو اس وقت جیل میں تھا

اور جیل ہی میں بیٹھ کر اس نے الیکشن جیتا تھا۔ یعنی حاجی منیر احمد شاہد۔

چنانچہ حاجی منیر احمد شاہد کو چیئرمین چوہدری سلطان محمود کو وائس چیئرمین اور مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھنے والے جھنگوی گروپ کے کونسلر ناصر خان کو وائس چیئرمین نمبر2 کی سیٹ پر منتخب کروانے کے بعد بلدیاتی الیکشن کا یہ آخری مرحلہ بھی مکمل کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔

سپاہ صحابہؓ ویلفیئر ٹرسٹ کا قیام اغراض و مقاصد

سپاہ صحابہؓ کو اول روز سے ہی حکومتی جبر و تشدد، تھانہ کچہری اور مقدمات سے واسطہ قسمت میں مل گیا ہے کیونکہ بانی سپاہ صحابہؓ حضرت امیر عزیمت نے جب اس جماعت کی بنیاد رکھی تو اس وقت وہ خود کئی تقاریر کے مقدمات میں حکومت کو مطلوب تھے اور بارہا حوالات و جیلوں کی ہوائیں کھا چکے تھے۔ جماعت کی بنیاد کے بعد جس طرح مشن حق کی آواز بلند ہوتی گئی۔ اس طرح پاکستان کے اس کالے قانون کے سائے بھی دراز ہوتے گئے۔ یہ کالا قانون قرآن و سنت کی آواز بلند کرنے والوں کے خلاف تو حرکت میں آتا ہے لیکن کفر و شرک کے پجاریوں، فحاشی و عریانی کے علمبرداروں اور ظلم و جبر کے پرستاروں کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بلکہ جہاں بھی توحید و سنت کی آواز بلند ہوئی۔ ظلم و جبر پر احتجاج کرنے کی کوشش کی گئی یا قوم کو حیاء و وفاء کا درس دینے کا سلسلہ شروع ہوا فوراً قانون کے باوردی محافظ حرکت میں آ گئے۔ بانی سپاہ صحابہؓ کا مشن ہی چونکہ پیغام حق و صداقت کو عام کرنا اور جاگیرداروں، نوابوں، حکمرانوں کو ظلم سے باز رہنے کی کوشش کرنا تھا۔ اس لئے ہر ہر مرحلہ پر ان کے راستے روکنے، پابندیاں لگانے اور تمام اوچھے ہتھکنڈے آزمائے جانے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ جو بڑھتے بڑھتے سینکڑوں علماء، خطباء، عہدیداران، کارکنان کو ستانے اور مٹانے تک پھیلتا چلا جا رہا تھا۔

دوسری طرف حق کہنے اور باطل کے بھیانک چہرے سے پردہ ہٹانے کی اس جدوجہد کی دن دگنی رات چوگنی کامیابی اور عوام میں پذیرائی سے کفر کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اور دنیائے کفر کے سازشیوں نے قتل و غارتگری کے ذریعہ مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے والی اس تحریک کو کچل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ مختلف شہروں میں علماء کرام۔ خطباء حضرات اور کئی متحرک اور فعال عہدیداران سپاہ صحابہؓ دشمن کے ناپاک عزائم کا نشانہ بن کر جام شہادت نوش کر گئے۔

ایسی صورت حال میں جماعت پر کئی ایسی ذمہ داریاں آن پڑیں کہ جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے فوری اقدامات کی ضرورت تھی۔ جماعتی اسیران کی رہائی کے لئے مقدمات کی پیروی کا کام نہایت اہم تھا۔ لیکن اس مقصد کے لئے جماعت کے پاس کوئی فنڈز نہیں تھے۔ سالانہ امدادی فنڈز سکیم سے حاصل شدہ رقوم ان اخراجات کی کفایت سے قاصر تھیں۔ بالآخر خوب غور و خوض کے بعد یکم جنوری ۱۹۹۲ء کو لٹن روڈ لاہور سپاہ صحابہؓ کے مرکزی رابطہ آفس میں منعقدہ ایک اہم اجلاس میں سپاہ صحابہؓ ویلفیئر ٹرسٹ کا قیام عمل میں لایا گیا اور سینکڑوں بیوگان شہداء کو ماہانہ وظائف جاری کرنے اور مقدمات کی پیروی کے لئے اخراجات کی فراہمی کا سلسلہ جاری کیا گیا۔

۲۰ جنوری ایک اہم دن

۲۰ جنوری ۱۹۹۲ء کا دن اس لحاظ سے اہم تھا کہ ایک طرف اس روز اسلام آباد میں وفاقی وزیر مذہبی امور مولانا عبدالستار نیازی صاحب کا ۳۰ ستمبر ۹۲ء کو وزیر اعظم کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں طے پانے والی علماء کمیٹی کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ اس اجلاس میں سپاہ صحابہؓ کے قائد علامہ ضیاء الرحمان فاروقی چیئرمین سپریم کونسل مولانا

ضیاء القاسمی صاحب اور خود راقم شریک ہوئے۔ اجلاس میں شیعہ کے راہنماؤں کو ایک مرتبہ پھر سخت ہزیمت اور شرمندگی کا اس وقت سامنا کرنا پڑا جب انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ہمارا تعلق تحریک جعفریہ سے ہے۔ لہذا اس اجلاس میں ایسی کتاب پیش کی جائے جو تحریک جعفریہ کی طرف سے شائع کی گئی ہو اور اس میں صحابہ کرامؓ کی گستاخی یا اور کوئی قابل اعتراض بات ہو۔ اگر چہ شیعہ لیڈروں کی یہ بات کوئی وزن نہیں رکھتی تھی کیونکہ تحریک جعفریہ اس سیاسی جماعت کا نام) ہے جو شیعہ مذہب کی نمائندہ ہے۔ لہذا شیعہ مذہب کے پیروکاروں کی طرف سے خلاف اسلام اٹھائے جانے والے ہر اقدام کی اسے ذمے داری قبول کرنا چاہیے تھی لیکن پھر بھی ہم نے ان کا یہ چیلنج قبول کرتے ہوئے علماء کے اس اہم اجلاس میں تحریک جعفریہ کی طرف سے شائع شدہ ایک کتاب "صحیفہ انقلاب" جو خمینی کے وصیت نامہ پر مشتمل تھی۔ پیش کی اس کتاب کو دیکھ کر شیعہ لیڈروں نے کہا اس میں تو کوئی قابل اعتراض بات ہی نہیں ہے۔ جس کے جواب میں قائد سپاہ صحابہؓ نے یہ عبارت پڑھنا شروع کی کہ خمینی صاحب خود لکھتے ہیں۔ میں پوری جرات سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ عصر حاضر میں ملت ایران اور اس کے لاکھوں عوام رسول اللہ ﷺ کے دور کی ملت حجاز سے بہتر ہیں۔ اس حوالہ کو سن کر تمام علماء کرام نے لاحول ولا قوہ الا باللہ پڑھ کر بیک زبان کہا کہ یہ کس قدر دیدہ دلیری کی بات ہے کہ ایران کے موجودہ لاکھوں انسانوں کو رسول اللہ ﷺ کے دور کے مسلمان صحابہؓ کرام سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ شیعہ راہنماؤں نے کتاب منگوا کر خود اسے ہاتھوں میں لے کر دیکھا کافی الٹ پلٹ کے بعد شرمندہ ہو کر کہنے لگے۔ ہمیں تو علم ہی نہیں ہے کہ اس کتاب میں یہ عبارت بھی ہو گی۔

اس پر مولانا عبدالستار نیازی نے کہا آپ کو علم ہونے یا نہ ہونے کی بات نہیں ہے۔ بات اس کفر کی ہے۔ جو ان کتابوں میں جگہ جگہ بکھرا پڑا ہے۔ اس لئے میری آئندہ سے استدعا ہے کہ تمام قابل اعتراض عبارات پہ مشتمل کتب اس اجلاس میں پیش کی جائیں۔

ہم انکا خود جائزہ لے کران کے سدباب کے لئے حکومت کو سفارشات مرتب کرکے دیں گے۔

ادھر دوسری طرف چونکہ واہ کینٹ میں بھابڑا کے علاقہ میں اس وقت بعد نماز ظہر ایک جلسہ تھا۔ جس میں قائد سپاہ صحابہ نے خطاب کرنا تھا تو انہوں نے دوران اجلاس مجھے کہا کہ آپ اس جلسہ میں خطاب کریں کیونکہ میں یہاں اجلاس میں معروف ہوں۔

میں جب مولانا شعیب ندیم اور دیگر احباب کے ہمراہ جلسہ گاہ میں پہنچا تو وہاں عجیب منظر تھا۔ جلسہ گاہ سے ایک فرلانگ سے بھی کم فاصلہ پر قبرستان کی اوٹ میں مسلح شیعہ فائرنگ کر رہے تھے۔ ادھر جلسہ گاہ کے اردگرد مکانوں کی چھتوں پر ہمارے کارکن اسلحہ لے کر چڑھے ہوئے تھے اور وقفہ وقفہ سے فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ اس خوف و دہشت کی فضا اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے دوران جب ہم اسٹیج پر پہنچے تو جلسہ کی کاروائی روک کر ایک طرف کارکنوں نے پرجوش استقبالیہ نعرے لگانے شروع کردیئے۔ دوسری طرف شیعوں نے فائرنگ شروع کردی۔ ان سخت کشیدہ و نازک حالات میں مجھے خطاب کی دعوت دی گئی۔ میں نے ایک گھنٹہ تک خطاب کیا اور سامعین نے دلجمعی کے ساتھ خطاب سنا۔ بعد ازاں رات کو دونوں طرف سے خوب گرفتاریاں ہوئیں۔

اس رات کو خبرنامہ میں یہ خبر سن کر ہمیں اچانک حیرت ہوئی کہ حکومت نے ۲۴ مارچ کو جھنگ میں قومی و صوبائی اسمبلی کے الیکشن ایک ہی روز کرانے کا اعلان کردیا۔ اس سے قبل پاکستان میں ایسی کوئی مثال نہیں تھی کہ ایک ہی دن میں دو اسمبلیوں کے ال[illegible]ن کرائے گئے ہوں۔ اس خبر کے سنتے ہی جھنگ سے احباب کے فون اور پیغامات آنے شروع ہوگئے کہ فی الفور جھنگ پہنچیں اور الیکشن [illegible] لائحہ عمل طے کریں۔

○

مولانا ایثار القاسمی کی شہادت کے بعد پہلی مرتبہ جھنگ میں ضمنی الیکشن کا اعلان

اس سے قبل جھنگ میں بلدیاتی الیکشن کے پر امن طور پر مکمل ہو جانے کے بعد اخبارات کے اداریوں، عوام کے مطالبات اور الیکشن کمیشن کے ذمہ داران کی طرف سے حکومت پر دباؤ بڑھنے لگا تھا کہ جھنگ میں گذشتہ ایک سال سے قومی اسمبلی و صوبائی اسمبلی کی خالی نشستوں پر الیکشن کو ملتوی کیا جارہا ہے۔ حالانکہ آئینی طور پر حکومت پابند ہے کہ خالی ہونے والی سیٹ پر نوے روز کے اندر اندر الیکشن کرائے۔ مگر یہاں کشیدہ حالات اور شیعہ سنی فسادات کے واقعات کو آڑ بنا کر مسلسل الیکشن سے حکومت صرف اس لئے پہلو تہی کرتی رہی کہ اسے یقین تھا کہ ان حلقوں میں سپاہ صحابہؓ کے نمائندے ہی منتخب ہونگے۔ اس سلسلہ میں وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں نے قائدین سپاہ صحابہؓ سے ایک ملاقات میں اس شرط پر الیکشن کرانے کی بات کی تھی کہ قومی اسمبلی کی سیٹ مسلم لیگ کو دے دی جائے اور صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر سپاہ صحابہؓ اپنا امیدوار کامیاب کرالے۔ لیکن وزیر اعلیٰ کی اس پیش کش کو ٹھکرایا گیا تھا۔

اب جب الیکشن کی تاریخ کا اعلان ہو گیا اور جھنگ میں سپاہ صحابہؓ کی طرف سے مجھے قومی اسمبلی و صوبائی اسمبلی کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کرانے کا پابند کیا گیا۔ جمعیت علماء اسلام (مولانا سمیع الحق گروپ) کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ تو ۲ فروری کو ایک مرتبہ پھر وزیر اعلیٰ پنجاب کی طرف سے ڈپٹی کمشنر جھنگ کی وساطت سے پیغام ملا کہ ملاقات کے لئے آپ کو طلب کیا گیا ہے۔

ہماری خواہش بھی یہی تھی کہ چونکہ مولانا سمیع الحق صاحب کی پارٹی اسلامی جمہوری اتحاد کی حصہ ہے اور میاں نواز شریف نے پہلے بھی قومی اسمبلی کی سیٹ مولانا سمیع الحق صاحب کو دی تھی لہذا اب بھی انہیں یہ سیٹ ہمارے حوالہ کر دینی چاہیے اور بلاوجہ

حکومت سے محاذ آرائی کر کے الیکشن پر زیادہ توانائیاں صرف نہ کی جائیں۔ معاملات کو حکومت وقت سے بات چیت کے ذریعہ طے کر کے آگے بڑھانا ہماری خواہش تھی لیکن جھنگ میں حکومت وقت کو عبرتناک شکست سے دوچار کرنا مشیت ایزدی میں طے ہو چکا تھا۔ چنانچہ ماڈل ٹاؤن میں میاں نواز شریف صاحب کے گھر پر وزیر اعلیٰ پنجاب اور میاں شہباز شریف صاحب سے کئی گھنٹے تک مذاکرات جاری رہے۔ ان ہر دو حضرات کا اصرار تھا کہ آپ لوگ صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر اپنا نمائندہ منتخب کرا لیں ہم اسے صوبے میں وزارت دے دیں گے جبکہ ہمارا اصرار تھا کہ ہمیں ہر حال میں قومی اسمبلی کی سیٹ حاصل کرنی ہے تاکہ ہم قومی اسمبلی میں ناموس صحابہؓ بل پیش کر کے قانون سازی کرا سکیں۔

غلام حیدر وائیں صاحب نہایت غرور و تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے دھمکی آمیز باتیں کر کے اجلاس سے اٹھ گئے اور ہم بھی اپنا موقف بیان کر کے چلے آئے۔

وزیر اعلیٰ کی شہہ پر مولانا ایثار القاسمی کے بھائیوں کی قاتلوں سے صلح

۱۰ جنوری ۱۹۹۱ء کو مولانا ایثار القاسمی کو اس وقت شہید کر دیا گیا تھا۔ جب وہ صوبائی اسمبلی کے ہونے والے ضمنی الیکشن میں جھنگ سٹی کے پولنگ اسٹیشن گھوگے والی بستی کا دورہ کر رہے تھے۔ اس موقع واردات پر مخالف امیدوار صوبائی اسمبلی شیخ اقبال کا بیٹا قیصر اقبال موجود تھا۔ جسے فوج کے نوجوانوں نے گرفتار کر لیا اور کئی اس کے مسلح ساتھی اسلحہ پھینک کر فرار ہو چکے تھے۔

مولانا قاسمی شہید کے قتل کا منصوبہ سوچی سمجھی سازش تھی جس میں خود اس وقت حکومت پنجاب کی طرف سے شیخ اقبال کی حمایت میں آئے ہوئے صوبائی وزراء کا بھی ہاتھ تھا۔ چنانچہ شیخ اقبال پر اس قتل کی ذمہ داری عائد ہونے کے باعث اسے ایف۔ آئی۔ آر میں نامزد ملزم قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا۔ چونکہ شیخ اقبال جس کا امیدوار تھا حکومت خود

اس جماعت کی تھی۔ اس لئے حکومت کی طرف سے اس مقدمہ کو کمزور کرنے کی مہم بھی جاری رہی اور آخر میں یہ قدم اٹھایا گیا کہ مقدمہ کے مدعی مولانا ایثار القاسمی کے بھائیوں کو وزیر اعلیٰ ہاؤس لاہور میں شیخ اقبال کے ساتھ صلح کے عوض لاکھوں روپے نقد دے کر اور جھنگ کی صوبائی سیٹ پر منتخب کرانے کا وعدہ کر کے مقدمہ واپس لینے پر آمادہ کر لیا گیا۔ یہ خبر پوری جماعت کے لئے سخت تکلیف واذیت کا باعث بنی لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ حالانکہ شہید قاسمی کی بیوہ اور ان کے برادران نسبتی اس فیصلہ کے سخت مخالف تھے اور صلح کے عوض لی جانے والی مراعات کو دیکھنے تک کے روادار نہ تھے۔ مگر جب مدعی خود اور پھر حکومت وقت کا ملاپ ہو جائے تو کیا کیا جاسکتا تھا۔

حضرت قاسمی شہید کے بھائیوں کی عقل اس حد تک ماؤف ہو گئی کہ وہ یقین کرنے لگے کہ واقعتاً انہیں رقم کے بعد M.P.A کی سیٹ بھی مل جائے گی جبکہ اتنی سی سادہ بات سمجھنا مشکل نہ تھا کہ رقم تو شیخ اقبال اور حکومت کی جیب سے نکلنا تھی وہ نکل گئی سیٹ تو عوام نے بذریعہ ووٹ دینا تھی جب پہلے شیخ اقبال اور حکومت اسے نہ لے سکی اب کیا لے سکتی ہے۔ حیرت اس وقت ہوئی جب عوام میں یہ لوگ نفرت کی نظروں سے دیکھے جانے کے باوجود ٦ فروری کو کاغذات نامزدگی داخل کرانے ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت میں بھی آگئے اور جھنگ کی دیواروں پر "مولانا محمد اقبال قاسمی کو ووٹ دیں" کی چاکنگ بھی شروع ہو گئی۔ عوام کی طرف سے اس واقعہ پر جب رد عمل کے طور پر دو تین مقامات پر سخت احتجاج کیا گیا تو "برادران یوسف" کا کردار ادا کرنے والے جھنگ چھوڑ کر ایسے بھاگے کہ آج تک نظر نہ آئے جبکہ شہید قاسمی کی بیوہ اور ان کے بھائیوں کے بلند کردار کے باعث آج بھی ان کے احترام میں عوام کی نظریں جھکی جاتی ہیں۔

○

کاغذات نامزدگی کے مرحلے پر امیدواروں کے نئے نئے چہرے

۶ فروری کا دن قومی و صوبائی اسمبلی کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کرانے کا دن تھا۔ جھنگ کے معززین و عوام اور کارکنوں کی ایک بڑی تعداد مسجد حق نواز شہید میں جمع ہو چکی تھی دن گیارہ بجے مسجد سے جلوس روانہ ہوا اور پیدل ایڈیشنل جج کی عدالت میں پہنچا جو اس انتخاب کے ریٹرننگ آفیسر مقرر ہوئے تھے۔ عدالت میں داخل ہوئے تو وہاں پر کئی مانوس چہرے بھی نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ بڑے طمطراق سے صوبائی اور قومی اسمبلی کے لئے کاغذات نامزدگی جمع کرانے آئے ہیں۔ جب احباب سے وجہ معلوم کی کہ آخر یہ حضرات تو خود آج سے چھ ماہ قبل مجھے اس سیٹ کے لئے نامزد کر چکے ہیں تو پتہ چلا کہ کچھ حضرات کا ماشاء اللہ مشغلہ ہی یہی ہے کہ وہ کاغذات داخل ضرور کرایا کرتے ہیں مگر واپس لینے کے لئے۔ ان کا نعرہ ہے کہ وہ جب تک باعزت طریقہ سے بٹھائے نہیں جائیں گے تو کھڑا ہونا ان کی مجبوری ہے۔ اور بعض حضرات بلدیاتی الیکشن گزیدہ تھے۔ انہیں شکایت تھی کہ بلدیات کی چیئرمینی اور وائس چیئرمینی کے وقت ہمیں نظرانداز کر دیا گیا تھا لہٰذا اب کم از کم M.P.A کی سیٹ کا تو وعدہ کرنا ہو گا اور بعض حضرات کا مقصد ایک مرتبہ دیواروں پر اپنا نام بطور امیدوار لکھوانا تھا تاکہ تاریخ میں ان کا شمار بھی "خریداران یوسف" میں ہو جائے۔

دوسری طرف مخالفین کی حالت بھی کچھ اس طرح کی تھی کہ وہ جوق در جوق کاغذات نامزدگی اس خوش فہمی میں جمع کرا رہے تھے کہ شاید حکومت وقت کی طرف سے ٹکٹ ان کی جھولی میں آگرے اور وہ گھر بیٹھے ہی منتخب ہو جائیں۔ اگر نہ بھی جیت سکیں تو ان کا شمار ایسے لوگوں میں تو ہو جائے گا جو مسلم لیگ کے شکست خوردہ امیدوار کہلا کر ہی افسران سے کام نکلوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس ملک کی سیاست نے یہ

روایت بھی قائم کر رکھی ہے کہ حکومت مخالف ممبر اسمبلی کا مقام حکومتی پارٹی کے شکست خوردہ کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے۔ بلکہ حکومت مخالف تو جیت کر بھی "عتاب شاہاں" کا شکار رہتا ہے اور "اپنا بندہ" ہر وقت پانچوں گھی میں ڈبوئے رکھتا ہے۔

پنجاب حکومت کی سیاسی چال

کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال کا مرحلہ مکمل ہو چکا تھا اور پنجاب حکومت کے دروازوں پر طواف کرنے والے امیدوار اپنی تمام تر سفارشیں استعمال کر کے ٹکٹ کے حصول کی جدوجہد میں بھرپور حصہ ڈال چکے تھے۔ لیکن حکومتی ٹکٹ سابق ایم۔ پی۔ اے اور ممتاز ٹھیکیدار شیخ محمد یوسف صاحب کو حاصل ہو گیا کیونکہ ان کی طرف سے مسلم لیگ کی چندہ صندوقچی میں بڑی رقم کا عطیہ ڈالا جا چکا تھا اور پھر وہ آسانی سے کروڑوں روپے خرچ کرنے کی استطاعت بھی رکھتے تھے اور جھنگ میں ان کا ایک مقام بھی تھا۔ صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ جھنگ سٹی کی کمبل برادری کے چشم و چراغ حاجی انتظار حسین سابق وائس چیئرمین بلدیہ کو دیا گیا کیونکہ ان کے بارے میں گمان تھا کہ وہ سپاہ صحابہؓ کے گڑھ جھنگ سٹی سے بڑی تعداد میں ووٹ حاصل کر لیں گے۔ بظاہر حکومت نے ایک بڑی دانشمندانہ چال چلی کہ میرے مدمقابل اہلسنت مکتب فکر کے امیدوار ہی لائے گئے اور کوشش کی گئی کہ سرمایہ اور برادری کے بل بوتے پر یہ سیٹیں حاصل کر لی جائیں۔

اس موقع پر بعض جعلی پیروں، نام نہاد علماء اور گھاگھ قسم کے سیاستدانوں نے بھی بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ انہیں ٹکٹ مل جائے۔ لیکن حکومت پنجاب نے اپنی انتظامیہ کے افسران اور ایجنسیوں کی رپوٹوں پر فیصلہ کیا۔ حکومتی فیصلہ کے بعد میدان الیکشن میں گھما گھمی کا آغاز ہو گیا۔

مولانا سمیع الحق کی آمد میاں ریاض حشمت کی طرف سے حمایت کا اعلان

قائد جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا سمیع الحق نے جھنگ آ کر الیکشن کمیشن میں خطاب کرنے کا پروگرام دیا تو ان کے استقبال کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ۱۶ فروری کو قائد جمعیت کے استقبال کے لئے جھنگ کے ہزاروں لوگ موٹر سائیکلوں، کاروں، ویگنوں، ٹریکٹروں اور بسوں پر سوار ہو کر فیصل آباد روڈ پر ۱۵ کلومیٹر تک پہنچ گئے۔ ہر طرف سپاہ صحابہؓ کے پرچم۔ سیڑھی کے انتخابی نشان پر مبنی پوسٹر، سٹیکر، خوش آمدید اور استقبالیہ نعروں سے بھرپور بینر لہرا رہے تھے۔ دوپہر گیارہ بجے سے سہ پہر چار بجے تک یہ استقبال کا عظیم الشان جلوس جھنگ میں داخل ہوتا رہا اور کمیٹی تالاب گراؤنڈ کے متصل روڈ پر اختتام پذیر ہوا۔ جگہ جگہ قائد جمعیت اور قائدین سپاہ صحابہؓ پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں اور نوجوانوں کی ٹولیوں نے فلک شگاف نعرے لگائے۔ تاجران کے وفود نے پھولوں اور نوٹوں کے ہار گلے میں ڈالے۔ تالاب کمیٹی گراؤنڈ میں یہ جلوس ایک عظیم الشان انتخابی جلسہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اسی اثناء میں میاں ریاض حشمت جنجوعہ جو جھنگ کے ایک بے داغ سیاستدان اور نڈر بے باک سماجی راہنما ہیں اور ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی الیکشن میں ممبر صوبائی اسمبلی بھی رہ چکے تھے۔ اسٹیج پر پہنچ گئے۔ ان کی آمد پر عوام نے خوشی سے کھڑے ہو کر نعرے بلند کیے۔ اور میاں ریاض حشمت کے حق میں تیری آواز میری آواز۔ میاں ریاض میاں ریاض کے نعروں سے انکا استقبال کیا۔ اس موقع پر میاں ریاض حشمت صاحب نے ایک پرجوش اور ولولہ انگیز خطاب کیا اور بتایا کہ انہیں وزیر اعلیٰ پنجاب نے اپنے حکومتی امیدوار کی حمایت کے لئے خصوصی درخواست کی اور ساتھ ساتھ تعاون کا یقین دلایا لیکن انہوں نے تمام پیشکشوں کو ٹھکرا کر سپاہ صحابہؓ کا ساتھ دینے کا فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ سپاہ صحابہؓ کا نمائندہ ہی غریب عوام کے دکھ درد کو سمجھ کر اسے حل کرانے کی

صلاحیت رکھتا ہے۔

اس کانفرنس میں قائد سپاہ صحابہ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی اور خود میں نے بطور امیدوار خطاب کرتے ہوئے عوام کو خوشخبری سنائی کہ آج کے اس جلوس سے الیکشن کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ۴ مارچ کو صرف رسمی کاروائی باقی ہے آپ لوگ اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھیں اور حکمرانوں کی چالوں سے ہوشیار رہیں۔

قائد جمعیت مولانا سمیع الحق خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو خطبہ مسنونہ کے بعد فرمانے لگے... میں تو حیران ہوں کہ ایک طرف عوام میں اس قدر جوش و خروش ہے کہ وہ گھنٹوں استقبال کے لئے روڈوں پر کھڑی رہی۔ دوسری طرف اسٹیج سے قائدین سپاہ صحابہ اور میاں ریاض حشمت نے ایسی پرجوش تقاریر کی ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے میدان کارزار گرم ہو چکا ہے۔ میں جھنگ کے عوام کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے الیکشن جیت لیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے وزیر اعظم سے بارہا کہا کہ جھنگ کی سیٹ ہمارے حصے میں آئی تھی۔ آپ اس پر ہمارا مقابلہ نہ کریں لیکن ایسے لگتا ہے کہ اب وہ اپنی آنکھوں سے اپنی رسوائی کو دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

حکومتی امیدواروں کی حمایت میں وزیر اعلیٰ پنجاب اور صوبائی وزراء کی جھنگ آمد

حکومتی امیدوار شیخ محمد یوسف و حاجی انتظار حسین نے مسلم لیگ کا ٹکٹ ملنے کے بعد اتنی تیزی سے الیکشن کمپیئن کا آغاز کیا کہ ہم حیران رہ گئے۔ لاہور سے آٹھ صوبائی وزراء نے جھنگ میں صوبائی وزیر اختر بھروانہ کی کوٹھی اور ریسٹ ہاؤسز میں ڈیرے ڈال کر الیکشن مہم کو اس طرح شروع کیا کہ بیک وقت چار چار پانچ پانچ پجارو گاڑیاں لینڈ کروزرز ہر روڈ پر نکل پڑتیں۔ جھنگ ضلع کونسل کے چیئرمین ظفر اللہ بھروانہ ضلع کونسل

کی گاڑیوں اور افسران کے ہمراہ سرکاری امیدواروں کی حمایت میں دوڑنے لگ گئے۔ حالت یہ تھی کہ ہماری تین چار گاڑیاں جس دیہات میں جاتیں وہاں یا تو پہلے سے کوئی نہ کوئی وزیر یا سرکاری نمائندہ موجود ہوتا یا ہمارے پیچھے ہی ان کی گاڑیاں چلی آتیں۔ ہم عوام سے اسلام اور خدمت کے عنوان پر ووٹ مانگتے تھے۔ جبکہ سرکاری امیدوار نقد سڑکیں بنوانے، بجلی کے پول دینے، سکول تعمیر کرنے کے کام شروع کر رہے تھے۔ پورے حلقہ میں ہنگامی بنیادوں پر ترقیاتی کام شروع کرا دیئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری امیدوار کے انتخابی دفتر کے افتتاح کے لئے ۵۰ ہزار سے ایک لاکھ روپے تک عام پیش کش تھی۔

انہی دنوں ۲۰ فروری کو وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں صاحب بھی جھنگ میں انتخابی جلسہ سے خطاب کرنے آدھمکے۔ وزیر اعلیٰ کی آمد پر شہر بھر میں سرکاری امیدواروں کی حمایت کے پوسٹرز، وال چاکنگ، مسلم لیگی پرچم اور استقبالیہ نعروں پر مبنی کپڑے کے دس دس میٹر لمبے بینروں کی بھرمار کر دی گئی۔ ایسے محسوس ہونے لگا جیسے جھنگ میں سوائے مسلم لیگ کے کوئی دوسری جماعت ہے ہی نہیں مگر جب وزیر اعلیٰ ہیلی کاپٹر سے اترے تو انتظامیہ کے افسران و صوبائی وزراء یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ مائی ہیر کی کچی کالونی کے مکانوں پر سپاہ صحابہؓ کے پرچم ہی پرچم لہرا رہے تھے۔ وائیں صاحب نے یہ دیکھ کر کہا تم تو کہتے تھے کہ جھنگ میں ہمارا بڑا زور ہے مگر سارے گھروں پر جھنڈے تو سپاہ صحابہؓ کے لہرا رہے ہیں۔

اس پر خوشامدی طبقہ کے تمام افراد نے کہا! نہیں جناب یہ صرف کچی کالونی کے چند لوگ سپاہ صحابہؓ کے ساتھ ہیں پورا شہر تو ہمارے ساتھ ہو چکا ہے لیکن وزیر اعلیٰ کی یہ غلط فہمی اور وزراء کی خوش فہمی جلسہ میں خطاب کے دوران اس وقت دور ہو گئی جب جلسہ میں شریک افراد نے تیری آواز میری آواز حق نواز حق نواز۔ سینوں کا وزیر اعظم طارق اعظم طارق اعظم کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

وائیں صاحب اس حالت سے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ انہوں نے جھنگ کے عوام کو سنہرے باغ دکھانے کے لئے کروڑوں روپے کے ترقیاتی کام کرانے کا اعلان کیا اور کہا ہم جھنگ کے عوام کی خوشحالی چاہتے ہیں اور جھنگ کے عوام سے دلی محبت ہے۔ اس پر اس جلسہ میں موجود پیر اسحاق صاحب نے کھڑے ہو کر کہا۔ وائیں صاحب اگر آپ کو جھنگ کی عوام سے اتنی محبت تھی تو آج تک جھنگ تباہ ہوتا رہا، فسادات کی آگ میں جلتا رہا لیکن ہم نے آپ کی صورت اس وقت نہیں دیکھی تھی۔ اچھا پیار ہے کہ جب مصیبت کا وقت تھا تو آپ نے کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آج ووٹ لینے کے لئے آپ پیار پیار کا راگ الاپ رہے ہیں۔

یوسف مجاہد صاحب کی گرفتاری

وزیر اعلیٰ وائیں صاحب کے دورہ کے بعد حکومت نے سپاہ صحابہؓ کی الیکشن کمپین کو سبوتاژ کرنے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے آزمانا شروع کر دیئے۔ میری الیکشن کمیٹی کے انچارج سپاہ صحابہؓ کے جنرل سیکرٹری یوسف مجاہد صاحب کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں سے وہ الیکشن کے بعد ہی رہا ہو سکے۔

جمعیت علماء اسلام کے راہنماؤں اور میاں زاہد سرفراز کی آمد

۲۹ فروری کو ممتاز سیاستدان میاں زاہد سرفراز صاحب جھنگ میں تشریف لائے اور میرے انتخابی جلسہ سے خطاب کر کے حکمرانوں کو آگاہ کیا کہ جھنگ میں تمہاری شکست یقینی ہو چکی ہے۔ یکم مارچ کو الیکشن میں میری حمایت کے لئے قائد جمعیت علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن صاحب جھنگ تشریف لائے اور ریل بازار کے عظیم الشان جلسہ سے خطاب کیا۔ ان حضرات کی آمد سے عوام کے حوصلے اور بلند ہو گئے اور الیکشن کی گہما گہمی اپنے

عروج کو پہنچ گئی۔ گھر گھر سپاہ صحابہؓ کے حق میں طاہر جھنگوی کے ترانے گونجنے لگے۔

۲ مارچ کو آخری جلسہ میں شرکت کے لئے بلوچستان کے صوبائی وزیر مولانا عبدالغفور حیدری صاحب بھی جھنگ پہنچ گئے اور انہوں نے جھنگ سٹی کے جلسہ میں خطاب فرمایا:

قائد جمعیت مولانا فضل الرحمان اور مولانا عبدالغفور حیدری کی آمد سے وہ پروپیگنڈہ بھی دم توڑ گیا جس کے ذریعہ یہ تاثر دیا جارہا تھا کہ جمعیت علماء اسلام کا یہ گروپ سپاہ صحابہؓ کی حمایت نہیں کر رہا ہے۔ قائد جمعیت مولانا فضل الرحمان نے خطاب کرتے ہوئے کہا دینی جماعتوں کا سیاست کے میدان میں اترنا اس مقصد کے لئے ہے کہ یہ ملک اسلام کا گہوارہ بن جائے۔ جمعیت پاکستان کو ایک مکمل اسلامی سٹیٹ بنانا چاہتی ہے۔ انہوں نے کہا ہم نظام کی تبدیلی چاہتے ہیں صرف نام کی تبدیلی پر یقین نہیں رکھتے۔

الیکشن کمپین کا آخری جلوس اور طاہر جھنگوی کے ترانے

۲ مارچ کو ایک طرف حکومتی امیدواروں نے اپنی پوری سیاسی طاقت اور قوت کی نمائش کا اہتمام کیا دوسری طرف سپاہ صحابہؓ نے عوامی طاقت اور ایمانی جذبے کے اظہار کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ حکومتی امیدواروں نے کاروں، پجاروں، لینڈ کروزروں، ویگنوں بسوں، ٹرکوں پر مشتمل ایک بہت لمبا جلوس نکال کر حلقہ انتخاب کا چکر لگایا۔ اس جلوس میں ووٹروں کی تعداد گاڑیوں کی تعداد سے بھی کم تھی۔ کیونکہ گاڑیاں اکثر باہر کے علاقوں سے منگوائی گئی تھیں۔ جبکہ دوسری طرف ہمارا ٹریکٹروں، موٹر سائیکلوں، سائیکلوں اور ویگنوں، رکشوں کا جلوس تھا اور جلوس سے آگے آگے پیدل چلنے والوں کا اس قدر رش تھا کہ ٹریفک بار بار رک جاتی تھی۔ اس جلوس میں حلقہ کے لوگوں نے اس قدر کثیر تعداد میں شرکت کی اور جگہ جگہ جلوس کا استقبال دیہاتی عوام نے گاؤں سے باہر آکر کیا۔ بڑی

عمر کی خواتین دعائیں دیتی ہوئی جلوس کے راستہ پر کھڑی تھیں۔ مکانوں کی چھتوں پر سے خواتین اور بچے سپاہ صحابہؓ کے پرچم لہرا کر اپنی حمایت اور محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ اس جلوس کو دیکھ کر بوڑھی خواتین اور عام دیہاتی لوگوں کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔

"اللہ مولوی دی حیاتی رکھے اے مولوی حکومت کولوں نیئں ہردا۔"

ادھر طاہر جھنگوی کے ترانے کیسٹوں کے ذریعہ ان لاؤڈ سپیکروں پر چل رہے تھے جو لاؤڈ سپیکر الیکشن کمپئن کی گاڑیوں پر نصب تھے۔

ربا اجڑیا جھنگ وساوے اعظم جت جاوے اعظم جت جاوے
روندے مظلوم ہسلاوے اعظم جت جاوے اعظم جت جاوے
فتح دا تاج پوا دے اعظم جت جاوے اعظم جت جاوے

سیڑھی تے مہراں لا بجنا ہے فتح اعظم طارق دی
اینوں ووٹاں نال جتا بجنا ہے فتح اعظم طارق دی
کر جھنگوی نال وفا بجنا ہے فتح اعظم طارق دی

دھاندلی کا حکومتی منصوبہ قائد سپاہ صحابہؓ کی دھمکی پر خاک میں مل گیا

وزیر اعلیٰ پنجاب کی آمد کے بعد ایک طرف سپاہ صحابہؓ کے جنرل سیکرٹری اور الیکشن کمپئن کے انچارج یوسف مجاہد صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ دوسری طرف حکومتی امیدوار کو کامیاب بنانے کے لئے علاقہ میں الیکشن ڈیوٹی دینے والے پریزائیڈنگ آفیسروں کے ایک گروپ سے سازباز شروع ہو گئی۔ بیس افراد کا یہ گروپ الیکشنوں میں دھاندلی کرانے میں مشہور تھا۔ گروپ کے افراد نے پندرہ سے بیس ہزار ووٹ حکومتی امیدوار کی حمایت میں بھگتانے کی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پندرہ لاکھ روپے طلب کیے۔ جس پر پانچ لاکھ روپے ایڈوانس اس کے حوالے کر دیئے گئے۔ اس گروپ کا طریقہ

واردات یہ ہے کہ ۷۰ پولنگ اسٹیشنوں میں سے صرف پچیس پولنگ اسٹیشنوں پر مختلف علاقوں میں ڈیوٹی کے دوران یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے خاص امیدوار کے سپوٹروں کو زیادہ سے زیادہ ووٹ دے کران سے مہریں لگوائے اور جونہی موقع ملے عام ووٹوں کی ایک صندوقچی اٹھا کر خاص دوسری صندوقچی بدل ڈالے اور مخالف امیدوار کے پولنگ ایجنٹ کو کسی طرح وہاں سے بھگادے۔ مزید یہ کہ شام کے وقت نتیجہ باضابطہ سرکاری فارم پر لکھ کر مخالف ایجنٹ کے حوالہ نہ کرے بلکہ ووٹوں کی گنتی میں دو تین صد کا اضافہ شمار کر کے ریٹرننگ آفیسر کے پاس جمع کرائے۔ اس طریقہ سے ایک مرتبہ تو محض بیس افسران دس سے بارہ ہزار ووٹ کا ہیر پھیر کر سکتے ہیں۔ مخالف کے ووٹوں کو کم اور اپنے ووٹوں کو زیادہ شمار کرا سکتے ہیں۔ بعد میں کبھی گنتی ہو تو اس کا بھید کھلتا ہے اور حکومتی امیدوار جیت جائے تو دوبارہ گنتی کون کراتا ہے۔ الیکشن میں دھاندلی کے اس کے علاوہ بھی کرشماتی اور تکنیکی طریقے ہیں۔ جن کا کمال ۳ فروری ۹۷ء کے الیکشن میں پوری قوم کو دکھایا گیا۔

بہرحال جب اس سازش کی بھنک ہمارے کانوں میں پڑی بلکہ اس سازش میں شریک ایک شخص نے سودے میں پورا حصہ نہ ملنے پر ہمیں آگاہ کردیا تو قائد سپاہ صحابہؓ نے بلدیہ گراؤنڈ میں ہونے والے ایک بڑے جلسہ میں اعلان کردیا کہ پانچ لاکھ لے کر دھاندلی کرنے والے سن لیں! ہم تمہاری اس سازش کے نتیجے میں اگر نقصان سے دوچار ہوئے تو پھر تمہارے جنازے پڑھنے والا کوئی نہ ہوگا اس تقریر کی گونج آناً فاناً سازشی افراد تک جا پہنچی۔ انہوں نے راتوں رات بیعانہ واپس کرکے ہمیں پیغام بھجوایا کہ ہمیں معاف کردیا جائے۔ ہم اب اس بات کو سوچیں گے بھی نہیں۔ ادھر ہماری تقاریر کے اثر سے صوبائی وزراء پر اس قدر وحشت طاری ہو چکی تھی کہ انہیں ہر موٹر سائیکل کی آواز پر یوں لگتا تھا کہ سپاہ صحابہؓ نے ان پر حملہ کردیا ہے۔ اس لئے موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی عائد

کردی گئی اور جس علاقہ میں وزراء حضرات کا قیام تھا۔ اس طرف موٹر سائیکل کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔

۴۔ مارچ یوم فتح مبین

۴ مارچ کی صبح ہی سے مجھے پابند کردیا گیا کہ آپ اب آرام کریں اور الیکشن مہم میں دن رات برابر کرنے کی وجہ سے جو تھکاوٹ ہو چکی ہے۔ اسے دور کریں اور گھر سے باہر ہرگز نہ نکلیں۔ فون پر سب سے رابطہ رکھیں۔ قائد سپاہ صحابہؓ نے خود جھنگ سٹی کے دفتر میں ڈیرے ڈال دیے۔ ادھر جھنگ کے عوام صبح ہی سے ووٹ ڈالنے کے لئے پولنگ اسٹیشنوں کا رخ کرنے لگے۔ ووٹنگ شروع ہونے سے قبل ہی پولنگ بوتھوں پر بڑی بڑی لائنیں لگ چکی تھیں اور نہایت جوش و خروش کے ساتھ فوج کی نگرانی میں ووٹ کاسٹ کرنے کا عمل شروع ہو گیا۔ میں نے دو گھنٹے خوب آرام کیا اور پھر غسل کر کے ساتھیوں سے کہا کہ کم از کم مجھے قریب قریب کے دو ایک پولنگ اسٹیشنوں کا دورہ کر کے حالات کا جائزہ لے لینے دیں۔ لیکن وہ ساتھی کسی صورت بھی اجازت دینے کو تیار نہ ہوئے بلکہ حفظ ماتقدم کے طور پر گھر کے باہر دروازے پر تالے لگا دیئے کہ کہیں اٹھ کر باہر نہ آجاؤں۔ فون پر جھنگ سٹی، سیٹلائٹ ٹاؤن جھنگ صدر کے علاقوں کے احوال معلوم کیے تو ہر طرف سے پیشگی مبارک بادیں مل رہی تھیں۔ ڈپٹی کمشنر، ریٹرننگ آفیسرز اور فوج کے افسران کو فون کر کے الیکشن کی صورت حال پوچھی تو بعض افسران کی آواز سے مایوسی کی جھلک نمایاں تھی اور بعض افسران نے دبے لفظوں میں مبارک باد دے دی۔

پانچ بجے پولنگ ختم اور گنتی شروع ہو گئی۔ ادھر گھر پر اخبارات کے نمائندے جو لاہور سے آئے ہوئے تھے اور B.B.C وائس آف امریکہ کے نمائندے پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھ سے الیکشن کے بارے میں سوالات کیے تو میں نے الیکشن کے پرامن اور منصفانہ

ہونے پر اطمینان کا اظہار کیا۔

انہوں نے دوسرا سوال کیا اگر آپ شکست کھا جاتے ہیں تو کیا آپ شکست تسلیم کریں گے۔ میں نے کہا اگر ابھی ہمارے الیکشن ایجنٹ آکر بتاتے ہیں کہ وہ صحیح نتائج لائے ہیں تو میں شکست بھی تسلیم کروں گا۔ اس دوران الیکشن کے نتائج آنا شروع ہو گئے۔ قریب قریب کے چند دیہاتوں کا نتیجہ ہمارے خلاف تھا۔ جس سے ساتھیوں کو پریشانی لاحق ہونا شروع ہو گئی۔ میں نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ یہ نتیجہ نہایت حوصلہ افزا ہے۔ کیونکہ میرے سامنے تمام حلقہ شیشے کی طرح ہے۔ مجھے علم ہے کہ کن کن مقامات سے ہمیں کم ووٹ ملنا ہے اور پھر کہاں کہاں سے مخالفین کے بمشکل چند ووٹ ہی بر آمد ہونے ہیں۔

تمام پولنگ اسٹیشنوں پر ہمارے موٹر سائیکل سوار چاق و چوبند نوجوان موجود تھے جن کی نظریں پولنگ اسٹیشنوں پر لگی تھیں۔ جونہی گنتی ختم ہوتی وہ ایجنٹوں کو لے کر مرکز آرہے تھے۔

ادھر سے فون پر لوگوں کے رابطوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ کچھ لوگ روتے ہوئے بتا رہے تھے کہ شیخ یوسف صاحب کی کوٹھی پر خوشی سے فائرنگ ہو رہی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ وہ بہت لیڈ سے جیت رہے ہیں۔ ان کو حوصلہ دیا کہ تھوڑی دیر انتظار کریں فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ اخباری نمائندوں کے سوالات کی بوچھاڑ مخالف امیدوار کے ووٹوں میں اضافے کی خبریں تمام لوگوں کے لئے پریشانی کا باعث تھیں لیکن مجھے اطمینان تھا۔ پھر ایسے ہی ہوا کہ جھنگ صدر جھنگ سٹی اور دیگر علاقوں کا نتیجہ آنے لگا تو اس قدر ووٹوں کی شرح ہمارے حق میں بڑھنے لگی کہ لوگ مارے خوشی کے نڈھال ہونے لگے اور نعرہ تکبیر اللہ اکبر سے فضا گونجنے لگی۔ یوسف مجاہد صاحب لاؤڈ سپیکر پر نتائج پڑھ کر سناتے اور آخر میں یہ بتاتے کہ اب ہماری لیڈ قومی اسمبلی پر اتنے ہزار اور صوبائی اسمبلی پر اتنے ہزار کی ہے۔

رات دس بجے تک اکثر علاقوں سے نتائج آچکے تھے جس کے مطابق قومی اسمبلی کی

سیٹ سات ہزار سے زائد اور صوبائی اسمبلی کی سیٹ پندرہ ہزار سے زائد ووٹوں سے میں جیت چکا تھا۔

تمام حلقوں سے آمدہ ووٹوں کے حساب کے بعد حتمی صورتحال سامنے آ چکی تھی اور مسجد حق نواز شہید سے پرجوش اشعار کے ساتھ یہ اعلان کیا گیا۔

"جھنگ کے سنیو! جھنگوی و قاسمی کے پروانو! سپاہ صحابہؓ کے کارکنو!

تمہیں فتح مبارک ہو۔ ماؤ! بہنو! بیٹیو! سجدہ شکر بجالاؤ کہ حکمرانوں

کا غرور خاک میں مل گیا ہے اور اہل حق کا سر بلند ہو چکا ہے۔"

اس اعلان پر گھر میں موجود تمام اعزہ اور جماعتی ساتھی مجھ سے لپٹ گئے اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا رہے تھے۔ میں نے فوری گھر کے دوسرے کمرے کا رخ کیا جہاں چھوٹے بھائی مولانا محمد عالم طارق موجود تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دیا اور بغلگیر ہوتے ہوئے بولے بھائی جان آج اگر اباجی زندہ ہوتے.... بس یہ لفظ ان کی زبان سے نکلنا تھے کہ میری اپنی حالت غیر ہو گئی۔ والد صاحب کی جدائی کا زخم تازہ ہو گیا۔ میں اس طرح بے خود ہو کر رو رہا تھا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ اشکبار ہو گئی۔

اس اثناء میں قائد سپاہ صحابہ بھی پہنچ گئے۔ میں ان سے بغلگیر ہوا تو کسی منچلے نے بلند آواز سے کہا۔ جھنگوی" "قاسمی" شہیدوں کی روحوں کا آج قرض چکا دیا گیا ہے۔ ہم دونوں اس جملہ پر آب دیدہ ہو گئے۔ اب گھر سے مسجد تک جانے کے لئے صرف دس قدم چلنا تھا لیکن عوام کا ہجوم ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھا۔ جیسے ہی گھر سے باہر نکلا تو نوجوانوں نے کلاشنکوفوں کے برسٹ فضا میں داغ دیئے۔ اللہ اکبر کی صداؤں اور سپاہ صحابہؓ کے مخصوص نعروں سے فضاء آسمانی گونج اٹھی۔ پھر تقاریر ہوئیں۔ طاہر جھنگوی نے

اپنا تازہ کلام سنا کر لوگوں کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا۔ پنجابی نظم کا مطلع یہ ہے۔

سائیکل دیاں ٹٹ گیا تاراں سیڑھی جت گئی اے
کھادی مار بڑی غداراں سیڑھی جت گئی اے

(واضح رہے کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کا انتخابی نشان سائیکل تھا۔)

دوسرے روز جمعہ کے موقع پر جب طاہر جھنگوی نے مسجد حق نواز شہید میں یہ نظم پڑھی تو میری حالت غیر ہو گئی اور ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ حضرت جھنگوی اور قاسمی کی روحوں کی طرف سے خطاب کے عنوان پر اس نظم نے ہر شخص کو رلا دیا۔

چراغ زندگی ہوگا فروزاں ہم نہیں ہونگے
چمن میں آئے گی فصل بہاراں ہم نہیں ہونگے
ہمارے ڈوبنے کے بعد ابھریں گے نئے تارے
جبین دھر پر چھلکے گی افشاں ہم نہیں ہونگے
ہمارے دور میں ڈالی گئی تھیں الجھنیں لاکھوں
جنوں کی منزلیں جب ہوں گی آساں ہم نہیں ہونگے

قومی اخبارات اور عالمی ذرائع ابلاغ کی خبریں

۴ مارچ کے انتخاب کی خبریں ۵ مارچ کی صبح تمام قومی اخبارات نے شہ سرخیوں سے شائع کیں۔ کسی اخبار نے سرخ جمائی۔ "جھنگ سے مسلم لیگ کا جنازہ نکل گیا۔" کسی نے عنوان دیا "سپاہ صحابہؓ نے میدان مار لیا۔" کسی نے اس طرح اس خبر کو حل دی۔ جھنگ میں حکومت چاروں شانے چت ہو گئی۔ کسی نے خبر کو یہ صورت دی "حکمرانوں کا غرور خاک میں مل گیا۔" عالمی ذرائع ابلاغ نے بھی اس خبر کو بڑی اہمیت دی۔ کیونکہ مسلم لیگ کی حکومت کے دور میں اس کے تمام تر سرکاری وسائل کے استعمال کرنے کے باوجود

دونوں سیٹوں پر شکست فاش سے دوچار ہو جانا۔ پاکستان کی تاریخ میں ایک انہونی بات تھی۔

بقول حافظ لدھیانوی

شادابی بہار کے ساماں ہوئے تو ہیں
ہم آشنائے کشف بہاراں ہوئے تو ہیں
تاریکی چمن میں پرافشاں ہے روشنی
غنچے روش روش پہ فروزاں ہوئے تو ہیں
صیاد زیر دام ہے جس کا اسیر ہے
آزاد ساکنان گلستاں ہوئے تو ہیں
ان کو خدا کا ڈر نہیں بندوں کا ڈر سہی
کافر کسی طرح سے مسلماں ہوئے تو ہیں
برسوں رہی عنان جفا جن کے ہاتھ میں
وہ بھی شکار گردش دوراں ہوئے تو ہیں
آسودگان دامن ساحل کہیں کہیں
اب آشنائے بندی طوفاں ہوئے تو ہیں

سپاہ صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عزت و شان سے نوازا کہ دنیا بھر میں دینی و مذہبی سوچ رکھنے والوں کے سر فخر سے بلند ہو گئے۔ حکمرانوں کو اپنی شکست کا دکھ اور غم جس قدر ہوا وہ اپنی جگہ تھا لیکن ایران اور پاکستان کے شیعوں کے گھروں میں غم و افسوس کا جو ماتم برپا ہوا ہے اس کا اندازہ ہی ممکن نہ تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سپاہ صحابہؓ اتنی بڑی قوت بن کر ابھرے گی اور اس کے نمائندے اسمبلی میں پہنچ جائیں گے۔

ریڈیو تہران مسلسل اس فتح عظیم کو یہ کہہ کر جھٹلا رہا تھا کہ سپاہ صحابہؓ نے دہشت گردی [illegible] یہ الیکشن جیتا ہے اور تو اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے

اس بیان سے اخبارات اور سیاستدانوں نے خوب مزے لیے۔ جس میں انہوں نے کہا جھنگ میں ہمارے ساتھ دھاندلی ہو گئی۔ یعنی حکومت وقت کے ساتھ پولیس فوج اور انتظامیہ کے ڈنڈے کے ساتھ الیکشن میں حصہ لینے والی حکومت کو نہتی عوام نے زبردستی دھاندلی سے ہرادیا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے ان کا حسن کرشمہ ساز کرے

شروع میں گرچہ حکومت بڑی غلط فہمی کا شکار تھی لیکن آخری دنوں میں خصوصاً الیکشن کے روز اسے اپنی حقیقت نظر آچکی تھی۔ اسی وجہ سے سرشام ہی تمام وزراء پنجاب قطار میں گاڑیاں لگا کر پولیس کی سخت حفاظت میں شہر جھنگ چھوڑتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے۔

بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

دورہ متحدہ عرب امارات

جس دن میں ممبر اسمبلی منتخب ہوا، اسی روز مغرب کے وقت ماہ رمضان المبارک کے چاند نے طلوع ہو کر خوشیاں دوبالا کر دیں۔ انہی ایام میں متحدہ عرب امارات کے جماعتی دورے کا پروگرام بھی بن گیا۔ چنانچہ تقریباً سوا ماہ بعد متحدہ عرب امارات روانہ ہو گیا۔

۱۵ اپریل ۱۹۹۲ء کو دبئی ایئرپورٹ پر پہنچے تو کثیر تعداد میں علماء کرام زعما، ملت اور سپاہ صحابہؓ کے جیالے کارکنوں نے استقبال کیا غیر ملکی افراد متعجبانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ یہ آنے والا کون ہے جس کی ن پذیرائی ہو رہی ہے۔ کاروں کے ایک بہت بڑے جلوس میں قیام گاہ تک لایا گیا۔ میں نے وہاں پر موجود تمام ساتھیوں کو پاکستان کے موجودہ حالات اور سپاہ صحابہؓ کے پروگرام سے آگاہ کیا۔

سپاہ صحابہ ﷺ کے ساتھیوں نے اجتماعات کے پروگرام ترتیب دیئے ہوئے تھے۔ ۱۵ اپریل کو ہی پہلا پروگرام جامع مسجد العزیز دیرہ دبئی بعد از نماز عشاء ہوا جس میں تلاوت قرآن پاک کے بعد مولانا محمد صدیق مزاروی مرکزی نائب صدر سپاہ صحابہ متحدہ عرب امارات نے تعارفی کلمات بیان فرمائے۔ بعد ازاں میں نے عوام الناس کو شیعیت کی بڑھتی ہوئی جارحیت سے آگاہ کیا دوسرا پروگرام ۱۶ اپریل بروز جمعرات العین میں ہوا العین پہنچنے پر والہانہ استقبال ہوا۔ مقامی ساتھی کاروں کے جلوس میں شہر سے باہر آئے تھے۔ جہاں سے جلوس کی شکل میں مقامی دفتر واقع جامع مسجد ابوبکر صدیق ﷺ منطقہ صناعیہ لے گئے بعد از نماز عشاء جامع مسجد بلدیہ میں شاندار پروگرام ہوا جو کہ پاکستان کا منظر پیش کر رہا تھا۔

تیسرا پروگرام بھی العین کی جامع مسجد ابوبکر صدیق میں ہوا جہاں میں نے جمعہ کا خطبہ دیا اور چوتھا پروگرام بھی العین کی جامع مسجد منگل میں بعد از نماز عصر ہوا۔ بعد ازاں ناموس صحابہؓ کے علمبرداروں کا ایک بہت بڑا قافلہ ابوظہبی روانہ ہوا جہاں جامع مسجد دائرۃ السیاہ میں بعد از نماز عشاء شاندار عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے اپنے خطبات کے دوران شہید ناموس صحابہؓ امیر عزیمت مولانا حق نواز جھنگوی شہید کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ حق نواز ایک نظریہ ایک فکر اور ایک مشن کا نام ہے۔ وہ مشن عظمت صحابہؓ کا تحفظ ہے۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے ہم نے قربانیاں دی ہیں اور دیتے رہیں گے۔ عظمت صحابہؓ پر آنچ نہ آنے دیں گے ہم کٹ سکتے ہیں مر سکتے ہیں مٹ سکتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ پر تنقید برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ صحابہؓ کرام دین کی اساس ہیں امت تک دین کو پہنچانے کا سب سے اولین ذریعہ ہیں اگر اس ذریعہ کو نکال دیا جائے یا داغدار بنا دیا جائے تو پھر دین میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس لئے ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ اس مشن کی تکمیل کے لئے سپاہ صحابہؓ کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دے۔

جھنگ کے ضمنی انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ہم نے قومی و صوبائی حکومتوں کے علاوہ وڈیروں، جاگیرداروں سے الیکشن جیتا ہے اور اب ہم اسمبلی میں ناموس صحابہؓ کا بل پیش کریں گے تاکہ آئندہ کوئی بھی صحابہ کرامؓ کی عظمت پر حملہ نہ کر سکے۔ میں نے واضح کیا کہ ایران کی سرگرمیاں ملک کے لئے نقصان دہ ہیں۔ جن کا نوٹس لینا حکومت وقت کا فرض ہے۔ سپاہ صحابہؓ امن چاہتی ہے اور ہر اس شخص کے خلاف سراپا احتجاج ہے۔ جو اسلام کو مسخ کرے اور ملکی امن کو تاراج کرے۔ ایسے شخص کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کیا جائے گا۔۔ پاکستان کی حکومت امن کے راگ تو الاپتی ہے مگر امن چاہتی نہیں اگر حکومت مخلص ہے تو پھر اصحابؓ رسولؐ، امہات المومنینؓ کے خلاف چھپنے والا تمام لٹریچر ضبط کرے اور اس کے لکھنے اور چھاپنے والے کو سزائے موت دے تاکہ آئندہ کوئی ایسی ناپاک جسارت نہ کر سکے۔ سپاہ صحابہؓ اصحاب رسولؐ کے تقدس کو قائم رکھنے کا نام ہے۔ اس کو دہشت گرد کہنے والوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر صدیقؓ و فاروقؓ اور امی عائشہ و دیگر اصحاب رسولؐ کی عظمت کا علمبردار ہونا دہشت گردی ہے تو پھر اس دہشت گردی سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

۱۹ اپریل کو جامع مسجد الرفاعہ دبئی ۱۸ اپریل کویتی مسجد شارجہ۔ ۲۰ اپریل کو جامع مسجد المدینہ کپا صفا دبئی اور ۲۱ اپریل کو جامع ایکسیر عمان میں بھی عظمت صحابہؓ کے موضوع پر شاندار اجتماعات ہوئے اور لوگوں میں ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا ہوا اور مختلف اخبارات کو اس موضوع پر انٹرویو دیئے۔

۲۲ اپریل کو آخری پروگرام تربیتی نشست کے عنوان پر جامع مسجد الرفاعہ میں ہوا جو جلسہ کی شکل اختیار کر گیا اس پروگرام کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں سپاہ صحابہؓ متحدہ عرب امارات کے جملہ عہدیداران و کارکنان کے علاوہ عوام الناس نے بھی شرکت کی اور اس موقع پر پاکستان میں صوبہ پنجاب سپاہ صحابہؓ کے نائب صدر مولانا حافظ محمد صدیق صاحب

تشریف فرما تھے اور ان ہی کی دعا سے یہ پروگرام اختتام کو پہنچا اور ۲۳ اپریل کو دن کے گیارہ بجے دبئی ایئرپورٹ پر الوداع کہنے کے لئے سپاہ صحابہ متحدہ عرب امارات کے عہدیدار حضرات اور کارکن اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود کثیر تعداد میں حاضر تھے۔

کراچی ایئرپورٹ پر والہانہ استقبال

۲۴ اپریل ۹۲ء کو کراچی میں دوسری انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس منعقد کرنے کے فیصلہ کے بعد کانفرنس کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں۔ جھنگ کے الیکشن کی کامیابی کے باعث کارکنوں کے حوصلے آسمانوں سے باتیں کر رہے تھے اور پھر میرا بطور رکن اسمبلی کراچی میں جانا۔ کراچی کے دوستوں، کارکنوں اور تمام اہلسنت مکاتب فکر کے نوجوانوں، علماء کرام اور عوام کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔

چنانچہ ۲۳ اپریل کو کراچی کے بین الاقوامی ایئرپورٹ پر سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں کا تاحد نظر پرجوش اژدھام تھا اور سب کے چہرے، بلند حوصلوں اور خوشی و مسرت سے کھلے ہوئے تھے۔ میں ایئرپورٹ سے باہر آیا کارکنوں نے پرجوش فلک شگاف نعروں سے استقبال کیا اور سینکڑوں گاڑیوں، موٹر سائیکلوں پر مشتمل اس جلوس نے ایئرپورٹ سے مرکز سپاہ صحابہؓ مسجد صدیق اکبرؓ تک کا فاصلہ پانچ گھنٹوں میں طے کیا۔ اس جلوس سے انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس کے لئے فضا اور زیادہ سازگار ہوگئی اور دوسرے روز کراچی کے نشتر پارک میں فقید المثال کانفرنس کے انعقاد سے سپاہ صحابہؓ کا پیغام دنیا بھر میں پھیل گیا۔

دوسری انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس کراچی

۲۴ اپریل کو منعقد ہونے والی اس عظیم الشان تاریخی کانفرنس میں خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب آف کندیاں شریف، حضرت قائد محترم علامہ فاروقی شہید، حضرت مولانا سمیع الحق، مولانا اسفند یار خان، مولانا اسعد تھانوی، حضرت مولانا ضیاء القاسمی، مولانا محمد حنیف جالندھری، موجودہ قائد سپاہ صحابہ حضرت علامہ علی شیر حیدری اور راقم سمیت سپاہ صحابہ کے دیگر مرکزی و صوبائی راہنماؤں اور اندرون سندھ کے بیسیوں معزز علماء کرام نے شرکت کی اور انسانوں کے ٹھاٹیں مارتے ہوئے سمندر کو اپنے خیالات عالیہ سے نوازا۔

میں نے اپنی یادگار تقریر میں سامعین سے یہ وعدہ کیا کہ جھنگ کے عوام نے حکومت کے چالیس کروڑ روپے سے الیکشن جیتنے کے منصوبے کو ناکام بنا کر جس طرح جھنگوی شہید" کے مشن کو جان و مال، عزت و آبرو پر ترجیح دیتے ہوئے مجھے کامیاب کیا ہے۔ میں عوام کے اعتماد پر پورا اترتے ہوئے اسمبلی کے اندر اور باہر جھنگوی شہید" کے مقدس مشن کی تکمیل کے لئے بھرپور جنگ لڑوں گا اور نظریئے کی آبرو پر اپنی جان تک نچھاور کردوں گا۔ بہت جلد قومی اسمبلی میں ناموس صحابہ بل پیش کر کے دشمنان اصحاب رسول کی گستاخ زبانوں کو لگام دوں گا۔

کانفرنس میں مرکزی خطاب قائد محترم علامہ فاروقی شہید" کا تھا اور بلاشبہ ایک ایک لفظ سے آپ کی خداداد فہم و فراست اور فصاحت و بلاغت ٹپک رہی تھی۔ آپ نے امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلے میں خلافت راشدہ ورلڈ آرڈر پیش کر کے عالم اسلام کو اتحاد کی دعوت دی۔

☆☆☆ قومی اسمبلی کی رکنیت کا حلف

۳ مئی کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہو کر بطور رکن اسمبلی حلف اٹھانے کا مرحلہ آ پہنچا۔ میں اسمبلی کے عملہ کی نشاندہی کے مطابق اسمبلی میں اپنی نشست پر جا بیٹھا اور میرے سامنے اسمبلی کا حلف نامہ رکھ دیا گیا۔ جس پر میں نے اپنا نام حلقہ وغیرہ لکھ کر عبارت کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنے قلم سے اس حلف نامہ میں یہ اضافہ تحریر کر دیا کہ "میں پاکستان کے اس آئین و قانون کی پابندی کروں گا جو قرآن و سنت کے مطابق ہو گا۔" پھر جب سپیکر اسمبلی نے حلف کے لئے میرا نام پکارا اور میں نے کھڑے ہو کر سپیکر کے ساتھ ساتھ حلف کی عبارت دہرانا شروع کی تو سپیکر نے کہا" اور میں پاکستان کے آئین و قانون کا پابند رہوں گا" میں نے کہا اور میں پاکستان کے اس آئین و قانون کا پابند رہوں گا جو قرآن و سنت کے مطابق ہو گا۔ چونکہ پوری اسمبلی میں میری اور سپیکر کی آواز گونج رہی تھی اور ہر طرح خاموشی تھی۔ ان اضافی کلمات کے سنتے ہی اسمبلی میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

حلف کی کاروائی سے جب سپیکر صاحب فارغ ہوئے میں نے حلف نامہ پر دستخط کر کے انہیں بھجوا دیا تو یکدم ایک ساتھ کئی ممبران پارلیمنٹ پوائنٹ آف آڈر پوائنٹ آف آڈر کی آواز بلند کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ ان کا نقطہ اعتراض یہ تھا کہ مولانا نے چونکہ حلف صحیح نہیں اٹھایا لہٰذا ان سے حلف دوبارہ لیا جائے اور انہوں نے حلف میں جو اضافی کلمات کہے ہیں۔ انہیں واپس لیا جائے۔ جس پر میں نے کہا کہ "اگر آپ مجھ سے سو مرتبہ بھی حلف لیں گے تو میں اسی طرح حلف اٹھاؤں گا کیونکہ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے۔ اس لئے یہاں قرآن و سنت سے ہٹ کر کسی آئین و قانون کی پابندی نہیں کی جا سکتی ہے۔ بالآخر سپیکر نے رولنگ دی کہ حلف صحیح ہو گیا ہے۔ دوبارہ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

پہلی تقریر

حلف اٹھانے کے بعد جب اعتراض کرنے والوں کا شور ختم ہوا تو میں نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر پوائنٹ آف آرڈر پر کچھ کہنے کے لئے وقت مانگا جس پر سپیکر نے فلور میرے حوالہ کر دیا اور میں نے زوردار انداز میں مندرجہ ذیل تقریر کی۔ جس میں حکمرانوں کی زیادتیاں جھنگ کے حالات اور مختصراً حکومت کی کارکردگی کو زیر بحث لایا۔ تقریر اس قدر پرجوش اور موثر تھی کہ ایک ایک جملہ پر ارکان اسمبلی ڈیسک بجا رہے تھے اور حکومت و وزراء انگشت بدنداں تھے کہ اس شخص نے پہلے روز ہی اسمبلی میں تہلکہ برپا کر دیا ہے۔ تقریر ملاحظہ ہو!

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم جناب سپیکر:۔ میں آج چونکہ قومی اسمبلی کا باضابطہ حلف اٹھا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہاں اپنے تمام احباب کو اعتماد میں لاؤں کہ انشاء اللہ العزیز ملک کی سالمیت اور پاکستان کے تحفظ و بقا کے لئے میں ان حضرات کے ساتھ مل جل کر اس اسمبلی کا وقار بلند کرنے کے لئے کردار ادا کروں گا۔ جناب سپیکر! میں جس سیٹ سے کامیاب ہو کر آیا ہوں ایوان جانتا ہے اور آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ مولانا ایثار القاسمی شہید رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت سے سیٹ خالی ہوئی تھی اور وہ ۱۰ جنوری ۱۹۹۱ء کو شہید ہو گئے تھے۔ لیکن مجھے یہ بڑے دکھ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ مولانا کی شہادت کے بعد سے سوا سال تک بلا وجہ اس سیٹ پر الیکشن نہیں کرائے گئے اور جان بوجھ کر عوام کو نمائندگی سے محروم رکھا گیا۔ مولانا اس وقت ایم۔ این۔ اے بھی تھے۔ ایم۔ پی۔ اے بھی تھے۔ جھنگ کی عوام سوا سال تک اپنے دونوں نمائندوں سے محروم رہی اور بجائے اس کے کہ اس کو نمائندگی دی جاتی۔ اس کے مقابلے میں لاشوں کے تحفے دیئے گئے۔ سرباز ار علماء کو شہید کیا گیا اور

ایک سال کے عرصے میں ہمارے ۵۰ سے زائد کارکن شہید کیے گئے۔ میں سب سے پہلے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ آخر کیا وجہ تھی کہ سوا سال تک حکومت وہاں الیکشن نہیں کرا سکی، اور اگر حالات کو بہانہ بنایا جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ جو حکومت سوا سال تک ایک شہر کے حالات کنٹرول نہیں کر سکتی تو اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ ہم اس ملک میں حکومت کرتے ہیں۔ شکریہ

جناب سپیکر:۔ میں اپنے وزیر پٹرولیم صاحب سے ضمنی سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جھنگ ایک ایسا ضلع ہے، جو پاکستان بننے سے پہلے ضلع تھا اور فیصل آباد اور سرگودھا اس کی تحصیلیں تھیں، اور یہ ڈویژن بن گئیں۔ اس کی دونوں تحصیلوں مین اس وقت سوئی گیس ہے، جب الیکشن کے دنوں میں وزیر اعلیٰ پنجاب جھنگ تشریف لائے، تو انہوں نے کہا کہ میں یہاں ۱۴ کروڑ روپے کا اعلان کرتا ہوں اور جون میں یہ سوئی گیس دے دی جائے گی۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا وہ منصوبہ وزیر اعلیٰ صاحب کے فرمان کے مطابق رکھ دیا گیا یا وہ محض ایک اعلان تھا اور ووٹ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ شکریہ!"

میں نے اس مختصر تقریر میں جن جواب طلب امور کا ذکر کیا، افسوس کہ ارباب اقتدار کو ان کا جواب دینے کی توفیق نہ ہوئی۔

صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر حاجی عابد حسین کا بلا مقابلہ انتخاب

قومی اسمبلی کی دونوں سیٹوں پر کامیابی کے بعد میں نے صوبائی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا تاکہ خود قومی اسمبلی میں اپنا کردار ادا کر سکوں تو صوبائی اسمبلی کے الیکشن کے لئے چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے شیڈول کا اعلان کیا گیا۔ ادھر سپاہ صحابہؓ کی طرف سے امیدوار صوبائی اسمبلی کا انتخاب کرنے والی کمیٹی کا دیر تک مرکز سپاہ صحابہؓ میں اجلاس جاری رہا۔ شہر کے تاجران، معززین، کونسلرز جماعت کے یونٹوں کے عہدیداران کی آراء

حاصل کی گئیں پھران کی روشنی میں سلیکٹ کمیٹی کے ارکان نے خفیہ رائے دہی کے ذریعہ (جو اس کمیٹی کے ممبران وارکان کے درمیان ہوئی تھی) حاجی عابد حسین برادر میاں اقبال حسین شہید کے امیدوار ہونے کا اعلان کر دیا۔ حاجی عابد حسین کے خاندان تاجران کمیٹی اور میری ذاتی کوششوں سے ۷ مئی کو ہی حاجی عابد حسین بلامقابلہ منتخب ہوگئے کیونکہ ان کے مقابلہ پر کاغذات نامزدگی داخل کرانے والوں نے اپنے کاغذات واپس لے لیئے تھے۔ یہ بلا مقابلہ انتخاب جماعت کی ایک اور بڑی فتح تھی۔

وزیر اعظم ہاؤس میں میاں شہباز شریف کی دعوت پر بات چیت

حلف اٹھانے کے بعد اسمبلی میں وقتاً فوقتاً پوائنٹ آف آڈر پر حکومت کے غلط اقدامات کے خلاف آواز بلند کرنے اور اسلام کے نام پر ووٹ لے کر اسلامی قوانین کے مذاق اڑانے پر سخت تنقید کرنے کا سلسلہ جاری ہوچکا تھا۔ آخر کار حکومت کی طرف سے یہ پیغام بعض بزرگوں کے ذریعہ ملا کہ حکومت آپ سے ملاقات کی خواہاں ہے۔ چنانچہ حضرت قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی اور مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب کی معیت میں وزیر اعظم ہاؤس اسلام آباد میں میاں شہباز شریف کی دعوت پر جانے کا پروگرام بنایا گیا۔

اس موقع پر "میاں صاحب" نے کہا آپ جمعیت علماء اسلام (س) گروپ کے پلیٹ فارم سے منتخب ہوئے ہیں اور یہ جماعت آئی جے آئی میں ہماری حلیف رہی ہے۔ آپ اب اپوزیشن کی سیٹوں پر بیٹھ چکے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارا تعاون کریں اور ہمارے ساتھ بیٹھیں۔

میں نے کہا جناب میاں صاحب! ہم تو اسلامی جمہوری اتحاد کا حصہ تھے لیکن آپ نے خود ہمیں اپنا حریف بنایا ہے۔ ہمیں ہماری سیٹ دینے کی بجائے ہمارے مقابلہ میں اپنے

آدی کھڑے کر کے ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کو سوچنا چاہیے تھا کہ آپ حلیفوں کو حریف کیوں بنا رہے ہیں؟ تو میاں شہباز شریف صاحب نے غلام حیدر وائیں کو صلواتیں سنانا شروع کر دیں اور کہا میں نے خود اور وزیر اعظم صاحب نے بھی وائیں کو سمجھایا تھا کہ وہ سپاہ صحابہؓ کا مقابلہ نہ کریں لیکن وہ ضد کرنے لگ گئے۔ اب آپ ان باتوں کو جانے دیں۔ نئے سرے سے ہمارے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔

میں نے کہا میاں صاحب ہماری آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور نہ کوئی ذاتی مخالفت و مخاصمت ہے۔ ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں مولانا ایثار القاسمی اسلامی جمہوری اتحاد کے پلیٹ فارم سے منتخب ہو کر آپ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ آپ اسلامی جمہوری اتحاد کے پلیٹ فارم سے عوام کے ساتھ کیے جانے والے وعدوں یعنی اسلام کے نفاذ کے لئے شریعت بل کو پاس کرانے سے منحرف ہو چکے ہیں۔ ملک میں قرآن و سنت کی بالا دستی کا وعدہ فراموش کر چکے ہیں۔ اس وجہ سے جماعت اسلامی بھی آپ سے الگ ہو رہی ہے۔ آپ اور کچھ نہیں تو کم از کم سودی نظام بینکاری کا خاتمہ کر دیں۔ ہم آپ کے ساتھ بیٹھنے کو تیار ہیں تاکہ کوئی جواز تو بن سکے۔ اس پر میاں شہباز شریف نے کہا۔ سودی نظام کے خاتمہ سے ہم بالکل مفلوج ہو جائیں گے اور ملک کا نظام تباہ ہو جائے گا۔ پوری دنیا سے ہم کٹ کر رہ جائیں گے۔ اس لئے یہ بات ممکن نہیں ہے۔

میں نے کہا میاں صاحب پھر آپ یہ بھی جان لیں کہ الیکشن میں سرکاری خزانہ، ملازمتوں اور تعمیراتی کاموں کے مقابلہ میں عوام نے مجھے اسلام اور شریعت مطہرہ کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرنے کے عنوان پر کامیاب کرایا ہے۔ میں نے ووٹ اسلام کے نام پر لئے ہیں۔ میں ایسی حکومت کا ساتھ نہیں دے سکتا جو سودی نظام کی محافظ ہو اور اسلام کے وعدہ سے روگردانی کر رہی ہو۔ مجھے علم ہے کہ آپ میرے اس انکار پر میرے خلاف ضرور کچھ سوچیں گے لیکن میرا جینا مرنا اسلام کے لئے ہے۔ میں اپنا فرض جس طرح بھی بن پڑا ادا کرتا

رہوں گا۔ شہباز شریف سے میری بات کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور محفل برخاست ہو گئی۔

نائب سرپرست اعلیٰ کے عہدہ پر دوبارہ انتخاب

۱۷ مئی کو مرکزی دفتر سپاہ صحابہؓ جھنگ میں سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس ہوا۔ جس میں آئندہ تین سال کے لئے مرکزی مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں لایا جانا تھا۔ میں نے بھی اپنے عہدے سے استعفیٰ پیش کر کے استدعا کی کہ میری سیاسی و سماجی ذمہ داریاں بہت حد تک بہت بڑھ گئی ہیں۔ لہٰذا مجھے جماعتی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا جائے لیکن ایک مرتبہ پھر مجھ سمیت قریباً تمام مرکزی سابقہ عہدیداران کو منتخب کر لیا گیا تاکہ جماعت کا کام اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں مزید آگے بڑھایا جا سکے۔

قومی اسمبلی میں مشن سپاہ صحابہؓ کی پہلی آواز

۲۱ مئی کو قومی اسمبلی میں اس پہلی تقریر کرنے کا موقع ملا جس میں گستاخ صحابہؓ کی حقیقت اور حکومت کی اسلام کے وعدوں سے انحراف پر بات کی گئی۔ تقریر کی تفصیلات ہی تقریر پر خود گواہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں

جناب سپیکر:۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا خدا کر کے دو بجے سے پہلے مجھے کچھ کہنے کا موقع مل رہا ہے، اور میں آج اس اسمبلی میں جو اس ملک کی اسمبلی ہے جو اس کرہ ارض پر دنیا کا وہ واحد دوسرا ملک ہے۔ جو مدینہ منورہ کے بعد ایک نظریے کی بنیاد پر حاصل کیا گیا ہے اور ہم آج اس ملک کی اسمبلی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جس کے حصول کے لئے لاکھوں قربانیاں دی گئیں، اور ہزاروں عزتیں پامال

ہوئیں اور آج بجٹ بھی اس جماعت کی طرف سے پیش کیا گیا جو سوا سال پہلے اسلام کے نام پر منتخب ہو کر اس "ہال" میں آئی اور وہ حکومت کرنے کے لئے آگے بڑھی لیکن میں اس ملک کی نظریاتی بنیادوں اور اسلام کے نام پر اقتدار حاصل کرنے والی اس جماعت کے برسراقتدار آنے کے بعد جب بجٹ پر نظر کرتا ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس بجٹ نے اسلامی اصولوں کو جس طرح نظرانداز کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

اسلام سے راہنمائی کیوں نہیں لی جاتی؟

جناب والا:- آخر کیا وجہ ہے آج ہم اپنے معاملات کو اپنے بجٹ اور آئندہ کے پروگراموں کو استوار کرنے کے لئے دنیا کے دروازوں پر دستک دیتے ہیں اور ہم حالات اور دیگر ممالک کی طرف دیکھتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے پاس ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ہمارے پاس زندگی گزارنے کا ایک مکمل نصب العین ہے۔ وہ بھی تو سب کچھ ہمیں بتلاتا ہے ہمیں اس سے راہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب ہم اپنے دنیاوی معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو عملی طور پر ہم اس قیامت تک کے لئے جو ضابطہ حیات اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس دین کی صورت میں قرآن و سنت بھیجا ہے۔ اس سے انحراف اور چشم پوشی کرتے ہیں۔

جناب والا:- آج یہ کہا جاتا ہے کہ موجودہ حالات اور ضروریات اور ہمارے اقتصادی نظام کو اگر سود سے الگ کر دیا جائے، اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے تو ہم حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میرا سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اقتصادی نظام کو، معاشی نظام کو، اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا کب تھا؟ آپ کہتے ہیں، لاؤ کوئی نظام۔ میں پوچھتا ہوں اس اسمبلی کا قانون اور دنیا کا بنایا ہوا قانون یا پہلے سے بنے ہوئے قوانین آسمانوں سے اترتے ہیں؟ آپ نے کبھی ماہرین کو علماء کرام کے

ساتھ بٹھایا، تاکہ ہم اسلام کے مطابق اپنی معیشت اور اقتصادیات کو ڈھالیں؟ جب آپ نے کوئی بٹھایا ہی نہیں ہے کسی کے کام سپرد کیا ہی نہیں، تو پھر وہ آپ کو کیا دے؟ اور جب بٹھایا تھا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے آپ کو یہ ۱۲ تجاویز دی تھیں جو ۱۹۸۵ء میں جب صدر غلام اسحاق خاں صاحب وزیر خزانہ ہوتے تھے۔ انہوں نے اسٹیٹ بینک کے ذریعے سے اپنی تمام برانچوں کو حکم دیا تھا کہ ان ۱۲ ضابطوں پر اپنی برانچوں کے اندر عمل درآمد کرایا جائے لیکن میں پوچھنا چاہتا ہوں جب حکومت بدل گئی۔ جونیجو صاحب کی حکومت آئی وہ وزیر خزانہ نہ رہے (یعنی جناب غلام اسحاق خاں صاحب) تو اس کے بعد ان ۱۲ تجاویز پر جو اسلام کی روشنی میں اسٹیٹ بینک کے حکم پر بینکوں میں چلی گئی تھیں۔ عمل درآمد کیوں نہیں کیا گیا؟ آج صرف ان میں سے ایک شق رائج ہے جس کو مضاربہ کہتے ہیں، اور وہ بھی جس طرح بینکوں میں چلائی جا رہی ہے، اور جس طرح بینکوں کے اندر نافذ العمل ہے اس کا اس آرڈر اور اس کتاب کی تعلیم کے مطابق کوئی بھی واسطہ نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا کہ اسلام ہماری اقتصادیات او[illegible]ی معیشت کیلئے ہماری آج راہنمائی نہیں کرتا۔ تو بحیثیت مسلمان گویا کہ ہم یہ بات [illegible]یم کرتے ہیں کہ اسلام تنگ دامن ہے کہ مخصوص طبقے کے لئے مخصوص زمانے کے لئے آیا تھا، جو آج ہمارے لئے کوئی گنجائش نہیں رکھتا میں سمجھتا ہوں ایک لمحہ کے لئے بھی مسلمان یہ تصور نہیں کر سکتا ہے۔ اللہ کی کتاب ہمارے پاس ہے۔ جب ہمارے پاس مکمل ضابطہ حیات ہے۔ آپ یورپ کے دروازے پر کیوں دستک دیتے ہیں؟ آپ چرچل، لنکن، ہٹلر کی بات کیوں کرتے ہیں؟ آپ خلافت راشدہؓ کے دروازے پر کیوں دستک نہیں دیتے۔ آپ پیغمبرؐ کے در اقدس پر کیوں نہیں آتے؟ جہاں آپ کو ایسا نظام ملے گا جہاں آپ کو ایسے بادشاہ ملیں گے جو رات کی تاریکیوں میں چل کر اپنے علاقے کی بیواؤں، یتیموں کا حال پوچھتے ہیں۔ وہاں آپ کو ایسے امیر المومنینؓ ملیں گے جو یہ کہتے تھے کہ فرات کے کنارے اگر کوئی کتا بھوکا مر گیا تو

ہم سے سوال ہو گا، لیکن آج کیا وجہ ہے؟ کہ ہم ان تمام چیزوں سے چشم پوشی کر رہے ہیں اور چشم پوشی کا عالم تو جناب یہ ہے۔ آج ہم اپنے اسلام کے ان مشاہیر کے تقدس کا بھی تحفظ نہیں کر سکے۔ یہ آج مجھے صبح لیٹر ملا ہے، بھکر میں F.I.R کاٹی گئی ہے کہ اس مہینے کی ۹ تاریخ کو بھکر کے ایک ماسٹر نے سکول کی تعلیم دیتے ہوئے پیغمبر اسلام پر توہین آمیز جملے کستے ہوئے، کہا کہ "اللہ کے رسول ؐ اپنی بیویوں کے پاس اس طرح جاتے تھے جس طرح کوئی مینڈھا بکریوں کے پاس جاتا ہے۔" (معاذ اللہ) اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور اصحابؓ رسول ؐ پر توہین آمیز جملے کسے ہیں، جناب یہ ایک F.I.R کی بات نہیں ہے۔ اس ملک میں اس وقت ۲۵۰ کتابیں موجود ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر آج مارکیٹوں پر منظر عام پر آئی ہوئی ہیں اور ہم نے بار بار حکومت کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ ہمیں کہا جاتا ہے تم دہشت گرد ہو، تم تخریب کار ہو، اگر ولی خاں والے حضرات غفار خاں کے خلاف کوئی بات نہیں سنتے، انہیں کوئی دہشت گرد نہیں کہتا اور کوئی شخص اپنے کسی محسن کے خلاف کوئی بات نہیں سنتا۔ اسے کوئی دہشت گرد نہیں کہتا اور اگر ہم کہیں کہ پیغمبرؐ کے صحابہؓ کے ناموس کا تحفظ ہونا چاہیے۔ ان کے خلاف گالی گلوچ کا دروازہ بند ہونا چاہیے تو اسے دہشت گردی کہا جاتا ہے۔ تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں سب سے بڑا دہشت گرد ہوں۔ جناب محترم آج اس ملک میں پیغمبرؐ کے صحابہؓ کے لئے کوئی قانون نہیں ہے۔ جو کتا چاہے بھونکتا چلا جائے، بڑے بڑے غیر ملکی لیڈر اسلام کے نام پر (سپیکر:۔ یہ کتا غیر پارلیمانی لفظ ہے) اگر کوئی صحابہؓ کے خلاف بھونکتا ہے تو وہ کتے سے بھی بد تر ہے۔ (سپیکر:۔ اور جو آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو بات کسی استاد نے کی ہے۔) مولانا یہ F.I.R میرے پاس موجود ہے۔ میں تحریک استحقاق پیش کرتا ہوں۔ (سپیکر:۔ ٹھیک ہے آپ بات کریں)

فرقہ وارانہ فسادات کا حل اور ایران کی مداخلت

تو جناب محترم:- میں عرض کر رہا ہوں کہ اس ملک میں آپ کہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ اختلافات کیوں ہیں۔ لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں یہ ہمارے جے سالک صاحب بیٹھے ہیں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کا یہاں جھگڑا کیوں نہیں ہوتا۔ اس ایوان میں راناچندر سنگھ صاحب بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا جھگڑا کیوں نہیں ہوتا۔ شیعہ، سنی فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کسی ایک طرف سے دوسرے کے مشاہیر کو اور خاص طور پر ہمارے ایمان اور عقیدے کے محور پیغمبرؐ کے صحابہؓ کو نہ صرف طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ انہیں ماں، بہن کی وہ گالیاں دی جاتی ہیں جو کوئی سننے والا برداشت نہیں کر سکتا۔ اس ملک میں اس کے لئے کوئی قانون نہیں ہے۔ آگے محرم آرہا ہے اور ہماری وزیراعظم صاحب سے ملاقات ہو چکی ہے اور جناب وفاقی وزیر مذہبی امور سے ہماری میٹنگ ہو گئی ہے۔ اس میں شیعہ بھی تھے، سنی حضرات بھی تھے، تمام مکاتب فکر تھے۔ اس بات پر اتفاق ہو چکا تھا کہ صحابہ کرامؓ کے خلاف بکواس کرنے والے کو سزائے موت دینی چاہیے۔ وہ وزارت مذہبی امور کی سفارشات وزیراعظم صاحب کو پہنچ گئی ہیں۔ وزیراعظم سے ہماری اپیل ہے کہ وہ اسمبلی کے فورم پر لائی جائیں۔ تاکہ انہیں قانون کی شکل دی جائے۔ آئندہ کسی شخص کو بدزبانی کی جرات نہ ہو، کسی کے جذبات مجروح نہ ہوں اور پھر ملک میں ہنگامہ آرائی نہ ہو۔ اگر محرم سے پہلے پہلے صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ کے خلاف بکواس کرنے والوں کے لئے بل پاس کر لیا جائے، کوئی [illegible]نون بنا دیا جائے اور ایسا آسان قانون ہو کہ قابل دست اندازی پولیس ہو۔ جب کوئی آدمی آئے کوئی ٹیپ لائے۔ کوئی تحریری کتاب پیش کرے فوراً F.I.R کٹے تو آپ دیکھیں گے۔ میں ذمہ داری دیتا ہوں کہ ایک محرم نہیں تمام محرم امن و امان سے گزریں گے، لیکن

"غیر ملکی" خاص طور پر میں غیر ملکی اشارہ کر رہا ہوں۔ اسی جگہ پہ کھڑے ہو کر مولانا ایثار قاسمی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ ایران کے تخریب کار مجھے قتل کرنے کے لئے آگئے ہیں اور اب وزارت داخلہ کا لیٹر مجھے مل چکا ہے۔ کسی نہ کسی ذریعے سے جس میں کہا گیا ہے کہ اعظم طارق کو قتل کرنے کے لئے ایران کے تخریب کار آگئے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں ہمیں یہ بتلاتے ہو کہ ایران کے تخریب کار آگئے ہیں۔ تم ان کی گرفت کیوں نہیں کر سکتے کیا ہم اتنے بے بس ہو چکے ہیں؟ کیا ہم کسی کی رعایا ہیں؟ کہ آج ایران کا ریڈیو ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ہر ملک میں ایک سفارت خانہ ہوتا ہے۔ آج پاکستان میں صرف ایران کے ۱۳ خانہ ہائے فرہنگ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ یہاں پیسہ دے رہے ہیں وہ زہریلا لٹریچر پھیلا رہے ہیں تاکہ ملک میں خانہ جنگی ہو اور یہاں تخریب کاری میں اضافہ ہو اور اس کی حوصلہ افزائی ہو۔

آٹے اور ٹیلی فون کے ریٹ میں اضافہ کیوں؟

جناب سپیکر:۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اس بجٹ پر کہنا چاہتا ہوں کہ یہ آٹا، گھی، دال اور گوشت اور اسی طرح ٹیلی فون جو دیگر چیزیں ہیں۔ جناب سپیکر آٹے کی اگر قیمت ایک روپیہ فی کلو کم کر دی گئی ہے تو وہ صرف بیت المال سے کیوں؟ آٹا تو ہر آدمی کھاتا ہے۔ روٹی تو ہر آدمی کھاتا ہے۔ غریب بھی اتنی ہی کھاتا ہے۔ امیر بھی اتنی ہی کھاتا ہے۔ جب آپ کے ملک کی ۹۰ فیصد آبادی غریب ہے۔ ۱۰ فیصد کے لئے صرف یہ خیال کرتے ہیں۔ اگر آپ ہر قسم کا آٹا سستا کر دیں تو ۹۰ فیصد کو فائدہ ہوا تو ساتھ اس میں ۱۰ فیصد کو بھی ہو گیا تو کیا ہوا؟ لیکن غریب کو ایک لائن میں [illegible] آنا اور سارا دن اسے ذلیل کرنا ایک روپے کے بدلے اس سے بڑھ کر غریب کی توہین نہیں ہو سکتی۔ ٹیلی فون کا ریٹ تو آپ نے ڈبل کر دیا ہے۔ جہاں ڈیڑھ روپے سے کال ۲ روپے کی ہو گئی لازمی بات ہے کہ پھر ایک شہر سے

دوسرے شہر کی کال کے چارجز بھی بڑھ جائیں گے۔ غریب کے پاس تو ٹیلی فون ہی نہیں ہے۔ وہ ضرورت کا مارا P.C.O پر جائے گا۔ وہ تین تین گنا زیادہ ٹیلی فون کے پیسے دے گا۔ بتلاؤ اس بجٹ میں غریبوں کے لئے کیا رکھا ہے۔

سکولوں میں قرآنی تعلیم و طب یونانی کی ضرورت

جناب محترم:- اس کے ساتھ ساتھ ہماری ضروری بنیادی چیز تعلیم ہے۔ ہم خواندگی میں سب سے پیچھے ہیں۔ میں اس سلسلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آج ہمارے F.A، بی۔ اے پاس بہت سے لوگ بڑی بڑی پوسٹوں پر ہیں۔ لیکن انہیں قرآن مجید صحیح نہیں آتا۔ انہیں کلمے اور نماز نہیں آتی۔ آپ اپنے ملک کی پرائمری تعلیم تک کے لئے قرآن پاک کو لازمی قرار دیجئے اور ریاضی پڑھانے کے لئے جس طرح آپ ریاضی دان رکھتے ہیں۔ آپ سائنس دان رکھتے ہیں۔ آپ قرآن پڑھانے کے لئے پرائمری سکول میں قاری قرآن کا تقرر کریں۔ تاکہ وہ صحیح قرآن پڑھائے، تاکہ وہ صحیح نماز و کلمے پڑھائے۔ اس کے بغیر آپ پرائمری کی سند مت جاری کریں اور اس کے ساتھ ساتھ جناب اس کے بعد صحت ہے۔ صحت کے لئے بجٹ میں ہم پیسہ رکھتے ہیں۔ ہم ایلوپیتھک کی باہر سے دوائیاں برآمد کرتے ہیں۔ میں یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ ہم طب کو فروغ دیں۔ ہم طب اسلامی کو فروغ دیں۔ آپ طب کے دروازے پر آئیں۔ آپ کو اپنے ملک سے دوائیاں ملیں گی۔ آپ کے لئے اپنے ملک میں جڑی بوٹیاں سونے سے زیادہ قیمتی موجود ہیں۔ آپ طب پر زور دیں اس کا کوئی (Side Effect) نہیں ہوتا۔ اس سے آپ کا ملک مستحکم بھی ہو گا۔ آپ کو باہر سے کچھ نہیں منگوانا پڑے گا۔ آپ اپنے ملک میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے۔

ٹیلی ویژن کا گھناؤنا کردار

جناب والا:- اس وقت ٹیلی ویژن میں خاص طور سے میں اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اسلامی حکومت ہے۔ پہلے فلم آٹھ دن کے بعد آتی تھی۔ اب دو دن کے بعد آتی ہے۔ اس قوم کو فلمیں دکھاؤ گے اور یہ ڈرامہ کیا ہوتا ہے؟ "ایک لڑکی نکلی ایک لڑکا نکلا، وہ دونوں مکان پر چلے گئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔" اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس ملک میں ہمیں یہی تعلیم دی جاتی ہے؟ آج پاکستان ڈے Day پر ثقافت دکھا رہے ہیں۔ ڈھول بج رہے ہیں، ناچ رہے ہیں۔ یہ کس ملک کی ثقافت ہے؟ جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا؟ اسلام نے یہ ثقافت دی ہے؟ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے؟ کہ آج اس ملک کے یوم پر اور اس کے ڈے Day پر تم اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکت کی کیا ثقافت دکھاتے ہو؟ کہ ہماری ثقافت ناچنا ہے۔ ہماری ثقافت گانا ہے۔ ٹیلی ویژن کا کردار اتنا غلط ہے کہ جس نے اس قوم کے اخلاق کو تباہ کر دیا ہے۔

(سپیکر:- مولانا صاحب آپ کا ٹائم ختم ہو گیا ہے۔)

رشوت ستانی

جناب سپیکر:- رشوت کو دیکھ لیجئے۔ رشوت ستانی کا یہ عالم ہے۔ جب کوئی اور جائے تو کام ہو جاتا ہے۔ ہم جائیں تو کام نہیں ہوتا۔ کیونکہ مولوی رشوت نہیں دیتا اور وہ مانگ نہیں سکتا اور اس لیے جہاں ہم کامیاب ہوئے وہاں ہمیں ایماندار آفیسر دیئے گئے ہیں۔ اگر ایک افسر ایماندار ہے تو رشوت کے ریٹ اور بڑھ جاتے ہیں۔ نیچے والے کہتے ہیں، رشوت دے دو، ورنہ اوپر والا بڑا ایماندار ہے۔ (وہ ناجائز کام نہیں ہونے دے گا) تو لوگ کہتے ہیں اس کے پاس جائیں گے تو مر جائیں گے۔ یہیں سے رشوت لے لیجئے اور کام کر دیجئے۔

جھنگ کے مسائل

جناب والا:- اس وقت خاص طور پر میں ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جھنگ کے مسائل کیا ہیں؟ جھنگ وہ علاقہ ہے جو بدنام ہو گیا، کیوں بدنام ہوا، یہاں حالات کیوں خراب رہے۔ جاگیرداروں کو اپنے اقتدار کا سورج غروب ہوتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے، حق نواز شہید" کی جلائی ہوئی شمع روشن ہو رہی ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے یہاں غریب بیدار ہو رہا ہے، تو انہوں نے دیکھا کہ اس سے ہماری جاگیرداری ختم ہو جائے گی اس لئے انہوں نے مولانا حق نواز کو شہید کرا دیا۔ مولانا ایثار القاسمی" کو شہید کرایا۔ میاں اقبال" کو شہید کرایا۔ دن دیہاڑے پانچ علماء کو گولیوں سے اڑا دیا گیا اور ایک تیر سے دو شکار کرتے رہے کہ ضمنی الیکشن نہ ہو اور جھنگ میں امن نہ ہو۔ نتیجہ کے طور پر سوا سال تک جھنگ کی عوام کو الیکشن سے محروم رکھا گیا ہے۔ میرا آج مطالبہ ہے۔ آپ ہمارا تعاون کیجئے۔ تاکہ جتنا جھنگ بدامنی کے باعث بدنام ہے ہم اسے اتنا ہی نیک نام بنا دیں۔

جھنگ کے لئے سوئی گیس کی ضرورت

جناب والا:- جھنگ وہ ضلع ہے جو پاکستان بننے سے پہلے کا ضلع تھا۔ سرگودھا، فیصل آباد اس کی تحصیلیں تھیں۔ وہ تحصیلیں، تحصیلوں سے ضلع بنیں۔ ضلع سے ڈویژن بن گئیں۔ یہ بیچارہ ضلع کا ضلع ہے۔ (اب اگر چنیوٹ ضلع بن گیا تو یہ اس کی تحصیل بن جائے گا) اور اس کی تحصیل چنیوٹ میں بھی سوئی گیس ہے۔ جھنگ کی موجودہ تحصیل شورکوٹ کینٹ میں بھی سوئی گیس ہے، لیکن جھنگ میں نہیں ہے۔ ۱۹۸۵ء میں وزیر اعظم محمد خان جونیجو صاحب وہاں گئے بڑے بڑے پوسٹر چھپے۔ کہا اسی سال سوئی گیس دیتے ہیں، ابھی

تمیرے مقابلے میں مسٹر وائیں صاحب آئے۔ اس وقت غلام حیدر وائیں زندہ تھے۔ انہوں نے کہا "۱۴ کروڑ روپے کا اعلان کرتا ہوں، اور جون میں تمہیں سوئی گیس مل جائے گی" میں مطالبہ کرتا ہوں کہ ان اعلانات کے مطابق ہی ہمیں سوئی گیس دے دو، یا پھر مان لو جناب وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے بھی دھوکہ کیا تھا اور رہی سہی کسر وائیں صاحب نے پوری کردی۔

کولمبو پلان کے تحت دی گئی زمینوں کے مالکان کی پریشانی

جناب والا:- جھنگ کے مسائل میں سے کولمبو پلان کے تحت آج سے ۳۰ سال پہلے بنجر زمینوں کو آباد کرنے والے مہاجر آئے۔ آج زمینیں آباد ہو گئیں۔ سبزہ لہلہانے لگا، تو آج کہا جاتا ہے کہ ہم تمہیں الاٹ منٹ نہیں دیتے۔ ان کی کھڑی فصلوں کو بلڈوز (Buildos) کردیا جاتا ہے۔ ان کو الاٹ منٹ دی جائے، تاکہ وہ بیچارے سکھ کا سانس لے سکیں، اور آج جھنگ کی ریلوے لائن پر کوئی پل نہیں ہے۔ اور میاں اقبال صاحب جو شہید ہوئے۔ جو ہمارے ضمنی الیکشن کے امیدوار تھے وہ بیچارے سسک رہے تھے، خون بہہ رہا تھا۔ لیکن پھاٹک بند تھا۔ اس پھاٹک کے ساتھ ہی ہسپتال ہے۔ ہمارا پرانا مطالبہ ہے ہمیں پل دیا جائے تاکہ ہسپتال تک بروقت مریض پہنچ سکیں اور ہمارا یہ مسئلہ حل ہو۔ آج جھنگ کی بلدیہ وہ واحد بلدیہ ہے کہ جو اس وقت ستر لاکھ روپے کی مقروض ہے لیکن اس کے لئے اس بناء پر تعاون نہیں کیا جاتا کہ یہ سپاہ صحابہؓ کے پاس آ گئی ہے۔

افغانستان علماء نے فتح کیا ہے

جناب محترم:- میں اپنی تقریر کی وساطت سے اور جناب والا کی وساطت سے چند

ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا کہ ایرانی تخریب کاروں کو پکڑا جائے، ایران کے ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کو لگام دی جائے اور اسی طرح پاکستان میں اصحابؓ رسولﷺ کے ناموس کے تحفظ کے لئے کوئی آئینی بل لایا جائے اور اسی طرح جھنگ کے مسائل حل کیے جائیں اور میں ضروری سمجھتا ہوں کہ میں افغانستان کے مسئلہ پر . ہاں ہماری اختلافات کی باتیں ہیں جو اچھی بات ہے ہم اسے خراج تحسین پیش کرتے ہیں میاں محمد نواز شریف صاحب کا جانا خاص طور پر مولانا سمیع الحق مدظلہ کا کردار اور میں آج کہنا چاہتا ہوں۔ ملائیت ملائیت کرنے والو! افغانستان ملاؤں نے فتح کیا ہے۔ افغانستان کی فتح علماء کی فتح ہے اور وہ الحمدللہ فاتح بن کر داخل ہو چکے ہیں۔ یہی علماء کشمیر جا رہے ہیں۔ یہی علماء آپ کو برما اور فلپائن میں ملیں گے۔ یہی علماء آپ کو چند روز کے بعد فلسطین میں ملیں گے۔ علماء کو بدنام کرنا آسان ہے لیکن یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو سر کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں، اور ہر لمحہ اللہ کے دین کے لئے وطن کی ناموس کے لئے جان کو قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ شکریہ!

قومی خزانہ میں بے دریغ لوٹ کھسوٹ کے خلاف تقریر

۲۶ مئی کو اسمبلی میں ان لوگوں کے خلاف جو حکومت کی آشیرباد سے بڑے بڑے قرضے لے کر معاف کرا لیتے ہیں ایک موثر خطاب ہوا جو درج ذیل ہے۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم **جناب سپیکر:-**

بھائی فاروق لغاری نے قومی اسمبلی کے بارے میں جو تجاویز دی ہیں۔ (اس وقت فاروق لغاری رکن اسمبلی تھے) میں ان کی تائید کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ میں وفاقی حکومت کی جانب سے جو ترقیاتی قرضے اور پیشگی رقوم دی جاتی ہیں اور جن کی تعداد

اکتالیس ارب تک پہنچ چکی ہے۔ میں اس سلسلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ اکثر قرضے ایسے لوگوں کو دیئے جاتے ہیں جن سے نجی تعلقات ہوتے ہیں اور سیاسی طور پر انہیں خریدنا مقصود ہوتا ہے اگر ان قرضوں کے لئے ہم پابندی لگا دیں کہ یہ قرضے نچلے درجے کے لوگوں کو دیئے جائیں گے اور خاص طور پر بے روزگاروں کو دیئے جائیں گے اور قرضہ بھی قرض حسنہ کے طور پر دیا جائے گا۔ اس پر سود وصول نہیں کیا جائے گا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اتنی بڑی رقم سے آپ زیادہ نہیں تو کم از کم ۵۰ ہزار بے روزگاروں کو روزگار فراہم کر سکتے ہیں تو اس لئے میری یہ تجویز ہے کہ ایک تو اس مد میں بجٹ میں مختص رقم بڑی رقم ہے اس کو کم کیا جائے اور کم از کم نصف کیا جائے اور قرضے بھی نچلے طبقے کو دیئے جائیں تاکہ بے روزگاری کا خاتمہ ہو پھر جو بڑے درجے کے لوگوں کو دیئے جاتے ہیں۔ یہ نوازنے کی مہم بھی ختم ہو تاکہ اس گھپلا مہم سے بھی ملک نجات پا سکے اس کے ساتھ ساتھ الیکشن کے عنوان سے بھائی فاروق لغاری صاحب نے جو بات کی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں لیکن ایک اور بات ہے کہ بیرونی اخراجات خاص طور پر ہمارے ہاں سے جو وفود بیرون ممالک میں دورہ پر جاتے ہیں وہ اصلی مقصد کے لئے کم جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مقصد سیر و تفریح ہوتا ہے اور سیر و تفریح پر اس طرح پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جتنا پیسہ اس کے اوپر لگا لیں۔ یہی ہمارے لئے کافی ہے اور یہی ہمارے لئے نعمت ہے۔ اس کو اس طرح محدود ہونا چاہئے کہ کوئی بھی وزیر مشیر اور کوئی بھی وفد جاتا ہے تو اس کی تعداد ۳ یا ۴ ارکان پر مشتمل ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بیرونی سفر پر جاتے ہیں اور وزارت خارجہ اس پر پیسہ خرچ کرتی ہے تو وہ کہہ دے کہ بھائی اپنے لوگوں کے لئے انہیں خود رقم کا بندوبست کرنا ہوگا اور وزارت خارجہ کی طرف سے ان کا کرایہ وغیرہ اور دیگر الاؤنس نہیں دیئے جائیں گے تو اس میں ہمیں ایک بہت بڑی رقم بچ سکتی ہے۔ جسے ہم دیگر اخراجات میں لا سکتے ہیں۔ پاکستان میں محکمہ ڈاک کی حالت اس وقت یہ ہے۔

آپ آج خط ڈالیں تو انشاء اللہ وہ آپ کی آنے والی نسلوں کو پہنچ جائے گا تو محکمہ ڈاک کے ملازمین زیادہ تر شکایت بھی کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ ہماری واجبی سی تو تنخواہیں ہیں تو اس طرح ہمارے پاس وسائل بہت کم ہیں۔ ان بیچاروں کو وسائل وہ دیئے ہیں جو پاکستان بننے سے پہلے کے تھے۔ تو بے شک اس میں رقم کا اضافہ کر دیا جائے اور ان کو جدید وسائل دیئے جائیں۔ اور ان کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کیا جائے تاکہ ڈاک کا نظام درست ہو سکے اور ہم صحیح طور پر اس اہم مسئلہ سے نبرد آزما ہو سکیں اور ہمارا یہ نظام بھی دیگر ملکوں کے طرز پر چل سکے اور ڈاک کا یہ سسٹم صحیح ہو سکے۔

کراچی کے خونی فسادات کا پس منظر قومی اسمبلی میں اہم تقریر

۲۷ مئی ۱۹۹۲ء کو جب کراچی میں بڑھتے ہوئے نسلی فسادات پر قومی اسمبلی میں بحث کا آغاز ہوا تو میں نے اسمبلی کے فورم پر کراچی کے فسادات کا پس منظر بیان کرنے اور اس کا سیاسی حل تلاش کرنے پر ایک اہم تقریر کی اور کہا....

شکریہ جناب سپیکر:۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مجھے آپ نے اس اہم مسئلے پر بولنے کا موقع فراہم کیا ہے جناب سپیکر:۔ میں خوش قسمتی سے سندھ کراچی سے بہت مضبوط تعلق رکھتا ہوں اور میں پنجاب سے کامیاب ہوا ہوں۔ جناب والا سب سے پہلے میں حکومت کے اس اقدام پر کہ اس نے سندھ کی حالت پر بحث کرنے کے لئے یہ وقت نکالا' یہ بڑا مستحسن قدم ہے۔ میں اسے حزب اختلاف کے بنچوں سے خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

سندھ میں ہندوؤں کا کردار

جناب والا:۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں ایک دوسرے پر "ہٹ" کرنے کی بجائے

حالات کی نزاکت اور حقیقت کو دیکھنا چاہیے۔ اس کے پس پردہ کیا تھا؟ کون لوگ تھے، جنہوں نے پاکستان کے بننے سے ہی پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا تھا، اور بدقسمتی سے وہ مسلمان بھی نہیں تھے۔ لیکن وہ سندھ میں تھے وہ سکولں میں وہ پرائیویٹ اداروں میں شروع سے بچوں کو یہ پڑھاتے رہے کہ ہم پاکستان کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ یہ وہ سندھ ہے جس میں راجہ داہر کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے اور محمد بن قاسمؒ کو لٹیرا کہا جاتا ہے۔

سندھ میں فوج کو استعمال نہ کریں

جناب والا:- یہ بھی وہ تمام چیزیں ہیں۔ میں کہتا ہوں آپ پیچھے مت جائیں۔ آپ موجودہ حالات کو دیکھئے۔ ہماری موجودہ حکومت کو یہ مان لینا چاہیے کہ سندھ میں اس وقت دو طاقتیں ہیں۔ ایک شہری قوت ہے۔ جسے ہم MQM کے نام سے جانتے ہیں اور ایک دیہاتی قوت ہے، جس کی اکثریت پیپلزپارٹی کو حاصل ہے۔ I.J.I کی قوت تو آٹے میں نمک کے برابر ہے، اور اس وقت یہ دونوں طاقتیں اور قوتیں جو سندھ کی ہیں وہ دونوں آپ سے کہہ رہی ہیں کہ فوج کو استعمال نہ کیجئے۔ وہ دونوں آپ سے مطالبہ کر رہی ہیں کہ آپ فوج کے ذریعے سے سندھ کی عوام کو بلڈوز (Buildos) نہ کریں تو آپ کو وہاں کے نمائندوں کی رائے کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اس وقت مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یہ فوج کے ذریعے سے حل ہو جائے گا۔

جماعتوں کے پاس اسلحہ کہاں سے آتا ہے؟

جناب والا:- فوج کی وجہ سے تو پہلے احساس محرومی وہاں زیادہ ہوا ہے۔ مارشل لاء کے دور میں فوج سے اتنی نفرت بڑھ گئی تھی کہ دیہاتوں کے لوگ فوج کو اپنا محافظ سمجھنے کی بجائے اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ یہ احساس محرومی کی بات ایک حقیقت ہے اور میں بھی چونکہ

ایک جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔ سچ بات کہتے ہوئے آدمی کو عار نہیں ہونی چاہیے میں پوچھتا ہوں جو بھی جماعتیں اور ان کے جو غریب کارکن ہیں ان کے پاس کلاشنکوفیں کہاں سے آتی ہیں؟ ان کے پاس اسلحہ کہاں سے آتا ہے؟

دہشت گرد کہنے کی ریت

جناب والا:- ایک وقت ہوتا ہے۔ جب اس جماعت کو ضرورت ہوتی ہے۔ جب وہ اپنا دفاع کر رہی ہوتی ہے۔ جب اس نے اپنے دشمن سے نمٹنا ہوتا ہے لیکن اس وقت اس کو دہشت گرد کہا جاتا ہے۔ کل تک MQM کو دہشت گرد کہتے رہے۔ آج وہ مجبوری بن گئی، تو آج کوئی دہشت گرد نہیں کہے گا۔ آج سپاہ صحابہؓ کو دہشت گرد کہتے ہو۔ کل ہم بھی مجبوری بن جائیں گے۔ کل ہمیں بھی کوئی دہشت گرد نہیں کہے گا۔

کراچی کی طرح جھنگ میں زیادتیاں

جناب والا:- آج سندھ پر بحث ہو رہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کل جھنگ پر بحث ہوگی۔ آج جھنگ میں یہ حالت ہے کہ ہمارے بے گناہ نوجوان کو "کرتا کوئی ہے بھرتا کوئی ہے" کے مصداق تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ایک سپرنٹنڈنٹ کا قتل ہو گیا۔ میں نے جمعے میں کھڑے ہو کر کہا کہ فلاں نوجوان نے کیا ہے وہ اگر سپاہ صحابہؓ کا تھا تو میں اسے نکالتا ہوں۔ میں اسے گرفتار کراتا ہوں۔ اسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے، لیکن کیا ہوا؟ کہ جناب گرفتار کیا گیا ایک تیسرے محلے سے بچیوں کو بارہ بارہ سال کی بچیاں پچھلے بدھ کو گرفتار ہوئیں۔ ان بچیوں کو سگریٹ لگا لگا کر جلایا گیا۔ جناب جھنگ میں یہ حالت ہو رہی ہے۔ ان کا تعلق دور سے بھی اس واقعہ کے ساتھ نہیں ہے۔ تیسرے روز اس ڈر سے کہ ہائی کورٹ کا بیلف

پڑ جائے گا۔ وہ چھوڑ دی گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ جس کی بہنوں کو تھانے میں لا کر کہا گیا کہ ان کی شلواریں اتار دو اور ان کی کانوں کی بالیاں کھینچ کر ان کے کان کاٹ دیئے گئے اور ان کے بازو جلا دیئے گئے۔ آپ ان سے کیا توقع کرتے ہیں کہ ان کے بھائی ان کے بیٹے ان کے ماں باپ ہاتھ اٹھا کر آپ کو دعائیں دیں گے، وہ آپ کے لئے اچھی سوچ سوچیں گے۔ یہی حالات وہاں سندھ کے ہیں اور دونوں حضرات کی فکر آپ بھی سن چکے ہیں۔ MQM کے ساتھی پیپلز پارٹی کے ساتھی جو حقیقت میں وہاں کی طاقت اور قوت ہیں ہمیں مان لینا چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت حالات کیا ہیں؟ اس لئے کہ دیہاتی اور شہری کی تفریق ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے۔ شہری اور دیہاتی کے درمیان جو اختلاف ہے، جو تفریق ہے، آپ دونوں کو بٹھائیں۔ آپ کوشش کریں آپ بے روزگاری کو ختم کرنے کے لئے ان کو روزگار دیجئے۔ آپ ان کو قریب لائیں، شہری دیہاتی کی تفریق ختم ہو جائے۔ آپس میں محبت اور شیر و شکر کی فضا بڑھے گی۔ یہ خود بخود چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ آج سندھ کا دیہاتی شہر میں جاتا ڈرتا ہے۔ جو شہر کا باسی ہے وہ دیہات میں جاتا ڈرتا ہے۔

جناب والا:۔　فوج کے ذریعے مسئلے حل نہیں ہوتے، یہ دلوں کی دوریاں ہیں۔ فوج سے زیادہ خلیج وسیع ہو جائے گی۔ آج اگر احمد شاہ مسعود اور حکمت یار کو آپ بٹھا سکتے ہیں اور اتنا اچھا کارنامہ جناب اعجاز الحق صاحب سرانجام دے سکتے ہیں۔ تو جناب آپ کو بھی یہ چاہیے کہ انہیں قریب قریب بلائیں۔ ایکدوسرے کے قریب بٹھائیں۔ انشاء اللہ یہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھیں گے، یہ نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہوں گی۔ ورنہ

جناب والا:۔　وہاں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، جو کچھ سن رہے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ آج فوج بھیجنے کی بات کرتے ہیں۔ انہیں ایک گاڑی میں سوار کریں اور انہیں کہیں کہ مغرب کے بعد آپ سکھر سے کراچی کا سفر کر کے دکھائیں۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کس

طرح سناٹا ہوتا ہے۔ اس لئے میں آخری گذارش یہی کرتا ہوں کہ جناب والا جھنگ کے حالات بھی آپ کے منتظر ہیں۔ دو سال سے وہ آگ میں جل رہا ہے اور کئی علماء کا قتل ہو چکا ہے، لیکن کبھی سنجیدگی کے ساتھ وہاں نہ P.M صاحب گئے نہ کوئی وفاقی وزیر گئے نہ وزیر اعلیٰ صاحب گئے۔ ووٹ لینے کے لئے تو سب چلے گئے، لیکن حالات سدھارنے کوئی نہیں گیا۔ آج سندھ پر بحث ہو رہی ہے۔ کل جھنگ پر ہوگی۔ آپ اس کو قابو میں لائیں، محبت کی دیواریں آپس میں استوار کیجئے۔ تاکہ یہ ملک مستحکم اور مضبوط ہو۔

قومی اسمبلی میں پہلے ہی مہینے میں چار تقاریر، سفارتی حلقوں میں تعارف اور سیاسی حلقوں میں ہلچل

۳ مئی کو اسمبلی کی رکنیت کا حلف اٹھانے کے بعد وقفہ سوالات کے موقعہ پر چبھتے ہوئے ضمنی سوالات پوچھنے۔ پوائنٹ آف آرڈر پر دو چار منٹ کے لئے اظہار خیال کرنے کے ساتھ ساتھ صرف ۲۵ دنوں میں چار معرکتہ الاراء تقاریر کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی پھر ہر عنوان پر تفصیل سے بات کرتے ہوئے دلائل سے اپنا موقف پیش کرنا۔ حکومت کی خامیوں کوتاہیوں پر جرائمندانہ تنقید کرنا۔ اقرباء پروری قومی خزانہ کی لوٹ مار پر احتجاج کرتے ہوئے حکومت کی پالیسیوں کو ملک و قوم کے لئے نقصان دہ قرار دینے کا اسلوب بیان ایسا تھا کہ اسمبلی کے اندر اور باہر سیاسی حلقوں میں زبردست انداز میں اسے سراہا گیا اور صحافی حضرات نے دوستی کا ہاتھ بڑھانا اور مشن سپاہ صحابہؓ سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے سپاہ صحابہؓ کا لٹریچر از خود مانگ کر پڑھنا شروع کر دیا۔ سفارتی حلقوں سے خاص خاص تقریبات کے دعوت نامے آنے شروع ہو گئے۔ سپیکر اسمبلی نے قومی اسمبلی کے اہم معاملات میں مشاورت کے لئے ہاؤس کمیٹی کے اجلاس میں طلب کرنا شروع کر دیا۔ اعلیٰ

حلقوں میں سپاہ صحابہؓ کے مشن پر کھل کر مجھے بات کرنے کا موقع ملنے لگا۔

پہلا سفر حج

الیکشن میں شاندار کامیابی، انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس کے بخیر و خوبی انعقاد اور جھنگ کی صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر حاجی عابد حسین کے بلامقابلہ منتخب ہونے کے بعد قائد سپاہ صحابہ علامہ ضیاء الرحمن فاروقی صاحب چیئرمین سپریم کونسل مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب اور میں نے پروگرام بنایا کہ بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر بجالانے کے لئے ہمیں حج کے مبارک سفر کی تیاری کرنی چاہیے۔ چنانچہ وزارت مذہبی امور سے N.O.C لے کر حج کے ویزے لگوائے گئے۔ جب سعودیہ کی وزارت حج اوقات کے ذمہ داران کو ہمارے وفد کی شکل میں حج پر آنے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی سالانہ روایت کے مطابق ہمیں بھی دیگر اسلامی ممالک اور خصوصاً پاکستان کے باقی کئی علماء کرام کی طرح اپنی میزبانی کے شرف سے مشرف ہونے کی پیش کش کی۔ جسے ہم نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ پاکستان سے ہمارے اس وفد مولانا محمد حنیف جالندھری، مفتی عبدالقوی ملتانی بھی شامل ہو گئے۔ سعودیہ پہنچے تو مولانا سمیع الحق صاحب اور ان کے ہمراہی مولانا عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور اور انکے دیگر علماء ساتھی بھی وزارۃ الحج کے مہمان بن کر ہمارے ساتھ ہی قیام پذیر تھے۔ پاکستان کے علماء کرام کے اتنی بڑی تعداد کی ساتھ ساتھ برطانیہ، انڈیا، بنگلہ دیش، امریکہ کے علماء سے بھی وہیں ملاقاتیں ہوئیں۔ "منیٰ" میں قیام کا بہت عمدہ انتظام تھا۔ ایئرکنڈیشنڈ عارضی کمروں میں ٹھہرایا گیا اور عرفات میں بھی خیموں کے اندر ایئرکولر لگائے گئے۔ گویا کہ حج کا یہ پہلا سفر ہر لحاظ سے ہی کامیاب اور آرام دہ رہا۔ دیر تک علماء کرام کے ساتھ علمی محافل جمتیں۔ سپاہ صحابہؓ کے موقف پر لمبی لمبی بحثیں ہوتیں۔ بالآخر ہم اپنا موقف منا کر اٹھتے۔ بنگلہ دیش بھارت اور برطانیہ کے علماء نہایت دلچسپی سے سپاہ صحابہؓ کے موقف

سے آگاہی حاصل کرتے۔ اور قائدین سپاہ صحابہؓ و کارکنوں کی قربانیوں کی داستانیں سن کر انگشت بدنداں رہ جاتے۔

اس سفر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا اسعد مدنی اور ہندوستان کے کئی اکابر علماء کرام کی زیارت کا موقع ملا۔ اکثر حضرات سپاہ صحابہؓ کی جدوجہد سے واقف تھے اور ہماری تقاریر کیسٹوں کے ذریعہ سن چکے تھے۔ ہمیں دیکھ کر حیران ہو کر کہتے آپ کی کیسٹیں سن کر ہم سمجھتے تھے کہ بہت بلند قامت اور عمر رسیدہ قسم کے لوگ ہوں گے۔ لیکن آپ تو بالکل جوان ہیں اور پھر اس بات پر حیرت زدہ بھی ہوتے اور خوش بھی ہوتے کہ سپاہ صحابہؓ نے حکومت وقت کو شکست دے کر اسمبلی کی نشستوں پر کامیابی حاصل کی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے کئی اساتذہ کرام اور ہندوستان کی کئی دیگر مذہبی شخصیات نے دعوت دی کہ آپ لوگ ہندوستان ضرور تشریف لائیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کیا آپ کے ہاں بھی اس طرح کی جوشیلی اور ولولہ انگیز تقاریر ہوتی ہیں تو انہوں نے جواب دیا نہیں۔ ہمارے ہاں ایسی تقاریر نہیں ہوتی ہیں لیکن آپ کی تقاریر اب کافی مقبول ہو رہی ہیں۔ اب کچھ نوجوان آپ کی نقل کرتے ہیں۔

<u>لطیفہ:۔</u> ہندوستان کے ایک صاحب نے لطیفہ سنایا کہ ہمارے شہر میں مدرسہ کے ایک استاد نے مولانا حق نواز جھنگوی کی کیسٹ ٹیپ میں اس وقت لگا دی جب وہاں کمرہ میں پچیس تیس آدمی جمع تھے۔ شروع شروع میں تو سب لوگ غور سے تقریر سنتے رہے لیکن جب جوش اور ولولہ انگیز انداز پر مبنی تقریر کا سلسلہ شروع ہوا تو سننے والے اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ ایک ایک کر کے کمرے سے نکل گئے اور کمرہ خالی ہو گیا مدرسہ کے استاد نے ان سے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ تقریر سن کر ڈر لگتا تھا کہ کہیں یہاں کوئی بم نہ پھٹ جائے۔

○

جھنگ میں مولانا مختار احمد سیال کی شہادت

مناسک حج کی ادائیگی مکمل کر کے ہم مکہ مکرمہ پہنچے جہاں ہمارا قیام الجیاد ہوٹل میں تھا۔ ذوالحجہ کی ۱۲ اور جون کی پندرہ تاریخ تھی۔ میں نے صبح نو بجے ٹیلیفون بوتھ سے جھنگ فون کیا تو مجھے علم ہوا کہ آج فجر کے بعد اپنے گھر کے سامنے (بستی علی آرائیں میں) بیٹھے ہوئے سپاہ صحابہؓ جھنگ کے ضلعی صدر مسجد حق نواز کے نائب خطیب اور عوامی و سماجی امور کی انجام دہی کے لئے میرے نائب مولانا مختار احمد سیال کو کلاشنکوف کے برسٹ مار کر شہید کر دیا گیا ہے۔ قاتلوں کو پکڑنے کے لئے محلہ کے افراد نے کوشش کی تو انہوں نے گرنیڈوں سے حملہ کر کے کئی نوجوان اور خواتین کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ لیکن قاتل پکڑے جا چکے ہیں اور شہر میں سخت کشیدگی ہے۔ عوام میں سخت خوف و ہراس ہے۔ کوئی شخص حالات کو سنبھالنے والا نہیں ہے۔

میں نے فوراً واپس الجیاد ہوٹل میں آ کر قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی اور مولانا قاسمی کو مطلع کیا۔ اس وقت دوسرے علماء کرام اور مکہ مکرمہ کے حضرات کو بھی اطلاع کر دی گئی اور ایک گھنٹہ بعد کافی حضرات جھنگ میں پیدا تازہ صورت حال پر تبادلہ خیال کرنے لگے۔ مجھے ایک مرتبہ پھر جھنگ کے حالات معلوم کرنے کے لئے فون پر رابطہ کرنے کا کہا تو میں نے جھنگ رابطہ کیا اب مزید یہ بات معلوم ہوئی کہ جھنگ پولیس نے سلیم فوجی کو بھی گولیوں کا نشانہ بنا دیا ہے جو کہ مولانا مختار احمد سیال کی شہادت کے باعث دوکانداروں کو ہڑتال کے لئے آمادہ کرنے کے لئے بازار میں گھوم رہا تھا۔ اس تازہ صورت حال سے جب میں نے قائدین کو آگاہ کیا تو وہ اور زیادہ تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ ادھر ہم تینوں حضرات یعنی حضرت فاروقی، حضرت قاسمی، اور خود میں نے امریکہ کے ویزے لگوائے ہوئے تھے اور امریکہ کی سپاہ صحابہؓ نے جلسوں کا پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔

میں نے کہا کہ آپ حضرات مجھے تو اجازت دیں کہ میں واپس جھنگ جاؤں اور اس نازک صورت حال میں عوام کے دکھ درد میں شریک ہوں چنانچہ ان حضرات نے میری رائے سے اتفاق کیا۔

مکہ مکرمہ سے ہنگامی طور پر جھنگ آمد

جھنگ واپسی کا فیصلہ کے بعد میں نے جدہ میں مقیم پاکستانی قونصلیٹ اور پاکستانی ایئرلائن کے ڈائریکٹر سے فون پر رابطہ کیا اور انہیں فی الفور پاکستان پہنچنے کے بارے میں بتا کر کہا کہ میرے لئے کسی فوری پرواز میں سیٹ کا بندوبست کریں۔ حالات کی نزاکت کے باعث انہوں نے اسی روز شام کی فلائٹ میں واپسی کا بندوبست کر کے آگاہ کیا۔ شام کے وقت قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی، مولانا قاسمی، مولانا سمیع الحق، شیخ حرم مولانا محمد مکی، مولانا سیف الرحمن الھند، مولانا سعید احمد ہندوستان، بنگلہ دیش اور برطانیہ کے متعدد علماء نے مجھے الوداع کہتے ہوئے میرے لئے ڈھیروں دعائیں کیں۔ ان حضرات کا کہنا تھا اب ہمیں احساس ہو رہا ہے کہ آپ کا کام اور راستہ کتنا کٹھن ہے۔ ہمیں ایسے لگ رہا ہے کہ آپ اس وقت تخریب کاری اور دہشت گردی کی بھڑکتی آگ میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ یہ آپ لوگوں کا حوصلہ ہے کہ اس مقدس سفر پر آکر اتنی جلدی واپس جا رہے ہیں ورنہ لوگ تو معمولی سے حادثہ کا سن کر جانے کی بجائے یہاں اٹک جاتے ہیں اور حالات ٹھیک ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ میں نے کہا جس شخص کے ساتھ عوام اتنا پیار کریں کہ اسے مسجد کے محراب سے اسمبلی پہنچائیں۔ اس پر بھی لازمی ہے کہ جب عوام مصیبت کے منہ میں آئیں تو وہ جان کی پروا کیے بغیر ان کے درمیان پہنچ جائے۔ رات کے وقت جدہ سے سفر شروع کر کے علی الصبح کراچی ایئرپورٹ پر اترا اور وہاں سے فیصل آباد کی فلائٹ پر دس بجے بیٹھ کر ساڑھے گیارہ بجے فیصل آباد ایئرپورٹ پر اتر گیا۔ ساتھی گاڑیاں لے کر آئے

ہوئے تھے۔ سیدھا جامعہ محمودیہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ چند گھنٹے قبل ہی مولانا مختار احمد سیال کو دفن کر دیا گیا ہے کیونکہ ایک تو نعش کو چوبیس گھنٹے سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ دوسرا جھنگ کے حالات سخت کشیدہ ہو چکے ہیں۔ پولیس فائرنگ کر رہی ہے۔ عوام خوف زدہ ہو کر گھروں میں دبک گئے ہیں۔

سلیم فوجی کی نعش کی واپسی کا مسئلہ اور پولیس کی بکتر بند گاڑی کا حادثہ

ادھر انتظامیہ نے سلیم فوجی کی نعش دینے سے انکار کر دیا تھا جس پر نوجوان مشتعل ہو چکے تھے۔ میں نے فوراً ڈپٹی کمشنر کو فون کیا کہ آپ حالات کیوں خراب کر رہے ہیں؟ سلیم فوجی کی نعش سے آپ نے کیا لینا ہے؟ کیا آپ ان کے لواحقین کو اتنا حق بھی نہیں دینا چاہتے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے غسل و کفن دے کر دفن کر دیں۔ اس کے جواب میں ڈپٹی کمشنر اور ایس۔ پی صاحبان کا لہجہ بڑا متکبرانہ محسوس ہوا۔ وہ خوشی میں پاگل ہو رہے تھے کہ ہم نے ایک بہت بڑے اشتہاری مجرم تخریب کار کو راستہ سے ہٹا دیا ہے۔ مجھے فون پر ڈی سی اعتزاز الرشید کہنے لگے۔ مولانا! آپ نے ایک دہشت گرد اور اشتہاری کی نعش کو کیا کرنا ہے۔ ہم چند پولیس والوں کے ذریعہ نعش کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ ان الفاظ سے میرا خون کھول اٹھا کہ اگر افسران کی یہ ذہنیت ہے تو ماتحت جو کچھ کریں گے اس کا خدا ہی حافظ ہے۔

میں نے ابھی رسیور کان سے اتارا ہی تھا کہ فوراً گھنٹی بجی۔ رسیور کان سے لگایا تو مرکز سپاہ صحابہؓ سے اطلاع ملی کہ اس محلہ میں فائرنگ کرتے ہوئے داخل ہونے والی پولیس کی بکتر بند گاڑی کو آگ لگ گئی ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی نے راکٹ لانچر سے گاڑی پر حملہ کیا ہے اور گاڑی دس فٹ زمین سے اچھل کر نیچے گری ہے۔ اسے آگ لگ گئی ہے۔ میں نے انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے کہا۔ جب پولیس اس قدر

قانون شکن اور اپنی اوقات سے باہر ہو جائے تو پھر ایسے واقعات رونما ہوا ہی کرتے ہیں۔ میں نے یہ بات کہہ کر ریسیور رکھا ہی تھا کہ فون کی پھر گھنٹی بجی اور پتا چلا کہ D.C صاحب بات کرنا چاہتے ہیں میں نے جب ہیلو کہا تو D.C صاحب کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ وہ رعونت کے خول سے باہر آکر ایک بچے کی طرح التجاؤں کا انداز اختیار کیے ہوئے تھے۔ مجھے کہنے لگے آپ فوراً میرے پاس آجائیں ضروری بات کرنا ہے۔ حالات کنٹرول سے باہر ہو رہے ہیں۔ جھنگ کو بچائیں۔ میں نے کہا آپ نے میری بات کو وزن ہی نہ دیا اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ دوسری طرف پولیس فائرنگ کرتی پھرتی ہے۔ ایک طرف مشتعل نوجوان ہیں۔ آپ نے میری بات تو مانی نہیں۔ کہنے لگے آپ کی سب باتیں مانتا ہوں۔ بس آپ میرے دفتر آجائیں دیگر افسران بھی یہاں موجود ہیں۔ مجھے ساتھیوں نے روکا کہ سخت کشیدہ حالات میں آپ کو باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کس طرح میاں اقبال حسین شہید کو ایک افسر نے فون پر اپنے گھر بلوایا تھا جب وہ اس کے گھر کے قریب پہنچے تھے تو ان پر فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا تھا۔

میں نے کہا یہ تمام باتیں درست ہیں لیکن اس وقت میں محض اندیشوں کے باعث شہر جھنگوی کے حالات کو مزید خرابی کی طرف نہیں دھکیل سکتا ہوں۔ چنانچہ میں D.C کے دفتر پہنچ گیا۔ جہاں پر انتظامیہ اور پولیس افسران پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے بکتر بند گاڑی کے حادثہ کا بتایا کہ پانچ پولیس اہلکار جل کر ہلاک گئے ہیں اور S.H.O تھانہ کوتوالی سخت زخمی ہے۔ میں نے کہا اب آپ یہ بتائیں کہ ان حالات کو کنٹرول کیسے کرنا ہے۔ کہنے لگے آپ تجویز دیں۔ میں نے کہا آپ سلیم فوجی کی نعش ان کے ورثاء کے حوالہ کر دیں۔ پولیس کو ہر طرف سے واپس تھانوں میں بلوالیں۔ میں پر امن طور پر جنازہ کی نماز پڑھا کر کفن دفن کا انتظام کرنے اور عوام کے اشتعال کو ٹھنڈا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ مجھے فسران کہنے لگے ہمیں خطرہ ہے کہ سیم فوجی کی نعش لے کر شہر میں جلوس نکالا جائے گا اور

جلاؤ گھیراؤ کیا جائے گا۔ تھانوں پر حملے ہونگے۔ میں نے کہا اگر میں جھنگ نہ آتا تو یہ سب کچھ ہوتا مگر اب میری ذمہ داری ہے کہ کچھ نہ ہو گا آپ پولیس واپس بلوائیں۔

چنانچہ وہیں بیٹھے بیٹھے وائرلیس پر پیغام نشر ہو گیا کہ تمام پولیس گاڑیاں پولیس لائن یا تھانوں میں آجائیں۔ میں نے وہیں سے مرکز سپاہ صحابہ فون کیا کہ مسجد میں اعلان کر دیا جائے کہ سلیم فوجی کا جنازہ ایک گھنٹہ بعد احرار پارک میں ہو گا اور مولانا اعظم طارق مسجد حق نواز شہید آرہے ہیں۔ پولیس واپس لائن میں جا رہی ہے لوگ کسی قسم کے خوف میں مبتلا نہ ہوں اور سلیم فوجی کے ورثاء سے کہیں کہ وہ ہسپتال سے نعش وصول کر لیں۔

ڈی سی کے دفتر سے میں سیدھا گاڑی پر کھیتانوالہ بازار پہنچا اور وہاں سے گاڑی سے اتر کر پیدل چل پڑا۔ گھروں میں دبکے لوگ باہر آگئے۔ بچے اور خواتین چھتوں پر چڑھ گئے۔ وہ چیختے، چلاتے اور دہائیاں دیتے تھے کہ میں اس حالت میں اپنی حفاظت سے غافل نہ رہوں۔ میں نے سب کو اطمینان دلایا کہ وہ فکر نہ کریں۔ اب کچھ نہیں ہو گا۔ ادھر مسجد حق نواز شہید سے میرے پیدل آنے کی خبر سن کر لوگ دوڑتے ہوئے بازار میں پہنچ گئے اور ایک جلوس مسجد میں جا کر اختتام پذیر ہوا۔ ٹھیک سہ پہر تین بجے احرار پارک میں ہزاروں افراد نے والہانہ انداز میں اس سلیم فوجی کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ جسے پولیس اور انتظامیہ نے ایک نہایت ہی ناپسندیدہ بلکہ گھناؤنے کردار کا شخص قرار دیا ہوا تھا۔

عوام کے اس جوش و خروش کا باعث یہ بات بھی تھی کہ سلیم فوجی کلمہ پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا اور پولیس نے اس کی نعش پر کھڑے ہو کر بھنگڑا ڈالا اور نعش کو مسخ کیا۔ پولیس کے ان کرتوتوں کے باعث سلیم فوجی کو ایک ہیرو کا مقام حاصل ہو گیا۔

جھنگ پولیس کی بربریت اور تیرہ سو شہریوں پر تشدد

مولانا مختار احمد سیال کی شہادت اور سلیم فوجی کی نعش واپس نہ کرنے پر پیدا ہونے

والے عوامی اشتعال کو دن رات، ایک کر کے کنٹرول کیا جا چکا تھا اور لوگ مولانا مختار احمد سیال کے قاتلوں کی موقع سے ہی گرفتاری پر کسی حد تک اطمینان کا اظہار کر رہے تھے اگرچہ گرفتاری پولیس کی بجائے عوام کے ہاتھوں ہوئی تھی اور اگر چند معززین درمیان میں نہ آتے تو قاتلوں کی عوام کے ہاتھوں موت یقینی تھی۔ (تاہم اب عدالت سے بھی انہیں سزائے موت کا حکم سنایا جا چکا ہے۔ لیکن دوسری طرف حکومت پنجاب اور جھنگ پولیس کو اپنی بکتربند گاڑی کی تباہی اور S.H.O سمیت چھ پولیس اہلکاروں کے ہلاک ہونے کا سخت دکھ تھا۔ اگرچہ اس حادثہ میں قصور پولیس کا تھا۔ S.H.O تھانہ کوتوالی عمر حیات وٹو جو اس گاڑی میں موجود تھا۔ خود کو تمام قوانین اور ضابطوں سے بالاتر سمجھتا تھا۔ اس کی درندگی کا یہ عالم تھا کہ اس نے کئی گھروں سے خواتین اور بچیوں کی گرفتاری کر کے تھانہ میں ان کے جسموں کو سگرٹوں سے داغنے جیسی بے حیائی سے بھی اجتناب نہیں کیا تھا۔ آخر اس کی شامت اعمال نے اسے یہ دن دکھایا کہ بکتربند گاڑی اس کی سسک سسک کر موت کا بہانہ بنی۔ (۱۷ جون ۹۸ء کو فیصل آباد کی دہشت گردی کی عدالت نے پولیس کے نامزد کردہ اس مقدمہ کے ۱۴ ملزمان کو بری کرتے ہوئے فیصلہ میں لکھا کہ اس بات کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ کوئی ملزم بکتربند گاڑی کو راکٹ لانچر مارنے میں ملوث ہے۔ پولیس کی بنائی ہوئی تمام کاروائی اور الزامات جھوٹ کا پلندہ ہیں) صوبائی حکومت کے ایماء پر جھنگ انتظامیہ نے ایک بڑے اپریشن کا پروگرام ترتیب دے لیا۔ پنجاب کانسٹیبلری کے ہزاروں اہلکار جھنگ منگوا لیے گئے۔ میں نے ضلعی انتظامیہ سے بات کی کہ آخر آپ کی خواہش کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہم تلاشی لینا چاہتے ہیں کیونکہ ہماری اطلاعات کے مطابق جھنگ صدر کے کئی محلوں میں اسلحہ کی بڑی تعداد موجود ہے اور اشتہاری بھی پہنچ گئے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا آپ پہلے بھی ایسی جھوٹی اطلاعات پر شرمندہ ہو چکے ہیں۔ اس تلاشی سے آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ لیکن وہ بضد تھے میں نے کہا کہ آپ پھر اپنے افسران کے ہمراہ

ہمارے نمائندوں کو شامل کریں تاکہ ان کی موجودگی میں تلاشی ہو اور عوام کے ساتھ زیادتی بھی نہ ہو اور جو کچھ برآمد ہو ہمیں بھی نظر آئے۔ یہ بات طے پاگئی تو میں نے مرکز سپاہ صحابہؓ سے اور دیگر مساجد سے اعلان کرادیا کہ پولیس اہلکار افسران اور سپاہ صحابہؓ کے ذمہ داران کی موجودگی میں تلاشی لیں گے۔ کوئی شخص بھی مزاحمت نہ کرے۔ پر امن طور پر اپنے گھروں کی تلاشی دے دی جائے۔

عوام نے اس اعلان پر گھروں کے دروازے کھول دیئے لیکن انتظامیہ نے وعدہ کی پاسداری کر۔ کے ہمارے نمائندوں کو ہمراہ لینے کی بجائے پولیس اہلکاروں کو بھیڑیوں کی طرح پر امن اور نہتے عوام پر چھوڑ دیا۔ بس پھر کیا تھا پولیس نے گھروں میں گھس کر لوٹ مار کا بازار گرم کردیا اور عورتوں سے بدتمیزی، گھریلو سامان، صندوقوں، کھڑکیوں الماریوں کی توڑ پھوڑ اس طرح کی جیسے کسی مفتوحہ ملک میں داخل ہو کر مال غنیمت سمیٹا جارہا ہو اور مکانوں کو بھی تخریب کاری کا نشانہ بنایا گیا، اور اس پر اکتفا نہیں بلکہ جو بوڑھا، بچہ، جوان سامنے آتا اسے گرفتار کرکے تشدد کا نشانہ بنا کر ڈسٹرکٹ جیل بھیج دیا جاتا۔ جیل کے دروازے پر پھر دو رویہ قطار بنا کر پولیس کے شیر جوان کھڑے کیے گئے تھے۔ جو گاڑیوں میں سے اترنے والوں کو اپنے درمیان سے گذارتے ہوئے دونوں اطراف سے اس طرح مارتے تھے جیسے مکئی کی چھلیوں کو ڈنڈوں سے ادھیڑا جاتا ہے۔ آگے جیل کے اندر ڈیوڑھی کے دروازوں سے بارکوں تک بے رحم قیدیوں کو ہاتھوں میں ربڑ کے پائپ اور بید دیکر کھڑا کیا گیا تھا جو اندر آنے والوں کو ستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اور کہا یہ جارہا تھا "اور مولوی کو ووٹ دو" اب کہاں ہے تمہارا مولوی؟

بلاشبہ جھنگ کی سرزمین پر پولیس اور انتظامیہ کے افسران کی سرپرستی میں پنجاب کانسٹیبلری کے گبھرو جوان اور جیل کے قیدیوں نے اپنی کمینگی اور بھیڑیا پن کی خصلت کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔

میاں شہباز شریف اور کمشنر فیصل آباد سے احتجاج

پولیس کے مظالم کے نتیجے میں گلیوں بازاروں میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ پھٹے دامنوں اور تار تار لباس بکھرے بالوں اور خون آلود چہروں کے ساتھ بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں میرے گھر کی طرف دوڑتے ہوئے آئے اور بتایا کہ ہم نے آپ کے اعلان پر گھروں کے دروازے کھول تو دیئے لیکن ہمارے ساتھ پولیس نے جو حشر کیا ہے وہ بھی دیکھ لیجئے۔ میں نے انہیں صبر کی تلقین کی اور فوراً کمشنر فیصل آباد سے ٹیلی فون کر کے پوچھا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم لوگ جھنگ کے امن کے دشمن کیوں بن گئے ہو ان لوگوں کو کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟ تو کمشنر فیصل آباد اپنی عادت کے مطابق "اوں آں" کرتے ہوئے کوئی واضح جواب دینے سے کترانے لگے تو میں نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا "یہ کیا اوں آں لگا رکھی ہے۔ مجھے صاف صاف بتاؤ کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ میں اگر ابھی مسجد میں اعلان کروں کہ "لوگو! پولیس کے بھیڑیوں کو مزہ چکھا دو" تو ابھی خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ میری اس بات پر وہ بڑبڑا کر رہ گئے اور کہنے لگے میں ابھی جھنگ انتظامیہ سے رابطہ کرتا ہوں۔"

اس کے بعد میں نے میاں شہباز شریف سے لاہور رابطہ کیا اور انہیں بتایا کہ آپ کی انتظامیہ اور پولیس یہ ظلم کر رہی ہے تو ان کا جواب تھا۔ "کہ آپ کے اشتہاریوں نے ہمارے نوجوانوں کو ہلاک کیا ہے اور بکتر بند گاڑی اڑا دی ہے ہم ناجائز اسلحہ تو برآمد کریں گے اور اشتہاری تو پکڑیں گے"۔ میں نے کہا۔ آپ ناجائز اسلحہ ضرور برآمد کریں اور اشتہاری بھی پکڑیں لیکن عوام کے گھر مت لوٹیں۔ بے گناہوں پر تشدد بند کرائیں اور جو سینکڑوں لوگ گرفتار کر کے جیل میں تشدد کر کے ٹھونسے ہیں ان کا کیا مقصد ہے؟ آپ نے اس پورے اپریشن میں اگر ایک ناجائز گولی بھی برآمد کر لی یا کوئی تخریب کار پکڑ لیا تو میری

طرف سے سفارش کا ایک لفظ نہ سنیں گے۔ مگر یہاں وہ کچھ نہیں ہو رہا ہے جو آپ کہتے ہیں۔ یہاں جھنگ کے عوام سے ایسے سلوک کیا جارہا ہے جیسے انڈیا کی فوج کشمیری مسلمانوں سے کر رہی ہے۔ شہباز شریف گھبرا کر کہنے لگے آپ مبالغہ کرتے ہیں۔ میں نے کہا اس کا ثبوت اتنا ہی کافی ہے کہ آپ جھنگ جیل فون کر کے معلوم کریں کہ اب تک کتنے سو لوگ اس میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مبالغہ کسے کہتے ہیں یا آپ اپنی خفیہ ایجنسیوں سے پولیس کا رویہ اور ظلم معلوم کرلیں۔ انہوں نے کہا میں ابھی دیکھتا ہوں۔

قومی اسمبلی میں تحریک استحقاق

چونکہ پولیس کی ایک نفری میرے گھر پر بھی آکر غنڈہ گردی کرتی رہی۔ میرے دفتر میں گھس کر توڑ پھوڑ اور بد تمیزی کی اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ اس سارے واقعہ کو اسمبلی میں اٹھایا جائے۔ ادھر شام تک پولیس کا اپریشن جاری رہا شام کے وقت ڈپٹی کمشنر اور ایس۔ ایس۔ پی جب اپنے دفتروں میں آپہنچے تو میں نے انہیں فون پر کہا میری معلومات کے مطابق بعض لوگ تشدد کے باعث شدید زخمی ہو چکے ہیں۔ جیل میں سسک رہے ہیں اگر خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو پھر آپ وہ کچھ دیکھیں گے جو آپ کے ذہن نے کبھی سوچا نہ ہوگا۔ پھر میں درمیان سے ہٹ جاؤں گا۔ آپ جانیں عوام جانیں۔ اس پر انہوں نے کہا میں ابھی جیل جاتا ہوں۔ چنانچہ جیل پہنچ کر انہوں نے چالیس کے قریب شدید زخمیوں کو ہسپتال بھجوایا اور ایک سو کے لگ بھگ کو جیل کے ہسپتال میں داخل کرا دیا اور باقی زخمیوں کا فوری علاج معالجہ شروع کر دیا۔

ادھر ہم نے ہائی کورٹ میں رٹ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو جیسے انتظامیہ کے کانوں میں اس کی خبر پہنچی انہوں نے شہر کی ناکہ بندی کرلی کہ کوئی ذمہ دار شخص شہر سے باہر نکلنے نہ پائے اور مجھے ڈی سی نے کہا ہم آپ کے آدمی ایک دو روز کے اندر اندر چھوڑتے ہیں۔

آپ عدالت وغیرہ کی بات نہ کریں۔

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ آدمی چھوڑیں چنانچہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں روز لگاتار آدمی چھوڑے جاتے رہے۔ جنہیں ہم فوراً مرکز لاتے۔ ان کے زخموں کی تصاویر بناتے اور ان پر ہونے والے مظالم کی وڈیو فلم تیار کرتے۔ تین چار روز گذرنے کے باوجود بھی زخم اتنے اتنے بڑے اور گہرے تھے کہ انہیں دیکھ کر خوف آتا تھا۔ چنانچہ یہ تصاویر اور وڈیو فلم لے کر میں قومی اسمبلی میں پہنچ گیا اور پولیس مظالم کے خلاف تحریک استحقاق پیش کردی۔ جب اسمبلی میں یہ تصاویر سپیکر کو اور ممبران کو دکھائی گئیں تو وہ توبہ توبہ کرا ٹھے۔ میں نے جب اس واقعہ پر تقریر کی تو ہر طرف سے حکومت کے خلاف شیم شیم کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ بالآخر سپیکر نے تحریک استحقاق منظور کر کے استحقاق کمیٹی کو بھیجدی۔ اس تقریر کا ایک اہم اقتباس درج ذیل ہے۔

اسمبلی میں پیش کردہ تحریک استحقاق پر وضاحتی تقریر کا اقتباس

جناب سپیکر! مورخہ ۲۰ جون ۱۹۹۲ء کو صبح ڈپٹی کمشنر کی زیر نگرانی گل عباس D.S.P کی معیت میں پولیس پارٹی میرے مکان پر (جو محلہ حق نواز شہید" جھنگ صدر میں واقع ہے۔) بغیر اجازت کے مکان کے دروازے توڑتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ عورتوں کی بے حرمتی کی، غلیظ گالیاں دیں۔ سامان کی توڑ پھوڑ کی اور میرے آفس جو کہ محلہ حق نواز شہید" میں واقع ہے۔ اس میں داخل ہوئی اور میرے آفس میں داخل ہونے سے پہلے چونکہ مسجد ہے تو یہ پولیس جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہوئی اور دفتر میں بیٹھے لوگوں پر تشدد کیا اور یہ دھمکیاں دیں کہ مولانا اعظم طارق کو ووٹ دینے کا ہم مزا چکھاتے ہیں۔ اسی طرح پورے شہر کی ناکہ بندی کر کے ایک ہزار سے زائد افراد کو گرفتار کیا گیا انہیں جیل سے باہر پولیس اور جیل کے اندر قیدیوں سے پٹوایا گیا۔ نقدی اشیاء جس میں

دستی گھڑیاں عورتوں کے زیورات اور نقدی رقوم شامل ہیں لوٹ لی گئیں۔ تشدد کے دوران انہیں کہا گیا کہ مولانا اعظم طارق کو ووٹ دینے کا مزا چکھاتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کے گھروں میں تلاشی کے بہانے سامان لوٹا گیا۔ ان تمام لوگوں کو بے گناہ مارا پیٹا گیا۔ صرف انہیں مجھے ووٹ دینے کی سزا دی ہے۔ جس سے مجھے ذہنی طور پر بڑی کوفت اور اذیت پہنچی ہے اور عوام الناس کے سامنے میری تذلیل کی گئی ہے۔ جس سے میرا استحقاق بری طرح مجروح ہوا ہے۔ جناب والا سے استدعا ہے کہ ذمے داران کے خلاف سخت کاروائی عمل میں لائی جائے اور قومی اسمبلی کے اجلاس میں فوری طور پر بحث کی جائے۔ شکریہ۔ سپیکر:۔ (مولانا صاحب آپ کی جو درخواست تھی اس میں بھی یہ ذکر کریں) میں نے اس میں ذکر کیا ہے کہ یہ میرے گھر میں مسئلہ ہوا ہے اور میرے دفتر میں وہ داخل ہوئے ہیں اور جس مسجد میں خطابت کرتا ہوں۔ اس میں جوتوں سمیت داخل ہوئے ہیں اور وہاں انہوں نے توہین آمیز رویہ اختیار کیا۔ ۸۵۰ آدمیوں کو جیل میں ڈالا اور قیدیوں سے مروایا۔ پولیس سے مروایا۔ ۵۰ لاکھ کا سامان لوٹا ہے۔ شکریہ جناب سپیکر:۔

جھنگ کے افسران کی استحقاق کمیٹی میں طلبی

تحریک استحقاق کمیٹی نے اپنے اجلاس میں میرے بیانات اور تصاویر حاصل کیں وڈیو پر لوگوں کے ساتھ ہونے والے ظلم کی تصاویر دیکھیں تو انہوں نے فوراً ڈپٹی کمشنر جھنگ، اسسٹنٹ کمشنر جھنگ، ایس۔ ایس پی جھنگ، ڈی۔ ایس۔ پی جھنگ وغیرہ کو طلب کر لیا اور ساتھ ساتھ مظلوم افراد کو بھی طلب کر لیا۔ چنانچہ ہم لوگ گاڑیاں بھر کر درجنوں افراد کو وہاں لے گئے۔ جنہوں نے پولیس کے مظالم بیان کیے۔ استحقاق کمیٹی کے ممبران نے جھنگ کے افسران کی خوب بے عزتی کی اور انہیں بتایا کہ اگر تمام الزامات ثابت ہو گئے تو تمہیں معطل کر کے سزا سنائی جا سکتی ہے۔ استحقاق کمیٹی چند بیانات لے کر اجلاس دس پندرہ

دن تک ملتوی کر دیتی۔ جھنگ افسران پھر دس پندرہ دن بعد آتے۔ اس طرح قریباً چار پانچ چکر افسران کے اسلام آباد کے لگے تو ان کی عقل ٹھکانے آگئی۔ وہ مجھ سے کہتے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں ہم لوگوں کا مال واپس کراتے ہیں اور پولیس اہلکاران کے خلاف کاروائی کرتے ہیں۔ میں جواب دیتا کہ کسی چھوٹے اہلکار کی کیا مجال ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔ یہ سب کچھ آپ نے کرایا ہے۔ اب جو فیصلہ کمیٹی کرے گی۔ اس پر عمل ہو گا۔ ادھر اسمبلی میں بار بار انہیں جانا پڑ رہا تھا۔ ادھر عوام الناس سے لوٹی اشیاء کا کچھ حصہ انہیں لوٹایا جا رہا تھا کہ پاکستان کی گورنمنٹ خود بحران کا شکار ہو گئی اور یہ تحریک استحقاق کسی فیصلہ تک نہ پہنچ سکی۔ لیکن اس سے اتنا ہو گیا کہ آئندہ کے لئے افسران کو کان ہو گئے کہ کسی پر ظلم کرنے کا کبھی کبھی مزا بھگتنا بھی پڑ جاتا ہے۔

صدر مملکت غلام اسحٰق سے ملاقات اور ان کی طرف سے سپاہ صحابہؓ کے موقف کی تائید

جھنگ میں پولیس کے ہاتھوں ہونے والے ظلم کے خلاف قومی اسمبلی میں تحریک استحقاق کے ساتھ ساتھ ہائی کورٹ میں رٹ دائر کر دی گئی تھی۔ جسے عدالت نے تحریک استحقاق کے فیصلہ تک موخر کر دیا تھا۔ اب ہم نے ایک تیسرے فورم پر بھی احتجاج کرنے کا فیصلہ کیا اور صدر مملکت غلام اسحٰق خان سے ملاقات کا وقت لیا۔ یکم جولائی کو صدر مملکت سے قائد سپاہ صحابہؓ کی قیادت میں ہمارا پانچ رکنی وفد ملاقات کے لئے پہنچا۔ ملاقات میں ہم نے صدر مملکت کو جھنگ پولیس کے مظالم کی تصاویر پیش کیں جنہیں وہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور سخت افسوس کا اظہار کرنے لگے۔ ہم نے کہا آپ اس مسئلہ پر حکومت کو کھینچیں کہ وہ ذمہ دار افسران کے خلاف کاروائی کرے۔ انہوں نے فوراً چیف سیکرٹری پنجاب کو فون

پر حکم دیا کہ اس معاملہ کی انکوائری کرائیں اور مجھے رپورٹ کریں۔ اس ملاقات کے دوران صدر مملکت نے برملا کہا کہ آپ سپاہ صحابہؓ والے بھی تو فرقہ واریت پھیلاتے ہیں اور شیعہ کو کافر کہتے ہیں جب آپ لوگ ایسے کرتے ہیں تو پھر حالات تو خراب ہوں گے۔ ہم نے جواب دیا کہ جناب اگر شیعہ لیڈر خمینی کی کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنیؓ کو نام لے کر معاذ اللہ کافر کہا جائے گا تو اس کا رد عمل تو ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے انہیں خمینی کی اور شیعہ کی کتب پیش کیں۔ شیعہ کی کتب اور خمینی کی کتاب کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد صدر مملکت نے اپنے مخصوص اردو لہجہ میں کہا" شیعہ کا پرتو ہے لیکن اس بات کے اعلان سے ملک میں حالات خراب ہوں گے" ہم نے کہا کہ آپ ان بدزبانوں اور دریدہ دہنوں کے لئے قانون سازی کرائیں یا صدارتی آرڈیننس جاری کریں ہمیں اس پر احتجاج کی ضرورت ہی نہیں ہے ہم ان کے خلاف عدالتوں کا رخ کریں گے۔ ملاقات بڑے خوشگوار انداز میں اختتام پذیر ہوئی۔

قومی اسمبلی میں وزیر اعظم سے جھڑپ

اگست ۹۲ء کی ابتدائی تاریخوں میں قومی اسمبلی میں تحریک استحقاق پر بات کرتے ہوئے وفاقی وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ پولیس نے مولانا کی ذات کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس لئے جھنگ کا واقعہ تحریک استحقاق کے زمرہ میں نہیں آتا ہے۔ میں نے ان کے جواب میں کھڑے ہو کر کہا کہ اگر میں یہ ثابت نہ کر سکوں کہ پولیس نے میرے گھر کے دروازے کو دھکے دے کر دروازہ کی کنڈی توڑی اور میرے دفتر میں جا کر توڑ پھوڑ کی اور جوتوں سمیت پولیس مسجد میں داخل ہوئی۔ عوام الناس پر ظلم کرتے ہوئے یہ کہتی رہی کہ " مولوی کو ووٹ دینے کا مزہ چکھو " تو میں اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ میری اس بات پر اسمبلی کے ممبران نے زبردست ڈیسک بجائے۔

وزیراعظم میاں نواز شریف بھی ایوان میں موجود تھے۔ وہ اس بے عزتی کو برداشت نہ کر پائے اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور تقریر کرتے ہوئے کہا دے دو استعفیٰ جس نے دینا ہے۔ جو اٹھتا ہے ہمیں استعفیٰ کی دھمکیاں دیتا ہے۔ ہم جو بھی استعفیٰ دے گا اس کی سیٹ پر دوبارہ الیکشن کرا دیں گے۔ (یاد رہے کہ ان دنوں حکومت کے خلاف اپوزیشن اور کئی مسلم لیگ کے ارکان استعفیٰ دینے کا سوچ رہے تھے) وزیراعظم نے مزید کہا ہم اب مذہبی دہشت گردی مزید برداشت نہیں کریں گے۔ ہم اب سختی سے اس مسئلہ کو کچل دیں گے۔ غرض کہ انہوں نے خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

جب وزیراعظم تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے تو میں اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔۔۔ اور میں نے سپیکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ جناب والا اسمبلی کے ضابطہ کے مطابق میری بات کا جواب دینا وزیر داخلہ کی ذمہ داری ہے لیکن وزیراعظم صاحب کو چونکہ بہت تکلیف ہوئی ہے اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر دھمکی آمیز زبان استعمال کی ہے۔ میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ایسی دھمکیوں سے ہم مرعوب نہیں ہوتے۔ ایک طرف تم اپنے پولیس کارندوں کے ذریعہ ظلم کراتے ہو اور دوسری طرف ہمیں آنکھیں دکھاتے ہو۔ اور دہشت گرد کہتے ہو۔ اگر اصحاب رسول کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے آواز بلند کرنا دہشت گردی ہے تو پھر میں اقرار کرتا ہوں کہ میں سب سے بڑا دہشت گرد ہوں جو تمہارے سامنے اپنے موقف کا اظہار کر رہا ہوں تم سے جو ہو سکتا ہے کر گذرو۔ باقی رہی بات استعفوں کی تو وہ بہت جلد تمہارا شوق پورا ہونے والا ہے۔ تم حیران ہو جاؤ گے کہ تمہاری اس حکومت کے خلاف کتنے استعفے آتے ہیں۔ میں تو احتجاج کرتے ہوئے استعفیٰ کی مشروط بات کر رہا تھا۔ ورنہ میں تو اسمبلی میں آیا ہی تمہارے سامنے حق کہنے ہوں۔ تم دوبارہ الیکشن کی بات کرتے ہو، اب چند سیٹوں پر نہیں بہت جلد سب سیٹوں پر الیکشن ہوں گے۔"

میری اس تقریر پر کئی حکومتی ممبران نے مجھے بعد میں الگ لے جا کر کہا آپ نے بہت سخت باتیں کی ہیں۔ اب اپنا خیال رکھنا۔ میں نے کہا اللہ مالک ہے۔ نفع و نقصان اس کے ہاتھ میں ہے۔

ماتمی جلوس کا سپاہ صحابہؓ سرحد کے دفتر اور مسجد پر حملہ قرآن کریم کی بے حرمتی اور تین سنی افراد کا قتل

دس محرم الحرام یوم عاشورہ بمطابق ۱۲ جولائی شیعہ کے ماتمی جلوس نے سپاہ صحابہ کے صوبائی دفتر جامع مسجد کوہاٹی پشاور پر حملہ کر دیا۔ دفتر کے بورڈ پر تحریر خلفاء راشدین کے اسماء گرامی پر پتھر مارے اور گندگی پھینکی۔ پھر یہ جلوس مسجد میں داخل ہو گیا۔ اور مسجد کی صفوں، دریوں، قرآن مجید اور کتابوں کو اٹھا کر روڈ پر لا کر نذر آتش کر دیا۔ مسجد میں جوتوں سمیت داخل ہو کر نعرے لگاتے رہے اور تبرا بازی کرتے رہے۔ پوری مسجد غلاظت و گندگی اور ماتمی افراد کے خون کے چھینٹوں سے آلودہ ہو گئی۔ اس تمام واقعہ کی وڈیو فلم بھی بنائی جاتی رہی، جو بعد میں کسی طرح سپاہ صحابہؓ کے ہاتھ آ گئیں۔ اس موقع پر پولیس اور شیعہ کی فائرنگ بھی ہوئی جس کی زد میں آ کر کئی سنی مسلمان شہید ہو گئے۔ حکومت کی طرف سے دونوں اطراف کے لوگ گرفتار کر لئے گئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ کوہاٹی مسجد کو سیل کر دیا گیا اور سپاہ صحابہؓ کا دفتر مستقل بند کر دیا گیا۔

قومی اسمبلی میں شہید شدہ قرآن

پشاور میں شیعہ کی طرف سے قرآن کریم اور مسجد کے تقدس پامال کرنے کی شرمناک کاروائی کے بعد سرحد کی صوبائی حکومت نے جس طرح جانبداری اور شیعہ

نوازی کا ثبوت پیش کیا وہ انتہائی قابل ندامت و قابل نفرت تھا۔ شیعہ غنڈوں کی اس شیطانی حرکت سے پورے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ چکی تھی۔ B.B.C ریڈیو کئی روز تک اس واقعہ کی خبریں نشر کرتا رہا۔ لیکن پشاور انتظامیہ نے چند شیعہ کو گرفتار کرنے کے ساتھ ساتھ سپاہ صحابہؓ کے بھی راہنما گرفتار کر لیے۔ جس پر میں نے پشاور کا خود دورہ کیا اور حالات معلوم کیے وہاں سے قرآن کریم کا وہ نسخہ ہمراہ لایا جو شیعہ کی شرمناک ناپاک جسارت کا نشانہ بنا تھا۔ میں نے اس نسخہ کو اسمبلی میں پیش کرتے ہوئے کہا حکمرانوں اور وزیرو! اگر تمہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں ہے تو اپنی آنکھوں سے اس مظلوم کتاب مقدس کو دیکھ لو۔ اس کلام اللہ کو کس جرم میں نذر آتش کیا ہے؟ اس اقدام سے ممبران اسمبلی کے آنسو نکل پڑے اور سب نے اس واقعہ میں ملوث مجرموں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا۔ مگر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

چنیوٹ میں قرآن کریم کی بیحرمتی اور پنجاب حکومت کے احمقانہ اقدام

۱۵ جولائی کو چنیوٹ کی جامع مسجد صدیق اکبر میں قرآن کریم کے نسخوں کو نذر آتش کرنے کا شرمناک واقعہ پیش آگیا۔ جس پر پولیس نے ایک قادیانی نوجوان کو پکڑا اور کہا کہ اس نے تسلیم کرلیا ہے کہ یہ کاروائی اس نے کی تھی پھر چند روز کے بعد مسجد کے موذن کے صاحبزادہ محمد بلال تیرہ سالہ بچے کو پکڑ لیا اور اسے بدترین تشدد کا نشانہ بناتے ہوئے اس کے جسم میں مرچیں تک داخل کی گئیں اور کہا گیا تم سپاہ صحابہؓ تحصیل چنیوٹ کے صدر مولانا ملک خلیل احمد اور فلاں فلاں عالم دین کا نام لو کہ ان کے اکسانے پر میں نے قرآن مجید نذر آتش کیا، اور پھر مولانا عبدالعزیز، حافظ محمد اکرم، مولانا شفیق احمد انجم کو مولانا ملک خلیل احمد سمیت گیا گرفتار کرلیا گیا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں نے صوبائی اسمبلی میں قرآن کریم کے نذر آتش کرنے کے اس واقعہ کی ذمہ داری سپاہ صحابہؓ پر ڈال دی اور کہا

اس میں مولنا منظور احمد چنیوٹی بھی شامل ہیں۔ وزیر اعلیٰ وائیں کے اس بیان سے ہر چھوٹے بڑے شخص کو معلوم ہو گیا کہ حکومت کے اس وفد کیا ناپاک عزائم ہیں۔ چنانچہ چار علماء اسلام اور محمد بلال کو بدترین تشدد کا نشانہ بنا کر پولیس نے ان سے ناکردہ گناہ اگلوانے کی بہت کوشش کی گئی مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے تو انہیں جیل بھیج دیا گیا۔

ظالم ڈی۔ایس۔پی اللہ کی گرفت کا شکار

چنیوٹ میں قرآن کریم کے نذر آتش کرنے کے جرم میں علماء کرام کو تشدد کا نشانہ بنانے والے D.S.P پولیس کچھ دنوں بعد تبادلے کے نتیجے میں جھنگ آگئے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم نے بے گناہوں پر ظلم ڈھایا ہے اور گنہگاروں کو چھوڑ دیا ہے کیا تم خدا کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہو۔ اس افسر نے میری بات کو قہقہے میں اڑاتے ہوئے کہا۔ مولانا! ایسا ہوتا رہتا ہے۔ چند روز بعد ہی اس افسر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور اس کا نیچے کا دھڑ مفلوج ہو گیا۔ میں نے فیصل آباد ہسپتال میں جا کر اس کی خیریت دریافت کی تو وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا اور یہ کہنے لگا مجھے نامعلوم کس کیے کی سزا مل رہی ہے میں نے کہا بے گناہ علماء پر تشدد سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ آخر چند روز بعد وہ بے بسی کی حالت میں یہ دنیا چھوڑ گیا۔

عظمت قرآن کانفرنسوں کا اعلان

پشاور، چنیوٹ میں قرآن کریم کی توہین اور بے حرمتی کے واقعات میں بلاشبہ انہی لوگوں کا ہاتھ تھا جو اس قرآن کریم کو تبدیل شدہ محرف و مبدل کتاب مانتے ہیں۔ جن کے مفسرین اور نام نہاد محدثین نے کئی کتب میں موجودہ قرآن مجید کے بارے میں یہ تک لکھ دیا ہے کہ اس میں کفر کے ستون موجود ہیں۔ (معاذ اللہ) شیعہ کی قدیم کتب اصول کافی،

احتجاج طبری، حق الیقین اور موجود زمانہ کے شیعہ مجتہد مولوی مقبول دھلوی، حافظ فرمان علی نے اپنی تفاسیر کے حاشیہ پر اس عقیدہ کا بڑی شد ومد سے پرچار کیا ہے اور پھر پشاور میں دس محرم الحرام کے واقعہ سے قرآن مجید کی بیحرمتی کی تو ویڈیو تک موجود ہے۔ اس سے قبل ضلع جھنگ میں گڑھ مہاراجہ کا واقعہ ریکارڈ پر ہے کہ خود شیعہ نے قرآن مجید کو نظر آتش کیا اور شور برپا کردیا کہ سنیوں نے ایسا کیا۔

لیکن ان سب حقائق کے باوجود حکومت پنجاب کی ہٹ دھرمی بلکہ بے شرمی کی انتہاء تھی۔ اس واقعہ کو الٹا سپاہ صحابہؓ پر ڈال کر سپاہ صحابہؓ کو تشدد کا نشانہ بنانا شروع کردیا۔

چنانچہ سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس عاملہ اور پنجاب کی مجلس عاملہ کا مشترکہ اجلاس منعقد ہوا اور تمام صورتحال کو سامنے رکھ کر پنجاب کے تمام ڈویژنل مقامات پر عظمت قرآن مجید کانفرنسوں کے پروگرام طے کیے گئے۔ یہ پروگرام بہاولپور، ڈیرہ غازی خاں، فیصل آباد، سرگودھا اور لاہور میں کامیاب ترین انداز میں منعقد ہوئے لیکن گوجرانوالہ اور راولپنڈی ملتان میں ان کانفرنسوں کی مثال پہلے کسی مذہبی ودینی پروگرام سے نہیں ملتی ہے۔ عوام کا ایک جم غفیر ہر جگہ موجود ہوتا اور حکومت پاکستان کے اوچھے ہتھکنڈوں پر نفرت کا اظہار کرتا۔ ۳۱ جولائی قلعہ قاسم باغ ملتان اور ۹ اگست مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں کی گئی تقاریر اپنی جگہ پر ایک ریکارڈ ہیں۔

فیصل آباد میں قرآن کریم کی بیحرمتی اور امام مسجد کی گرفتاری

پشاور اور چنیوٹ میں قرآن کریم کی بیحرمتی پر پنجاب میں سپاہ صحا ڈویژنل مقامات پر عظمت قرآن کانفرنس کرکے احتجاج میں معروف تھی کہ اچانک ۱۴ اگست کو فیصل آباد کی جامع مسجد حبیبیہ فاروق آباد میں مسجد کی الماری میں آتشین مادہ پھینک کر دشمنان قرآن نے چودہ قرآن کریم کے نسخے شہید کردیئے۔ ان وارداتوں کو دیکھ کر ایسے

لگ رہا تھا کہ دشمنان قرآن پشاور کے شرمناک واقعہ کا رخ بدل کر حکومت پنجاب کی پالیسی کے مطابق ان واقعات کی آڑ میں الٹا اہلسنت علماء کرام اور سپاہ صحابہؓ ہی کو بدنام کرنے اور ریاستی جبرو تشدد کا نشانہ بنوانے کے لئے سرگرم ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ایسے ہی ہوا کہ مسجد کے خطیب مولانا نیب الرحمٰن اور ان کے گن مین محمد امین بھولا کو گرفتار کرلیا گیا اور ال[illegible]م ان پر دھر دیا گیا۔ جو عدالت سے بری ہو گئے۔

قومی ا[illegible] میں خلیفہ بلافصل کے عنوان پر مدلل خطاب

[illegible]گست ۹۲ء [illegible] قومی اسمبلی میں شمالی علاقہ جات گلگت سکردو وغیرہ میں امن و امان [illegible] حوا[illegible] سے بحث کا [illegible]ز ہوا۔ اس بحث میں مختلف مقررین اور خود مولانا عبدالستار نیازی نے اپنے [illegible] انداز[illegible] [illegible]قاریر کیں اور فسادات کے عوامل پر گفتگو کی۔ میں نے اپنی تقریر میں شمالی [illegible]قہ جات کے فسادات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے ان علاقوں کی جغرافیائی [illegible]یت کے تناظر میں بین الاقوامی سازشوں کے ساتھ شیعہ سنی فسادات کے عوامل میں سے ایک بڑا سبب مسئلہ خلافت کو قرار دیا۔ تقریر حسب ذیل ہے۔

شکریہ جناب سپیکر:۔ شمالی علاقہ جات کا مسئلہ خاص طور پر امن و امان کے حوالے سے آج ز[illegible] غور ہے۔ جناب سپیکر وہاں کا مسئلہ دو طریقے سے ہے۔ جیسا کہ مولانا نیازی صاحب مدظلہ العالی نے فر[illegible]ا ہے کہ ایک انتظامی اور ایک مذہبی اختلافات کے حوالے سے زیادہ اہم ہے۔ یہ علاقہ اپنی جغرافیائی [illegible] علاقائی صورت حال کے لحاظ سے بھی بڑا اہم ہے۔ اس لئے آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ یہاں اسرائیل یہودی لابیاں اور بھارت نواز لابیاں بھارت کے ایجنٹ اور افغانستان کا جب جہاد چل رہا تھا تو وہاں ایران کے ایجنٹ سرگرم عمل تھے اور وہا[illegible] بڑی بڑی مالدار مشنریاں اس کے لئے تیار تھیں۔ اور انہوں نے

بڑے بڑے ادارے بنائے، بڑے بڑے سکول کالج، بڑی بڑی سہولتیں فراہم کیں کہ جس سے مسلمانوں کی نسل نو کے عقائد و نظریات کو بگاڑنے کی کوشش کی جائے اور بلکہ یہ ایک پروگرام تھا کہ برصغیر میں بھی ایک نیا اسرائیل قائم کیا جائے اور اس کے لئے وہاں کوششیں عمل میں لائی جارہی ہیں۔ اصل مسئلہ وہاں شیعہ سنی کا ہے۔ مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ حکمران برائی کے درخت کی جڑیں نکالنے کی بجائے اس کی شاخوں کو تراشتے رہتے ہیں۔ جب تک اس برائی کے درخت کو ہم نہیں اکھاڑ پھینکتے۔ شاخ آج ایک کاٹیں گے پھر دوسری نکل آئے گی۔ کل دوسری کاٹیں گے۔ تیسری نکل آئے گی یہ مسئلہ شمالی علاقہ جات کا نہیں ہے۔ شیعہ سنی کا مسئلہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے اور پاکستان کے اندر خاص طور پر یہ بڑی اہمیت کا حامل مسئلہ ہے۔ آج آپ شمالی علاقہ جات پر بحث کریں۔ کل آپ جھنگ کے حالات پر بحث کریں گے۔ پرسوں کبیر والا پر کریں گے۔ ترسوں لاہور پر کرلیں گے۔ یہ مسئلہ بڑا اہم ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اختلاف مذہب اور سیاست کا ہر ملک میں ہے لیکن اختلافات باعث مذمت نہیں۔ فسادات باعث مذمت ہیں کہ فساد کیوں ہوتا ہے؟ لڑائی کیوں ہوتی ہے؟ اب اختلافات مسلمانوں کے مابین بھی ہیں۔ مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائی ہیں۔ ہندو ہیں، سکھ ہیں، یہ سب ہیں، سب بستے ہیں، کوئی فساد نہیں ہے، دوستی ہے۔ ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔ لیکن کیا پاکستان یا دوسرے ملکوں میں شیعہ سنی اتحاد اور اتفاق سے کیوں نہیں بس سکتے تو اس میں اصل یہی بات ہے دیکھنے کی۔ جو یہاں سرکاری اجلاسوں میں بھی زیر بحث آئے کہ وہ کون سے عوامل ہیں؟ وہ کون سی وجوہات ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ اختلافات فسادات کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں۔ تو جناب والا:۔ وہ واقعی ایسی ہیں کہ جب تک ان کا راستہ بند نہ کردیا جائے اور جب تک فساد کا باعث بننے والی چیزوں پر پابندی عائد نہ کردی جائے اور ہم سرکاری وسائل بروئے کار لاکر جب تک قوت بازو سے اس چیز کو نہیں روکیں گے تو یہ فسادات کا دروازہ بند نہیں

ہوگا۔ اب میں کہتا ہوں کہ جب سرعام لاؤڈ سپیکر پر ایک دن میں تین مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان غنی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) اجمعین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ کوئی خلیفہ نہیں تھے۔ وہ کوئی خلافت راشدہؓ نہیں۔ ہم نہیں مانتے بس خلیفہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد ایک ہی تھے۔ وہ بھی بغیر فاصلے کے۔ جب تین صحابہؓ کی خلافت کو بلا فصل کے لفظ سے کاٹ کر رکھ دیا جائے گا اور لاؤڈ سپیکر پر تین صحابہؓ کی خلافت کو جھٹلایا جائے گا پھر مسلمان مر تو سکتا ہے لیکن اپنے پیغمبرؐ کے صحابہؓ کی خلافت کا انکار ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اگر پاکستان میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ میں صدر محترم کی صدارت نہیں مانتا، وزیراعظم کو وزیراعظم نہیں مانتا، میں عدلیہ کو نہیں مانتا اور ایسا کہنے والے کے خلاف قانون حرکت میں آتا ہے لیکن جہاں روزانہ ہر شہر، ہر گاؤں، ہر دیہات میں علی الاعلان یہ کہا جاتا ہے۔ "**اشہد ان علیا ولی اللہ و خلیفتہ بلا فصل**" کیا مطلب کہ تاریخ اسلام کا کھلم کھلا انکار ہے۔ حضورؐ کے تشریف لے جانے کے بعد بغیر فاصلے کے خلیفہ حضرت علیؓ تھے۔ اتنا کہنا یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے۔ اور اتنا بڑا دجل ہے۔

سپیکر:۔ مولانا صاحب اصل موضوع پر بات کریں متنازعہ باتیں نہ کریں۔

میرا جواب:۔ یہ متنازعہ باتیں ہیں؟ نعوذ باللہ! تین صحابہؓ کی خلافت اگر متنازعہ ہے۔

(سپیکر دوسرے مسلک کے لوگ بھی بیٹھے ہیں تو بات بڑھ جائے گی۔)

میں بات بڑھانا نہیں چاہتا۔

سپیکر:۔ شمالی علاقہ جات کی طرف رہیں۔

میرا جواب:۔ آپ درخت کی شاخوں کی طرف آرہے ہیں۔ آپ ایک دن بحث کا نکالیں اور میں یہاں تک کہتا ہوں۔ ساجد نقوی اور دوسرے جو اس اسمبلی کے ممبر نہیں ہیں۔ ان کو بھی اجازت دیں کہ وہ بھی کھلے عام اپنا موقف اسمبلی کے سامنے رکھیں کہ آپ کو اہل سنت کی طرف سے کیا تکلیف ہے؟ وہ جو تکلیف کہیں گے جو ان کے جذبات مجروح

کرنے والی چیز ہوگی۔ ہم اس سے رک جائیں گے ہم کہیں گے کہ ہمارے جذبات فلاں چیز سے مجروح ہوتے ہیں۔ تو وہ اس سے اجتناب کرنے کا عہد کریں۔

(سپیکر۔ :- مولانا صاحب بات ختم کریں۔

شمالی علاقہ جات کے بارے میں یہ عرض کروں گا کہ وہاں ہمارے محترم وفاقی وزیر مذہبی امور حضرت مولانا عبدالستار نیازی صاحب مدظلہ العالی کی قیادت میں ایک وفد آپ روانہ کریں۔ وہ وفد جائے وہاں جاکران کے کچھ معاشی مسائل ہیں۔ مذہبی مسائل بھی ہیں۔ ان کو وہ جمہوری حقوق حاصل نہیں ہیں جو پاکستان میں مجھے اور آپ کو حاصل ہیں اوران کے ساتھ بھی بہت سی Prohlems ہیں۔ جب تک وہ تمام کی تمام نہیں سنی جاتیں اس وقت تک ان کے مسائل حل کرنے میں کوئی پیش رفت نہیں ہو سکتی اور پھر خاص طور پر اس علاقے میں ایک بات تو طے کرلی جائے کہ غیر ملکی مشنریاں سرگرم عمل ہیں۔ جو کروڑوں روپیہ خرچ کر رہی ہیں اور جہاں مسلمان بچے جائیں تو ان کو مفت تعلیم ملتی ہے اور سہولتیں ملتی ہیں وہ جائیں گے اپنا عقیدہ اور نظریہ بیچ کر چلے آئیں گے۔ اس کے لئے تو یہ طے کرلینا چاہیے کہ جو غیر ملکی مشنریاں سرگرم عمل ہیں۔ ان پر فوری طور پر پابندی لگائی جائے۔ ہمارے بچے غریب سکول میں پڑھ لیں، ہمارے بچے چٹائی پر بیٹھ کر پڑھ لیں۔ لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایئر کنڈیشن سکولوں میں جائیں اور دولت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ پھر کل وہی غیر ملکی مشنریاں اس کو دوسرا اسرائیل بنا دیں اور پھر وہ پاکستان کی سالمیت کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ بن جائے۔ شکریہ جناب سپیکر۔

ایرانی صدر کا پاکستان کی قومی اسمبلی سے خطاب اور میری گرفتاری

ایرانی حکومت کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی ہے کہ جب پاکستان میں ان کے ایجنٹ کسی تخریب کاری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ایرانی حکومت کے بھیانک چہرے

سے نقاب اٹھنے لگتا ہے۔ سرکاری حلقوں میں ایران کی ناپاک سازشوں کے خلاف غم وغصہ کی فضاء پیدا ہونے لگتی ہے اور پاکستان کے عوام کی زبان پر ایران اور اس کے حواریوں کے گھناؤنے کردار کی مذمت کے الفاظ جاری ہونے لگتے ہیں تو فوراً ایرانی حکومت ایک اعلیٰ سطحی وفد پاکستان بھیج دیتی ہے تاکہ ایران مخالف اثرات کا سدباب کیا جا سکے۔ چنانچہ آپ آگے چل کر پڑھیں گے کہ خود مجھ پر جب قاتلانہ حملہ کیا گیا اور گرفتار شدہ قاتلوں نے اقرار کیا کہ ہمیں ایران کی طرف سے مولانا اعظم طارق کو قتل کرنے کی خاطر ایک کروڑ روپیہ ایڈوانس دیا گیا تھا تو اس واقعہ کی صدائے بازگشت اعلیٰ ایوانوں میں گونجنے لگی۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر ایرانی ایوان کے سپیکر ناطق نوری پاکستان کے دورہ پر پہنچ گئے۔ اب جب پشاور میں شیعہ کے ہاتھوں قرآن کریم کی توہین اور پنجاب کے شہروں میں شیعہ کی طرف سے قرآن کریم نذر آتش کرنے کے واقعات پر اسمبلی کے اندر اور باہر شیعہ کے خلاف آواز احتجاج بلند ہوئی اور اگست میں قومی اسمبلی میں خلیفہ بلافصل کے عنوان پر مدلل تقریر بھی ہوگئی تو ایرانی حکومت نے فوری طور پر اپنا ایک سرکاری وفد ایرانی صدر رفسنجانی کی قیادت میں پاکستان بھیجنے کا پروگرام بنالیا۔ ایرانی صدر کو پاکستان آمد پر ۷ ستمبر ۹۲ء کو قومی اسمبلی میں خطاب کی دعوت دے دی گئی تاکہ وہ ممبران اسمبلی کو اپنے تقیہ بھرے انداز سے متاثر کرسکے۔ ادھر میں نے اعلان کردیا کہ میں قومی اسمبلی میں ایرانی صدر سے کھڑے ہوکر سوالات کروں گا۔ اس سے یہ جواب لوں گا کہ ان کی حکومت پاکستان کے معاملات میں مداخلت کس لئے کرتی ہے؟ اور وہ پاکستان میں اپنا غلیظ لٹریچر کیوں کر بھیجتے ہیں۔ ان کے ایجنٹ پاکستان میں علماء اہلسنت کے قتل میں کس لئے ملوث ہیں؟ اور ایرانی حکومت ایران کے ۳۵ فیصد عوام اہلسنت کو ان کے حقوق کیونکر نہیں دے رہی ہے؟ ایران کے آئین میں ایران کو شیعہ اثناعشری اسٹیٹ قرار دے کر سنی عوام کے لئے تمام کلیدی عہدوں کے دروازے کس لئے بند کیے گئے ہیں؟ ایرانی صدر کو باضابطہ پیش کرنے کے لئے

میں نے اور قائد سپاہ نے ایک مکمل یادداشت مرتب کرلی تھی۔

۶ ستمبر کو بعد نماز ظہر میں نے مری میں ڈاک خانہ چوک پر عظمت قرآن کانفرنس کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ کل قومی اسمبلی میں ایرانی صدر سے پوچھا جائے گا کہ تم کس طرح اس خمینی کو امام مانتے ہو۔ جس نے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو معاذ اللہ اپنی کتب میں کافر و زندیق اور مخالف قرآن لکھا ہے۔ اس طرح اس روز شام کو چوبرجی گراؤنڈ لاہور میں دوسری دفاع پاکستان و شہداء ناموس صحابہؓ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بھی اسی عزم کا اظہار کیا۔ میری ان تقاریر سے حکومت پنجاب اور مرکزی حکومت کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ رات کے دو بجے جب قائد سپاہ صحابہؓ کے ہمراہ میں چنبہ ہاؤس میں آرام کرنے کے لئے پہنچا تو مجھے پولیس اسکواڈ والوں نے بتایا کہ ہوم سیکرٹری چوہدری نذیر احمد صاحب آپ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں جب فون پر ان سے رابطہ کیا معلوم ہوا کہ وہ سو گئے ہیں۔

علی الصبح اسلام آباد کی پہلی پرواز سے سفر کرنے کے لئے میں لاہور ایئرپورٹ پر پہنچا تو V.I.P لاؤنج میں ہوم سیکرٹری کا فون آگیا۔ ان کا اصرار تھا کہ میں اسلام آباد نہ جاؤں۔ میں نے ان سے کہا میں رکن اسمبلی ہوں اور اسمبلی کے اجلاس میں شرکت میرا بنیادی حق ہے۔ آپ اس سے مجھے کیسے روکتے ہیں؟ انہوں نے کہا ملک کی عزت کا مسئلہ ہے۔ بدمزگی ہو جائے گی۔ میں نے کہا میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ ہم نے رات یادداشت مرتب کرلی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ سپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب صاحب کی وساطت سے میں اسمبلی کے قواعد کے مطابق ایرانی صدر کو پیش کروں۔ میرا مقصد انتشار نہیں بلکہ ایرانی صدر کی زبان سے شیعہ سنی فسادات کے عوامل کا خاتمہ کرانا ہے۔ انکا اصرار جاری رہا اور میں اسلام آباد نہ جانے سے انکاری رہا۔ تھوڑی دیر بعد میں اور کئی ممبران اسمبلی جہاز میں سوار ہو گئے۔ جب طیارہ راولپنڈی کے ہوائی اڈہ پر اترا تو کیا دیکھا کہ راولپنڈی

کے ایس۔ایس۔پی راؤ محمد اقبال ایک مرسیڈیز کار لئے جہاز کی سیڑھیوں کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہم سب ممبران اسمبلی نے ایک دوسرے کو دیکھا کہ اس طیارہ میں کون سا مہمان خصوصی ہے۔ جس کے لئے مرسیڈیز کار یہاں کھڑی ہے۔ کیونکہ ایسا پروٹوکول تو صرف وزیر اعلیٰ یا گورنر کو دیا جاتا ہے۔ جب لیاقت بلوچ ایم۔این۔اے صاحب نے پوچھ ہی لیا کہ بھائی کسے لینے آئے ہو تو انہوں نے میرا نام لیا۔ مجھے فوراً ہوم سیکرٹری کی بات یاد آگئی۔ میں نے لیاقت بلوچ سے کہا کہ یہ لوگ مجھے ایوان میں جانے سے روک رہے ہیں۔ آپ اسمبلی میں مولانا سمیع الحق صاحب کو مطلع کر دینا۔ کیونکہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں بحیثیت سینیٹر وہ بھی ہونگے اور V.I.P لاؤنج سے باہر کھڑے میرے گن مینوں کو بتا دیں کہ وہ گاڑی اس کار کے ساتھ لگالیں۔

مجھے کہا گیا کہ آپ کو بحفاظت اسمبلی پہنچانا ہے۔ کیونکہ آج وہاں کچھ مشکوک لوگ ہیں اس لئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ لیکن جب ایئر پورٹ سے یہ کار اسلام آباد کے غیر متعلقہ روڈ پر چل پڑی تو میں نے کہا! اس طرف تو کوئی اسمبلی نہیں ہے۔ تو مجھے کہا گیا ہماری مجبوری ہے۔ ہمیں آپ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن میرے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے S.S.P صاحب ہمارے گن مینوں سے نہایت خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ مجھے استدعا کرنے لگے کہ پلیز! آپ انہیں واپس کر دیں۔ میں نے گاڑی رکوا کر انہیں واپس کر دیا اور یہ مرسیڈیز کار مجھے کہوٹہ روڈ پر موجود ایک ریسٹ ہاؤس میں لے گئی۔ جہاں رات تک رکھا گیا اور رات بارہ بجے خود ہی مچلکے بنا کر مجھے ضمانت پر رہا کر کے ایم۔این۔اے ہاسٹل پہنچا دیا گیا۔ یوں حکومت پاکستان نے ایران اور شیعیت نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایرانی صدر کی آمد پر مجھے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت سے محروم رکھا۔

پنجاب میں سیلاب کی تباہ کاریاں اور سپاہ صحابہؓ کی امدادی مہم

ستمبر کے آخر میں پنجاب میں دریائے چناب اور دریائے جہلم میں بدترین سیلاب آنے سے جہلم شہر پنڈ دادن خان، بھیرہ، ساہیوال، جھنگ، اٹھارہ ہزاری، احمد پور سیال، مظفر گڑھ تک کے علاقے بری طرح تباہ ہو گئے۔ سپاہ صحابہؓ ویلفیئر ٹرسٹ کی طرف سے ہم نے متاثرین سیلاب کے لئے امدادی فنڈز جمع کرنے اور اشیاء ضرورت عوام سے جمع کر کے متاثرین تک پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ سب سے پہلے تو سیلاب کی شدت کے باعث جھنگ کی حفاظت کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ حکومت ہیڈ تریموں کو بچانے کے لئے جھنگ کا بند توڑ دے گی اگر ایسا ہو تا تو بہت بڑا نقصان ہوتا اور اس کی تلافی ممکن نہ ہوتی۔ چنانچہ مسجد حق نواز شہید سے اور دیگر مساجد سے یہ اعلانات کرائے گئے کہ اپنے شہر کی حفاظت کے لئے اپنے ایم این اے مولانا اعظم طارق کے ہمراہ "بند" پر پہنچیں اور اپنے ہمراہ کدالیں، بیلچے، کسیاں لے کر آئیں۔ آناً فاناً ہزاروں لوگ "بند" پر پہنچ گئے اور بند کے پشتے مضبوط بنانے شروع کر دیئے گئے۔ میں نے خود کسی ہاتھ میں لے کر "بند" پر مٹی ڈالنا شروع کی تو لوگوں کا جوش و جذبہ انتہا کو پہنچ گیا۔ ادھر میں نے اعلان کر دیا کہ اگر حکومت نے جھنگ کا بند توڑنے کی کوشش کی تو اس کے نتائج سخت بھیانک ہوں گے۔

مجبوراً ہیڈ کو بچانے کے لئے حکومت کو دوسری طرف سے بند توڑنا پڑا جس طرف سے انسانی آبادی کا نقصان بہت کم ہوا۔

اب جھنگ کے شہریوں سے اپیل کی گئی کہ متاثرین سیلاب کی امداد کریں تو لوگوں نے دل کھول کر تعاون کیا۔ چنانچہ ہیڈ تریموں پر جماعت کے کیمپ لگا دیئے گئے اور کرائے پر کشتیاں حاصل کر کے سیلاب میں پھنسے لوگوں کو نکالنے کا کام شروع کر دیا گیا اور متاثرین میں کپڑے اشیاء ضرورت، کھانے پینے کی چیزیں، نقد رقوم کی تقسیم شروع کر دی گئی۔ سپاہ

صحابہؓ کی اس خدمت اور امدادی کارکنوں کے اخلاص و جذبہ کو دیکھ کر فوج کے جوان بے حد متاثر ہوئے اور افسروں نے اسے بہت سراہا۔ لیکن اس حالت میں بھی وزیر اعظم صاحب جب جھنگ ہیڈ تریموں پر آئے تو انہوں نے خوشامدی ٹولے کو ہی تمام سرکاری وسائل دے کر ٹی وی پر خبرنامہ میں خبریں نشر کرادیں۔ جھنگ کی نوکر شاہی اور مسلم لیگی ممبران اسمبلی و وزراء نے اپنے طور پر کچھ بھی نہ کیا۔ بلکہ دوسرے شہروں سے آنے والے امدادی ٹرکوں کو روک کر ان کا سامان جمع کر کے کچھ آپس میں بانٹ لیا اور کچھ بازاروں میں فروخت کرادیا۔

مقامی ایم۔ پی۔ اے حضرات کے اس واویلے پر کہ جھنگ میں ہم عوام میں بدنام ہو چکے ہیں۔ آپ لوگ ہماری مدد کو آئیں تو چند ٹرک لے کر میاں شہباز شریف جھنگ کے سیلاب زدہ علاقوں میں پہنچے لیکن جن علاقوں میں ابھی پانی موجود تھا وہاں جانے کا انہیں حوصلہ نہ ہوا۔ اتنے میں قائد سپاہ صحابہؓ امدادی ٹرک لے کر پہنچ گئے اور پانی کے درمیان گاڑیاں ڈال کر حسو بلیل، روڈ سلطان پہنچ گئے جہاں دس روز سے کوئی امدادی سامان لے کر نہ پہنچ سکا تھا۔ اسی طرح کئی علاقوں میں میں نے خود پانی میں تیر کر لوگوں تک سامان پہنچایا۔ چند روز بعد سپاہ صحابہؓ نے جہلم، پنڈ دادن خان، بھیرہ، ساہیوال، ملتان، مظفر گڑھ کے علاقوں میں بھی امدادی سامان پہنچانے کے لئے ٹرک بھر بھر کر بھیجے۔

حکومت کی ناقص کارکردگی اور عوام پر سیلاب مسلط کرنے کی سازش کے خلاف قومی اسمبلی میں تقریر

چونکہ اس سیلاب میں حکومت کی کوتاہی بلکہ بدنیتی کو بڑا دخل تھا۔ اس لئے میری ہر جگہ یہ تقریر ہوئی تھی کہ سیلاب آیا نہیں بلکہ لایا گیا ہے۔ یہ عذاب خدا نہیں ہے بلکہ حکمرانوں کی طرف سے قوم پر مسلط کردہ بلا ہے۔ چنانچہ اس عنوان پر قومی اسمبلی میں میں

نے جو تقریر کی وہ درج ہے۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم **جناب سپیکر!** سیلاب کے مسئلہ پر اس ایوان میں جس سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلے کو لے کر اس پر حقیقت پسندانہ گفتگو ہونی چاہیے مجھے انتہائی دکھ ہے کہ سوائے ایک دوسرے پر ذاتی حملے کرنے کے اور ایک دوسرے کو بدنام کرنے کے، سیلاب کی صورت حال، عوام کی زبوں حالی، لوگوں کی مدد کرنے کے لئے کوئی معقول طریقے سے ہم لوگ آج یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ گفتگو کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ ہر شخص کی طرح میں بھی ایک ذاتی رائے رکھتا ہوں۔ وہ صرف جھنگ میں بیٹھ کر یا کسی دور دراز جگہ سے دوربین لگا کر معائنہ کر کے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے لوگ جانتے ہیں کہ ہم نے اول روز سے جہلم سے لے کر مظفر گڑھ تک اس سیلاب کو جتنا قریب سے دیکھا ہے اور اس موقع پر اپنی عوام کی جتنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خدمت کرنے کی توفیق دی ہے۔ میں اس پر اللہ کا شکر گزار ہوں اور میں چیلنج کر کے کہہ سکتا ہوں کہ میں اور میری جماعت سپاہ صحابہؓ نے بعض ایسے علاقوں میں اس انداز سے کام کیا ہے کہ خود فوج اور آزاد ادارے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی ایم۔ این۔ اے ایسا لایا جائے جس نے پانی کی خونی موجوں میں کود کر کرائے پر کشتیاں حاصل کر کے چھ چھ میل پیدل پانی میں سفر کر کے اپنے بھائیوں تک خوراک پہنچائی ہو۔ درختوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کو اتارا ہو۔ یہ ایک لمبی تفصیل ہے۔ سیلاب کے عنوان پر میں ایک رائے رکھتا ہوں کہ یہ سیلاب آیا نہیں ہے یہ سیلاب لایا گیا ہے۔ یہ سیلاب قدرتی آفت نہیں ہے۔ میں اس کو اس لئے قدرتی آفت نہیں مانتا کہ میں ایمان دارانہ رائے رکھتا ہوں کہ یہ قدرتی آفت نہیں ہے۔ یہ ایک حکومتی غفلت یا پھر حکومتی سازش کا نتیجہ ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ جناب بارشیں ہوئیں یہ بارشیں صرف آزاد کشمیر میں ہوئیں؟ یہ بارشیں جہلم میں نہیں ہوئیں اور پھر

حوالہ دیا جاتا ہے ۱۹۱۲ء کا، جس دور میں آپ کے پاس نیا نظام نہیں تھا۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ ۱۹۱۲ء میں واپس چلے جائیں۔ آپ کو محکمہ موسمیات نے قبل از وقت آگاہ کیا۔ یہ بحث تو جہلم کے اس منگلا ڈیم کے اوپر بیٹھ کر ہونی چاہیے۔ وہ لوگ بتلائیں گے کہ تین روز پہلے دریائے جہلم بند کر دیا گیا اور پانی کو سٹور کر دیا گیا۔ پیچھے سے بارشیں ہو رہی ہیں۔ جو قطرہ آزاد کشمیر کے پہاڑوں پر اترتا ہے۔ وہ ۲۷ گھنٹے میں منگلا ڈیم تک پہنچتا ہے اور یہ جو بارشیں ہوتی رہیں۔ آخر ادارے خبردار کرتے رہے۔ جب معلوم تھا کہ بارشیں اتنی تیزی سے ہو رہی ہیں تو پہلے پانی کو بند کیوں کر لیا گیا؟ پہلے ہی دو تین گیٹ کھلے رکھ دیئے جاتے۔ جیسے جیسے پانی کا ریلا آتا جاتا وہ آگے چلتا جاتا۔ اس طرح سیلاب کی کوئی کیفیت نہ ہوتی۔ میں کہتا ہوں اسی بات پر بحث کر لی جائے کہ کیا دس لاکھ کیوسک سے اوپر پانی یک لخت آسمان سے ٹوٹ پڑا تھا؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ کوئی چاہے تو میرے ساتھ اس بات پر مباحثہ کر لے میں کہتا ہوں یہاں بات کرنے کی بجائے آپ آئیں ٹی۔ وی پر، ریڈیو پر ہمارے ساتھ بات کریں اور عوام پر فیصلہ چھوڑ دیں۔ ہم اپنا موقف پیش کرتے ہیں۔ آپ اپنا موقف پیش کریں۔ اگر عوام کہے کہ سیلاب لایا گیا، سیلاب حکومت کی سازش اور غفلت کا نتیجہ ہے تو آپ کو جان لینا چاہیے کہ یہ غلطی آپ سے سرزد ہوئی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ پانی کو سٹور کر کے پانی کو روکتے چلے جانا اور یہاں تک کہ جب ڈپٹی کمشنر اور ایس۔ پی جہلم کو معلوم ہوا تو وہ اپنے بچوں کو محفوظ مقام پر لے گئے۔ کیا قصور ہے؟ اس عوام کا؟ کیا جرم ہے اس عوام کا؟ کہ اسے مطلع نہیں کیا گیا۔ جب رات بارہ بجے کے قریب لوگ سو رہے تھے اور پھر ڈیم کا پانی خطرناک نشان سے اوپر چلا گیا۔ آپ نے لوگوں کو مطلع بھی نہیں کیا۔ اب اگر آپ پانی چھوڑنا چاہتے تھے کوئی سائرن بجا دیتے۔ کوئی خطرے کا الارم دے دیتے۔ عوام کی آگاہی کے لئے کوئی تو کام کر دیتے۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جاتا یا دو چار گھنٹے اور صبر کر لیتے۔ نہیں تو ایک طریقہ کار یہ بھی ہے کہ آپ اس کا ایک دروازہ کھول دیں، دو گیٹ

کھول دیں، تین گیٹ کھول دیں۔ یک لخت رات کے بارہ بجے جب مخلوق خدا سوئی ہوئی ہے۔ سارے کے سارے گیٹ کھول دینا اور عوام کو پانی کی زد میں مبتلا کر دینا۔ اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قدرتی آفت ہے۔ یہ قدرتی آفت نہیں ہے۔ یہ آپ کی غفلت و سازش کا نتیجہ ہے۔ آپ چاہتے تھے حکومت چاہتی تھی کہ عوام کا رجحان بدل دیا جائے عوام پر جب سیلاب آئے ہمارے پاس وسائل ہوں گے۔ ہمارے پاس ہیلی کاپٹر ہوں گے۔ ہمارے پاس دیگر چیزیں ہوں گی اپوزیشن کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ ہم ایک ایک جگہ جا کر ڈھونگ رچائیں گے۔ اپوزیشن کے پاس جب کچھ نہیں ہوگا۔ اس کو بدنام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ہمیں عوام کے سر پر ہاتھ رکھ کر خدمت کا نام نہاد پھریرا لہرانے کا موقع مل جائے گا۔ آج کہا جاتا ہے کہ اپوزیشن نے کیا کردار ادا کیا؟ میں بھی اپوزیشن سے تعلق رکھتا ہوں۔ آؤ میرے ضلع میں پوری گورنمنٹ ایک طرف، میں اور میری جماعت ایک طرف تم، آکر لوگوں سے پوچھو کہ کس نے عوام کی خدمت کی ہے۔ آپ لوگ دس دس ٹرک لے گئے۔ جب دو دو فٹ پانی آیا تو وزیر موصوف واپس چلے آئے۔ بتلاؤ پھر ۵،۵ ٹرک لے کر تین تین فٹ پانی کو کراس کر کے واسو آستانہ میں کون پہنچا؟ روڈو سلطان میں کون پہنچا؟ اٹھارہ ہزاری میں کون پہنچا؟ پنڈ دادن خاں میں کون پہنچا؟ جہلم میں کون پہنچا؟ بھیرہ میں کون گیا ہے؟ ملکوال میں کون گیا ہے؟ کس سے عوام نے کہا کہ "تم ہو جو ہماری خدمت کو پہنچے ہو" آپ نے حکومت کا پیسہ نہ صرف یہ کہ بے دریغ اپنوں پر خرچ کیا بلکہ نوبت یہاں تک آئی کہ اگر کسی نے ٹرک بھر کر کوئی سامان بھیجا تو ان لوڈ کرا لیا گیا، مجسٹریٹ ان لوڈ کرا لیتا ہے، ڈپٹی کمشنر ان لوڈ کراتا ہے۔ زبردستی لوگوں سے پیسے وصول کیے گئے اور وہ پیسے وہ سامان ان لوڈ کرا کہ مسلم لیگ کی اس کے اوپر مہر لگا کر پھر کہتے ہیں۔ یہ تو مسلم لیگ دے رہی ہے یہ تو حکومت دے رہی ہے۔ میں اس بات پر گواہ ہوں۔ جب سیلاب آیا میں نے اپنے ضلع کے ڈپٹی کمشنر سے کہا لوگ ڈوب رہے ہیں۔ آپ ہمیں کشتیاں دیجئے۔ ہم

کشتیاں لے کر لوگوں تک کھانا پہنچاتے ہیں۔ ہم لوگوں کو سامان و طعام پہنچاتے ہیں۔ ہم درختوں پر بیٹھے لوگوں کو اتارتے ہیں۔ اس نے کہا جی آپ کو سامان نہیں مل سکتا ہے۔ میری تحریک استحقاق آئی ہوئی ہے۔ جس روز وزیر اعظم صاحب جھنگ جا رہے تھے۔ اس روز میں ڈپٹی کمشنر کو ملنے کے لئے گیا تو دو ٹکے کے ایک سارجنٹ نے مجھے روک لیا۔ کہا جی آپ کی گاڑی اندر نہیں جا سکتی ہے۔ میں نے اسے دکھایا کہ وہ شکست خوردہ انسان جو میرے مقابلے میں شکست کھا گیا ہے اس کی پرائیویٹ گاڑی وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ آپ مجھے کیسے روک رہے ہیں؟ اور دوسرے دن پتہ چلا کہ مجھ پر مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے۔ آپ ایک طرف کہتے ہیں تعاون کریں جس اپوزیشن نے تعاون نہیں کیا وہ ان کے سر، جنہوں نے تعاون کیا۔ عوام کی خدمت کی، آپ نے اس تعاون کا کیا صلہ دیا آپ نے اس تعاون کے بدلے میں ہمیں کیا دیا؟ آؤ اگر کسی کو ثبوت چاہیے میں تمہیں جھنگ میں پروف دیتا ہوں کہ تمہارے ذمہ دار افراد نے حکومت کا سامان ہاتھوں میں لے کر مودی بیاٹی وہی سامان واپس کیمپ میں آ گیا۔ وزیر اعظم جب جھنگ میں آئے تو جناب بہت بڑی دکان سجا دی گئی۔ گھی کے ڈبے ہیں بوریاں ہیں۔ میں نے کہا کہ آج تو قوم کے گھر بھر جائیں گے۔ لیکن کیا ہوا وزیر اعظم نے تقریر کرنا بھی پسند نہ کی۔ وہ واپس آئے تو سارا سامان ٹرکوں پر لادا اور واپس بازار میں آ گیا۔ یہ ڈرامہ بازیاں ہوئیں۔ آؤ پوچھو آج یہ فیصلہ عوام سے لو کہ خدمت کس نے کی ہے؟ مذاق کس نے کیا ہے؟ پھر دورے شروع کر دیئے گئے اور دورہ کیا ہے؟ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پوری ڈویژن کی انتظامیہ تیاری کر رہی ہے۔ ہیلی کاپٹر پر وزیر اعظم صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ استقبال ہو رہا ہے۔ جیسے انڈیا کو فتح کر کے آ رہے ہیں۔ یہ انڈیا کے فاتح آ رہے ہیں۔ استقبال ہو رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہاں ہیں جناب ایس۔ ایچ۔ او صاحب تو جواب ملتا ہے کہ وزیر اعظم کا استقبال ہو رہا ہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کہاں ہیں؟ جی وزیر اعظم صاحب کا استقبال ہو رہا ہے۔ ڈی۔ سی صاحب کہاں ہے؟

وزیر اعظم کا استقبال ہو رہا ہے۔ خدا کے بندو! قوم مر رہی ہے۔ ان کے پاس کشتیاں لے کر جانے والا کوئی نہیں خوراک لے کر جانے والا کوئی نہیں تمہیں اس موقع پر بھی استقبال کی پڑی ہوئی ہے اور ساری گورنمنٹ کو ساری انتظامیہ کو آپ نے وقف کر دیا صرف اس لئے کہ وہ آپ کا استقبال کرے۔ آپ کی ویڈیو بنائے آؤ میں پروف دیتا ہوں کہ وزیر اعظم صاحب جب جھنگ میں گئے اور انہوں نے جن لوگوں کو آٹا تقسیم کرتا تھا۔ ان میں سے ایک بھی مستحق نہیں تھا۔ وہ سارے کے سارے ضلع کونسل کے بیل دار تھے۔ یہ فراڈ یہ دھوکہ اب نہیں چلے گا۔ یہ بات قوم پوچھنا چاہتی ہے یہ ڈیم بھرا کیوں گیا؟ پانی روکا کیوں گیا؟ دریا کا پانی روک کر گیٹ بند کر کے ڈیم کو بھرتے چلے گئے۔ پھر رات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جتنے لوگ شہید ہوئے جتنی املاک ضائع ہوئیں۔ میں حکمرانوں کو ان کا قاتل سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کیا ہو گا جو ہو رہا ہے وہی ہو گا کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔ جھوٹے مقدمات میں ملوث کرتے ہو۔ ہزار دفعہ کردو ہماری جانے بلا۔ مجھے کیا دیا ہے۔ میں جس روز سے ایم۔ این۔ اے بنا ہوں ایک پیسہ بھی گرانٹ کا نہیں دیا گیا۔ یہ تمہاری انتقامی کاروائیاں دنیا جانتی ہے۔ جو اور کر سکتے ہو کر گزرو، لیکن صدائے حق سے نہ باز آ سکتے ہیں نہ تمہارے ظلم و جبر کو ہم انصاف کہہ سکتے ہیں۔ نہ تمہاری اسلام دشمنی پر پردہ ڈال سکتے ہیں۔"

وزیر اعلیٰ کے دورے کی جھوٹی خبر

جناب محترم! اس موقع پر آج یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے سیلاب کے بعد علاقوں کے دورہ جات کیئے۔ اس کی تفصیلات جیسا کہ میں نے عرض کی ہیں۔ یہ سب کے سامنے ہیں۔ اب ایسے بھی واقعات پیش آئے پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ میں اسمبلی کے فورم پر کہہ رہا ہوں وزیر اعلیٰ کی خبر آئی، ٹی۔ وی میں کہ وزیر اعلیٰ پنڈ دادنخاں گئے ہیں۔ میں چیلنج کرتا ہوں

کہ وزیر اعلیٰ تو پنڈ دادنخاں گئے ہی نہیں اور جناب خبر آ رہی ہے۔ آپ خبریں بنائیں۔ خبریں بنانے سے قوم کی مصیبتیں دور نہیں ہوا کرتیں۔ سپیکر:۔ (مولانا صاحب آپ کے دو منٹ باقی ہیں) مولانا:۔ جی میرے دو منٹ نہیں۔ آپ گھڑی دیکھیں۔ میرے پانچ منٹ باقی ہیں۔

اگر عوام کہے کہ پانی اچانک آیا ہے میں اسمبلی کی رکنیت چھوڑ دونگا

جناب والا:۔ میں یہ رائے ایماندارانہ طور پر رکھتا ہوں کیونکہ میں تین مرتبہ جہلم میں جا چکا ہوں۔ آپ جہلم والوں سے ہی شروع کر لیجئے۔ عوام سے پوچھ لیجئے۔ پانی روک کر چھوڑا گیا ہے یا اچانک پانی آ گیا تھا۔ اگر عوام کہہ دے کہ پانی اچانک آیا تھا۔ اعظم طارق اسمبلی کی رکنیت چھوڑ دے گا اور اگر عوام کہے کہ سٹور کر کے روکا گیا ہے پھر اس کو قدرتی آفت کہنا یہ قدرت کے اوپر الزام لگا کر اپنے دامن سے داغ کو دھونے کے مترادف ہے۔

سپریم کورٹ کے ججوں سے تحقیقات کرائی جائیں

جناب سپیکر:۔ اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ قومی حادثہ ہے یہ قومی سانحہ ہے۔ سپریم کورٹ کے آزاد ججوں پر مشتمل ایک آزاد بینچ تشکیل دیا جائے وہ اس بات کی تحقیقات کرے کون تھے وہ لوگ جو اس سازش میں ملوث ہیں۔ آخر وہاں کی پولیس اور انتظامیہ کو ۱۲ گھنٹے پہلے خبر ہو گئی۔ عوام کو خبر کیوں نہ ہوئی۔ دوسرے جتنے نقصانات ہوئے سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے جو زمینیں بنجر ہو گئیں، ویران ہو گئیں، اب وہاں نئی فصل کی کاشت کا مسئلہ ہے۔ نئی فصل کی بیجائی کے لئے لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہے۔ ان کا اثاثہ سیلاب کے پانی کی نذر ہو چکا ہے۔ لہٰذا فوری طور پر تمام کسانوں کو ایک سال کے لئے بلاسود قرضے دیئے جائیں۔ ان کو بیج فراہم کیا جائے۔ انہیں فوری طور پر کھاد فراہم کی

جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ مکان ٹوٹ گئے، شہروں کے شہر بہہ گئے اور پورے پورے قصبات کے نشان ختم ہو گئے، لوگوں نے مکان تعمیر کرنے ہیں تو سیمنٹ غائب ہو گیا ہے۔ سیمنٹ ملتا ہی نہیں ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سیمنٹ کی فراوانی ہوتی کم از کم حکام بالا ارباب بست و کشاد سے اپیل کروں گا وہ مخصوص علاقوں میں اگر سیمنٹ اپنی اصلی قیمت پر فروخت کر دیں تو ان کا قوم کے اوپر بہت بڑا احسان ہو گا۔ اس کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔

<u>جناب سپیکر:-</u> میں سلام عقیدت پیش کرتا ہوں جنہوں نے حکومت کی دی ہوئی کشتیوں اور حکومت کے پیسے کو استعمال کیا۔ آپ لوگوں کو تیراکی سیکھنی چاہیے تاکہ قوم کو ڈوبتے ہوئے بچانا بھی چاہیے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کوئی بولنا چاہتا ہے تو میں بیٹھ جاتا ہوں۔ جی آپ نے ٹائم نوٹ کیا شکریہ جناب سپیکر۔ میں ایماندارانہ طور پر اب بھی کہتا ہوں خدانخواستہ اپوزیشن کی حیثیت سے باقی مخالفت برائے مخالفت نہیں کر رہا ہوں بلکہ جو دیکھا جو سمجھا جو ذہن میں آیا۔ میرا حق ہے کہ میں بغیر کسی خوف و خطر کے اس ایوان میں بیان کروں۔

<u>جناب والا:-</u> میں نے عرض کیا ہے۔ سیمنٹ خاص طور پر بازاروں میں مفقود ہو چکا ہے۔ آپ سے عرض کروں گا کہ آپ اپوزیشن کے ساتھیوں کو ساتھ لیں تاکہ ایماندارانہ طریقے سے حق دار کو حق پہنچے اور کسی قسم کا غبن نہ ہو۔ جس کی وجہ سے عوام پریشان ہے۔ عوام سخت تکلیف محسوس کر رہی ہے اگر ایسا نہیں ہے تو مرضی آپ کی ۔ ہم نے تو آپ کی مدد کے بغیر، اللہ کے بھروسے پر جو ہم سے عوام کی خدمت ہو سکی ہم نے کی۔ شکریہ جناب شکریہ!

O

گولیوں کی بارش میں پیغمبر انقلابﷺ کانفرنس سے خطاب

سرخرو گذریں گے اس منزل سے بھی اہل وفا
آپ اپنے ہر ستم کی انتہا کر دیکھئے!

سپاہ صحابہؓ فیصل آباد کی طرف سے ۱۷ ستمبر کو دھوبی گھاٹ کے وسیع پارک میں پیغمبر انقلاب کانفرنس منعقد کرنے کا پروگرام ترتیب دیا گیا۔ مولانا محمد رفیق جامی صاحب، مولانا مجیب الرحمٰن لدھیانوی، خالد عمران، مولانا طاہر الحسن اور دیگر نوجوان ساتھیوں نے چیئرمین سپریم کونسل مولانا محمد ضیاء القاسمی کی سرپرستی میں اپنے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے تمام توانائیاں صرف کردیں۔ فیصل آباد کی انتظامیہ نے بہت کوشش کی کہ یہ کانفرنس کسی دوسری جگہ منعقد کرلی جائے لیکن کارکنوں کے جوش وولولہ اور خلوص و استقامت سے کانفرنس اسی جگہ کیے جانے کا راستہ ہموار ہوگیا۔ پورے شہر بلکہ ڈویژن بھر میں اس کی خوب تیاریاں کی گئیں کیونکہ دھوبی گھاٹ میں کانفرنس کا انعقاد اس لحاظ سے چیلنج تھا کہ ایک تو شیعہ کا مرکزی امام بارہ اس پارک کے بالمقابل ہے۔ دوسرے اتنے بڑے تاریخی پارک میں کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے کم از کم پچاس ہزار افراد کی ضرورت تھی ورنہ کانفرنس ناکام قرار پاتی۔

کانفرنس سے ایک رات قبل بارش ہوگئی جس سے پارک میں پانی بھر گیا۔ اتفاق سے میرا گذر وہاں سے دن کے وقت ہوا، تو میں نے یہ عجیب منظر بھی دیکھا کہ سپاہ صحابہؓ کے مذکورہ بالا راہنما اور دیگر کارکن اپنے ہاتھوں سے پانی نکال کر پارک خشک کر رہے ہیں۔

لڑتے رہے حالات سے ہم اہل سفینہ
طوفان سے ابھرے تھے کہ منجدھار نے دیکھا

ہمارے قدم رک نہ سکے راہ وفا میں
بڑھ بڑھ کے بہت سایہ دیوار نے دیکھا

بعد نماز عشاء کانفرنس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہو گیا اور مقررین کی تقاریر شروع ہو گئیں۔ رات کو جب میں اسٹیج پر پہنچا تو پارک کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اسٹیج پر زبردست سیکورٹی کے انتظامات تھے اور بڑی تعداد میں علماء کرام موجود تھے۔ میں نے ساتھیوں کو کانفرنس کی کامیابی پر مبارک باد دی تو انہوں نے کہا کانفرنس تو کامیاب ہو چکی ہے لیکن قریبی شیعہ کے مرکزی امام بارہ میں مسلح افراد نے مورچہ لگالیا ہے اور لاؤڈ سپیکر کھول رکھا ہے وہ بار بار اعلان کر رہے ہیں کہ آج اگر اس کانفرنس میں ہمارے خلاف کوئی تقریر ہوئی تو ہم گولی چلانے سے دریغ نہیں کریں گے دوسری طرف پولیس اور انتظامیہ کا رویہ جانبدارانہ ہو چکا ہے وہ نہ تو ان کا لاؤڈ سپیکر بند کراتی ہے اور نہ ہی وہاں سے مسلح افراد کو ہٹا رہی ہے۔ میں نے کہا آپ لوگ اپنے انتظامات بھی رکھیں پھر جو بھی ہوا دیکھ لیں گے۔ اس دوران اسٹیج سیکرٹری نے میری تقریر کا اعلان کر دیا اور لوگوں نے کھڑے ہو کر پر جوش نعرے لگائے۔

میں نے تقریر شروع کی اور کانفرنس کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے انقلاب مصطفوی کا تعارف کرایا اور بتایا کہ اسلامی انقلاب فتح مکہ کی طرح پر امن ہوتا ہے۔ ایرانی انقلاب کی طرح خونی نہیں ہوتا اور ایرانی انقلاب خونی اس لئے بنا کہ اس کا انقلابی راہنما ایک متعصب شخص تھا۔ جس نے عوام اہل سنت کے ساتھ تو زیادتیاں اپنا مذہبی فریضہ جان کر کرنا ہی تھیں۔ خود صحابہ کرامؓ کو بھی معاف نہیں کیا۔ چنانچہ میں نے خمینی کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو "معاذ اللہ" کافر و زندیق قرار دینے کا حوالہ پیش کیا۔ اس حوالہ کا پیش کرنا تھا کہ عوام نے خمینی پر لعنت شروع کر دی۔ عوامی نعروں کی آواز بلند

ہوتے ہی شیعہ کے امام باڑہ سے اچانک گولیوں کی آواز نے فضا کا سینہ چھلنی کر دیا اور کلاشنکوفوں کے برسٹ چلنا شروع ہو گئے۔ فائرنگ اس قدر شدید تھی کہ پوری کانفرنس میں ہلچل برپا ہو گئی۔ اور لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج آپ لوگوں نے یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ اصحاب رسولؐ کے پیروکار اور سپاہی ہیں۔ لہٰذا چاہے کچھ بھی ہو میری تقریر جاری رہے گی۔ آپ بیٹھ جائیں۔ ہم آج دشمن کو بتا دیں گے کہ برستی گولیوں میں بھی حق کہنے اور سننے والے موجود ہیں۔ تمام مجمع اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ میں نے تقریر کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر شیعہ غنڈوں نے سیدھی فائرنگ شروع کر دی۔ جس سے ہمارے سٹیج کی پشت پر کھڑے ہوئے درختوں کے پتوں اور شاخوں سے گولیاں گذرنے لگیں۔ میرے گن مینوں نے میرے گرد حلقہ بنا لیا۔ میں نے انہیں دھکا دے کر ہٹاتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ ایک طرف ہٹ جائیں بلکہ دوران تقریر ہی ایک دو گن مینوں کو جو میرے بہت ہی قریب آ چکے تھے تھپڑ بھی رسید کر دیئے کہ پیچھے کیوں نہیں ہٹ رہے ہو۔ تقریر موسلادھار بارش کی طرح جاری تھی۔ اور دشمن کی فائرنگ بھی میدان جنگ کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اسی اثناء میں جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسٹیج سے چند حضرات کے علاوہ باقی سب غائب ہو چکے تھے۔ جو اسٹیج پر موجود تھے وہ بھی لیٹے ہوئے تھے۔ ایک نابینا نعت خواں حافظ بشیر احمد دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھا کر لیٹنے کی حالت میں زور زور سے لاالہ الااللہ لاالہ الااللہ کا ورد کر رہا تھا گویا کہ کلمہ پڑھتے ہوئے شہادت کا طلبگار تھا۔ جب شیعہ جارحیت کا سلسلہ رکنے کی بجائے بڑھتا ہی چلا گیا اور پولیس اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر گئی۔ تو ہماری طرف سے جوابی کاروائی کا آغاز ہوا اور ہماری گنوں کے دہانوں نے آگ اگلنا شروع کر دی۔ پھر کیا تھا۔

بس چند منٹ کے بعد ہی دوسری طرف سے خاموشی پیدا ہو گئی۔ میری تقریر کے بعد قائد سپاہ صحابہؓ کی ولولہ انگیز تقریر ہوئی۔ ان کی تقریر کے شروع میں کچھ فائرنگ ہوئی لیکن

پھر جب قائد محترم نے للکار کر فرمایا کہ شیعو! اب اگر تمہاری طرف سے فائرنگ ہوئی تو پھر میں اپنے مسلح ساتھیوں کو اجازت دوں گا کہ تمہارا بندوبست کریں۔ بس اس کے بعد پھر نہ صرف یہ سلسلہ رک گیا بلکہ غنڈے امام باڑہ چھوڑ کر بھاگ نکلے کیونکہ ہمارے ایک ساتھی کی فائرنگ سے امام باڑہ کو بجلی فراہم کرنے والا ٹرانسفارمر اڑ گیا تھا۔ جس سے امام باڑے میں تاریکی چھا چکی تھی۔ اندھیرے کی پیداوار نے تاریکی میں راہ فرار اختیار کر کے اپنی قدیم سنت کو زندہ کر دیا۔ اس کانفرنس میں مولانا محمد رفیق جامی کا بھی عین گولیوں کی بارش میں چند منٹ کا پرجوش خطاب اس شعر کا مصداق ہے۔

جنون شوق میں قلب و نظر سے گذرے ہیں
ہم اپنی راہ میں شمس و قمر سے گذرے ہیں

بعد میں مصدقہ ذرائع سے معلوم ہوا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں ٹیلی فون پر براہ راست اس پوری کاروائی کی خبر لیتے رہے اور بار بار یہ پوچھتے رہے کیا ابھی تک کانفرنس کا اجتماع منتشر نہیں ہوا؟ کیا لوگ بھاگ نہیں رہے ہیں؟ کیا گولیوں کی بارش کے دوران بھی تقاریر جاری ہیں؟ آخر انہوں نے کہا "پتہ نہیں سپاہ صحابہ والے کس مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ ان پر کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب کے گھر کے سامنے عظیم الشان کانفرنس

وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں جھنگ میں اپنی ذلت آمیز شکست کا زخم کسی طرح بھی بھول نہیں پا رہے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہر حال میں سپاہ صحابہؓ کو کچل کر ہی دم لیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم کی چنیوٹ اور فیصل آباد میں بے حرمتی کے واقعات پر علماء کرام کو گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنانے، جگہ جگہ کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع

کرنے اور فیصل آباد کی "پیغمبرؐ انقلاب کانفرنس" میں شیعہ کی فائرنگ کے باوجود الٹا سپاہ صحابہؓ کے راہنماؤں کو گرفتار کرنے کے سلسلہ نے یہ ثابت کر دیا کہ وائیں صاحب اب ہر جائز و ناجائز قدم اٹھانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ ایسی صورت میں وائیں صاحب کے شہر میاں چنوں کے بلند ہمت اور جوان عزائم کے مالک نوجوان ساتھیوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب ہم پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے گھر کے سامنے اس شب کانفرنس کریں گے۔ جس جمعرات کی شب وہ خود میاں چنوں ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کو پیغام دیا جائے کہ جس موسیٰ کے قتل کے لئے وہ فرعون کی سنت کے مطابق بچوں کے قتل کرانے کا انداز اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ موسیٰ تو خود انہی کے گھر میں جوان ہو چکا ہے۔

اب آگ نہ جلنے پائے گی، نمرود صفت عیاروں کی
ہم رحمت حق سے شعلوں کو گلزار بنا کر دم لیں گے
فرعون بنے جو پھرتے ہیں ڈھاتے ہیں ستم کمزوروں پر
ان سرکش و جابر لوگوں کو قدموں پہ جھکا کر دم لیں گے

چنانچہ ۸ اکتوبر کو میاں چنوں میں "سید الکونین ؐ کانفرنس" کی بڑے پیمانے پر تیاریاں کی گئیں اور خوبصورت پوسٹر سٹیکرز شائع کئے گئے کانفرنس میں اہلسنت کے تمام مکاتب فکر کے راہنماؤں کو دعوت خطاب دی گئی۔ چنانچہ مقررہ تاریخ کو جبکہ وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں صاحب میاں چنوں میں آئے ہوئے تھے۔ ان کے گھر کے سامنے بڑے میدان میں ایک ایسی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں شریک انسانوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ ساری رات وزیر اعلیٰ صاحب لاؤڈ سپیکر پر براہ راست مقررین کا خطاب اور عوام کے پرجوش نعرے سنتے رہے۔

جادو وہ جو سر چڑھ بولے

غلام حید روائیں صاحب کا عبرتناک انجام

غلام حید روائیں صاحب ایک متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے ان مسلم لیگیوں میں سے ایک تھے جنہیں متعصب مسلم لیگی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اپنی محنت اور لگن سے وہ سیاست کے میدان میں ترقی کرتے ہوئے وزارت عالیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ ان کے بعض فیصلوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور سپاہ صحابہؓ کے خلاف ان کے غم و غصہ کی وجہ بھی صاف ظاہر تھی۔ لیکن عام طور پر انہیں شریف اور درویش وزیر اعلیٰ ہونے کا لقب حاصل ہے۔ بعض انسانی کمزوریوں کے باعث ان کے "خاص آدمی" "توقیر شاہ" نے ان کے مزاج میں کافی دخل پیدا کرلیا تھا۔ اور اس شخص کی کئی بداعمالیاں اور لوٹ مار بھی وائیں صاحب کے کھاتے میں شمار ہوتی رہیں۔ اپنے دور اقتدار میں انہوں نے اپنے مخالفین خصوصاً اپنے علاقہ کے "ملوکا" خاندان سے حد درجہ زیادتیوں اور انتقامی کاروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب اسمبلیاں ٹوٹیں تو الیکشن مہم کے دوران اسی ملوکا خاندان کے بعض افراد نے ان کی گاڑی روک کر باقی سب کو بھگا دیا۔ اور وائیں صاحب کو نہایت ہی دردناک انداز میں قتل کردیا۔ جس بھیانک انداز میں ان کے قتل کا واقعہ پیش آیا ہے۔ اسے پڑھ کر انسان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اٹک میں عظمت صحابہؓ کانفرنس اور شیعہ جارحیت

۱۵ اکتوبر کو اٹک میں سالانہ عظمت صحابہؓ کانفرنس جو دراصل شہداء شینباغ کی یاد میں ہونے والی سالانہ کانفرنس ہے۔ اس کانفرنس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علاقہ بھر کے علماء کرام اور مشائخ اسٹیج کی زینت بنے ہوتے ہیں۔ اور اس میں اہلسنت کے تمام مکاتب فکر کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔ مجھے اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔

اسٹیج پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ احباب نے ضلعی انتظامیہ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ شیعہ کے خلاف نہ تقریر ہوگی نہ نعرہ بازی ادھر شیعہ نے بھی تیاری کر رکھی ہے کہ اگر ہمارے خلاف تقریر ہوئی تو ہم کانفرنس پر حملہ کر دیں گے۔ جب اسٹیج سیکرٹری نے مجھے دعوت خطاب دی تو پر جوش کارکنوں نے اپنے روایتی انداز میں نعرہ بازی کی جسے اسٹیج سے کچھ ذمہ دار احباب نے روکا۔ میں نے تقریر شروع کی اور خطبہ مسنونہ کے بعد کہا۔ ہماری جماعت وعدہ کی پابند ہے اور معاہدہ کی پاسداری کرنے والی ہے۔ چنانچہ جن حضرات نے انتظامیہ سے معاہدہ کیا ہے وہ اس کی پاسداری بھی کر رہے ہیں لیکن نہ میں اور نہ آپ شرکاء کانفرنس نے کوئی وعدہ کیا نہ ہم پر اس کی پاسداری لازم ہے یہ کہہ کر عظمت صحابہؓ بیان کرتے ہوئے گستاخان صحابہؓ کا اپریشن شروع کر دیا۔ اس تقریر پر کارکنوں نے اپنے جوش وجذبہ کا بھی پوری طرح اظہار کیا۔ یہ آوازیں شیعہ کے مسلح افراد کے کانوں تک پہنچیں تو وہ کانفرنس پر حملہ کرنے کے لئے چڑھ دوڑے۔ ادھر میں کانفرنس سے خطاب کر کے اسٹیج سے نیچے آیا اور کھانا کھانے کے لئے مقام معینہ پر پہنچا تو گولیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ شیعہ نے فائرنگ کر دی ہے اور پولیس کے دو نوجوان ان کی فائرنگ سے شہید ہو گئے ہیں۔

آل سندھ فکر جھنگوی شہید کانفرنس اور شیعہ جارحیت

سپاہ صحابہؓ صوبہ سندھ کے زیر اہتمام شیر شاہ کراچی میں آل سندھ فکر جھنگوی" کانفرنس ۲۲ اکتوبر کو بعد نماز عشاء منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مجھے خطاب کرنا تھا۔ میں ابھی شیر شاہ میں کانفرنس کے قریبی مقام پر کانفرنس میں جانے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ اچانک ایک ساتھی نے آ کر بتایا۔ کانفرنس پر حملہ ہو گیا ہے یہ سن کر تمام ساتھی گھبرا گئے جب معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ نیو کراچی سے کارکنوں کی بھری ہوئی سوزوکی پک اپ میں موٹر سائیکل سوار نے گرنیڈ پھینک دیا۔ جس سے موقع پر نیو کراچی کے عمران فاروق

شہید ہو گئے اور کئی ساتھی زخمی ہو گئے۔ اس خبر کو کانفرنس کے اختتام تک مخفی رکھا گیا۔ کانفرنس نہایت کامیاب انداز میں منعقد ہوئی۔ دوسرے روز مسجد صدیق اکبر مرکز سپاہ صحابہؓ میں شہید کارکن کی نماز جناہ پڑھا کر دکھی دل کے ساتھ واپس جھنگ پہنچا۔

جھنگ میں قائد سپاہ صحابہؓ کی کھلی کچہری، عوامی نمائندوں کا احتساب

بلدیہ جھنگ کا انتظام سنبھالے جھنگوی گروپ کو دس ماہ گذر چکے تھے اور قومی اسمبلی کا الیکشن لڑے مجھے آٹھ ماہ ہو چکے تھے۔ قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی نے اعلان فرمایا کہ ۴ نومبر کو بلدیہ ہال جھنگ میں شہر کے منتخب ممبران اسمبلی اور بلدیہ کے چیئرمین اور وائس چیئرمین کا احتساب ہو گا۔ عوام میں سے جس کسی کو بھی ان حضرات پر کسی قسم کا اعتراض ہو یا کرپشن کا ثبوت کسی کے پاس ہو تو وہ اس روز کھلی کچہری میں آکر سب کے سامنے اپنی شکایت پیش کرے اس کی شکایت کا ازالہ سب کے سامنے کیا جائے گا اور متعلقہ منتخب شدہ ذمہ دار سے جواب لیا جائے گا۔

چنانچہ ۴ نومبر کو بلدیہ ہال جھنگ کی گیلریاں اور اندر باہر کا صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لاؤڈ سپیکر پر تلاوت کلام پاک سے کاروائی کا آغاز ہوا قائد سپاہ صحابہؓ اور مرکزی راہنما اسٹیج پر جلوہ افروز تھے اور ہم منتخب نمائندے عوام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے بلدیہ کے امور پر بات کا آغاز ہوا تو لوگوں نے قائم مقام چیئرمین بلدیہ چوہدری سلطان محمود پر سوالات اور اعتراضات کی بھرمار کر دی۔ چوہدری سلطان محمود نے تمام سوالات شکایات اور اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا اور بعض کوتاہیوں کو تسلیم کیا تاہم کوئی ایسی کرپشن یا لوٹ مار کا ان پر الزام ثابت نہ ہو سکا کہ جس کی بناء پر ان کے خلاف کاروائی کرنا پڑتی۔ اس کے بعد حاجی عابد حسین ممبر صوبائی اسمبلی کے خلاف عوام کی طرف سے شکایات کا آغاز ہوا لیکن شکایات لکھ لی گئیں چونکہ حاجی صاحب کسی معروفیت کی وجہ

سے نہ آسکے تھے۔ یہ کہا گیا کہ ان سے جماعت باضابطہ ان شکایات واعتراضات کا جواب لے گی۔

آخر میں اسٹیج سے میرا نام پکارا گیا کہ اب ان پر کسی کو اعتراض ہو تو وہ سامنے لائے۔ اس پر تمام اطراف سے ایک ہی آواز بلند ہوئی۔ ہمیں مولانا سے کوئی شکایت نہیں ہے نہ ہی ان پر کوئی الزام لگانے کو آمادہ ہے۔ بس ان سے کہیں کہ یہ ہمیں تقریر سنادیں اور اپنی سیکورٹی کا خیال زیادہ رکھیں۔ یہ اہل جھنگ کی محبت پیار اور چاہت کا وہ انوکھا طرز ہے اور میرے لئے وہ تمغہ ہے کہ جس پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے۔ اہل جھنگ! تمہاری انہی اداؤں کا تو اسیر ہو کر میں آج تین سال قید کا طویل عرصہ کاٹ کر تشدد و بربریت اور ظلم وستم کے شکنجوں میں کسے جانے کے بعد آگ و خون کا دریا عبور کر کے بھی وفاؤں کی داستان رقم کر رہا ہوں۔ اور آئندہ بھی آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ میری وفاؤں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ میری دلی دعا ہے کہ رب العالمین مجھے آخر دم تک شہید قائدین کے مشن پر گامزن رکھے اور تمہاری آرزوؤں پر پورا اترنے کی توفیق بخشے۔

اجاڑ کنج گلوں سے نہال کر دوں گا
ملول چہرے خوشی سے گلال کر دوں گا

دلوں سے دور کروں گا کدورتیں ساری
میں اپنی دوستیاں لازوال کردوں گا

مرا ہنر ہے فقط اعتماد کا طالب
کمال چاہو گے مجھ سے کمال کر دوں گا

رگوں کے سارے لہو کو پسینہ کر کے میں
زمین کی تہہ سے دفینہ نکال کر دوں گا

تنظیم مسلم اساتذہ کا قیام

۲۰ دسمبر کو لاہور مرکزی رابطہ آفس سپاہ صحابہؓ لٹن روڈ پر قائد سپاہ صحابہؓ کی زیر صدارت مرکزی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس ہوا۔ اجلاس میں پنجاب کے علاقوں سے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ پروفیسر اور لیکچرار حضرات بھی مدعو تھے۔ کافی دیر تک اس بات پر غور و خوض کیا جاتا رہا کہ ملک میں سپاہ صحابہؓ سٹوڈنٹس کی کامیاب کارکردگی اور تنظیم سازی کے بعد اب ضروری ہے کہ اساتذہ کرام کے شعبہ میں بھی جماعت کی فکر اور کام کو آگے بڑھایا جائے کیونکہ ایک استاد اگر فکری اور نظریاتی ذہن رکھتا ہو تو وہ پوری کلاس کو اپنے نظریہ سے ہم آہنگ کر سکتا ہے لیکن اس راستہ میں بہت سی دشواریاں حائل نظر آئیں۔ اساتذہ کرام کا سرکاری ملازم ہونا سب سے بڑی کمزوری ہے۔ باقی جماعتیں اپنا کام عوام میں طلبہ میں اور اساتذہ میں معمول کے مطابق کرتی رہتی ہیں۔ انہیں کسی قسم کا کوئی مسئلہ پیش نہیں آتا ہے۔ لیکن سپاہ صحابہؓ کا نام ہی مشکلات و مصائب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس لئے کچھ حضرات کی رائے تھی کہ اساتذہ کرام میں محنت جاری رکھی جائے لیکن جماعت کی تشکیل نہ کی جائے آخر میں عارضی طور پر آزمائشی بنیادوں پر تنظیم اساتذہ پاکستان کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں حالات کے تجربہ سے ہی ثابت ہوا کہ اساتذہ کرام اس انداز میں کام کرنے سے گھبرا رہے ہیں بلکہ ان کے لئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ تب یہ تنظیم خود بخود ہی بے اثر ہو گئی۔

سپاہ صحابہؓ وکلاء فورم کا قیام

چونکہ سپاہ صحابہؓ پاکستان کی وہ واحد مذہبی جماعت ہے کہ جسے جرم حق گوئی میں مقدمات قید و بند اور دار و رسن سے چولی دامن کا ساتھ ورثے میں ملا ہے۔ اس لئے

ضرورت اس امر کی تھی کہ وکلاء صاحبان میں ایسے لوگ تلاش کیئے جائیں جو اپنے اپنے علاقوں میں سپاہ صحابہؓ کی فکر و نظریہ سے وابستہ ہو کر کارکنوں اور راہنماؤں کے مقدمات کی پیروی فیس کے طور پر نہیں بلکہ نظریہ کے طور پر کریں۔ چنانچہ ایسے درجنوں وکلاء آسانی سے دستیاب ہو گئے۔ ان وکلاء کے مابین رابطہ پیدا کرنے اور مشورہ جاری رکھنے کے لئے ۲۵ دسمبر کو باضابطہ وکلاء فورم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ چنانچہ اس فورم کی بدولت راؤ خلیل احمد ایڈووکیٹ جیسے مخلص لوگ جماعت کو نصیب ہوئے جنہوں نے اپنے خون تک کا نذرانہ دے کر وکلاء برادری کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔

ناموس صحابہؓ واہل بیت بل پیش کرنے کی تیاریاں

اسمبلی کی رکنیت کا باضابطہ حلف اٹھاتے ہی ارکان اسمبلی سے ملاقاتیں شروع ہوئیں اور انہیں ناموس صحابہؓ کی اہمیت سے آگاہ کرنے اور گستاخان صحابہؓ کے لئے موثر قانون سازی کرنے پر تیار کیا جاتا رہا۔ اس سلسلہ میں قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی کے ہمراہ ارکان اسمبلی کے ہاسٹلوں میں جا جا کر گھنٹوں ان سے بات چیت ہوتی رہی۔

ماہ جون میں بجٹ پیش ہو گیا۔ اس لئے اب اس پورے مہینہ میں کوئی بھی پرائیویٹ بل زیر بحث نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ جولائی کے مہینے میں ممتاز دانشوروں علماء کرام اور شاہ فیصل یونیورسٹی کے پروفیسروں کی ملاقاتیں ہوئیں اور خصوصاً ممتاز پارلیمنٹرین اور موجودہ وفاقی وزیر مذہبی امور راجہ ظفر الحق صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور کافی سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ الف میں مزید ترمیم کا بل ترتیب دیا جائے۔ راجہ صاحب نے خود اس ذمہ داری کو چند دنوں میں پورا کیا اور بل کا مسودہ تیار کر کے مجھے دیا۔ میں نے اس پر ارکان اسمبلی سے دستخط کرانا شروع کر دیئے۔

۳۵ ممبران اسمبلی کے دستخطوں کے بعد اگست ۹۲ء میں یہ بل قومی اسمبلی میں جمع کرا دیا گیا اور ہر پرائیویٹ ڈے پر ایجنڈے میں شامل ہو کر یہ بل اسمبلی کی ٹیبل پر آنے لگا۔ لیکن پرائیویٹ بلوں کی کثرت اور حکومت کی "وقت گزارو" پالیسی کے باعث اس بل کو پیش کرنے کا موقع نہ دیا گیا۔ بعض مواقع ایسے آئے کہ بل پیش کیا جا سکتا تھا لیکن اس وقت اسمبلی میں بل کی عبارت پڑھ کر اس پر رائے شماری کرانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ کیونکہ بل کے تائید کنندگان کی ایوان میں مطلوبہ تعداد موجود نہیں ہوتی تھی چنانچہ میں خود اسے آئندہ ہفتے تک موخر کرنے کی استدعا کر دیتا۔

اس سلسلہ میں مرکز سپاہ صحابہؓ سے تمام اضلاع کی جماعتوں کو خطوط لکھے گئے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے ارکان اسمبلی سے وفود کی شکل میں ملیں اور ان پر عوامی دباؤ بڑھائیں کہ وہ ناموس صحابہؓ و اہل بیتؓ بل کی حمایت کریں۔ یہ طریقہ کار کافی موثر ثابت ہوا۔ کئی ممبران نے وعدہ کیا کہ جونہی اس بل کو اسمبلی میں آپ پیش کریں گے ہماری طرف سے اس کی تائید ہوگی۔ یہاں تک کہ بعض وفاقی وزراء نے بھی یقین دہانی کرائی کہ وہ ضرور اس بل کی تائید کریں گے۔ ارکان اسمبلی پر محنت کے بعد اگلا مرحلہ اس بل کے حق میں رائے عامہ کا ہموار کرنا تھا کیونکہ اس بل کے پیش ہوتے ہی اخبارات کے صحافی حضرات اور خصوصاً لادین نظریات رکھنے والے آزاد خیال طبقہ کی طرف سے سخت اندیشہ تھا۔ کہ وہ شیعہ سنی بنیاد کی بجائے "انسانی حقوق" کے نام نہاد نعرے کی آڑ میں اس بل کی اسی طرح مخالفت کریں گے جس طرح یہ لوگ آج تک گستاخ رسولؐ کے لئے سزائے موت کے قانون کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لیکن ناموس صحابہؓ و اہل بیت بل کی مخالفت ان اداروں سے اگر ہوتی ہے تو اس سے بالواسطہ طور پر شیعہ کی حمایت کا بھی پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ اس لئے اخبارات کے ایڈیٹروں سے ملاقاتیں اور اخبارات میں اس بل کے بارے میں وضاحتیں

کرنا ضروری تھا اور صحافی حضرات کے اعتراضات کا جواب دینا ایک اہم مسئلہ تھا۔

ان تمام متذکرہ بالا میدانوں میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ اب ضرورت تھی کہ عوامی قوت کا مظاہرہ کیا جائے تاکہ ایک طرف تو عوام میں اس بل کی پذیرائی ہو۔ دوسری طرف حکومت وقت کو معلوم ہو کہ یہ بل کسی ایک جماعت کا مطالبہ نہیں بلکہ پورے ملک کے عوام کے دلوں کی آواز ہے۔

پنجاب میں کاروان ناموس صحابہؓ کی تیاریاں

۲۰ دسمبر کو لاہور میں ہونے والے مرکزی مجلس شوریٰ کے ایک اہم اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ عوام الناس میں ناموس صحابہؓ واہل بیت بل کے بارے میں بیداری پیدا کر کے حکومت پر دباؤ بڑھایا جائے کہ وہ قومی اسمبلی میں ۲۵ ارکان اسمبلی کے دستخطوں سے پیش کردہ بل کو منظور کرے۔ چنانچہ اس کے لئے فیصلہ کیا گیا کہ ۵ فروری تا ۱۲ فروری ودق آباد سے لے کر اسلام آباد تک کاروان ناموس صحابہؓ چلایا جائے۔ اور اس کی صوبہ بھر میں خوب تشہیر کی جائے۔ تمام اضلاع اور تحصیل کی جماعتوں کو متحرک کیا جائے کہ وہ اس کاروان کو کامیاب بنانے کی تیاریاں شروع کریں۔ کاروان کا اپنے اپنے شہروں میں شایان شان استقبال کریں اور عوام کی بہت بڑی تعداد کی شمولیت کو یقینی بنایا جائے۔ پوسٹروں، وال چاکنگ اور بینروں کے ذریعہ اپنے مطالبات کو اجاگر کیا جائے اور سپاہ صحابہؓ کے پرچم لہرانے کی مہم کا آغاز کیا جائے۔ اس فیصلے کا تمام تحصیلوں اور اضلاع میں زبردست خیر مقدم کیا گیا اور تمام مقامات پر بھرپور تیاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کارکنوں نے دن رات ایک کر کے اپنے اپنے شہروں کو کاروان کے استقبال کے لئے اس طرح تیار کر لیا کہ جیسے کسی شادی والے گھر کو سجایا جاتا ہے۔

حکومت پنجاب کی طرف سے سینکڑوں کارکنوں کی گرفتاریاں

وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں صاحب کس طرح ٹھنڈے پیٹوں یہ بات برداشت کر سکتے تھے کہ پنجاب کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اصحاب رسولﷺ کی عزت و عظمت کے گن گاتا ہوا ہزاروں نوجوانوں پر مشتمل ایک کاروان کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً مجھ سمیت سینکڑوں عہدیداران و کارکنوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ ۳ فروری کی رات کو صوبہ بھر میں گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ میں نے یکم فروری سے یوسف مجاہد اور چند دیگر مرکزی و صوبائی راہنماؤں کے ساتھ صادق آباد سے ٹوبہ ٹیک سنگھ تک کاروان ناموس صحابہؓ کے روٹ کا خفیہ دورہ شروع کر رکھا تھا اور کارکنوں کی تیاریوں کا جائزہ لینا اور انہیں ہدایات دینا بھی مقصود تھا۔
جب میں ۳ فروری کو بعد ظہر چک نمبر ۱۰ پیر محل کے ایک جلسہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ گذشتہ شب فلاں فلاں لیڈران اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور یہاں بھی پولیس آپ کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہی ہے۔

میری گرفتاری میں پولیس کی ناکامی اور میرا اسلام آباد پہنچنا

چک نمبر ۱۰ پیر محل کے جلسہ میں جب پولیس کی بھاری نفری میری گرفتاری کے لئے پہنچ گئی تو میں نے پولیس افسران سے نہایت ہی انجانے پن کا انداز اختیار کرتے ہوئے سوال کیا کہ کیا ابھی جلسہ کے اختتام پر آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے۔ انہوں نے جواب میں کہا کیوں نہیں ہم تو آپ کے ساتھ ہی ہوں گے۔ گویا انہوں نے بھی عوام کے سامنے گرفتاری کا پروگرام ظاہر کرنے سے گریز کیا تاکہ اشتعال پیدا نہ ہو اور وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ ان کا مقصد انہیں بغیر کوشش کے حاصل ہو جائے گا۔

میں نے جونہی تقریر ختم کی میزبان سے کہا کہ وہ کھانے کا انتظام کرے اور پولیس والوں کو بھی کھانا کھلائے۔ جب ہم نے کھانا کھالیا تو میزبان نے پولیس حکام کے سامنے کھانا سجانا شروع کر دیا ادھر پولیس والے مرغے کی ٹانگیں کھینچنے میں مصروف ہو گئے۔ ادھر آنا فانا ہم گاڑی میں سوار ہو کر چل پڑے اور گاڑی دوڑا دی۔ دیہاتی ماحول میں مٹی اڑنے سے زیادہ فاصلہ پیدا ہو گیا۔ پولیس والوں نے کھانا زہر مار کرتے ہوئے گاڑیاں ہمارے پیچھے لگا دیں اور وائرلیس پر اطلاع کر دی کہ ناکے لگا لیے جائیں۔

میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ پیر محل کی طرف جانے والی سڑک پر گاڑی چڑھا کر جہاں سے میں کہوں اس طرف گاڑی موڑ دے۔ چنانچہ اس روڈ پر قریباً صرف ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے ہم نے گاڑی ایک دوسرے گاؤں چک نمبر ا کی طرف موڑ دی اور اپنے عزیزوں کے ڈیرے پر چلے گئے۔ اس ڈیرہ پر میں نے روپوشی کے دو ماہ بھی بعد میں گذارے ہیں۔ جن کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں) چونکہ پولیس کی گاڑیاں ہم سے ڈیڑھ دو کلومیٹر پیچھے رہ گئی تھیں اور پیر محل اور بھسی کے مابین روڈ پر چڑھنے کے بعد انہیں کچھ خبر نہ ہوئی کہ ہم کدھر گئے ہیں۔ وہ شام تک ادھر ادھر ٹاک ٹوئیاں مارتے رہے۔ ادھر ہم جس جگہ مہمان بنے وہاں کے کچھ نوجوانوں کا تعلق بھی پولیس سے تھا۔ وہ شام کو پولیس والوں سے فون کر کے معلوم کرتے رہے کہ مولانا کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ وہ تو چیچہ وطنی سے راوی کا پل کراس کرتے ہوئے لاہور پہنچنے والے ہیں۔ گویا کہ ضلع ٹوبہ کی پولیس نے مجھے ساہیوال میں داخل کر کے اپنی جان چھڑالی تھی۔ حالانکہ میں تو وہیں موجود تھا۔

رات بارہ بجے کے قریب ہم نے وہاں سے سفر شروع کیا اور جھنگ کے قریب سے ہوتے ہوئے براستہ اٹھارہ ہزاری خوشاب میانوالی کے راستہ سے ۴ فروری کو غور غشتی حضرو پہنچ گئے جہاں ظہر کے بعد خطاب کیا۔ اور وہاں سے فارغ ہو کر اسلام آباد جا پہنچے۔

اسلام آباد سے بہاولپور روانگی اور گرفتار ساتھیوں کی رہائی

پنجاب بھر میں گرفتاریوں کا عمل جاری تھا۔ حضرو کے علاقہ سے اسلام آباد واپسی پر قائد سپاہ صحابہؓ اور مرکزی راہنماؤں سے فون پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ قائد سپاہ صحابہؓ کل ۵ فروری کو پنجاب کے چیف سیکرٹری اور ہوم سیکرٹری سے مذاکرات کے لئے جارہے ہیں۔ مجھے ہدایت کی گئی کہ میں بہاولپور تک اپنا سفر جاری رکھوں، لیکن اس سے آگے صادق آباد نہ جاؤں کیونکہ صادق آباد کے راستے پر جگہ جگہ پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ لہذا آپ اگلی رات بہاولپور کے جلسہ میں شریک ہوں اور پھر وہاں سے کاروان لیکر آگے بڑھیں۔ جبکہ صادق آباد سے بہاولپور تک کاروان کو صوبہ پنجاب کے صدر قاری محمد نواز بلوچ اور جنرل سیکرٹری محمود اقبال لائیں گے۔ چنانچہ ان ہدایات کے ملتے ہی اسلام آباد سے بذریعہ روڈ میں نے اس طرح بہاولپور کی طرف سفر کیا کہ راستہ میں پولیس سے واسطہ نہ پڑے قارئین ان تین ایام کے سفر سے اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ ان ایام میں پنجاب کے ایک سے دوسرے سرے تک کس طرح ہمارا سینکڑوں میلوں کا سفر بھی جاری رہا اور جلسوں کانفرنسوں کو بھی نمٹایا جاتا رہا۔ چنانچہ ادھر ۵ فروری کو میں بہاولپور پہنچا تو ادھر قائد سپاہ صحابہؓ مذاکرات کے ذریعے حکومت کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ یہ کاروان زیادہ بڑا نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کی اشتعال انگیزی ہوگی اور صرف دس گاڑیوں کے قریب قریب کاروان میں لوگ سوار ہونگے، چونکہ پنجاب حکومت بھی دیکھ چکی تھی کہ سینکڑوں کارکنوں کی گرفتاریوں کے باوجود بھی کاروان کی تیاریاں جاری ہیں اگر معاہدہ نہ کیا گیا تو آٹھ روز تک پنجاب میں مسلسل پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری رکھنا ہوگا۔ اس سے سپاہ صحابہؓ کو اخبارات میں اور زیادہ پبلسٹی مل جائے گی۔ چنانچہ معاہدہ طے ہوتے ہی تمام ڈپٹی کمشنروں کو آرڈر کردیا گیا کہ گرفتار شدگان کو رہا کردیا جائے۔

میں نے جب حسب پروگرام شام کے وقت بہاولپور پہنچ کر پروگرام معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جامع مسجد صادق میں رات کو جلسہ ہے پولیس رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے اور مولانا عبداللہ خان (سابق) مرکزی نائب صدر سمیت سات آٹھ عہدیداران جیل میں ہیں۔ چنانچہ میں نے فوری ڈپٹی کمشنر سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا آج جمعہ کی چھٹی ہے۔ اس لئے آپ کے راہنماؤں کو کل رہا کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا آپ ایسی باتیں کسی اور سے کر سکتے ہیں۔ مجھے تو علم ہے کہ جمعہ وغیرہ کی باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ آپ فی الفور ہمارے ساتھیوں کو رہا کریں ورنہ رات کے جلسہ میں اگر کچھ ہوا تو ہماری ذمہ داری نہ ہو گی۔" چنانچہ میری یہ تنبیہہ کارگر ثابت ہوئی اور رات بارہ بجے بہاولپور جیل کے دروازے کھلے اور ہمارے اسیر راہنما جلسہ میں پہنچ گئے۔ اس طرح اس جلسہ سے کاروان ناموس صحابہؓ کا شاندار انداز میں آغاز ہو گیا۔ ادھر چونکہ دن بھر صادق آباد میں گرفتاریاں ہوتی رہی تھیں۔ اس لئے وہاں سے کاروان لانے والے بھی گرفتار کر لئے گئے لیکن اگلے روز رہا ہو کر کارواں سے آملے۔

بہاولپور سے اسلام آباد تک کاروان کا سفر

۵ فروری بعد نماز عشاء بہاولپور کی جامع مسجد الصادق کے عظیم الشان جلسے سے فراغت کے بعد کاروان روانہ ہوا اور ۶ فروری کی صبح لودھراں، جلہ ارائیں، بستی ملوک کے راستے ۲ بجے دوپہر ملتان پہنچا۔ چوک بائی پاس پر سپاہ صحابہؓ کے مرکزی نائب صدر مولانا سلطان محمود ضیاء، نائب صدر تحصیل ملتان، محمد ریاض خاں محمد اقبال کپتان، سید انور علی شاہ، عبداللہ خاں فاروقی اور سپاہ صحابہ سٹوڈنٹس پاکستان کے ناظم اعلیٰ خالد محمود کھوکھر کی قیادت میں تمام یونٹوں کے عہدیداران و کارکنان نے بھرپور استقبال کیا۔ کاروان کے راستے خوبصورتی سے سجائے گئے تھے۔ مکانوں کی چھتوں پر تاحد نگاہ انسان ہی انسان نظر آ رہے

تھے۔ استقبالی کارکنوں سے میرے علاوہ یوسف مجاہد، مولانا سلطان محمود ضیاء، مولانا محمد حنیف جالندھری، محمود اقبال اور قائد طلبہ خالد محمود کھوکھر نے خطاب کیا۔

یہ کاروان ملتان سے قادر پور راں، کبیر والہ، خانیوال کے راستے میاں چنوں پہنچا۔ جگہ جگہ سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں نے استقبالیہ کیمپ لگا رکھے تھے اور قائدین پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ بعد نماز عشاء عثمانیہ مسجد میاں چنوں میں عظیم الشان ناموس صحابہ کانفرنس ہوئی۔ رات کا قیام، کھانا اور صبح کا ناشتہ سپاہ صحابہؓ میاں چنوں کی طرف سے دیا گیا۔ پنجاب حکومت نے معاہدہ کے باوجود مولانا افتخار احمد حقانی سمیت سپاہ صحابہ کبیر والا کے ڈیڑھ درجن کارکن خانیوال کے حافظ ذوالفقار علی سمیت دس کارکن، میاں چنوں کے مولانا اللہ بخش فانی، مولانا رب نواز ہراج اور قاری صفدر جاوید وغیرہ کو رہا نہیں کیا تھا۔ مذکورہ کارکنوں کی گرفتاری کے باوجود ان علاقوں کے اجتماعات تاریخی نوعیت کے تھے۔ ملتان انتظامیہ نے کاروان ناموس صحابہؓ کو روکنے کی کوشش کی لیکن عوام کے جم غفیر کے آگے پولیس بے بس ہو گئی اور کاروان اپنے طے شدہ راستوں سے پر امن طور پر گزر گیا۔

۷ فروری کی صبح کو کاروان میاں چنوں سے روانہ ہوا۔ چیچہ وطنی میں کاروان ناموس صحابہؓ کا بے مثال استقبال کیا گیا۔ شہر کے بازاروں سے گزرتے ہوئے دکانداروں نے پھولوں کی پتیاں اور نوٹ نچھاور کئے۔ کاروان ہڑپہ، ساہیوال، یوسف والا کے راستے اوکاڑہ پہنچا۔ جگہ جگہ سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں نے پر جوش استقبال کیا۔ ساہیوال شہر میں کئی خوبصورت گیٹ بنائے گئے تھے۔ اوکاڑہ پہنچنے پر دو میل تک سپاہ صحابہؓ کے سینکڑوں مقامی کارکن قائدین کی گاڑیوں کے ساتھ دوڑتے رہے۔ مکانوں کی چھتوں سے لوگوں نے کاروان ناموس صحابہؓ پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ دوپہر کا کھانا اوکاڑہ میں تناول کرنے کے بعد کاروان جھنگ براستہ سمندری روانہ ہوا۔ راوی کے پل پر سپاہ صحابہؓ تحصیل

سمندری کے راہنماؤں قاری محمد یونس، مولانا آصف فاروقی ناندلیانوالہ، قاری عطا الرحمٰن شہباز سمیت سپاہ صحابہؓ کے سینکڑوں کارکنوں نے قائدین کا استقبال کیا اور ایک بڑے جلوس کی صورت میں سمندری لایا گیا۔ جہاں پر تھانہ چوک میں قائدین نے عوام سے خطاب کیا۔ ۷ فروری صبح دس بجے سپاہ صحابہؓ سمندری الحسنین یونٹ کے ایک نوجوان کارکن محمد اشفاق کاروان ناموس صحابہؓ کے انتظامات سلسلہ میں تھانہ چوک میں سپاہ صحابہؓ کا جھنڈا لگاتے ہوئے بجلی کا کرنٹ لگنے سے موقع پر شہید ہو گئے۔ وقتی طور پر کارکنوں کے اندر رنج و الم کی لہر دوڑ گئی۔ پھر سپاہ صحابہؓ سمندری کے سالار ملک محمد یعقوب تبسم نے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر کے کہا جس کام کے لئے ہمارے نوجوان بھائی محمد اشفاق نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ہے کیا ہم یہ کام چھوڑ دیں؟ انہوں نے کہا ہمارے بھائی اشفاق نے اصحاب رسول کی عظمت و ناموس کے تحفظ کی جدوجہد کرتے ہوئے جان دی ہے۔ ہم بھی اسی جدوجہد میں اپنی جان قربان کریں گے۔ ہمارا بھائی اشفاق شہادت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ ہم نے بھی موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ کاش ہم بھی اسی راستے میں شہادت کا درجہ حاصل کرلیں۔ ان الفاظ کے ساتھ تمام کارکن نئے جذبے کے ساتھ قائدین کے استقبال کے انتظامات میں مشغول ہو گئے۔ پتن پل سے سمندری تک سینکڑوں کاریں، موٹر سائیکل، گاڑیاں جلوس میں شامل ہو گئیں۔ چوک ناندلہ اور بائی پاس ناندلہ روڈ سمندری پر قائدین کا پرجوش اور تاریخی استقبال ہوا۔ سمندری قائد سپاہ صحابہ کا شہر ہے۔ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کاروان ناموس صحابہ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے تھانہ چوک میں تقاریر کے بعد قائدین محمد اشفاق شہید کے گھر گئے۔ جہاں اشفاق شہید کی میت کے اوپر سپاہ صحابہؓ کا پرچم ڈالا گیا تھا۔ اشفاق شہید کے والد نے انتہائی "صبر و تحمل" کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو سپاہ صحابہؓ کے پرچم میں کفن پہنانے پر اصرار کیا۔

اشفاق شہید کے گھر تعزیت کے بعد قائدین گوجرہ ٹوبہ کے راستے جھنگ روانہ ہوئے

سپاہ صحابہؓ گوجرہ کے کارکنوں نے شہر کے باہر کاروان کا پرجوش استقبال کیا۔ ٹوبہ میں کاروان کے راستوں کو خوبصورت جھنڈوں، استقبالیہ بینروں اور مطالباتی پوسٹروں سے سجایا گیا تھا۔ کاروان کو سینکڑوں گاڑیوں کے ہمراہ ٹوبہ شہر لایا گیا اور صدر بازار میں قائدین نے مختصر خطاب کیا اور جھنگ روانہ ہو گئے۔ جھنگ میں ہزاروں گاڑیوں کے ہمراہ سپاہ صحابہؓ کے مقامی راہنماؤں چیئرمین بلدیہ اور کونسلروں نے کاروان ناموس صحابہؓ کا بے مثال استقبال کیا۔ جھنگ میں کاروان ناموس صحابہؓ کی وجہ سے شیعہ کی نیندیں حرام ہو گئیں اور انتظامیہ بوکھلا گئی کہ بے پناہ تشدد کے باوجود سپاہ صحابہؓ کی مقبولیت میں (اللہ کے فضل سے) زرہ بھر کمی نہیں آئی ہے۔ رات کا قیام جھنگ میں ہوا۔ تالاب کمیٹی گراؤنڈ میں بعد نماز عشاء عظیم الشان ناموس صحابہؓ کانفرنس ہوئی۔ جھنگ میں استقبالی راستوں پر جگہ جگہ آرائشی دروازے بنائے گئے تھے۔

۸ فروری صبح دس بجے ایئرپورٹ چوک پر کاروان ناموس صحابہؓ کا سپاہ صحابہؓ فیصل آباد نے استقبال کیا۔ سپاہ صحابہؓ سپریم کونسل کے چیئرمین مولانا محمد ضیاء القاسمی ضلع فیصل آباد کے صدر مولانا مجیب الرحمن لدھیانوی شہر فیصل آباد کے صدر حاجی محمد شفیق احمد، زبیر بٹ اور ہزاروں کارکنان کے ساتھ کاروان ناموس صحابہؓ کے ساتھ ایئرپورٹ چوک سے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ کاروان نے ایئرپورٹ سے چوک گھنٹہ گھر تک کا فاصلہ چار گھنٹوں میں طے کیا۔ راستے میں جگہ جگہ استقبالی اجتماعات نے کاروان پر پھول نچھاور کئے۔ چوک گھنٹہ گھر میں استقبالی جلسہ سے مجھ سمیت مولانا ضیاء القاسمی، مولانا ضیاء الرحمن فاروقی اور مولانا مجیب الرحمن لدھیانوی نے خطاب کیا۔ فیصل آباد سے سرگودھا روانگی پر کمال پور کے قریب شیعہ نے ایک منظم سازش کے تحت کاروان پر فائرنگ کی جس سے سپاہ صحابہؓ وہاڑی کے ایک کارکن جاوید اقبال شدید زخمی ہو گئے۔

فیصل آباد سے کاروان براستہ چنیوٹ، چناب نگر، صدیق آباد (ربوہ) سے ہوتا ہوا سرگودھا

پہنچا۔ شہر سے باہر سپاہ صحابہؓ سرگودھا نے کاروان کا فقید المثال استقبال کیا۔ جگہ جگہ استقبالی جلسوں سے قائدین نے خطاب کیا اور نماز عشاء کے بعد سرگودھا میں عظیم الشان ناموس صحابہؓ کانفرنس ہوئی۔ جس میں مجھ سمیت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور دیگر قائدین نے خطاب کیا۔ استقبالی جلوس کے دوران سپاہ صحابہؓ کے ایک کارکن نے ہوائی فائرنگ کی تو مرکزی جنرل سیکرٹری یوسف مجاہد نے مذکورہ کارکن کو دو ماہ کے لئے جماعت سے نکالنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ہم پرامن جدوجہد کے قائل ہیں۔ ہوائی فائرنگ کے ذریعے اشتعال پیدا کرنا ہمارے کاز کے خلاف ہے۔ رات کا قیام سرگودھا میں ہوا۔

۹ فروری صبح کاروان براستہ پنڈی بھٹیاں، سکھیکی منڈی، خانقاہ ڈوگراں، فاروق آباد، شیخوپورہ پہنچا۔ راستے میں سپاہ صحابہؓ کے مقامی کارکنوں نے جوش و خروش کے ساتھ کاروان کو خوش آمدید کہا۔ شیخوپورہ شہر کو جگہ جگہ خوبصورت بینروں، سپاہ صحابہؓ کے جھنڈوں اور پھولوں سے بازاروں کو سجایا گیا تھا۔ شیخوپورہ سے کوٹ عبدالمالک کے راستے کاروان لاہور پہنچا۔ سپاہ صحابہؓ صوبہ پنجاب کے سرپرست حضرت مولانا پیر سیف اللہ خالد نے شہر سے باہر اپنے سینکڑوں احباب کے ساتھ خوش آمدید کہا اور ایک بڑے جلوس کی صورت میں کاروان کے ساتھ براستہ شاہدرہ موڑ پل راوی مینار پاکستان ریلوے اسٹیشن لاہور صدر روانہ ہوئے۔ رات کے قیام کا پروگرام جامع المنظور الاسلامیہ صدر میں طے تھا۔

جب کاروان شیرانوالہ گیٹ پر پہنچا تو مقامی کونسلر اچی پہلوان کے صاحبزادے کے ساتھ غلط فہمی کی بناء پر کاروان میں شریک ایک ساتھی کی تلخ کلامی ہوگئی۔ جس کے نتیجہ میں مقامی کونسلر کے ساتھیوں نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ پجارو پر سوار یہ اکیلا نوجوان کاروان کے جلوس کو کراس کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ کارکنوں نے جب اسے ایسا کرنے سے روکا تو اس نے گاڑی سے باہر نکل کر دونوں ہاتھوں

میں دو عدد پسٹل لے کر ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔

ادھر مولانا الیاس فاروقی نے اسے اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا اور اسلحہ چھین لیا۔ جونہی یہ خبر اچھی پہلوان کے ڈیرہ پر پہنچی تو وہاں سے کلاشنکوف سے مسلح افراد فائرنگ کرتے ہوئے باہر آ گئے۔ اب شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کاروان کی سیکورٹی پر متعین کارکنوں کی طرف سے فائرنگ شروع ہو جائے۔ چنانچہ مجھے اپنی گاڑی سے اتر کر اس موقع پر کارکنوں کو صبر و تحمل کی تلقین کر کے پرامن طور پر کاروان کو آگے لیجانے کی سخت ترین کوشش کرنا پڑی۔ اس کے باوجود کارکنوں نے تین چار مسلح افراد کو مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا۔

۹ فروری کی رات بعد نماز عشاء عظیم الشان ناموس صحابہؓ کانفرنس ہوئی۔ جس سے مولانا ضیاء الرحمن فاروقی نے بھی خطاب کیا۔

۱۰ فروری صبح کاروان گوجرانوالہ کے لئے روانہ ہوا۔ تو مقامی پولیس نے راوی کے پل پر کاروان کی جامہ تلاشی شروع کر دی۔ لیکن کسی قسم کا ناجائز اسلحہ برآمد نہ کر سکنے کے باوجود میرے پانچ باڈی گارڈوں کو لائسنسی اسلحہ سمیت گرفتار کر لیا۔ چنانچہ میں نے مذکورہ باڈی گارڈوں کی رہائی تک کاروان کو پل پر ہی رکنے کا اعلان کر دیا۔ جس سے ٹریفک کا زبردست مسئلہ پیدا ہو گیا۔ تب پولیس مذکورہ کارکنوں کو رہا کرنے پر راضی ہو گئی۔ کاروان مریدکے، کاموکی، موڑ ایمن آباد کے راستے گوجرنوالہ پہنچا۔ جہاں سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں نے تاریخ ساز استقبال کر کے مثال قائم کر دی۔ کاروان سپاہ صحابہؓ کو گوجرنوالہ کی طرف سے دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا۔ جب کاروان گوجرنوالہ سے روانہ ہوا تو ایک گھڑسوار سپاہ صحابہؓ کا پرچم تھامے کئی میل تک کاروان کے آگے گھوڑا دوڑاتا رہا۔ ایمن آباد میں بھی کاروان کا زبردست استقبال کیا گیا۔ کاروان کے گجرات پہنچنے سے قبل ہی مقامی پولیس نے چناب کے پل پر کاروان کے استقبال کے لئے آئے ہوئے نوجوانوں، بچوں، بوڑھوں پر اندھادھند لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ جس سے سینکڑوں نوجوان، بوڑھے، بچے شدید زخمی

ہو گئے۔ جب میری گاڑی پل پر پہنچی تو پولیس نے پہلے تو گاڑی کو روکا پھر مجھے جانے کا اشارہ کیا۔ میری گاڑی آگے چل پڑی تو پولیس نے باقی گاڑیاں روک کر تلاشی لینا اور کارکنوں کی گرفتاری کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ مولانا محمد نواز بلوچ شاعر انقلاب طاہر جھنگوی سمیت ۲۰۰ سے زائد سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ پولیس کے تشدد کے باوجود سپاہ صحابہؓ کے جیالے رواں دواں رہے اور باقی ساتھی کھاریاں پہنچ گئے۔ کھاریاں پولیس نے بھی گجرات پولیس جیسا کارنامہ دکھایا۔ ہزاروں کارکنوں کو زخمی کرنے کے باوجود ۳۰۰ کارکن گرفتار کر لئے۔ اس موقع پر میں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ لیکن پولیس کے افسران نے کہا ہمیں صرف کاروان کو سبوتاژ کرنے کا حکم ہے آپ کو گرفتار کرنے کا نہیں۔ گجرات کے بعد کھاریاں پولیس نے پورا کاروان ہائی جیک کر لیا۔ جب میں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا تو سینکڑوں کارکن مجھ سے پہلے گرفتاری دینے کے لئے پولیس کی گاڑیوں میں بیٹھ گئے اور وہ منظر بڑا عجیب تھا جب کارکن ایک دوسرے سے بڑھ کر گرفتاریاں پیش کر رہے تھے لیکن پولیس حکام کہہ رہے تھے کہ ہم اتنے آدمی کہاں لے جائیں گے۔

۱۰ فروری کی رات جہلم پہنچنے پر کاروان کا پرجوش استقبال کیا گیا اور عظیم الشان ناموس صحابہؓ کانفرنس شاندار چوک جہلم میں منعقد ہوئی۔

۱۱ فروری کی صبح جہلم پولیس نے زبردست ناکہ بندی کر لی تا کہ کاروان راولپنڈی نہ پہنچ سکے۔ لیکن سپاہ صحابہؓ کے جیالے تمام رکاوٹوں کے باوجود راولپنڈی پہنچ گئے۔ صوبائی سیکرٹری محمود اقبال کو میں نے چکوال بھیج دیا جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا اور دفتر سپاہ صحابہ چکوال کے سامنے عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا اور وہ وہاں سے جلوس لے کر راولپنڈی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر میں جہلم سے راولپنڈی کی طرف چل پڑا۔

روات کے مقام پر راولپنڈی ڈویژن کے کارکنوں نے کاروان ناموس صحابہؓ کا بے

مثال استقبال کیا۔ کارکنوں نے راولپنڈی کو مطالباتی بینروں اور سپاہ صحابہؓ کے جھنڈوں سے سجا رکھا تھا۔ ۱۱ فروری کی رات سٹی چوک راولپنڈی میں عظیم الشان ناموس صحابہؓ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں بہت بڑی تعداد میں سپاہ صحابہؓ کے کارکن شریک ہوئے۔ کئی روز کے مسلسل سفر اور جگہ جگہ خطاب کے باعث میرا گلہ بالکل جواب دے چکا تھا چنانچہ راولپنڈی کی کانفرنس میں مجھ سے بمشکل پندرہ منٹ خطاب ہو سکا۔

۱۲ فروری صبح کاروان ناموس صحابہؓ جامعہ فرقانیہ راولپنڈی سے اسلام آباد کی طرف روانہ ہوا۔ انتظامیہ کی طرف سے کاروان کے سلسلہ میں غیر معمولی حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے۔ کوہائی بازار سے فیض آباد چوک تک مقامی پولیس کی ایک درجن سے زائد گاڑیاں استقبالی جلوس کے ساتھ رہیں۔ جوں جوں کاروان اسلام آباد کی طرف بڑھتا گیا سینکڑوں گاڑیاں اس میں شامل ہوتی گئیں۔ یہ راولپنڈی کی تاریخ کا بہت بڑا جلوس بن گیا۔ فیض آباد چوک پر سپاہ صحابہؓ اسلام آباد کے راہنماؤں نے کاروان کا استقبال کیا اور بہت بڑے تاریخی جلوس کی صورت میں اسلام آباد کی شاہراہوں سے گزرتے ہوئے لال مسجد پہنچے۔ کاروان کی تمام گزرگاہوں پر سپاہ صحابہؓ کے مطالباتی بینر اور جھنڈے نہایت خوبصورت انداز میں آویزاں کئے گئے تھے۔ سڑک کے دونوں طرف سپاہ صحابہؓ کے کارکن لمبی قطاروں میں کھڑے پرچم ہلا کر کاروان کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ لال مسجد پہنچ کر ۵ فروری سے شروع ہونے والا کاروان ناموس صحابہؓ میرے آخری خطاب پر اختتام پذیر ہوا۔ میں نے کاروان ناموس صحابہؓ کے دوران اپنی تقاریر میں کاروان کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔ ہم نے قریباً چھ ماہ قبل ۱۲۵ اراکین قومی اسمبلی کے دستخطوں سے ناموس صحابہؓ بل قومی اسمبلی میں پیش کیا تھا۔ جس کا مقصد اصحاب رسول کی عزت و ناموس کو آئینی تحفظ فراہم کرنا تھا۔ لیکن حکومت نے اس بل کو ہر اجلاس میں سرد خانے میں ڈالنے کی پوری کوشش کی، اس کے علاوہ موجودہ حکومت نے اصحابؓ رسول کی ناموس

کے تحفظ کی ہماری جدوجہد کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کے ذریعے عوام کو گمراہ کیا کہ سپاہ صحابہؓ ملک میں فرقہ واریت پھیلانا چاہتی ہے۔ وزیر اعظم پاکستان آئے دن اپنے بیانات میں فرقہ واریت کو ملک کے لئے خطرہ قرار دیتے رہتے ہیں۔ تب ہم نے فیصلہ کیا کہ عوام کو آگاہ کیا جائے کہ ہم نے اصحاب رسول کی عظمت و تقدس کا بل اسمبلی میں پیش کر کے ملک سے فرقہ واریت کے خاتمہ کی بنیاد رکھ دی ہے۔ ہم وزیر اعظم صاحب کی طرح خالی نعروں کی بجائے عملی اقدامات پر یقین رکھتے ہیں۔ اگر حکومت ملک سے فرقہ واریت کا خاتمہ چاہتی ہے تو فوری طور پر ناموس صحابہؓ بل منظور کرے۔ عوام کے سامنے ناموس صحابہؓ بل اور حکومت کے گمراہ کن پروپیگنڈہ کی وضاحت کے لئے ۵ فروری سے صادق آباد سے اسلام آباد تک کاروان ناموس صحابہؓ کا فیصلہ کیا گیا۔

"اللہ کے فضل و کرم سے پنجاب بھر کے عوام نے ہمارے موقف کو سنا اور اس کی تائید کی۔ اگر حکومت نے ناموس صحابہؓ بل منظور نہ کیا تو اسی طرح دوسرے صوبوں میں بھی کاروان ناموس صحابہؓ شروع کیا جائے گا۔

صدر مملکت سے ملاقات اور جھنگ کے لئے سوئی گیس کی منظوری

جتنے اذہان ہیں اتنے ہی مطالب ہوں گے
میں جو کہ دوں گا وہی لفظ مناسب ہوں گے

جن کی باتوں پہ کوئی کان نہیں دھرتا ہے
ان کے سب مشورے اک دور میں صائب ہوں گے

جن کو دہلیز پہ ہی روک دیا جاتا ہے
کل وہی حاکم دوراں کے مصاحب ہوں گے

جن کو سائیس میسر نہیں گھوڑے کے لئے
ان کی آمد کی خبر کے لئے حاجب ہوں گے

○

کاروان ناموس صحابہؓ کے آخری مرحلہ پر جب حکومت پنجاب نے لاہور گجرات کھاریاں میں سینکڑوں کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنا کر گجرات جیل میں بند کر دیا۔ تو میں نے اس پر قومی اسمبلی میں زبردست احتجاج کیا اور اس ظلم کے خلاف صدر مملکت کا تعاون حاصل کرنے کے لئے ملاقات کا وقت مانگا۔ چنانچہ صدر مملکت سے ملاقات نہایت دلچسپ رہی۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

میں نے کہا:۔ نواز شریف حکومت ہمارے ساتھ زیادتیاں کر رہی ہے۔ خود کاروان کی اجازت دے کر پھر پر امن کاروان کو تشدد کا نشانہ بنایا اور ساڑھے تین سو کارکن گرفتار کر لئے گئے ہیں جنہیں ایک ماہ ہونے کو ہے۔

صدر مملکت:۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ وزیر اعظم سے بات کریں۔

میں:۔ جھنگ میں عوام پر جو ظلم ہوا تھا ابھی تک اس کا سدباب نہیں ہوا ہے۔ لوگوں کی لوٹی اشیاء واپس نہیں کی گئی ہیں اور ذمہ دار افسران کے خلاف کاروائی نہیں ہوئی ہے۔

صدر مملکت:۔ میں اس سلسلہ میں بھی کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔

میں:۔ جھنگ کی عوام کو سوئی گیس سے محروم رکھا گیا ہے حالانکہ اس کی تحصیل چنیوٹ اور شورکوٹ کینٹ میں اور قریبی شہر ٹوبہ میں سوئی گیس موجود ہے

صدر مملکت:۔ یہ مسئلہ بھی حکومت سے متعلقہ ہے۔

میں:۔ میاں نواز شریف صاحب کی پرائیویٹائزیشن کی پالیسی اس وقت سخت کرپشن کا شکار ہے۔ ملک کی قیمتی املاک اور قومی ادارے چند خاندانوں کو کوڑیوں کے عوض دیئے جا

رہے ہیں۔

صدر مملکت:۔ آپ اس کے خلاف اسمبلی میں آواز بلند کریں اور اخبارات میں بیانات دیں۔

صدر مملکت کی اس کوری کوری گفتگو پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔ کبھی عید بقر عید پر آپ کی زیارت کرنے آجایا کروں گا۔ کیونکہ اب آپ نہ تو ظلم کے خلاف ہماری مدد کرنے کے قابل ہیں نہ ہی عوام کے جائز کام کرانے کو تیار ہیں اور نہ ہی حکومت کی لوٹ مار کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کے خواہاں ہیں۔ آخر اس منصب کا فائدہ ہی کیا ہے۔ جس سے نہ عوام کو کوئی فائدہ ہے نہ نمائندوں کو کوئی آسرا ملتا ہے۔

میری اس تلخ نوائی سے صدر مملکت بھی بہت تلخ ہو گئے اور کہنے لگے آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں کسی کو ڈنڈا تو نہیں مار سکتا ہوں۔ میں نے کہا ہم نے کب آپ کو ڈنڈا استعمال کرنے کا کہا ہے۔ آپ کے پاس جو آئینی اور قانونی راستہ ہے۔ اسے تو آپ استعمال کریں۔ ورنہ پھر ملک میں آمریت قائم ہو رہی ہے۔ مخالفین کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

اب صدر مملکت صاحب بھی ٹھنڈے پڑ گئے اور میں بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ انہوں نے فوری اپنے سیکرٹری کو بلوا کر میرے تمام نکات لکھوائے اور کہا چیف سیکرٹری کو فون کرو کہ فوراً مولانا کے مسائل سنے اور انہیں حل کرے اور وزیر اعلیٰ بھی ان سے میٹنگ کرے۔ اس طرح سیکرٹری پٹرولیم اور گیس کو فون کرو اور کہو کہ جھنگ کو سوئی گیس دینے کا ہنگامی طور پر پلان تیار کرے۔ پھر مجھے کہا کہ آپ بے فکر ہو جائیں۔ انشاء اللہ آپ کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ ہو گا۔

یہی وہ ملاقات ہے کہ جس کے بعد صدر مملکت سے تعلق مضبوط ہوتا چلا گیا اور

جھنگ میں سوئی گیس کی ترسیل کا کام دنوں میں آگے بڑھنے لگا۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان دنوں افسر شاہی پر جس قدر اثرات صدر مملکت کے تھے وزیر اعظم کے بھی اتنے نہ تھے۔

چیف سیکرٹری سے میٹنگ اور گرفتار شدگان کی رہائی

صدر مملکت سے ملاقات کا یہ فائدہ ہوا کہ میں ابھی رات کو واپس اپنی رہائش گاہ پر پہنچا بھی نہ تھا کہ چیف سیکرٹری پنجاب پرویز مسعود کا فون آگیا کہ آپ کی وزیر اعلیٰ کے ساتھ میٹنگ کرانی ہے کب کا وقت طے کیا جائے۔ میں نے کہا میں وزیر اعلیٰ کو اس وقت تک ملنے کو تیار نہیں ہوں۔ جب تک ہمارے کارکن رہا نہیں ہو جاتے۔ انہوں نے کہا پھر مجھ سے میٹنگ کر لیں۔ میں نے کہا یہ کر سکتا ہوں۔ چیف سیکرٹری صاحب سے لاہور میں میٹنگ ہوئی وہ حیرت زدہ لہجے میں پوچھنے لگے کہ صدر مملکت سے کیا بات ہوئی ہے کہ وہ اس قدر آپ سے متاثر ہو گئے کہ مجھے خود کہا.... مولانا طارق کی باتیں توجہ سے سنتا وہ بہت اچھی گفتگو کرتے ہیں۔ میں نے ہنس کر کہا۔ ہماری تو آپس میں کافی تلخی ہوئی ہے۔ اچھی باتیں تو نہیں ہوئیں۔ انہوں نے کہا تم بھی کمال کے آدمی ہو۔ صدر مملکت سے بھی تلخی کرنے لگے ہو۔ میں نے کہا آپ دیکھ لیں کہ پھر تلخی کا نتیجہ کیا خوب نکلا ہے۔ شاعر نے شاید اسی موقعہ کے لئے یہ کہا ہے

بڑا مزہ ہے اس پیار میں
صلح ہو جائے جو جنگ ہو کر

چیف سیکرٹری صاحب کے ساتھ میٹنگ سے کارکنوں کی ضمانتوں کا راستہ بھی بحال ہو گیا اور سوئی گیس کے لئے مزید پیش رفت ہوئی۔

مولانا کوثر نیازی مرحوم کا مجھ سے رابطہ

صدر مملکت سے اس ملاقات کے قریباً پندرہ بیس روز بعد مجھے مولانا کوثر نیازی کا پیغام ملا کہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اور پھر وہ اچانک میرے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ میں نے ان کو اچانک سامنے پا کر کہا آپ نے مجھے بلوالیا ہوتا۔ تو کہنے لگے نہیں میں نے خود ہی آنا مناسب سمجھا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ وزیر اعظم اور صدر مملکت کے درمیان اختلاف اندرون خانہ تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ممبران اسمبلی کا ایک بڑا گروپ مستعفی ہونے والا ہے تاکہ صدر مملکت کو اسمبلی توڑنے کا جواز مل جائے۔ آپ کا اس سلسلہ میں کیا خیال ہے۔ میں نے کہا آپ لوگ باقی ممبران سے رابطہ کریں۔ میری طرف سے آپ صدر صاحب کو بتادیں کہ موجودہ ظالم حکومت سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہم ہر لحہ آپ کے ساتھ ہیں۔

نواز شریف حکومت میں دراڑیں

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ میاں نواز شریف صاحب قومی اسمبلی میں میری اس بات پر برافروختہ ہو گئے تھے کہ "اگر میں جھوٹا ثابت ہوا تو استعفیٰ دے دونگا" میاں صاحب استعفیٰ کے لفظ پر اپنی نشست سے کھڑے ہو کر بڑے غصے میں کہنے لگے تھے کہ "دے دو استعفیٰ ہمیں استعفوں سے ڈرایا جا رہا ہے۔ جو بھی استعفیٰ دے گا ہم وہاں ضمنی الیکشن کرا دیں گے" دراصل اس کی ایک وجہ تو یہ ہوئی تھی کہ ایم کیو ایم کے ارکان اسمبلی نے کراچی میں فوجی اپریشن کے خلاف احتجاجاً استعفے دے دیئے تھے۔ اور ادھر اپوزیشن کی جماعتیں بھی حکومت کی انتقامی کاروائیوں و ملک دشمن پالیسیوں کے خلاف استعفیٰ مہم چلانے پر غور کر رہی تھیں۔

صدر مملکت اور وزیر اعظم میں اختلافات کی ابتداء

سابق صدر مملکت غلام اسحٰق خان پاکستان کے وہ خوش نصیب شخص ہیں جنہوں نے تحصیلدار کی سیٹ سے اپنی سرکاری سروس کا آغاز کر کے ترقی کرتے کرتے گورنر سٹیٹ بنک کا منصب حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ پھر جنرل ضیاء الحق صاحب انہیں سینٹ میں لے آئے اور چیئرمین سینٹ بنا دیا۔ جنرل صاحب کے ۸۸ء میں طیارہ کا حادثہ پیش آتے ہی وہ قائمقام صدر بن گئے پھر مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے متفقہ امیدوار صدارت بن کر سامنے آئے اور پانچ سال کے لئے منتخب ہو گئے۔ صرف اٹھارہ ماہ کی حکومت کے بعد بینظیر کی چھٹی کرا کر میاں نواز شریف کا راستہ ہموار کیا اور ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں اسلامی جمہوری اتحاد کو کامیاب کروانے کے لئے بے دریغ سرکاری فنڈز کا استعمال ان کی سرپرستی میں ہوا۔ ہر امیدوار قومی اسمبلی کو الیکشن سے قبل ۷۵ لاکھ روپے تک کے ترقیاتی کام کرانے کا اختیار اور ڈپٹی کمشنر وغیرہ افسران کا تعاون حاصل تھا اور کیوں نہ ہو تا جبکہ پنجاب کے نگران وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں تھے اور ملک کے نگران وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی تھے۔ اسلامی جمہوری اتحاد کی زبردست کامیابی کے بعد میاں نواز شریف کے سر پر جب وزارت عظمیٰ کا تاج سجایا گیا۔ میاں صاحب کے والد میاں شریف نے صدر غلام اسحٰق کے ہاتھ میں اپنے بیٹے میاں نواز شریف کا ہاتھ دے کر کہا۔ "یہ آپ کا بیٹا ہے اور ہمیشہ تابعدار رہے گا۔" چنانچہ وزارت عظمیٰ پر پہنچ کر کچھ عرصہ تو میاں صاحب کی فرمانبرداری کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر ان کی فطرتی عادت نے انہیں مزید اختیارات کے حصول کا جنون لاحق کر دیا اور کچھ نہ ہوا تو چیف آف آرمی سٹاف جنرل آصف نواز کی اچانک موت پر میاں صاحب نے اپنی اس خواہش کی محض اپیل ہی نہیں بلکہ بہر صورت قبول کرنے کا انداز اختیار کر کے صدر مملکت سے کہا کہ وہ فلاں فلاں جنرل کو چیف آف آرمی سٹاف کے عہدہ پر لے

آئیں۔ لیکن صدر مملکت بھی کوئی کچی گولیاں کھیلنے والے نہ تھے۔ انہوں نے ان تمام اپیلوں کے برعکس جنرل عبدالوحید کاکڑ پر نگاہ انتخاب ڈالی اور ان کے سینے پر افواج پاکستان کی سالاری کا بیج لگا دیا۔

میاں نواز شریف اپنی اس بے عزتی پر تلملا کر رہ گئے اور انہوں نے اندرون خانہ اپوزیشن پارٹی کی لیڈر بے نظیر سے راہ و رسم بڑھانا شروع کر دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بے نظیر کو امور خارجہ کی چیئرمینی سونپ دی اور آصف زرداری کو جو جیلوں کے چکر کاٹ رہا تھا تمام تر سرکاری پروٹوکول کے ساتھ اسمبلی میں لانے اور گھر جیسی تمام آسائش مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی رہائی کا راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا۔

محترمہ بے نظیر نے موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ دایاں ہاتھ دکھا کر بایاں حکومت کے منہ پر رسید کرنے کی پالیسی پر عمل کر کے صدر اسحٰق سے اپنی سابقہ ناراضگی ختم کر لی۔ ادھر میاں صاحب اور ان کی پارٹی اپوزیشن سے مل کر صدر مملکت کو نیچا دکھانے کا سوچ رہے تھے ادھر صدر مملکت نے اپنی گیم شروع کر دی اور نتیجتاً اسمبلی کے اسی سے زائد ارکان نے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا۔ ایم۔ کیو۔ ایم کے ممبران بھی مستعفی ہو چکے تھے۔ یوں یہ تعداد ایک سو کے لگ بھگ جا پہنچی اور ملک میں ایک بحران پیدا ہو گیا۔

میاں نواز شریف صاحب کی غیر دانشمندانہ تقریر

استعفوں سے پیدا شدہ بحران سے میاں نواز شریف صاحب کی حکومت ہل کر رہ گئی کیونکہ پیپلز پارٹی کے پچاس سے زائد ارکان کے استعفوں کے ہمراہ مسلم لیگ کے بھی دو درجن کے لگ بھگ ارکان مستعفی ہو چکے تھے۔ اب ایوان میں کل ممبران کی تعداد ایک سو سے کچھ اوپر تھی۔ میاں صاحب نے ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر خطاب کرتے ہوئے ایوان صدر کو سازشوں کا گڑھ قرار دیتے ہوئے اعلان کیا کہ "میں نہ کسی کی ڈکٹیشن لوں گا اور نہ

جھکوں گا۔ اس تقریر کا ایک ایک لفظ صدر مملکت کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ اس تقریر سے یہ بات اب طے ہو چکی تھی کہ کسی وقت بھی میاں صاحب کی حکومت کا دھڑن تختہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ افواج پاکستان اور اپوزیشن پارٹیوں کے علاوہ خود مسلم لیگ کے بہت سے ممبران کی حمایت صدر مملکت کو حاصل تھی۔

صدر غلام اسحٰق کی مجھ سے خفیہ ملاقات اور نواز حکومت برخواست

وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب کے ٹی وی، ریڈیو پر غیر دانشمندانہ خطاب کے بعد ملک بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ خود میں نے بھی صدر مملکت کو فون کر کے پیغام دیا کہ اب حالات بہت کشیدہ ہو چکے ہیں اور ملک تیزی سے آئینی بحران کی طرف بڑھ رہا ہے آپ اس کا مداوا کریں۔

اٹھارہ اپریل کو میں فیصل آباد میں تھا کہ مجھے اطلاع ملی صدر مملکت نے ملاقات کے لئے بلوایا ہے۔ چنانچہ فوری اسلام آباد پہنچا اور صدر ہاؤس گیا۔ جہاں پر غلام اسحٰق خان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا وزیر اعظم کی تقریر آپ نے سن لی ہے۔ ملک اس وقت سخت خطرے سے دوچار ہے۔ دو آئینی ادارے آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے پاس ایسی صورت میں یہ اختیار ہے کہ نواز حکومت کو گھر بھیج دیں۔ صدر مملکت نے کہا کہ میاں صاحب اس بات کی تیاریاں کر رہے ہیں کہ وہ عوام میں جا کر احتجاج کریں گے۔ میں نے کہا انہوں نے عوام کے ساتھ جو اچھے سلوک کیے ہیں۔ عوام ان سے بخوبی آگاہ ہے۔ یہ لوگ عوام کو منہ دکھانے کے قابل نہیں اور پھر اپوزیشن پارٹیاں ۔ ر ہم لوگ بھی تو عوامی نمائندہ ہیں۔ یہ عوام کے پاس جائیں گے تو ہم بھی عوام کے پاس جائیں گے۔ پتہ چل جائے گا کہ عوام کس کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مجھ سے ملاقات کے بعد صدر مملکت نے بے نظیر سے ملاقات کی پھر G.H.Q سے ان کا رابطہ ہوا۔ میں اتفاق سے کسی

مہمان کو ایئرپورٹ پر چھوڑنے آیا ہوا تھا کہ V.I.P لاؤنج میں چند وفاقی اور صوبائی وزرا خوش گپیوں میں مصروف تھے اور مجھ سے مذاقاً پوچھ رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے؟ میں نے کہا سب کے سامنے آ جائے گا۔ انہوں نے کہا، اب بابا کی ہم چھٹی کرائیں گے اور اس کے خلاف تحریک مواخذہ لائیں گے اور سٹھیائے ہوئے بابے کو گھر بھیجیں گے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ V.I.P لاؤنج میں ڈاکٹر انوار الحق صاحب جو کہ جنرل ضیاء الحق صاحب کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور پنجاب کے وزیر تھے۔ ہمارے پاس آئے اور بتایا کہ صدر نے اسمبلی توڑ دی ہے۔

یہ بات سنتے ہی تمام وزراء اور مسلم لیگی ممبران کی زبان سے ایک ہی لفظ نکلا۔ کیا واقعی؟ انہوں نے کہاں ہاں ابھی تھوڑی دیر بعد نگران وزیر اعظم حلف اٹھانے والے ہیں۔

اس وقت وفاقی وزراء (جو اب سابق وفاقی وزراء بن چکے تھے۔) کی حالت یہ تھی کہ کاٹو تو خون نہ نکلے۔ ان پر سکتہ کی کیفیت طاری تھی۔ میں اسی حال میں ان سے جدا ہو کر اسلام آباد آ گیا اور میرے لبوں پر یہ شعر مچل رہا تھا۔

وزارتوں کے مقدر پر ناچنے والو
وزارتوں کے مقدر بدلتے رہتے ہیں

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے! نگران حکومت کا قیام

رات قریباً بارہ بجے پریذیڈنٹ ہاؤس اسلام آباد میں چہل پہل جاری تھی۔ صحافی حضرات، سیاستدان اور فوجی افسران آ جا رہے تھے۔ پریذیڈنٹ ہاؤس کے دروازے پر ایک میلے کا سماں تھا۔ دوسری طرف وزیر اعظم ہاؤس میں ماتم کی فضا قائم تھی۔ بتیاں بھی

بجھی ہوئی تھیں۔ اکا دکا سابق وزیر اور مسلم لیگی ممبران اسمبلی آ جا رہے تھے۔ ان کے چہرے فق تھے۔ پریذیڈنٹ ہاؤس میں سابق رکن اسمبلی بلخ شیر مزاری نگران وزیر اعظم کا حلف اٹھانے کو تیار تھے اور انکی کابینہ میں بطور وزیر وہ شخص بھی حلف اٹھانے کو تیار بیٹھا تھا جسے سابق دور میں جیل کا مہمان بنایا گیا تھا جیلوں والے وزارتوں کے عہدوں پر فائز ہو رہے تھے اور وزیر اعظم ہاؤس میں بیٹھ کر ملک کو اشاروں پر چلانے والے اپنا بستر بوریا لپیٹنے اور سامان جمع کرنے میں معروف تھے۔

نگران حکومت کے دور میں خود مجھے بھی وزارت کی پیش کش کی گئی بلکہ بعض حضرات نے اس مقصد کے لئے کافی دباؤ بھی ڈالا لیکن میرے اور دوستوں کے خیال میں زیادہ مناسب یہ بات تھی کہ ذمہ داریاں قبول کرنے کی بجائے الیکشن مہم کو کامیاب بنایا جائے۔ بلخ شیر مزاری صاحب ایک بہت ہی شریف النفس قسم کے آدمی اور وضعدار شخصیت تھے۔ ان کی وزارت عظمیٰ کے چالیس روزہ دور میں بہت سے لوگوں نے عارضی وزارتوں کے بل بوتے پر اپنا پیٹ بھرنے اور دوستوں کو نوازنے کا دھندا بھی خوب چلایا لیکن آخر کار انہیں بھی سپریم کورٹ کے فیصلہ نے اس عارضی کرسی سے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

منظور احمد وٹو "وزیر اعلیٰ پنجاب" بن گئے

قومی اسمبلی کی تحلیل کے بعد اب اگلا قدم چاروں صوبائی اسمبلیوں کے تحلیل کرنے کا تھا۔ لیکن پنجاب اسمبلی کے سپیکر میاں منظور احمد وٹو نے فوری طور پر صدر مملکت سے رابطہ قائم کر کے انہیں قائل کر لیا کہ پنجاب کے ممبران اسمبلی میرے ساتھ ہیں۔ لہٰذا ہم موجودہ وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کامیاب کرا لیتے ہیں اور میں خود وزارت اعلیٰ کی سیٹ پر آ کر آپ کے تابع فرمان رہوں گا۔ وٹو صاحب کی یہ تجویز

مان لی گئی اور راتوں رات مسلم لیگی ممبران اسمبلی اپنے محسن و دیرینہ ' ہمدرد اور درویش وزیر اعلیٰ وائیں صاحب سے ایسے آنکھیں پھیر گئے جیسے "طوطا" مالک سے آنکھیں پھیرتا ہے۔ اسمبلی بچاؤ' اسمبلی بچاؤ' کے نعروں میں وائیں صاحب کو وزارۃ عالیہ سے الگ کر دیا گیا اور وٹو صاحب پنجاب کے وزیر اعلیٰ منتخب ہو گئے۔

تیسری انٹر نیشنل حق نواز شہید کانفرنس کا انعقاد

۲۳ اپریل ۱۹۹۳ء کو پشاور میں تیسری انٹر نیشنل حق نواز شہید کانفرنس کا اعلان کیا جا چکا تھا اور سرحد کی باڈی نے اس کے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ کانفرنس کے لئے پشاور کے بالکل وسط میں جس پارک کا انتخاب کیا گیا تھا۔ پشاور انتظامیہ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جماعت کی طرف سے مجھے وزیر اعلیٰ سرحد میر افضل خان سے مذاکرات کے لئے بھیجا گیا۔ تو وزیر اعلیٰ نے نہایت پر تپاک انداز میں ہمیں خوش آمدید کہا اور اس مسئلہ کو حل کر لینے کا وعدہ کیا۔ کانفرنس سے ایک روز قبل جامعہ ہادیہ پشاور میں سپاہ صحابہؓ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا اور صورت حال پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ لیکن اس روز شام کے وقت معلوم ہوا کہ پشاور انتظامیہ مقررہ پارک کے گرد پولیس کا پہرہ لگا چکی ہے اور یہاں کانفرنس کے انتظامات میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ کارکنوں میں شدید اشتعال پھیل گیا۔ جو اسے جماعت کی عزت کا مسئلہ بنا کر ہر قیمت پر اسی جگہ منعقد کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ادھر جماعت کی طرف سے کانفرنس کے لئے لگائے گئے کیمپوں پر بھی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پشاور کے احباب کے مذاکرات انتظامیہ کے ساتھ کامیاب ہوتے نظر نہ آرہے تھے۔ اس بات کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا کہ کانفرنس کا انعقاد بھی نہ ہو سکے گا اور اب کسی بڑی سرکاری کاروائی کا آغاز بھی ہونے والا ہے۔ پولیس نے کانفرنس میں شرکت کیلئے آنے

والے سینکڑوں نوجوانوں کو گرفتار کرلیا۔ دراصل اس ساری پولیس کاروائی کا مقصد اس مذموم منصوبے کا حصہ تھا کہ خوف و ہراس کی فضا ایسی پیدا کردی جائے کہ باہر سے کانفرنس میں شرکت کے لئے آنے والے قافلے چل ہی نہ سکیں۔

چنانچہ میری قیادت میں ایک وفد تشکیل پایا جس نے کمشنر پشاور سے میٹنگ کی اور انہیں قائل کیا کہ عین وقت پر کانفرنس کو سبوتاژ کرنا کسی ناخوشگوار واقعے کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کوئی راستہ بہرطور نکالا جائے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد رات گئے یہ فیصلہ ہوا کہ کانفرنس کی جگہ تبدیل کرلی جائے چنانچہ شاہی باغ پشاور میں کانفرنس منعقد کرنے کا معاملہ طے پاگیا۔ واپس آکر جب ہم نے یہ فیصلہ کارکنوں کو سنایا تو کئی کارکنوں خصوصاً پٹھان نوجوانوں نے اس کا بہت برا منایا لیکن انہیں قائل کرلیا گیا کہ تصادم کی راہ اختیار کرنا اس وقت دشمن کو خوش کرنے اور جماعت کے لئے مسائل پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ ہنگامی بنیادوں پر شاہی باغ پشاور کے بہت بڑے میدان میں انتظامات کیے گئے اور اگلے روز یہ کانفرنس نہایت کامیابی سے منعقد ہوئی۔

کانفرنس سے مولانا سمیع الحق کا خطاب

پشاور کی انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس میں ویسے تو قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی کا خطاب ایک لاجواب خطاب تھا لیکن اس موقع پر مولانا سمیع الحق قائد جمعیت نے اپنے خطاب سے لوگوں کے دل جیت لئے۔ انہوں نے کہا اس وقت ملک میں نگران حکومت قائم ہے اور الیکشن کی آمد آمد ہے۔ ہر طرف سے یہ آوازیں آرہی ہیں کہ علماء کرام باہم اتحاد قائم کریں اور مولانا فضل الرحمٰن اور سمیع الحق اتحاد کریں۔

میں آج یہاں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر مولانا فضل الرحمٰن صاحب علماء حق کی سنت پر چلتے ہوئے جرات کے ساتھ شیعہ کے کافر ہونے کا اعلان کردیں تو میں ان کے ساتھ اتحاد

کرنے کو تیار ہوں لیکن اگر وہ اس اہم دینی مسئلہ پر خاموشی اختیار کر کے سیاست کرنا چاہتے ہیں تو پھر میں ایسے لوگوں کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتا۔" مولانا سمیع الحق کے اس اعلان پر پورا مجمع "مرد مومن مرد حق سمیع الحق سمیع الحق" کے نعروں سے گونج اٹھا۔

اسمبلی توڑنے کے خلاف رٹ اور عدالت عالیہ کا تاریخی فیصلہ

مسلم لیگ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد سپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب صاحب نے اس صدارتی فیصلہ کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا اور اس پر عدالت میں ان کے وکلاء نے دلائل دیئے کہ صدر مملکت نے جن اسباب و وجوہات کی بناء پر اسمبلی برخواست کی ہے وہ ایسے نہیں ہیں کہ جن کے باعث اسمبلی کا خاتمہ ضروری ہو۔ ادھر عدالت عالیہ کے جج حضرات کی طرف سے بھی جو ریمارکس اس کیس کی سماعت پر آ رہے تھے۔ ان سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کس قسم کا فیصلہ آنے والا ہے۔ چنانچہ یہ ایام بھی ملک میں یادگار تاریخی واقعات کا حصہ ہیں کہ جب سابق وزیر اعظم اور ان کے رفقاء ہر صبح سپریم کورٹ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر قابل احترام جج حضرات کے ایک ایک لفظ کی گہرائی میں اتر کر اس سے اپنی حکومت کی بحالی کی کرن تلاش کرتے تھے۔

جب کبھی عدالت کی طرف سے سخت ریمارکس آتے تو ان کی امیدوں کے چراغ بجھنے لگتے۔ جب ان کی حمایت میں کوئی جملہ بولا جاتا تو وہ جی چاہتے ہوئے بھی قہقہہ لگا کر نہ ہنس سکتے بلکہ زیر لب مسکرا کر رہ جاتے ان چالیس ایام نے سابق حکمرانوں کی طبعیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ انکساری، عاجزی، ملنساری کے وہ تمام اوصاف جو وزیر اعظم بنتے ہی میاں صاحب کی ذات سے اڑنچھو ہو گئے تھے اب پھر ان کی طبعیت ثانیہ بن گئے۔ قوم کو دعاؤں کی اپیلیں کی جا رہی ہیں۔ نمازوں کو پابندی سے ادا کیا جا رہا ہے۔ غریبوں میں خیرات تقسیم کی جا رہی ہے۔ آسمانوں کی طرف منہ کر کے حکومت دوبارہ ملنے کی آرزوؤں کا اظہار

کیا جارہا ہے۔ بالآخر ۲۶ مئی ۹۳ کو سپریم کورٹ نے میاں صاحب کی حکومت کو ختم کرنے کے صدارتی فیصلے کو کالعدم قرار دے کر سپریم کورٹ سے ان کے سرپر دوبارہ وزیر اعظم کا تاج رکھ دیا۔

میاں نواز شریف کا سپاہ صحابہؓ سے رابطہ

دوبارہ بحال ہو کر میاں نواز شریف صاحب نے خدا کا شکر ادا کرنے اور عدالت عالیہ کی خدمت میں کلمات تشکر بجالانے کے بعد کہا۔ اب وہ پچھلی ساری باتیں بھول کر ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے اور انہوں نے کہا میں نے چالیس روز میں وہ کچھ سیکھا ہے جو گزشتہ اڑھائی سال میں نہیں سیکھ پایا تھا۔ میں اب سب کو ساتھ لے کر چلوں گا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کروں گا۔

چنانچہ ایک روز دو وفاقی وزراء رائے احمد نواز اور چوہدری امیر حسین نے مجھ سے رابطہ کیا کہ ہم وزیر اعظم کی ہدایت پر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا بصد شوق تشریف لائیں۔ ہمیں آپ سے ملنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حضرات یکم جون ہی کو چوتھی منزل پر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میرے فلیٹ پر تشریف لائے جہاں جماعت کا ایک اہم وفد ان کے ساتھ مذاکرات کے لئے تیار تھا۔ اِن وزراء نے کہا ہم سابقہ زیادتیوں پر آپ سے معذرت خواہ ہیں اور آئندہ اس بات کے متمنی ہیں کہ آپ ہمارا تعاون کریں گے۔ ہم نے کہا ہماری آپ سے کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے۔ آپ اسلام کے نفاذ اور ناموس صحابہؓ بل پر ہمارا تعاون کریں اور جھنگ کے مسائل کے حل کے لئے بے گناہ گرفتار شدگان کی رہائی کے لئے ہمارے ساتھ عملی طور پر معاونت کا ہاتھ بڑھائیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ ہمارا مقصد اسلام کا عملی نفاذ ہے اور ناموس صحابہؓ کا تحفظ و عوام کی خدمت ہے چنانچہ ان ہر دو حضرات نے ہمارے مطالبات تحریر کیے اور وزیر اعظم کو پہنچا دیئے۔

وزیر اعظم میاں نواز شریف سے، ملاقات، شیعہ لٹریچر پر ان کی برہمی اور ناموس صحابہؓ بل پر تعاون کی یقین دہانی

۲۱ جون کو قائد سپاہ صحابہؓ کی قیادت میں میاں نواز شریف۔ صاحب کے ساتھ ہمارے ایک پانچ رکنی وفد کی ملاقات ہوئی۔ میاں صاحب بڑے خوشگوار موڈ کے ساتھ ملے۔ ہم نے انہیں ناموس صحابہؓ کی اہمیت سے آگاہ کیا اور خمینی کی تصنیفات و شیعہ لٹریچر کے حوالے پڑھ کر سنائے تو وہ پریشان ہو گئے اور کہنے لگے۔ "مجھے تو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ شیعہ اس قسم کی باتیں بھی لکھ سکتے ہیں، لیکن آپ یہ بتائیں کہ وہ ایسے کیوں لکھتے ہیں؟ ہم نے تفصیل سے بتایا کہ شیعیت کی بنیاد ہی اسلام کے خلاف رکھی گئی ہے اور شیعیت کے معرض وجود میں لانے سے عبداللہ بن سبا یہودی کا یہ مقصد ہی تھا کہ مسلمان کو صحابہؓ کرام سے بدظن کر دیا جائے۔ چنانچہ آج تک صحابہؓ کرام کی طرف غلیظ ترین واقعات منسوب کر کے یہ لوگ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ایسا موثر قانون ہونا چاہیے جس سے ان کی گستاخ زبانیں اور قلم خاموش ہو جائیں۔ انہوں نے پرزور انداز میں کہا یہ کام تو بہت ضروری ہے اور آپ کا مطالبہ بالکل بجا ہے۔ ہم نے اس موقعہ پر ان سے کہا کہ آپ تو ہمارے خلاف تقریریں کرتے تھے۔ اس لئے ہم بھی آپ سے دور تھے۔ کہنے لگے میں نے تو کوئی تقریر آپ کے خلاف نہیں کی۔ ہم نے کہا آپ جب بھی تقریر میں کہتے ہیں کہ میں فرقہ پرستوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ تو اس کا دوسرا معنی یہی ہوتا ہے کہ سپاہ صحابہؓ کو نہیں چھوڑونگا۔ اس پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اس موقع پر بے گناہوں کی رہائی اسلام کے نفاذ کی خاطر کوششوں اور جھنگ کے لئے فوری ترقیاتی فنڈز دینے کا بھی انہوں نے وعدہ کیا اور ساتھ ساتھ اگلے روز یکم محرم الحرام کے موقع پر اسلامی سال کے آغاز و شہادت سیدنا فاروق اعظمؓ پر سرکاری طور پر بیان جاری کرنے کا وعدہ کیا۔

آج جس وقت یہ سطور قلمبند کی جا رہی ہیں۔ متذکرہ بالا وعدوں کی عمر پانچ سال ہو چکی، لیکن صد افسوس کہ وزیر اعظم کی طرف سے آج تک ان کی پاسداری نہیں ہوئی۔ آج بھی صحابہ کرام کے گستاخ مصنفین نہ صرف یہ کہ دندناتے پھرتے ہیں، بلکہ وزیر اعظم کے ظل عاطفت میں پل رہے ہیں۔ ان سانپوں کو دودھ پلایا جا رہا ہے، جبکہ وزیر اعظم موصوف کے دوسرے موجودہ عرصہ اقتدار میں ہی جرم بے گناہی کی سزا پا کر دو سال سے قید تنہائی کا شکار ہوں۔

فیصل آباد میں مظلوم مدینہ کانفرنس کے موقع پر پولیس کی شیلنگ و فائرنگ کا سامنا

۱۸ جون ۹۳ء کو فیصل آباد میں مظلوم مدینہ کانفرنس کا پروگرام ڈی گراؤنڈ میں منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا اور مجھے اس میں خطاب کرنا تھا۔ بعد نماز مغرب جب حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ کے مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ پولیس نے ڈی گراؤنڈ کا گھیراؤ کر رکھا ہے اور کسی صورت بھی کانفرنس انعقاد کی اجازت دینے کو تیار نہیں ہے۔ جبکہ ہزاروں کارکن ڈی گراؤنڈ کے قریب جامع مسجد کے پاس اکٹھے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت قاسمی صاحب کے ہمراہ ہم لوگ جامع مسجد کے پاس پہنچے تو کارکنوں نے پرجوش نعروں سے استقبال کیا اور جلوس کی شکل میں کانفرنس کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر پولیس نے پورے علاقہ کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ رات دس بجے کے قریب جب یہ جلوس ڈی چوک کے قریب والی گلی میں پہنچا تو پولیس نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ ہم نے کارکنوں سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہیں۔ اسی اثناء میں چاروں طرف آنسو گیس اور زہریلی گیس کے گولے برسنا شروع ہو گئے۔ ہم گاڑی میں بیٹھے تھے کہ اچانک میری نظر پڑی کہ کچھ کارکن ہماری گاڑی کو اندھیرے کی وجہ سے پولیس کی گاڑی سمجھ کر پتھر مارنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔ میں فوراً گاڑی سے باہر نکلا اور انہیں آواز دے کر سمجھایا کہ ادھر

آپ کا جلوس آ رہا ہے۔ آپ لوگ پولیس کی طرف سے آنے والے آنسو گیس کے گولے کو اٹھا کر پولیس پر پھینکیں تاکہ وہ گراؤنڈ چھوڑ جائے۔ کارکنوں نے چونکہ کبھی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کیا تھا وہ سمجھ نہ پائے تو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے گولے اٹھا کر پولیس کی طرف پھینکے اور منہ اور ناک پر رومال رکھے رکھا تاکہ زہریلی گیس اندر نہ جائے۔ اسی اثناء میں کچھ اور کارکن بھی آ گئے انہیں سمجھانے کے لئے میں بولنے لگا تو گیس میرے منہ میں چلی گئی اور میرا گلہ بند ہو گیا۔ ادھر حضرت قاسمی صاحب گاڑی کے اندر زہریلے گیس کے باعث بے ہوش ہو گئے اور ڈرائیور گاڑی بھگا لے گیا، میں جب واپس پلٹا تو گاڑی موجود نہ تھی اور زہریلی گیس سے میرا دم گھٹ رہا تھا۔ ادھر ہاتھ بھی جل چکا تھا۔ چنانچہ میں نے اشاروں سے کارکنوں کو کہا کہ پانی کا بندوبست کریں۔ میری اس حالت کو دیکھ کر کارکن یہ سمجھے کہ مجھے گولی لگ گئی ہے۔ وہ مجھے لپٹ لپٹ کر دھاڑیں مارنے لگے اور بلند آواز سے بارگاہ ایزدی میں میری سلامتی اور زندگی کے لئے دعائیں مانگنے لگ گئے۔ اب میری حالت عجیب تھی کہ منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی کہ انہیں سمجھاؤں کہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔ کچھ گلیاں آگے چل کر پانی میسر آ گیا تو طبیعت بحال ہوئی اور ساتھیوں کو حوصلہ دیا۔

اس طرح یہ کانفرنس پولیس گردی کی نظر ہو گئی تاہم اس کی قضاء اگلے سال ۲ جون کو اس انداز میں کی گئی کہ شیعیت کا چیلنج توڑ کر کانفرنس میں خطاب کیا۔ اس سال یہ کانفرنس ایسے حالات میں منعقد ہوئی کہ فیصل آباد کی شیعیت نے اسے روکنے کی سرتوڑ کوشش کی، اور مجھے بطور خاص چیلنج کیا کہ اگر اعظم طارق آیا تو زندہ نہیں جائے گا، لیکن میں نے کانفرنس میں نہ صرف شرکت کی بلکہ شیعہ کی دکھتی رگ کو بھی خوب دبایا اور امام مہدی کے عنوان پر زبردست خطاب کیا۔

اسلام آباد میں سیدنا فاروق اعظمؓ سیمینار

۲۲ جون یکم محرم کو اسلام آباد کے ایک بڑے ہوٹل میں "تنظیم مسلم اساتذہ" کے زیر اہتمام سیدنا فاروق اعظمؓ کے یوم شہادت کے موقع پر سیمینار کا اہتمام کیا گیا۔ میرے ذمہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے وفاقی وزراء اور اپوزیشن کے ممبران قومی اسمبلی اور سپیکر یا ڈپٹی سپیکر اسمبلی کو اس کانفرنس میں لاؤں ۔ خود میں نے لاہور میں جلوس مدح صحابہؓ کی قیادت کرنا تھی۔ تاہم اس کانفرنس کے لئے محنت کی گئی۔ چنانچہ کانفرنس مولانا محمد عبداللہ صاحب، (خطیب مرکزی جامع مسجد لال اسلام آباد) کی صدارت میں منعقد ہوئی اور اس میں ڈپٹی سپیکر اسمبلی حاجی محمد نواز کھوکھر، وفاقی وزیر اعجاز الحق صاحب، وفاقی وزیر جاوید ہاشمی، پیپلز پارٹی کے ممبر اسمبلی صاحبزادہ نذیر سلطان اور رکن اسمبلی صاحبزادہ سید خورشید احمد شاہ کے خطاب کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر محمد رمضان، علیم دانشور پروفیسر غازی احمد، پروفیسر حاجی احمد صاحب، پروفیسر افتخار احمد، پروفیسر ظفر اللہ بیگ نے بھی اپنے مقالے پیش کیے۔ آخر میں قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی نے ایسا پر مغز مدلل اور لاجواب خطاب کیا کہ کانفرنس کے شرکاء ایک عرصہ تک اسے یاد کرتے رہے۔ اور مجھے وفاقی وزراء اور ارکان اسمبلی نے کہا ایک تو آپ کا سیمینار بڑا ہی کامیاب رہا اور دوسرے ہم فاروقی صاحب کی تقریر سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔

پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں ایک تہلکہ آمیز خطاب

۲۹ جون بمطابق آٹھ محرم میاں نواز شریف کی حکومت نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سینٹ و قومی اسمبلی کا ایک مشترکہ اجلاس طلب کر لیا۔ اس اجلاس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت صدر مملکت غلام اسحٰق خان کے مواخذہ کی تحریک پیش کر کے صدر غلام اسحاق

صاحب سے جان چھڑانے کا راستہ نکالے۔ کیونکہ عدالت عالیہ سے اسمبلی کی بحالی کے قریباً دو ماہ بعد بھی معاملات باہم طے نہیں پا رہے تھے۔ صدر اور وزیر اعظم کے مابین کشیدگی کی فضاء میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔

چنانچہ اجلاس کی کاروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا تو اپوزیشن کی بڑی جماعت پیپلز پارٹی نے اجلاس ملتوی کرنے پر زور دینا شروع کیا۔ حکومتی پارٹی اجلاس کی اہمیت کو بیان کر رہی تھی کہ ملکی حالات سنگین ہونے کے باعث اس پر بحث ہونی چاہیے کہ اب کیا کیا جائے اور جمہوریت کو کیسے بچایا جائے ملک کو اس بحران سے نکالنے کا طریقہ کیا ہے؟

لیکن جب پیپلز پارٹی سندھ کے شیعہ ممبران اسمبلی نے یہ موقف اختیار کیا کہ چونکہ آج ۸ محرم ہے۔ اور یہ سوگ کے دن ہیں۔ ماتم کے دن ہیں۔ لہٰذا فوری اجلاس برخواست کیا جائے تاکہ ہم اپنے علاقوں میں جا کر غم حسین منا سکیں۔ تو حکومت لاجواب ہو کر رہ گئی۔ اس پر میں نے اسمبلی میں ایک تقریر کی جس نے تہلکہ برپا کر دیا اور حکومت کی مشکل آسان ہو گئی۔ اس اجلاس میں حکومت کی طرف سے ایک قرارداد پیش کی گئی جس کے حق میں ۴۵ ووٹ آئے۔ اپوزیشن نے بائیکاٹ کیا اور سات ووٹ مخالفت میں آئے۔ قرارداد کا خلاصہ یہ تھا کہ صوبہ پنجاب کے اختیارات پنجاب کے گورنر کو منتقل کیے جائیں اور پنجاب کے گورنر میاں محمد اظہر ہونگے یا جسے وفاقی حکومت نامزد کرے گی۔ اس قرارداد کا اصل مقصد پنجاب میں منظور احمد وٹو کو ناکام بنانا تھا۔ جو وزیر اعلیٰ منتخب ہو چکے تھے۔ لیکن صدر مملکت کی طرف سے اس قرارداد پہ کوئی دستخط نہ کیے گئے۔

آپ تقریر پڑھ لیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس پر B.B.C ریڈیو اور ملکی و غیر ملکی اخبارات نے جو تبصرے کیے وہ کس حد تک درست تھے۔ تقریر حسب ذیل ہے۔

جناب سپیکر:۔ "سب سے پہلے خوشی کی بات ہے کہ آج ہمارا سارا کا سارا ہاؤس اللہ کے فضل سے حسینیؓ ہے۔ ہر بات سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا آج ہم ایک قرارداد نہ پیش کر دیں کہ آج کے بعد جو طرز حکومت جو انداز زندگی جو اسلوب اور روشن نقوش حضرت حسینؓ نے چھوڑے ہیں۔ ہم ان سے انحراف کر کے کمیونزم، سوشلزم اور باقی ازم جو ہم نے بنائے ہوئے ہیں۔ ان پر لعنت بھیجتے ہیں اور ان سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ آج چلو اس بات پر تو قرارداد پاس کریں۔ حضرت حسین علیہ السلام نے عظیم مقصد کے لئے قربانی دی۔ لیکن آج مقاصد کی طرف کوئی نہیں دیکھتا۔ صرف اپنے مفاد کے حصول کے لئے نام لئے جاتے ہیں۔ پہلی بات مذہبی طور پر میں عرض کرنا چاہوں گا۔ شہادت نعمت ہے یا مصیبت؟ اگر شہادت مصیبت ہے تو رویا جائے گا، ماتم کیا جائے گا، پیٹا جائے گا اور اگر شہادت نعمت ہے تو خراج تحسین پیش کیا جائے گا، شہادت نعمت ہے اور شہید زندہ ہوتا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نا مال غنیمت نہ کشور کشائی

تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہاں سے پہلے کیوں نہ شروع کریں۔ آج طے کر لیں کہ شہادت کے دن سے پہلے سوگ منانا ہے یا بعد میں۔ پہلے منانا ہے تو کتنے دن پہلے منانا شروع کریں اور بعد میں کتنے دن بعد تک لے جانا ہے۔ اسلام کی تاریخ شہیدوں کے خون سے رنگین ہے۔ کیا تاریخ اسلام میں صرف ایک ہی امام مظلوم حضرت حسینؓ ہیں۔ نہیں آپ کو اسی تاریخ میں یہ مظلوم بھی نظر آئے گا کہ جس کا در اقدس پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ پہرہ دیتے رہے۔ جو چالیس دن تک پیاسے رہ کر پیغمبرؐ کے شہر میں چوالیس ۴۴ لاکھ مربع پر حکمران جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے۔ آج اس دن عید منائی جاتی

ہے۔ کیوں ہوا اجلاس اس دن جس دن حضرت عثمان کی شہادت کا دن تھا؟ کیوں ہوا اجلاس یکم محرم کو جو یکم محرم امام حریت حضرت فاروق اعظمؓ کی شہادت کا دن ہے۔ کیوں ہوا اجلاس اسی ہاؤس میں اس دن کو جو ۲۱ رمضان المبارک جناب حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کا دن ہے؟ کیوں ہوا اجلاس ۲۲ جمادی الثانی کو جو ۲۲ جمادی الثانی حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کا دن ہے۔ اور کیوں ہوا اجلاس اس دن جس دن پیغمبرؐ کے فرمان کے مطابق سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت کا دن ہے؟ جن کو تمام شہیدوں کا سردار آپ نے نہیں میرے پیغمبرؐ نے کہا تھا۔ ان شہیدوں کے ایام پر اجلاس کیوں ہوئے؟ آؤ آج طے کرو کہ ہم تاریخ اسلام کے ان عظیم شہیدوں کی شہادت پر اجلاس نہیں کریں گے یا پورے ملک میں تعطیل کریں گے۔ اور اگر ان شہیدوں کی شہادت پر اجلاس کیا جائے گا تو پھر تمہیں یہ اپنا انداز طریقہ کار بھی بدلنا پڑے گا۔

یہ کیا جمہوریت ہے؟ آج ہم باقی سنی لوگوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ ہمارے دل میں چھریاں چلتی ہیں کہ جب فاروق اعظمؓ کی شہادت کا دن ہوتا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں، حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دن ہوتا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں اور دوسری بات اگر آپ تاریخ اسلام دیکھیں تو کوئی دن بھی شہادت سے خالی نہیں نظر آئے گا۔ چھٹی کھیلتے گھروں کو چلتے ہیں سارے دن تو شہیدوں کے دن ہوتے ہیں۔ کیا شہیدوں نے ہمیں چھٹی کرنا سکھایا ہے؟ شہیدوں نے ہمیں درس دیا ہے۔ آیئے دس محرم کو اجلاس رکھیئے اور یہاں بیٹھ کر فیصلہ کیجئے کہ حسینؓ جس عظیم مقصد کے لئے تو نے جان دی ہے ہم تیرے عظیم مقصد یعنی اسلام کے لئے اسلام کے خلاف جو سازشیں اٹھائی گئیں۔ جو اسلام کے خلاف کسی انداز سے کوئی سازش سامنے آئے گی تو ہم اس کا بیڑہ غرق کر کے دم لیں گے۔ ہم انہیں کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں گے۔ یہ عزم اسی حال میں دس محرم کو کرنا چاہتے ہیں۔ اسی ہال میں دس محرم کو یہ اجلاس ہو اور ہم فیصلہ کریں کہ حسینؓ نے ہمیں رونے کے لئے

نہیں چھوڑا۔ حسینؓ نے پینے کے لئے چھوڑا۔ کیا بات ہے کہ آج حضرت حسینؓ کا نام وہ لیتے ہیں۔ جنہیں نمازیں نصیب نہیں۔ قرآن کی تلاوت نصیب نہیں۔ آج سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کی بات وہ کرتے ہیں۔ جن کے رات کی تاریکی میں جنازے اٹھے اور تمہارے دن کے اجالے میں بال بکھرتے رہتے ہیں۔ کیا تعلق ہے؟ کیا نسبت ہے؟ کیا تعلق ہے ان عظیم شخصیات سے؟ ان سے تعلق ہے تو آج طے کرنا ہو گا۔ تو آیئے میں قرارداد پیش کرتا ہوں کہ اس ملک میں قرآن و سنت اسلام، پیغمبر کی وراثت جس کے لئے امام حسینؓ نے جان دی تھی۔ ہم اس کے خلاف کوئی آواز نہیں سنیں گے۔ ہم اس کے خلاف کوئی قانون برداشت نہیں کریں گے۔ ہم اس کے خلاف کسی کو کوشش کرنے کی جرات نہیں دیں گے۔

یہ حسینیت ہے اور اگر نام حسینؓ کا لیا جائے، رشوت عام ہو۔ نام حسینؓ کا لیا جائے، شراب کا دور چلے گا۔ نام حسینؓ کا لیا جائے، فحاشی عام ہو۔ نام حسینؓ کا لیا جائے، بے حیائی ہو۔ نام حسینؓ کا لیا جائے، رات کو شباب و کباب کی محفلیں جمیں۔

یہ حسینی نہیں ہیں یہ یزیدی ہیں۔ ان کا حسینؓ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حسینؓ سے تعلق اسی کا ہے جو حسینؓ کے کردار کو اپناتا ہے۔ شکریہ جناب سپیکر۔"

قومی اسمبلی نے ناموس صحابہؓ و اہل بیت بل منظور کر لیا

جولائی ۹۳ء کے پہلے عشرہ میں پرائیویٹ ڈے کے موقع پر ناموس صحابہ و اہل بیت بل ایجنڈا کے شروع میں آگیا۔ چنانچہ اسمبلی کی کاروائی ضابطہ کے مطابق جب ایجنڈا کی اس شق تک پہنچی تو سپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب صاحب نے بل اسمبلی میں پیش کرنے کا کہا۔ میں نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر بل کی عبارت پڑھی جو حسب ذیل ہے۔

"ناموس صحابہ واہل بیت ترمیمی بل

مجموعہ تعزیرات پاکستان اور مجموعہ ضابطہ

فوجداری ۱۸۹۸ء میں مزید ترمیم کرنے کا بل

چونکہ یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں ظاہر ہونے والی اغراض کے لئے مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) اور مجموعہ ضابطہ فوجداری (ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء) میں مزید ترمیم کی جائے۔

لہٰذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

۱۔ مختصر عنوان اور آغاز نفاذ:۔ (۱) ایکٹ قانون فوجداری (ترمیمی ایکٹ ۱۹۹۲ء کے ناموس صحابہ واہل بیت کے نام سے موسوم ہوگا۔

۲۔ ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء میں دفعہ ۲۹۸ الف کی ترمیم:۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) میں' دفعہ ۲۹۸ الف میں' الفاظ دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی ایسی سزائے قید دی جائے گی جس کی میعاد تین سال تک ہو سکتی ہے یا سزائے جرمانہ دی جائے گی یا ہر دو سزائیں دی جائیں گی کے الفاظ "موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی۔" سے بدل دیئے جائیں گے۔

۳۔ ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء (ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء) جدول ۲ میں دفعہ ۲۹۸ الف سے متعلقہ اندراج ہیں' کا نمبر ۵' ۷ اور ۸ میں موجودہ الفاظ کی بجائے علی الترتیب الفاظ "ناقابل ضمانت" "موت یا عمر قید اور کورٹ آف سیشن بدل دیئے جائیں گے۔

بیان اغراض وجوہ

بلاشبہ پاکستان میں فرقہ واریت کا تدارک قومی یکجہتی اور امن کے لئے انتہائی ضروری

ہے۔ اس جرم سنگین کی سزا ایک فتنہ کو روکنے کے لئے ناکافی ہے۔ لہٰذا دفعہ ۲۹۸ الف کی سزا بہت کم ہے یعنی ۳ سال یا صرف جرمانہ اور اس جرم کی سزا میں اضافہ لازمی ہے۔

محمد اعظم طارق، ممبر انچارج

میری طرف سے بل کی عبارت پڑھے جانے کے بعد سپیکر اسمبلی نے ایوان سے مخاطب ہو کر کہا، تعزیرات پاکستان دفعہ ۲۹۸ الف میں مزید ترمیم کا بل جو فاضل رکن اسمبلی نے بطور محرک پیش کیا ہے۔ اسمبلی میں ووٹنگ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ کیا حکومت کے وزیر پارلیمانی امور و وزیر قانون اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ جس پر چوہدری عبدالغفور وفاقی وزیر قانون نے کہا نہیں ہم مخالفت نہیں کرتے ہیں۔ اس پر سپیکر نے ایوان میں بل کو پیش کر کے کہا جو معزز ممبران اس بل کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ ہاں کہیں۔ پورے ایوان سے متفقہ طور پر آواز بلند ہوئی "ہاں"

پھر سپیکر قومی اسمبلی نے کہا جو اس کی مخالفت میں ہیں وہ "ناں" کہیں۔ تو پوری اسمبلی میں سے ایک آواز بلند ہوئی "ناں" اس پر سپیکر نے کہا ایوان کثرت رائے سے اس بل کو کو منظور کرتا ہے اور اسے مزید غور کے لئے قائمہ کمیٹی کے سپرد کیا جاتا ہے۔

ایوان کے اجلاس کے اختتام پر وہ شخص جس نے اس بل کی مخالفت میں "ناں" کہاں تھا مجھے ملا اور کہنے لگا میں شیعہ نہیں ہوں بلکہ آپ جانتے ہیں کہ میرا نام طارق مسیح قیصر ہے۔ میں مسیحی ہوں۔ میں نے ازراہ مذاق "ناں" کہا ہے کہ تاکہ پتہ چلے کہ ایوان میں "ہاں" اور "ناں" کہلایا گیا تھا۔

ناموس صحابہؓ بل کی منظوری کی خوشخبری پر قائد سپاہ صحابہؓ کا والہانہ انداز

جس روز اسمبلی نے متفقہ طور پر ناموس صحابہؓ و اہل بیت بل کی منظوری دی۔ اسی روز کراچی میں لیاقت آباد کے چوک پر سپاہ صحابہؓ کی عظیم الشان کانفرنس تھی۔ میں شام کو

کراچی پہنچا اور اسٹیج پر قائد سپاہ صحابہؓ اور درجنوں علماء کی موجودگی میں جب خطاب کے لئے مجھے بلایا گیا تو میں نے اسمبلی کی پوری کاروائی سے آگاہ کرنے کے بعد یہ خوشخبری سنائی کہ آج ہم نے اسمبلی کی جنگ جیت لی ہے اور پہلا مرحلہ کامیابی سے طے کرلیا ہے۔ اسمبلی کی منظوری کے بعد اب بل قائمہ کمیٹی کے حوالہ ہو چکا ہے۔ جسے جلد سینٹ سے بھی پاس کرالیا جائے گا۔ اس عظیم خوشخبری پر کہ ناموس صحابہؓ بل پر پوری اسمبلی نے حمایت کی۔ عوام نے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کردیئے اور قائد سپاہ صحابہؓ نے اپنی نشست سے اٹھ کر مائیک پر آکر مجھے والہانہ انداز میں چومنا شروع کردیا اور فرط مسرت سے لبریز ہو کر فرمایا "آج تم نے اپنا فرض پورا کردیا ہے اور جھنگ کے عوام کے ووٹوں و قوم کی آرزوؤں اور تمناؤں کا قرض چکا دیا ہے۔" چونکہ اس بل کے کچھ مراحل ابھی باقی تھے۔ جن میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی۔ لیکن چند روز بعد ہی میاں نواز شریف نے خود اسمبلی تحلیل کردی۔ جس سے وہ ایوان ہی ختم ہو گیا جس نے آگے چل کر اس کام کو مکمل کرنا تھا۔

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کا ٹکراؤ اور لوٹا کریسی کو فروغ

میاں نواز شریف صاحب کی سپریم کورٹ کے ذریعہ حکومت کی بحالی کے بعد اب ایک نیا قضیہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایک تو صدر مملکت میاں صاحب کے ساتھ چلنے کو تیار نہ تھے کیونکہ وہ تو اسمبلی توڑ چکے تھے۔ دوسرے اس عرصہ میں پنجاب کی حکومت میاں منظور احمد وٹو حاصل کرچکے تھے اور پنجاب کے گورنر چوہدری الطاف حسین بن چکے تھے۔

مرکزی حکومت کے بحال ہوتے ہی پنجاب حکومت کو ناکام بنانے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ اور وہ ممبران اسمبلی جو چند روز قبل غلام حیدر وائیں کے خلاف عدم اعتماد کر کے وٹو صاحب کو وزیر اعلیٰ منتخب کرچکے تھے۔ اب پھر مرکزی حکومت سے راہ و رسم بڑھانے لگے چونکہ ان ممبران کا پنجاب میں رہتے ہوئے حکومت پنجاب سے اختلاف ناممکن ہو چکا

تھا۔ انہیں مرکزی حکومت نے اسلام آباد کے مہنگے ترین ہوٹل میریٹ کا مہمان بنا لیا تھا۔ ادھر حکومت پنجاب نے اسلام آباد کے چاروں اطراف کی سرحدوں پر پنجاب کی حدود میں پولیس چوکیاں قائم کر دی تھیں جو مرکزی حکومت کے حمایتی ایم۔ پی۔ اے صاحبان کو پکڑنے اور لاہور لے جانے کی خدمت سرانجام دے رہی تھیں۔ پنجاب کے ممبران اسمبلی کی مانگ اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ ایک ایک دن میں مرکزی حکومت کے ہزاروں روپے پانی کی طرح بے دریغ خرچ کر رہے تھے۔ اسلام آباد میں ان ممبران اسمبلی کے خلاف عوامی جلوسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لوٹے اٹھا کر عورتیں الگ مظاہرے کر رہی تھیں اور مرد الگ۔ چونکہ میری رہائش گاہ کے متصل عقب میں میریٹ ہوٹل تھا۔ اس لئے ان ممبران اسمبلی کی خرمستیاں بھی نظر آتی تھیں اور احتجاج کرنے والوں کا انداز بھی۔ لوگوں نے میریٹ ہوٹل کے اردگرد درختوں پر لوٹے لٹکا دیئے۔ میں نے ایک روز قومی اسمبلی میں پوائنٹ آف آڈر پر حکومت سے پوچھا کہ "یہ جو لوگ لوٹے اٹھا کر مظاہرے کر رہے ہیں۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا ان کا یہ کہنا ہے کہ لوٹے مہنگے ہو گئے ہیں یا اعلیٰ کوالٹی کے لوٹے میسر نہیں آ رہے ہیں۔ حکومت ہماری معلومات کے لئے اتنا تو بتا دے کہ ان مظاہروں میں لوٹے اٹھانے کا مقصد کیا ہے؟ اس بات پر خوب ڈیسک بجے حکومتی افراد شرم کے مارے منہ نیچے کر گئے۔

مرکزی حکومت نے وفاق کے دائرہ اختیار میں آنے والی رینجرز یعنی نیم فوجی دستوں کے ذریعہ لاہور میں کاروائی کا پروگرام بنایا تو صوبائی حکومت ڈٹ گئی۔ بالاخر پنجاب اسمبلی توڑ دی گئی۔ جب لاہور ہائی کورٹ نے اسے بحال کیا تو اگلے ہی لمحے گورنر پنجاب الطاف حسین نے پھر اسے اپنے آئینی اختیارات سے توڑ دیا۔ اس زبردست آئینی بحران کے باعث پورا ملک تباہ ہو کر رہ گیا۔ بے یقینی کی فضا عام ہو گئی۔ سرکاری ادارے تماشہ بن کر رہ گئے۔ اور عوام کا سیاستدانوں سے اعتبار اٹھ گیا۔

علماء مصالحتی کمیشن کا قیام۔ صدر اور وزیر اعظم کے مابین صلح کی کوششیں

ملک کی صورت حال جیسے بیان کی جا چکی ہے۔ دن بدن گھمبیر رخ اختیار کر رہی تھی۔ ضد اور ہٹ دھرمی نے ملک کے اعلیٰ آئینی اداروں کو ایک دوسرے کے مقابل بھرپور تصادم کی شکل اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسمبلیاں تماشہ بن چکی تھیں۔ سیاستدان کرسی کا کھیل کھیلتے کھیلتے اب کرسی کی ہی توڑ پھوڑ شروع کر چکے تھے۔ مرکزی حکومت اسلام آباد کے زیرو پوائنٹ تک محدود ہو چکی تھی۔ پنجاب حکومت صدارتی اشاروں پر گامزن تھی۔ تو اس صورت حال سے ہر محب وطن شہری مضطرب و پریشان تھا۔ لوگوں کے دل کڑھتے تھے لیکن وہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جن کی سوچ مثبت تھی۔ ان کا اپنی پارٹی میں کوئی مقام نہ تھا اور جنہیں لڑائی جھگڑے کے میدان میں للکارے مارنے کا شوق تھا ان کی آوازیں بہت بلند ہو چکی تھیں اور حکمران طبقوں میں انہی کی پذیرائی تھی۔ دوسرے لفظوں میں دانشمندی، حب الوطنی اور صلح جوئی کے خوگر وطن عزیز کی تباہی پر نالہ بلبل کی تصویر تھے لیکن لڑاکے اور مہم جو لوگ گلشن کی شاخوں کو بڑے دھڑلے سے کاٹتے ہوئے فخریہ نعرے بلند کر رہے تھے۔

اس اثناء میں ایک ایسا قدم اٹھایا گیا کہ جسے ہر طرف سے سراہا اور وقت کی ضرورت قرار دیا گیا یہ اقدام قائد جمعیت مولانا سمیع الحق کی طرف سے تھا۔ جنہوں نے علماء و مشائخ عظام کا ایک مصالحتی کمیشن تشکیل دیا اور صدر مملکت و وزیر اعظم کے مابین صلح کی مہم شروع کی۔ میں خود بھی چونکہ اس مصالحتی کمیشن میں شامل تھا۔ اس لئے ہمارے پریذیڈنٹ ہاؤس و وزیر اعظم ہاؤس کے مابین کئی چکر لگے۔ صدر مملکت غلام اسحٰق خان کے شکوے، شکایات میاں نواز شریف کی وضاحتیں اور اعتراضات سننے اور انہیں سلجھانے کی کوششیں ہوتی رہیں لیکن یہاں بھی دونوں طرف اب محض ذاتیات کی جنگ کا سلسلہ جاری تھا اور

کوئی بھی اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے کو تیار نہ تھا۔ بلکہ میں یہ ضرور کہوں گا۔ صدر غلام اسحٰق خان کا رویہ اس موقع پر زیادہ مناسب نہ تھا۔ شاید وہ فیصلہ کر چکے تھے کہ انہوں نے تو تین چار ماہ تک فارغ ہو نا ہی ہے۔ وہ جاتے جاتے نواز شریف کو بھی ساتھ لے جائیں۔ کیونکہ نواز شریف صاحب کے ابھی اڑھائی سال باقی تھے۔ بالآخر یہ مصالحتی کمیشن بھی ہمت ہار کر گھروں میں بیٹھ گیا۔

نواز شریف کا استعفیٰ اور معین قریشی کی آمد

چونکہ صدر مملکت اور وزیر اعظم کے مابین اختلافات آخری موڑ تک پہنچ چکے تھے اور صحیح بات یہ ہے کہ فوج کے سربراہ جنرل عبد الوحید کاکڑ کا رول بھی سراسر جانبدارانہ ہو چکا تھا۔ وہ چاہتے تو صدر مملکت کو عدالت عالیہ کے فیصلہ کے بعد اب اپنی بقایا مدت صدارت جو چند ماہ پر مشتمل تھی۔ عزت اور خاموشی کے ساتھ گزارنے کا کہہ سکتے تھے۔ لیکن ان کی خاموشی اس بات کی علامت تھی کہ وہ خود اب اس موقع کے انتظار میں ہیں کہ اس اختلاف کو بہانہ بنا کر دونوں کو چلتا کریں۔ چنانچہ بالآخر انہوں نے میاں نواز شریف کو آنکھیں دکھائیں اور میاں صاحب کے ساتھیوں نے بھی اس موقعہ پر بزدلی کا مظاہرہ کیا اور یہ طے کرنے کا مشورہ دیا کہ غلام اسحٰق خان بھی چھٹی پر چلے جائیں۔ وزیر اعظم بھی استعفیٰ دے دیں اور حکومت امریکہ کی شہریت حاصل کرنے والے ایک ایسے شخص کو سپرد کر دی جائے جس کا نام پہلے کوئی نہیں جانتا تھا اور عوام کے نام جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ یہی تو وہ مواقع ہوتے ہیں جب ملک کے اہل طبقے دوسروں کو نیچا دکھانے کے لئے امریکہ جیسے ملکوں کے بے دام غلام بننے کو اپنی عظمت و کمال کی معراج تصور کر لیتے ہیں۔ ملک کے قائمقام صدر کا عہدہ خود بخود وسیم سجاد کی جھولی میں آگرا اور وزارت عظمیٰ کا تاج معین قریشی کے سر پر سج گیا۔ میاں نواز شریف کی آخری خواہش کی تکمیل کر دی گئی کہ انہیں

پوری قوم کے سامنے آنسو بہاتے ہوئے وزارت عظمیٰ چھوڑنے کا اعلان کرنے کی اجازت مل گئی۔ میاں صاحب نے ۱۸ جولائی ۹۳ء کو ہچکیوں اور آنسوؤں کی برسات میں یہ کہتے ہوئے وزیر اعظم ہاؤس چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔

آئے تھے ہم مثل بلبل سیر گلشن کر چلے
سنبھال مالی باغ اپنا ہم مسافر گھر چلے

معین قریشی یا واصل باقی

پاکستان کی تاریخ میں اگر تین ماہ کے عرصہ میں نگران حکومت کے مکمل اختیارات کو استعمال کر کے کسی نے فائدہ اٹھایا ہے تو وہ صرف معین قریشی صاحب ہیں۔ انہوں نے نادہندگان سے وصولیاں کرنے میں کمال مہارت کا ثبوت دیا اور ہر قسم کی سفارشات کو بالائے طاق رکھ کر سالہا سال سے اہم پوسٹوں اور علاقوں میں بیٹھے ہوئے افسران کو ایسا اکھاڑا جیسے پرانے درخت کو جڑوں سے باہر نکال لیا جاتا ہے۔ بقایا جات کی واپسی کے ذریعہ ورلڈ بینک کی قسطیں ادا کر دی گئیں۔

ان کے اسی اقدام کے باعث ہم نے اخبارات میں ان دنوں ان کا نام ہی یہ رکھ دیا کہ معین قریشی صاحب اصل میں عالمی اداروں کے بقایا جات کی وصولی کرنے کے لئے "واصل باقی" کا کردار ادا کرنے تشریف لائے ہیں۔ اس لقب کو سیاسی اور صحافتی حلقوں میں بہت پذیرائی ملی۔ میرے ذہن میں یہ لقب اس وقت آیا جب دیہاتوں کے نمبرداروں کو تحصیلداروں نے گرفتار کر کے حوالاتوں میں بند کر دیا۔ لوگ دوڑے دوڑے میرے پاس آتے کہ جی ہمارے نمبردار صاحب کو چھڑائیں" جب میں پوچھتا تو پتہ چلتا کہ ان کی طرف سالہا سال سے حکومتی بقایا جات ہیں جو ادا نہیں کئے گئے تھے۔ جب میں افسران سے بات کرتا تو وہ کہتے کہ ہم کچھ قسطیں بنا لیتے ہیں۔ یہ نمبردار حضرات ایک دو قسطیں فوری ادا

کر دیں۔ جونہی قسط ادا ہوگی۔ آپ واصل باقی (یہ ایک عہدہ ہے) سے تصدیق کر لینا۔ ہم انہیں رہا کر دیں گے۔ تو میں نے ان افسران سے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ معین قریشی صاحب بھی عالمی اداروں کے "واصل باقی" ہیں تو انہوں نے کہا آپ نے بالکل صحیح پہچانا۔

پاکستان ٹیلی ویژن پر "الیکشن آور" میں خطاب

نگران حکومت کے دور میں تمام سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کو ٹیلیویژن پر ایک گھنٹہ کے قریب اپنا جماعتی موقف پیش کرنے کا موقع دینے کی ایک بہترین روایت کا آغاز ہوا۔ چنانچہ نواز شریف بے نظیر، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، قاضی حسین احمد جیسے حضرات کو جہاں خطاب کی دعوت دی گئی وہاں مجھے بھی دعوت دی گئی۔ چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ میرے ٹیلی ویژن کے خطاب کو بہت ہی سراہا گیا اور خصوصاً جب صحافی حضرات نے سپاہ صحابہؓ پر فرقہ واریت کے عائد ہونے والے الزامات کے حوالہ سے سوالات کئے تو جماعت کا موقف اس انداز سے بیان کیا گیا کہ پاکستان کے وہ طبقات جو سپاہ صحابہؓ کے بارے میں منفی پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اس جماعت سے نفرت کرتے تھے۔ وہ بھی بہت زیادہ مطمئن ہوئے۔ اس خطاب کے حوالہ سے اعلیٰ طبقوں میں سپاہ صحابہؓ کو ایک بلند مقام نصیب ہو گیا۔

الیکشن ۹۳ء اور دینی جماعتوں کا باہمی انتشار

۶ اکتوبر قومی اسمبلی اور ۸ اکتوبر صوبائی اسمبلی کے الیکشن کی تاریخیں طے ہونے اور معین قریشی کی نگران حکومت کے قیام کے بعد ملک میں اتحادوں کے بننے اور ٹوٹنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ دینی جماعتوں کا ایک وسیع اتحاد معرض وجود میں آنا چاہیے جو بے نظیر اور نواز شریف کی حکومتوں کے ناکامیوں سے دوچار ہونے کے بعد

اب عوام کی راہنمائی کرے اور اس ملک کو صحیح اسلامی فلاحی مملکت بنانے کی طرف پیش قدمی ہو، لیکن دینی جماعتوں کے لیڈروں کی حالت ہی کچھ اور تھی وہ اب بھی نواز شریف کے ساتھ چمٹے رہنے یا کچھ علاقوں میں پیپلزپارٹی کے ساتھ مل کر سیٹیں حاصل کرنے کی پالیسی اپنانے کو تو تیار تھے مگر باہم مل بیٹھ کر خود اپنے خالص دینی و اسلامی ساتھیوں کے ساتھ سیاست کے میدان میں کوئی کردار ادا کرنے کی خاطر دلی طور پر آمادہ نہ تھے۔

ادھر جماعت اسلامی نے نئے نام "اسلامک فرنٹ" کے عنوان سے الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کرتے ہوئے یہ پالیسی اپنائی کہ اگر کسی نے آنا ہے تو وہ سر جھکا کر اسلامک فرنٹ میں چلا آئے ورنہ اب ہم اتنی طاقت حاصل کر چکے ہیں کہ اکیلے ہی ساٹھ ستر سیٹیں جیت جائیں گے۔ مسلم لیگ پہلے دو الیکشن اسلامی جمہوری اتحاد کے پلیٹ فارم سے لڑ کر اتحادیوں کے رویہ سے دل برداشتہ ہو چکی تھی۔ اس نے اعلان کیا کہ ہم صرف مسلم لیگ کا پلیٹ فارم استعمال کریں گے۔ جس دینی جماعت نے ہمارا ساتھ دینا ہے۔ وہ مسلم لیگ کے نام پر ہی دے۔

قاضی حسین احمد کی اسلامک فرنٹ کے پلیٹ فارم سے تنہا پرواز شروع ہو گئی۔ مولانا فضل الرحمن صاحب نے مولانا شاہ احمد نورانی کی جمعیت سے اتحاد کر کے اسلامی جمہوری محاذ تشکیل دے لیا اور سرحد میں پیپلزپارٹی سے سیٹوں پر ایڈجسٹمنٹ کر لی اور مولانا سمیع الحق صاحب کا پانچ چھ چھوٹی چھوٹی جماعتوں سے ملکر بنایا گیا اتحاد متحدہ دینی محاذ کے نام سے الیکشن کے میدان میں اتر پڑا۔

الیکشن ۹۳ء میں اسلامک فرنٹ، اسلامی جمہوری محاذ، متحدہ دینی محاذ، تین پلیٹ فارم دینی جماعتوں کے قائم ہو گئے اور بعض دینی جماعتیں مثلاً جمعیت علماء پاکستان نیازی گروپ اور جمعیت اہلحدیث ساجد میر گروپ مسلم لیگ میں مدغم ہو گئے اور یوں الیکشن میں خود دینی ووٹ بھی بکھر کر رہ گیا۔

ایڈجسٹمنٹ کی نئی اصطلاح اور منصورہ میں اس پر عمل

اس الیکشن میں ایک نئی سیاسی اصطلاح بڑی مشہور ہوئی جسے "ایڈجسٹمنٹ" کہا جاتا تھا۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ دینی جماعتیں الیکشن تو اپنے اپنے پلیٹ فارم سے لڑیں مگر ایک دوسرے کے ساتھ سیٹوں پر ایڈجسٹمنٹ کرلیں۔ چنانچہ متحدہ دینی محاذ (جس کے قائد مولانا سمیع الحق صاحب تھے) کی طرف سے میں نے اور سپاہ صحابہؓ کے بعض عہدیداران نے اور جمیعت علماء اسلام (س) گروپ کے پنجاب کے جنرل سیکرٹری، مولانا بشیر احمد شاد اور ان کے احباب نے منصورہ میں دو دن تک اپنے امیدواروں کی لسٹیں لے کر ان کے امیدواروں کی لسٹوں کے ساتھ گھنٹوں بحث مباحثہ کرکے ایسی صورت نکالی کہ حتی الامکان ایک دوسرے کا مقابلہ نہ ہو۔ مجھے آج بھی اس بات پر ہنسی آتی ہے کہ بعض سیٹوں پر ہمارے درمیان خوب بحث و مباحثہ ہوا کہ یہاں ہمارا امیدوار جیتنے کی پوزیشن میں ہے لہٰذا آپ اپنا امیدوار وڈرا کرلیں۔ اسلامک فرنٹ والے کہتے "یہ سیٹ تو یقینی ہماری ہے، آپ اس سیٹ کو ہمارے حوالے کردیں۔" بہرحال یہ سیٹ جسے بھی ملتی وہ اپنے دل میں خوش ہوتا کہ ہم نے ایک جیتی ہوئی سیٹ اپنے کھاتے میں ڈال لی ہے۔ جبکہ الیکشن کے نتیجے نے ثابت کردیا کہ ایسے امیدوار اپنی ضمانتیں تک ضبط کرا بیٹھے۔

دراصل دینی جماعتیں عموماً اور جماعت اسلامی خصوصاً ضرورت سے زیادہ خوش فہمی کا شکار رہتی ہیں۔ یہ حضرات زمینی حقائق کو نظرانداز کرکے عقلی اور فلسفی و منطقی دلائل سے میدان سیاست کو فتح کرنے کے زعم میں مبتلا ہوتے ہیں۔

دینی جماعتوں کی خوش فہمی کے چند واقعات

الیکشن میں تنہا تنہا رہ کر حصہ لینا اور پھر خوش فہمی کا یہاں تک شکار ہو کر یہ سمجھنے لگنا کہ

ہماری جماعت کے تعاون کے بغیر کوئی حکومت بن ہی نہیں سکے گی۔ عام سیاسی جماعتوں کی عادت تو ہے ہی لیکن اس مرض میں دینی جماعتیں کچھ زیادہ ہی ملوث ہو چکی تھیں۔ وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں اسلامی جمہوری اتحاد کو جو بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے اس میں دراصل ہماری جماعت کے کردار کا عمل دخل زیادہ تھا۔

حالانکہ یہ اصول مسلمہ ہے کہ ایک ایک ہوتا ہے اور دو گیارہ۔ پھر یہ خیال بھی دینی جماعتوں کو بہت زیادہ اعلیٰ توقعات میں مبتلا کر دیتا ہے کہ چونکہ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی کرپشن سے لوگ تنگ آچکے ہیں۔ اس لئے اب لازماً وہ ہمیں قبول کریں گے۔ اس سوچ کو تقویت وہ ۱۹۷۷ء کے قومی اتحاد سے دیتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ قومی اتحاد اکیلے بھٹو کے مقابلہ میں نو جماعتوں کے اتحاد کا نام تھا۔ کسی اکیلی جماعت کا نہیں۔

اسلامک فرنٹ کے پلیٹ فارم سے قاضی حسین احمد سیاست کے گھوڑے پر سوار ہو کر ملک کے دورہ پر نکل چکے تھے اور اخبارات میں "ظالمو! قاضی آرہا ہے" کے بڑے بڑے لاکھوں روپے کے اشتہارات شائع ہو رہے تھے۔ منصورہ لاہور سے اسلامک فرنٹ کے امیدواروں کے لئے بینر، پرچم، سٹیکر، پوسٹر تیار ہو کر ملک میں پہنچ رہے تھے اور انتہائی منظم انداز میں اسلامک فرنٹ کا شور و غلغلہ جاری تھا۔ قاضی حسین احمد صاحب کے استقبال میں بھنگڑا، لڈی، موسیقی تک جیسے بے دینی کے شعائر عام ہو رہے تھے۔۔ انہی دنوں شیخوپورہ میں قاضی حسین احمد سے انتخابی جلسہ میں میری ملاقات ہوئی۔ جو کہ جماعت اسلامی کی طرف سے قومی اسمبلی کے امیدوار اور متحدہ دینی محاذ کے صوبائی اسمبلی کے امیدوار حافظ محمد اشفاق کی انتخابی مہم کے لئے مشترکہ طور پر منعقد کیا گیا تھا۔ جلسہ بلاشبہ کامیاب تھا۔ میں نے قاضی صاحب سے پوچھا کہ الیکشن مہم کیسی جاری ہے اور آپ کا کیا اندازہ ہے کہ آپ لوگ کتنی سیٹیں جیت جائیں گے اور ہم لوگ کتنی سیٹیں حاصل کر ائیں گے؟ تو قاضی صاحب نے کہا تیس سے پینتیس سیٹیں تو ایسی ہیں جو ہم بالکل جیت چکے

ہیں۔ بیس پچیس سیٹوں پر مقابلہ ہے۔ ان میں سے بھی ہم دس بارہ جیت لیں گے اور متحدہ دینی محاذ بھی دس سیٹیں جیت رہا ہے۔ میں نے تھوڑی سی جرات کر کے کہہ دیا کہ قاضی صاحب! مجھے تو پنجاب میں اسلامک فرنٹ کی ایک سیٹ بھی نکلتی دکھائی نہیں دیتی ہے۔ ہاں البتہ جھنگ کی قومی اسمبلی کی ایک اور صوبائی کی دو سیٹیں ہم نکال لیں گے۔ قاضی صاحب میری اس بات پر برافروختہ ہو گئے اور کہنے لگے۔ تم کیسی بے وقوفوں والی باتیں کرتے ہو۔ میں پورے ملک کا دورہ کر رہا ہوں۔ ہمیں کئی ایجنسیوں اور غیر ملکی تجزیاتی ٹیموں نے بتایا ہے کہ اسلامک فرنٹ پچاس نشستیں جیت جائے گا اور تم کہتے ہو کہ ہم ایک بھی سیٹ نہیں جیتیں گے۔ بہرحال اب جھگڑنے کی یہ بات نہ تھی۔ دلائل کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں نتیجہ حاصل کرنے میں دشواری ہو۔ چند روز بعد الیکشن نے جو نتیجہ پیش کیا۔ اس کے مطابق قاضی صاحب خود اپنی سیٹیں بھی ہار چکے تھے اور کراچی میں ایم کیو ایم کے بائیکاٹ کے باعث ایک سیٹ مظفر ہاشمی صاحب والی انہیں ملی چترال سے مولانا عبدالرحیم صاحب اور بونیر سے صاحبزادہ فتح اللہ صاحب کل تین ممبران قومی اسمبلی میں پہنچے۔ ادھر متحدہ دینی محاذ کے پلیٹ فارم سے پنجاب سے میں قومی اسمبلی میں پہنچا اور سرحد سے مولانا شہید احمد صاحب کامیاب ہو کر آئے۔

دوسرا واقعہ جتوئی کا ہے۔ جہاں اسلامی جمہوری محاذ کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی الیکشن میں حصہ لے رہے تھے۔

سپاہ صحابہؓ کا وفد مولانا نورانی صاحب سے ملا اور بتایا کہ ہمیں مرکز سے ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کی بھرپور حمایت کی جائے اور آپ کی الیکشن کمپیئن چلائی جائے۔ نامعلوم نورانی صاحب جیسے جہاندیدہ اور سیاسی میدان کے پرانے شہسوار اس وقت کس خیال میں تھے کہ انہوں نے سپاہ صحابہؓ کے وفد کی اس پیش کش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا "میں تو جیتا ہوا ہوں آپ کی مرضی ہے ووٹ دیں یا نہ دیں۔ وفد کے ارکان نہایت شرمندہ ہو کر واپس

آ گئے۔ ۶ اکتوبر کے روز نتیجہ الیکشن نورانی صاحب کی شکست کی صورت میں بر آمد ہوا۔

جبکہ اس کے برعکس تیسرا واقعہ بھی پڑھتے چلیں۔

خان گڑھ مظفر گڑھ کی سیٹ پر ممتاز سیاستدان بزرگ نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب، میاں عطا محمد قریشی کے مقابلہ میں الیکشن لڑ رہے تھے۔ ۱۹۹۰ء میں نواب زادہ صاحب الیکشن ہار گئے تھے۔ چنانچہ اس دفعہ سپاہ صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا اور کئی جوشیلے کارکنوں نے ان کے انتخابی جلسوں میں شیعہ کے خلاف نعرے بازی کی۔ نواب زادہ صاحب کے کچھ حامیوں نے اس پر اعتراض کیا اور نواب زادہ صاحب سے کہا کہ وہ ان نعروں کو بند کروائیں اور ایسے نوجوانوں کو جلسہ سے بھگا دیں۔ نواب زادہ صاحب نے بڑے تحمل سے جواب دیا اگر یہ لوگ میرے جلسوں میں اپنے نعرے لگاتے ہیں تو اپنا ووٹ بھی تو مجھے ہی دیں گے۔ جہاں ہم ووٹ کے لئے اور بہت کچھ برداشت کرتے ہیں۔ یہ نعرے بھی برداشت کرلیں۔ ان کی اس پالیسی نے کام دکھایا اور نواب زادہ صاحب الیکشن جیت گئے۔

اس واقعہ کو بیان کر کے قائد سپاہ صحابہؓ حضرت فاروقیؒ شہید فرمایا کرتے تھے کہ اصل سیاستدان وہی ہوتا ہے جو موقع سے فائدہ اٹھائے۔ ہمارے بعض مذہبی لیڈر ہر بات کو "انا" کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور تھوڑا سا بھی طبیعت کے خلاف کہیں نعرہ لگ جائے یا مخالفت میں آواز اٹھ جائے یا کسی طرف سے اعتراض ہو جائے تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً معمولی تحمل و بردباری کا ثبوت نہ دینے پر بڑا نقصان اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

خود جھنگ میں ۱۹۹۳ء کو میں نے جب صوبائی سیٹ جیت کر چھوڑ دی اور اس پر شیخ حاکم علی صاحب کو امیدوار نامزد کیا تو جھنگ میں جمعیت علماء اسلام (ف) گروپ کے کئی حضرات اور تاجران کمیٹی کے کچھ معززین و چند صنعتکار حضرات (جو ہمارے محسنین میں سے تھے اور الحمد اللہ اب بھی ہیں) ہم سے ناراض ہو کر مولانا عبد العلیم یزدانی کی حمایت

میں چلے گئے۔ اور بڑے بڑے دعوے کرنے لگ گئے کہ اول تو یہ سیٹ وہ جیت لیں گے ورنہ وہ اتنے ووٹ کاٹ لیں گے کہ شیخ حاکم علی صاحب بھی کامیاب نہ ہوں گے۔ میں نے بارہا ان حضرات سے کہا کہ اب تک اتفاق کی برکت نے ہم سب کا بھرم رکھا ہوا ہے۔ اسے نااتفاقی سے ختم نہ کریں۔ مگر بات نہ سنی گئی۔ ۲ دسمبر کو جب ضمنی الیکشن ہوا تو شیخ حاکم علی صاحب نے ۲۵ ہزار ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی۔ مولانا یزدانی بمشکل تین ہزار ووٹ حاصل کرپائے۔ ان واقعات سے میرا مقصود خدانخواستہ کسی کی توہین و تنقیص ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ہماری دینی سیاسی پارٹیاں خوش فہمی کا شکار بہت زیادہ ہو جاتی ہیں۔

جھنگ کا الیکشن اور میری مصروفیات

۱۹۹۴ء کے الیکشن میں جھنگ کی سیٹ پر میرے مقابلہ میں مسلم لیگ نے کوئی امیدوار کھڑا نہ کیا تاہم جو لوگ جھنگ میں سپاہ صحابہؓ کے ہر حال میں مخالف رہنے کی قسم کھائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے شیخ اقبال کو آزادانہ حیثیت سے الیکشن میں حصہ لینے کے لئے تیار کرلیا۔ ادھر نواب امان اللہ سیال پیپلزپارٹی کے ٹکٹ پر کھڑے ہو گئے۔ چونکہ مجھے ابھی الیکشن لڑے صرف ڈیڑھ سال ہوا تھا۔ پھر کامیابی کے بعد علاقہ کے عوام سے رابطہ بھی رہا اور حکومت کی سخت ترین مخالفت کے باوجود جھنگ کے لئے سوئی گیس کی منظوری، کئی دیہاتوں میں بجلی کی ترسیل اور ترقیاتی کاموں کے ساتھ ساتھ قومی اسمبلی میں ناموس صحابہؓ بل کے حوالہ سے جدوجہد کے باعث عوام میں الیکشن کی فضاء ہمارے حق میں تھی۔ اس کے علاوہ میاں ریاض حشمت صاحب بھی متحدہ دینی محاذ کے پلیٹ فارم سے اس سیڑھی کے نشان پر الیکشن میں حصہ لے رہے تھے۔ جو میرا بھی انتخابی نشان تھا۔ گو کہ میاں صاحب کے ساتھ اس اتحاد کے باعث ہمیں کچھ نقصان بھی ہوا اور کچھ نقصان میاں صاحب کو بھی ہوا۔

کیونکہ کچھ لوگ ایسے تھے جو میاں صاحب کے ووٹر تھے مگر ہمارے مخالف تھے۔ اسی طرح کی صورت حال دوسری طرف بھی تھی۔ تاہم مجموعی طور پر اس اتحاد کے فوائد و ثمرات عمدہ بر آمد ہونے کی توقع تھی۔ الیکشن کا نتیجہ اس لئے بھی قبل از وقت درست نظر آ رہا تھا کہ میرے مقابلہ میں قومی اسمبلی پر دونوں امیدوار کافی کمزور ثابت ہو رہے تھے۔

اس لئے میری زیادہ تر توجہ اس بات کی طرف رہی کہ پنجاب کے دیگر مقامات پر جہاں جہاں متحدہ دینی محاذ کے امیدوار کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے حق میں انتخابی جلسوں میں شریک ہوا جائے اور انہیں الیکشن کے طریقہ کار سے آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ ٹوبہ، کمالیہ، چیچہ وطنی، کبیر والہ، جلالپور پیر والا، احمد پور شرقیہ، چنیوٹ، قلعہ دیدار سنگھ، شیخوپورہ، میاں چنوں، شاہ جیونہ، روڈو سلطان، دیپالپور، بہاولنگر، لاہور، وہاڑی کے علاوہ صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں بھی انتخابی جلسوں سے خطاب کرنے کے لئے جانا پڑا۔ گو کہ ان علاقوں سے احباب کامیاب نہ ہو سکے۔ تاہم اتنے ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ان علاقوں میں جماعت کے دس پندرہ ہزار تک ووٹ بن کر سب کے سامنے آ گئے۔

جھنگ کی قومی کے علاوہ صوبائی اسمبلی کی سیٹیں جیت لی گئیں جس سے سپاہ صحابہ کا مورال اور بلند ہو گیا۔

میاں ریاض حشمت صاحب کی شکست کے بعد کامیابی

۸ اکتوبر رات عشاء کے وقت جب حلقہ PP65 کا نتیجہ آنے پر میری صوبائی سیٹ پر فریق مخالف جمیل انصاری صاحب کے مقابلہ میں ۱۵ ہزار سے زائد ووٹوں سے کامیابی پر کارکنان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور مسجد حق نواز شہید میں ایک جشن کا سماں تھا۔ نعرے لگ رہے تھے۔ نظمیں پڑھی جا رہی تھیں اور میری تقریر ہونے والی تھی۔ قائد سپاہ صحابہؓ بھی خطاب کرنے والے تھے کہ ایک ساتھی نے آ کر بتایا کہ میاں ریاض حشمت صاحب صرف

پچاس ووٹوں سے ہار گئے ہیں۔ اس خبر سے ہماری خوشیاں آدھی بھی نہ رہ سکیں۔ جلسہ سے فارغ ہو کر تو دیر ہو چکی تھی۔ علی الصبح میاں ریاض حشمت صاحب کے مکان پر قائد سپاہ صحابہؓ کے ہمراہ پہنچے تو میاں صاحب کو بہت ہی پریشان پایا۔ بعض حضرات نے گلہ کیا کہ ہمیں سپاہ صحابہؓ والوں نے ووٹ نہیں دیئے ہیں۔ میں نے کہا ایسی باتیں کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔ آخر ۲۴ ہزار ووٹ کسی کے دینے سے ہی پڑا ہے۔ صرف پچاس ووٹوں کی بات ہے۔ انشاء اللہ یہ کمی پوری ہو جائے گی۔ ہم دوبارہ تمام ووٹوں کی گنتی کرا لیتے ہیں اور پھر سرکاری ملازمین کے ووٹوں کی ابھی گنتی ہونا باقی ہے۔ مگر ساتھی مایوسی کی گہرائیوں میں اترے ہوئے تھے۔ انہیں ان باتوں پر کوئی زیادہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ میاں صاحب کو ہم نے تیار کیا کہ صرف اسلام آباد میں چیف الیکشن کمشنر کے پاس ووٹوں کی دوبارہ گنتی کروانے کی درخواست دینے چلنے کو تیار ہو جائیں۔ ان کے ہمراہ شیخ حاکم علی کو گاڑی دے کر روانہ کر دیا۔

ادھر میں نے (ڈسٹرکٹ ریٹرننگ آفیسر) سیشن جج جھنگ آزاد محمد اعوان صاحب سے ملاقات کی۔ (یہ جج اپنی ایمانداری اور اعلیٰ اوصاف میں مشہور ہیں) ان سے میں نے دریافت کیا کہ دو روز بعد جن سرکاری ووٹوں کی گنتی ہونے والی ہے۔ اس میں کون سے سرکاری ووٹ شمار ہونگے۔ جو ووٹ بذریعہ ڈاک الیکشن سے قبل آ چکے ہیں کیا صرف وہی شمار ہونگے؟ یا آخری وقت تک جو پہنچیں گے وہ بھی شمار کیے جائیں گے۔ انہوں نے کہا گنتی کا وقت شروع ہونے سے قبل جو ووٹ بھی بذریعہ ڈاک ملے گا۔ اسے شمار کیا جائے گا۔ اب یہاں سے اٹھ کر حلقہ پی پی ۶۵ کے ریٹرننگ آفیسر سول جج چوہدری محمد بوٹا سے ملاقات کر کے معلوم کیا کہ اس حلقہ کے لئے آپ نے کتنے سرکاری ووٹ سرکاری ملازمین کو جاری کیے ہیں۔ انہوں نے بتایا قریباً ۱۹۰۔ میں نے پوچھا اب تک کتنے واپس آ چکے ہیں۔ جواب ملا قریباً ڈیڑھ صد۔ اگلا سوال یہ تھا کہ آپ اس حلقہ کی سرکاری گنتی کب کر رہے ہیں۔ انہوں

نے کہا کل ۱۰ اکتوبر کو۔

اب ہمارے پاس صرف ۱۸ گھنٹے کا وقت تھا۔ اسی وقت ہم نے اس حلقہ سے بتایا سرکاری ووٹ جمع کرنے کے لئے موٹر سائیکل سوار تیمیس علاقہ میں دوڑا دیں۔ جو رات گئے تک ووٹ تلاش کرتی رہیں۔ علی الصبح ہمیں پانچ ووٹ مل گئے۔ جنہیں ڈاک خانہ کے ملازمین کو دے کر پوسٹ آفس کی مہریں لگوا کر ریٹرننگ آفیسر کی ٹیبل پر پہنچا دیا گیا۔ ادھر دوسری طرف میاں ریاض حشمت صاحب اسلام آباد کا چکر لگا کر رات گئے مایوس ہو کر آچکے تھے۔ میں نے انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور اطمینان دلایا کہ مجھے اللہ کی ذات سے بڑی امید ہے کہ آپ کامیاب ہو جائیں گے۔ اگلے روز سرکاری گنتی میں خود میاں صاحب شریک ہوئے اور دوسری طرف مسلم لیگ کی طرف سے کامیاب ہونے والے رکن اسمبلی محمد اسلم بھروانہ صاحب بیٹھ گئے۔ میاں صاحب کی طرف سے وکیل نے درخواست پیش کی کہ حلقہ کے تمام ووٹوں کی گنتی دوبارہ کرائی جائے۔ مہر محمد اسلم صاحب کے وکیل نے اس کی مخالفت کی اور ریٹرننگ آفیسر صاحب نے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ اب الیکشن میں کاسٹ ہونے والے مسترد شدہ ووٹوں کو نکال نکال کر ان کا بغور جائزہ لیا گیا جس سے دونوں فریقوں کو قریباً برابر مزید کچھ ووٹ مل گئے۔ مہر اسلم بھروانہ صاحب زیادہ دیر نہ بیٹھ سکے۔ اپنے وکیل کو بٹھا کر باہر نکل آئے۔ ادھر ہم بھی سپاہ صحابہؓ کے ساتھیوں کے ہمراہ کچہری میں موجود تھے اور وکلاء لائبریری میں جا بیٹھے۔ جہاں فریق مخالف بھی بیٹھا ہوا تھا۔ عدالت کے دروازے بند تھے کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اندر کی پوزیشن کیا ہے۔ افواہوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ ہر دس منٹ بعد خبر آتی ہے کہ میاں صاحب اندر بیٹھے مسکرا رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میاں صاحب نے انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنایا ہے۔ افواہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے مہر محمد اسلم بھروانہ صاحب کچہریوں سے باہر چلے گئے۔ ادھر دیہاتوں سے آئے ہوئے لوگوں نے واپس جا کر بتایا کہ مولوی کلاشنکوفیں

لے کر عدالت میں بیٹھا ہوا ہے کہ میں ہر حالت میں میاں ریاض حشمت کو کامیاب کرواؤں گا اور جج ڈر چکے ہیں۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ جب کچہری میں رش زیادہ ہو گیا تو پولیس حکام نے ہنگامے کے خطرے کے پیش نظر سب افراد کو باہر چلے جانے کا کہا۔ میں خود وہاں سے اٹھ کر آ گیا اور کچہری روڈ پر ایک فرنیچر کی دکان میں جا کر سو گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ معلوم ہوا کہ پولیس والے ہمارے کارکنوں پر لاٹھی چارج کر رہے ہیں۔ میں نے باہر نکل کر موقع پر موجود مجسٹریٹ اور پولیس حکام کو سختی سے ڈانٹ پلائی کہ تم کیا کر رہے ہو۔ اس طرح مت لوگوں کو تنگ کرو۔ اور عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی ایسی کوشش سخت نقصان دہ ہو گی۔

عشاء کی نماز تک بغیر کسی وقفہ کے گنتی جاری رہی اور کوئی شخص بھی اندر سے باہر نہ آیا کہ صورت حال کا اندازہ ہوتا۔ اب رات گئے خبر ہوئی کہ گنتی مکمل ہو چکی ہے۔ امیدوار اور ان کے وکلاء دستخط کر رہے ہیں۔ ہم عدالت کے سامنے پہنچ گئے۔ جونہی عدالت کا دروازہ کھلا تو میاں ریاض حشمت صاحب باہر آئے اور اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بلند آواز سے نعرہ لگایا "میں جیت گیا ہوں" بس اس نعرے کا سننا تھا کہ کارکنوں نے انہیں گھیر لیا اور کندھوں پر اٹھا لیا۔ عدالت کا احاطہ نعروں سے گونج اٹھا۔ پھر یہ نعرے شہر بھر میں پھیلتے چلے گئے۔ عدالت سے مسجد حق نواز شہید پہنچے اور میاں صاحب کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ میاں ریاض حشمت صاحب صرف دو ووٹوں سے کامیاب ہوئے ہیں۔ یعنی اگر گذشتہ رات کی محنت سے پانچ ووٹ حاصل کر کے نہ بھجوائے گئے ہوتے تو تب بھی تین ووٹوں سے ہار جاتے۔ اب وہ ایک مکمل ممبر صوبائی اسمبلی تھے۔ اس دیر آید درست آید کی خوشی پر جھنگ بھر میں خوشیوں کے شادیانے بج اٹھے۔ پورے علاقے میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ مولوی اعظم طارق نے زبردستی اپنے ہارے ہوئے امیدوار کو جتوا لیا ہے۔

صوبائی اسمبلی کے ضمنی الیکشن کے لئے شیخ حاکم علی کی نامزدگی

۱۶ اکتوبر کو قومی اسمبلی اور ۱۸ اکتوبر کو صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں دونوں سیٹوں پر کامیابی کے بعد میں نے صوبائی اسمبلی کی سیٹ چھوڑ دی۔ جس پر دو دسمبر کو ضمنی الیکشن کرانے کا چیف الیکشن کمشنر نے اعلان کیا۔ اب بڑا کٹھن مرحلہ آ پہنچا تھا کہ اس صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر کسے لایا جائے۔ تین امیدوار ایسے تھے کہ جن کے لئے عوام اور جماعت کے احباب میں سب سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اولاً شیخ حاکم علی صاحب مرکزی صدر سپاہ صحابہؓ ثانیاً محمد یوسف مجاہد مرکزی سیکرٹری جنرل سپاہ صحابہؓ ثالثاً حاجی منیر احمد شاہد، صدر سٹی سپاہ صحابہؓ جھنگ، تینوں حضرات ہی اپنی قربانیوں، مخلصانہ کاوشوں، خداداد صلاحیتوں اور عوامی خدمت کے جذبوں سے سرشار تھے اور بجا طور پر ممبر صوبائی اسمبلی بننے کے اہل تھے۔

قائد سپاہ صحابہؓ کی سرپرستی میں ہماری ان تینوں میں سے کسی ایک کو امیدوار کے طور پر سامنے لانے والی کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ چونکہ مجھے ایسے کئی مواقع پر فیصلہ کرنے کے دشوار گزار مراحل سے واسطہ پڑا ہے۔ اس لئے ایک حقیقت پر مبنی اصول کا تذکرہ کرنا یہاں ضروری سمجھتا ہوں تاکہ ہر ساتھی کو علم ہو جائے کہ ایسے مواقع پر صحیح سمت قدم اٹھانے کے لئے کیا کرنا چاہیے۔

۱۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب بھی کوئی فیصلہ کسی آدمی کو سونپا جائے تو اسے سب سے پہلے اپنی آنکھیں ذاتی مفادات و نقصانات کے حوالے سے بند کر لینی چاہیں۔ یعنی ہرگز ہرگز اس بات کی طرف دھیان نہ دیا جائے کہ میرا فائدہ کس میں ہے۔

۲۔ دوسری بات اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی خدمت ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ دین کا فائدہ کس میں ہے۔

۳۔ جماعت اور عوام کی خدمت کو سامنے رکھا جائے کہ انہیں کس کی ذات سے

زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ان تین باتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر اگر فیصلہ کرنے کی کوشش کی جائے تو نہ صرف بروقت فیصلہ کرنے میں کامیابی ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس فیصلہ کے اثرات دور رس ہوتے ہیں۔ اور کہیں جاکر اس کے نقصانات بھی ظاہر ہوں تو فیصلہ کرنے والا ان نقصانات کے الزامات سے محفوظ رہتا ہے۔ یہی نیت کر کے متذکرہ بالا تینوں حضرات کے بارے میں غور کیا جاتا رہا۔ صورت حال یہ تھی کہ ہر امیدوار اپنی بعض عادات و خصائل اور کمالات و قربانیوں کے لحاظ سے دوسرے سے فائق تھا۔

بالآخر فیصلہ شیخ حاکم علی کے حق میں اس وجہ سے ہوا کہ ان کی طبیعت میں جو عوام کے لئے حد سے زیادہ نرمی و شگفتگی ہے اور چہرے پر ہر لمحہ مسکراہٹ رہتی ہے۔ اس سے عوام کو ان سے مانوس ہونے اور انکا دامن کھینچ کر بلکہ گھسیٹ کر بھی کام لینے میں دشواری نہ ہوگی۔ صحیح بات یہ ہے کہ شیخ حاکم علی صاحب کی یہ عادات ایسی ہیں جن کا اعتراف مخالفین کو بھی ہے۔ تاہم اگر یہ چیزیں حد اعتدال سے آگے نکل جائیں تو سخت نقصان دہ بھی ثابت ہوتی ہیں۔ شیخ حاکم صاحب سے بعد کے دنوں کی کچھ باتوں سے مجھے اور بہت سے حضرات کو برملا اختلاف بھی ہوا۔ لیکن عوامی خدمات جس انداز میں انہوں نے سرانجام دی ہیں اگر اس میں جماعتی فیصلوں کی پابندی کی جاتی اور مفاد پرستوں سے بچایا جاتا تو آج شیخ صاحب ایک اور بڑے مقام پر پہنچ چکے ہوتے۔ آئندہ بھی ان کے لئے بڑے میدان وسیع ہیں وہ اپنے وزارت کے تجربات اور جماعتی زندگی سے سیکھی جانے والی باتوں کو مشعل راہ بنا کر ملک اور عوام کی بڑی خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔

شیخ حاکم علی کی کامیابی

شیخ حاکم علی صاحب کی سپاہ صحابہؓ کی طرف سے نامزدگی ہی کامیابی کی علامت تھی۔ اس لئے لوگوں نے ان کی نامزدگی پر ہی انہیں مبارک باد دی۔ بلکہ جب وہ گھر پہنچے تو ان کی چھوٹی بچی نے کہا۔ "ابا ایم۔ پی۔ اے بن گیا ہیں" اب کاغذات نامزدگی برائے الیکشن کا مرحلہ شروع ہوا تو ایک طرف پیپلز پارٹی کے جمیل انصاری مقابلہ پر تھے۔ دوسری طرف مولانا عبد العلیم یزدانی صاحب اہل حدیث مکتب فکر کے نامور عالم دین اور مولانا حق نواز شہید کے دیرینہ ساتھی مقابلہ پر آ چکے تھے۔ مولانا یزدانی کا مقابلہ پر آنا ہمارے لئے اس وجہ سے تکلیف دہ تھا کہ ان کی سپاہ صحابہؓ کے ساتھ ایک عرصہ تک وابستگی رہی ہے۔ لیکن محض چند مفاد پرست عناصر کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا شکار ہو کر وہ بھی بلدیاتی الیکشن ۹۰ء سے ہی جماعت سے دور ہوتے چلے گئے۔ حتی کہ جب مارچ ۹۲ء کا ضمنی الیکشن ہوا تو وہ وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کی جھنگ آمد پر مسلم لیگ کے امیدوار کی حمایت میں ان کے اسٹیج پر جلوہ افروز ہو گئے۔

اب پھر وہ چند حضرات کی باتوں میں آ کر جماعت کے مقابلہ پر میدان میں اتر آئے ہم نے کوشش کی کہ مولانا یزدانی صاحب عزت سادات کا بھرم نہ کھوئیں اور کسی طرح آمادہ صلح ہو جائیں۔ لیکن مفاد پرستوں نے ان کوششوں کو ہماری کمزوری کا نام دے کر انہیں اور ڈٹ جانے کا مشورہ دیا۔

ادھر جمعیت علماء اسلام فضل الرحمن گروپ کے کچھ مقامی حضرات بھی ان کی پشت پناہی میں مصروف ہو گئے اور بڑی شد ومد سے ان کے اسٹیج پر دھواں دھار تقاریر شروع کر دی گئیں۔ میں نے اپنی ہر تقریر میں یہی کہا کہ آج تک اتفاق و اتحاد کی بدولت جو ہمارا بھرم قائم رہا ہے اور ہر کامیابی پر ہر چھوٹی بڑی دینی جماعت کو یہ احساس ہوتا رہا ہے کہ یہ میری

کامیابی ہے اور ہماری وجہ سے ہوئی۔ اب کہیں اس کا خاتمہ نہ ہو جائے اور الیکشن کی تاریخ گذرنے کے بعد ہر ایک کو اپنا اصل مقام اس طرح نظر نہ آنے لگ جائے کہ خود اسے بھی اس سے شرم محسوس ہو۔ لہٰذا مولانا یزدانی صاحب اور ان کے رفقاء ہمارے ساتھ احسان فرمائیں اور تعاون کریں۔ لیکن وقت گذرتا رہا۔ بالآخر ۲ دسمبر کو جو نتیجہ سامنے آیا۔ اس کے مطابق شیخ حاکم علی ۲۵۰۰۰ ہزار ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے اور مولانا یزدانی صاحب مدظلہ کے ووٹ تین ہزار سے بڑھ نہ سکے۔

الیکشن سے اگلے روز میاں نواز شریف صاحب کا مجھ سے رابطہ

۱۶ اکتوبر ۱۹۹۳ء کے الیکشن میں کوئی بھی سیاسی جماعت واضح اکثریت حاصل نہیں کر سکی تھی۔ پیپلز پارٹی کے پاس (۸۰) اسی کے قریب سیٹیں تھیں اور مسلم لیگ چٹھہ گروپ۔ پی آٹھ سیٹیں ملا کر پی۔ ڈی۔ ایف کے نام سے یہ اتحاد کل ۸۷ یا ۸۸ سیٹیں حاصل کر پایا تھا۔ مسلم لیگ نواز شریف گروپ کی سیٹیں ستر کے قریب تھیں۔ اے۔ این۔ پی اور پختون خواہ کی سیٹیں ملا کر کل تعداد ۷۴ تک بمشکل پہنچی تھی جبکہ حکومت کے حصول کے لئے ۱۰۲ کم از کم ممبران اسمبلی کی ضرورت تھی۔

قومی اسمبلی کے الیکشن کے اگلے روز ہی جھنگ میں مجھے فون آیا کہ میاں نواز شریف صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔ مقصد بڑا واضح تھا۔ میرے سامنے ان کا ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۳ء تک کا اقتدار آ گیا۔ جب وہ کسی سے ملاقات تو درکنار فون پر بات کرنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ خود کو خادم قوم کہلانے والے اقتدار میں آ کر کس طرح فرعون بن جاتے ہیں اور اپنے محسنوں کو بھول کیسے جاتے ہیں۔ پاکستان میں اس بات کی مثالیں ہر طرف بکھری پڑی ہیں۔ میاں نواز شریف کے دور کا ظلم و ستم، سپاہ صحابہؓ کو ختم کرنے کے گھناؤنے انداز

ایک سیاہ تاریخ کی شکل میں ذہن کی سکرین پر نمودار ہونے لگے لیکن اخلاقی اور مذہبی اصولوں کا تقاضا تھا کہ ان کی بات سنی جائے۔ چنانچہ میں نے رسیور کان سے لگایا تو میاں صاحب کی طرف سے الیکشن میں کامیابی پر بھرپور مبارک باد دی گئی اور آئندہ کے لئے مشترکہ طور پر جدوجہد کرنے اور اکٹھے چلنے کی دعوت دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "مولانا.. اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک پر نسوانی حکومت کے منحوس سائے نہ پڑنے دیئے جائیں۔" میاں صاحب جانتے تھے کہ عورت کی غیر شرعی حکومت علماء کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ چنانچہ انہوں نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی میں نے بھی ان کے اس جذبہ کو سراہا اور اسلام آباد پہنچ کر ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔

فون پر گفتگو کے بعد احباب سے مشورہ کیا تو سب کی طرف سے یہی جواب ملا کہ گو... میاں صاحب نے سپاہ صحابہؓ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن پھر بھی اس وقت مسئلہ ملک کی بقاء و سلامتی کا ہے لہٰذا بے نظیر کی نسوانی حکومت کے منحوس سائے سے اس ملک کو بچانے کے لئے مشترکہ جدوجہد کی جانی چاہیے اور کم از کم مذہبی راہنماؤں کو اس سلسلہ میں خاموش نہیں رہنا چاہیے۔

جتوئی ہاؤس میں سیاستدانوں کا اہم اجلاس

الیکشن کمیشن کی طرف سے اسمبلی کی رکنیت کا حلف اٹھانے کی تاریخ کا اعلان ہوتے ہی اسلام آباد کا سفر کیا تو وہاں جمعیت علماء اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمن صاحب نے فون پر بات کی اور مجھے بتایا کہ میں آپ کے پاس آرہا ہوں آپ تیار رہیں کہیں چلنا ہے۔ چنانچہ میں ایم۔این۔اے ہاسٹل سے جیسے ہی باہر آیا تو مولانا فضل الرحمن کو اپنے انتظار میں کھڑے پایا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ آئندہ کے لائحہ عمل اور حکومت سازی کے لئے جوڑ توڑ جاری ہے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کی رہائش گاہ پر میاں نواز شریف بھی پہنچ رہے ہیں اور کئی

دیگر سیاستدان بھی وہاں موجود ہیں۔ آپ میرے ہمراہ وہاں چلیں۔

میں نے متحدہ دینی محاذ کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا تھا۔ اس محاذ کے پاس قومی اسمبلی کی دو نشستیں تھیں۔ میں اس محاذ کا نمائندہ ہونے کے ناطے ان کے ہمراہ جتوئی ہاؤس پہنچا تو وہاں نواب زادہ نصراللہ خان، نواب اکبر بگٹی اور جتوئی صاحب کو موجود پایا۔ دوسری طرف ایک کمرہ میں فاٹا کے سات ممبران اسمبلی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس اثناء میں میاں نواز شریف پہنچ گئے تو ہم لوگ ایک اور کمرہ میں مل بیٹھے۔ اس وقت ہم کل چھ حضرات تھے۔ میاں محمد نواز شریف، نوابزادہ نصراللہ خاں، غلام مصطفیٰ جتوئی، اکبر بگٹی، مولانا فضل الرحمن اور راقم۔

بات چیت کا آغاز کچھ اس طرح ہوا کہ اس وقت ہم سب لوگ جو یہاں جمع ہیں۔ ہمارا مشترکہ ہدف بے نظیر کی حکومت کے مقابلہ میں مشترکہ محاذ کے ذریعہ حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ چنانچہ اس وقت قومی اسمبلی کے ووٹوں کی تعداد کی صورت حال یہ ہے کہ مسلم لیگ (ن) گروپ بمع اے۔ این۔ پی و پختون خواہ پارٹی ۷۴ سیٹیں ہیں فاٹا کے سات ارکان باہر بیٹھے ہیں۔ جمعیت علماء اسلام کے چار ارکان۔ متحدہ دینی محاذ کے دو ارکان نواب زادہ نصراللہ خان، غلام مصطفیٰ سردار بلخ شیر مزاری اور اکبر بگٹی سمیت سات سیٹیں ہیں۔ کل بیس سیٹیں یہ ہوئیں۔

اسلامک فرنٹ کے تین ارکان ہیں اگرچہ قاضی حسین احمد صاحب نے وزیر اعظم و سپیکر ڈپٹی سپیکر کے الیکشن میں غیر جانبدار رہنے اور کسی کو بھی ووٹ نہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ لیکن ان سے رابطہ کر کے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں کل ۹۷ ووٹ ہو گئے۔ اب صرف چھ ووٹوں بلکہ سردست پانچ ووٹوں سے ہی کام بن جائے گا۔ اس لئے اقلیتی نشستوں پر کامیاب ہونے والوں سے تعاون لیا جا سکتا ہے۔ میاں نواز شریف صاحب نے کہا اقلیتی ارکان اسمبلی سے میرا رابطہ ہے۔ آپ یہ سمجھیں کم از کم چھ ووٹ

ان سے میں حاصل کرلونگا۔ غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب نے کہا کہ اگر کوئی کمی بیشی ہے تو مجھے بتائیں سندھ سے پیپلزپارٹی کے دو چار ووٹ خفیہ طور پر حاصل کرسکتا ہوں لیکن میاں نواز شریف صاحب کا کہنا تھا کہ اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

بے نظیر کی حکومت کا راستہ کس نے ہموار کیا؟

جتوئی ہاؤس میں اس چھ رکنی اجلاس میں اعداد و شمار کی صورت حال کو اطمینان بخش قرار دینے کے بعد اب اس اصل بات کا آغاز ہوا جو بے نظیر حکومت کی آمد کا باعث ہوئی۔ مولانا فضل الرحمٰن اور نواب زادہ کا کہنا تھا کہ جو قوتیں صرف تین ماہ قبل میاں نواز شریف صاحب کو وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دینے پر مجبور کرچکی ہیں وہ اب بھی موجود ہیں لہذا وہ میاں صاحب کو قبول نہیں کریں گی۔ اس لئے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر تو مسلم لیگ ہی کے کامیاب کرائے جانے چاہئیں۔ لیکن وزارت عظمیٰ کے لئے ہمیں میاں صاحب کے علاوہ کسی اور سیاستدان کو سامنے لانا چاہیے۔ اس پر میاں نواز شریف صاحب نے کہا مجھ سے چیف آف آرمی سٹاف جنرل عبد الوحید کاکڑ نے گذشتہ روز بات کی ہے کہ یا بینظیر صاحبہ حکومت بنالیں یا آپ خود حکومت بنائیں۔ تیسرا کوئی شخص ہمیں قبول نہیں ہوگا۔

میاں صاحب کی اس بات کے جواب میں کہا گیا کہ جب ہم اور آپ مل کر چلیں گے اور مشترکہ طور پر کسی کو سامنے لائیں گے تو پھر کسی طرف سے مخالفت کا خطرہ نہیں ہوگا۔

اس موقع پر میں نے پہلی دفعہ سردار اکبر بگٹی کا مخصوص لہجہ سنا۔ انہوں نے کہا۔ "ہم نہ بے نظیر کو مانتا ہے اور نہ تم کا مانتا ہے۔ تم دونوں ایک جیسے ہو۔ اس لئے کسی اور کو موقع ملنا چاہیے۔"

بگٹی صاحب کی تلخ نوائی پر نہایت قریب بیٹھ کر میاں صاحب کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو بھی دیکھا جو اچانک کنو مالٹے کی طرح زرد ہو چکا تھا۔ ان کی اس کیفیت کو سب

حضرات نے محسوس کیا۔ اجلاس اس بات پر برخواست ہو گیا کہ سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے الیکشن کے موقع پر کل ووٹ مسلم لیگی امیدواران کو دیئے جائیں گے۔ اس پہلی کامیابی کے بعد سیاسی ماحول بالکل بدل جائے گا۔ پھر بیٹھ کر وزارت عظمیٰ کے لئے مشورہ کریں گے۔"
کمرے سے جب باہر نکلے تو میاں صاحب کی حالت اس قدر پریشان کن تھی کہ انہیں اپنی گاڑی تک پہنچنے کا راستہ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ یعنی وہ بالکل حواس باختہ ہو چکے تھے اور جب فاٹا والوں سے ہم ملے تو انہوں نے کہا کہ دیکھیں ہماری طرف پیپلز پارٹی کے پیغامات آ رہے ہیں اگر آپ کے ووٹ پورے نہیں ہو رہے ہیں تو ہمیں خراب نہ کریں کیونکہ حکومت وقت کا ساتھ دینا ہماری مجبوری ہے لیکن انہیں یقین دلایا گیا کہ ووٹ ہمارے پاس ہی زیادہ ہیں حکومت اسی اتحاد ہی کی بنے گی۔
اگلے روز جب سپیکر ڈپٹی سپیکر کا الیکشن ہو رہا تھا تو میاں نواز شریف مجھ سے اگلی لائن میں اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور تجسس سے ووٹنگ اور پھر گنتی کے عمل کو دیکھتے رہے۔ سپیکر کے الیکشن کا نتیجہ یہ رہا کو ہر ایوب صاحب امیدوار مسلم لیگ ۹۰ ووٹ، سید یوسف رضا گیلانی امیدوار پیپلز پارٹی ۱۰۵ ووٹ، اسلامک فرنٹ کے تینوں ارکان نے ووٹ کاسٹ نہ کیا اور مسلم لیگ کے چار ارکان قومی اسمبلی، میاں شہباز شریف، ہمایوں اختر عبدالرحمن، گوجر خان سے منتخب رکن چوہدری ریاض کے علاوہ ایک اور مسلم لیگی رکن اسمبلی ایوان سے غائب تھے۔

گویا کہ میاں نواز شریف صاحب نے نہ تو اسلامک فرنٹ سے رابطہ کیا نہ اقلیتی ووٹ حاصل کیے اور نہ ہی مسلم لیگ کے ووٹ حتیٰ کہ اپنے بھائی کا ووٹ بھی کاسٹ نہ کرایا جبکہ سابق الذکر پانچوں سیاستدانوں اور فاٹا کے ارکان نے حسب وعدہ ووٹ مسلم لیگ کے امیدواروں کو کاسٹ کیے۔ جب نتیجہ سب کے سامنے آ گیا تو چند منٹوں بعد ہی ڈپٹی سپیکر کے الیکشن میں فاٹا کے ارکان اور کئی دیگر ممبران و سیاستدان پلٹا کھا گئے اور ڈپٹی سپیکر

صاحب کے عہدے کے لئے ظفر علی شاہ امیدوار پیپلزپارٹی نے ۱۱۶ ووٹ حاصل کیے اور مسلم لیگ کے امیدوار نواز کھوکھر صاحب نے کل ۷۹ ووٹ حاصل کیے۔ یوں بے نظیر کی وزارت عظمیٰ کا راستہ صاف ہوگیا۔ اس پورے واقعہ کی تفصیلات کے بعد ہر شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کس طرح محض اپنی ذات کو فائدہ نہ پہنچنے کے اندیشہ میں میاں نواز شریف نے ملک کی باگ ڈور بے نظیر کے ہاتھ میں تھما دی۔

آج میاں صاحب پھر وزیر اعظم بن کر بے نظیر کی کرپشن اور لوٹ کھسوٹ پر واویلا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نے ملک کو تباہ کرکے رکھ دیا اور قومی خزانہ لوٹ کر سوئٹزر لینڈ کے بینکوں میں جمع کرا دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اسے اس تخت اقتدار پر لانے والا کون ہے؟

بے نظیر کے وزیر اعظم منتخب ہونے کے موقع پر میرا قومی اسمبلی میں داخل ہونے سے انکار

سپیکر و ڈپٹی سپیکر کے انتخاب کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی کہ اب بے نظیر صاحبہ واضح اکثریت کے ساتھ وزیر اعظم منتخب ہو جائے گی۔ چنانچہ یہی ہوا وہ ایک صد بیس کے لگ بھگ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں اور میاں صاحب کل ۷۱ ووٹ حاصل کرپائے۔ میں نے اخبارات میں اعلان کر دیا کہ میں نہ صرف اس الیکشن میں حصہ نہیں لونگا بلکہ جس موقعہ پر ایک یورپی کلچر کے رنگ میں رنگی ہوئی خاتون منتخب ہو رہی ہوگی اس وقت ایوان میں بھی نہیں بیٹھوں گا۔

ہے تب و تاب خودی، ہر دور میں اپنا اصول
ہم غلامی غیر کی کرتے نہیں ہرگز قبول

صرف بندے ہیں خدا کے، ہم غلامانِ رسولؐ
ٹوٹ بھی جائیں تو کیا اپنوں سے بیگانے ہیں ہم
توحید کی تسبیح کے بکھرے ہوئے دانے ہیں ہم

یہ اعلان اور پھر ایوان میں نہ جانا وہ انتہائی قدم تھا کہ جس کی وجہ سے اول روز ہی سے بے نظیر حکومت کے مخالفین کی ہٹ لسٹ پر آ گیا۔ جبکہ دیگر مذہبی جماعتوں نے بھی ووٹ کسی کو نہ دیا لیکن اس موقعہ پر ایوان میں موجود رہیں۔ پھر آگے چل کر اہل حق کی خود کو نمائندہ کہلانے والی جماعتیں محترمہ کا قرب حاصل کرتی چلی گئیں اور اہم عہدے و مفادات کے حصول میں مصروف ہو کر عزت سادات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔

وزارت اعلیٰ کے مسئلہ پر منظور احمد وٹو کی مخالفت اور پھر حمایت

میاں منظور احمد وٹو مسلم لیگ نواز شریف کے ان اہم لوگوں میں سے تھے جو عرصہ آٹھ نو سال تک مسلم لیگ کی طرف سے پنجاب اسمبلی کے تین مرتبہ سپیکر منتخب ہوتے رہے۔ صدر غلام اسحٰق خان نے اپریل ۱۹۹۳ء میں جب میاں نواز شریف کی حکومت مرکز میں ختم کی تو وٹو صاحب نے غلام اسحٰق خان سے رابطہ کر کے انہیں قائل کیا کہ وہ پنجاب اسمبلی توڑنے کا گورنر کو حکم نہ دیں۔ میں خود وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پاس کرا کر وزیر اعلیٰ منتخب ہو جاتا ہوں اور آپ کا وفادار رہوں گا۔ چنانچہ پھر وہ چند ہی روز میں خوبصورتی کے ساتھ یہ کھیل کھیل کر وزیر اعلیٰ بن گئے۔

اس دوران سپریم کورٹ نے قومی اسمبلی بحال کر دی تو مرکز صوبہ میں شدید کشمکش جاری ہو گئی۔ جو بالآخر صدر غلام اسحٰق اور میاں نواز شریف کے جانے اور ملک میں نئے انتخاب ہونے پر منتج ہوئی۔

جن دنوں میں میاں منظور احمد وٹو نے مسلم لیگ سے بغاوت کی تھی۔ ان دنوں مسلم لیگ نے وٹو کے قادیانی ہونے کی وہ تحریک چلائی اور ایسے ایسے ثبوت پیش کیے کہ انسان دنگ ہو کر رہ جاتا۔

بدقسمتی سے وٹو صاحب کے والد نہ صرف قادیانی تھے بلکہ قادیانیوں کے مربی کے مقام سے بھی بڑا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ احمدیہ فنڈز میں منظور احمد وٹو کی طرف سے سالانہ فنڈز دینے کی رسیدات تک منظر عام پر آ گئیں۔

اب جب اکتوبر ۱۹۹۳ء کے الیکشن کے بعد وٹو صاحب مسلم لیگ جونیجو گروپ ۱۸ ارکان اسمبلی کو ساتھ ملا کر پی پی کی حمایت حاصل کر کے آزاد ارکان سے توڑ جوڑ میں مصروف تھے تاکہ دوبارہ وزارت علیا کے منصب پر فائز ہو سکیں۔ قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی نے پریس کانفرنس میں اعلان کر دیا کہ وہ ہر صورت ایک قادیانی شخص کو وزارت علیہ تک پہنچنے سے روکیں گے تمام اخبارات نے بالعموم اور نوائے وقت نے بالخصوص اس بیان کو زبردست انداز میں بڑی سرخی کے ساتھ شائع کیا۔

اس اعلان کا شائع ہونا تھا کہ میاں منظور احمد وٹو اپنے کچھ دوستوں کے ہمراہ پنجنبہ ہاؤس لاہور میں قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی سے ملاقات کرنے جا پہنچے اور انہیں کہا کہ میں آپ کی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ گو کہ میرا والد قادیانی ہے مگر میں مسلمان ہوں۔ جہاں تک قادیانیوں کو فنڈز دینے کی رسید کا تعلق ہے وہ میرے والد نے میرے نام پر ایک مرتبہ دیا تھا اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر خواجہ خان محمد صاحب بھی میرے مسلمان ہونے کی تصدیق کر چکے ہیں۔ اب صورت حال خاصی تعجب انگیز تھی کہ ایک شخص سامنے بیٹھ کر خود کو قادیانیت سے لاتعلق ثابت کرتا ہے تو پھر کیوں نہ اعتماد کیا جائے۔ چنانچہ قائد سپاہ صحابہؓ نے انہیں ایک تحریر لکھ کر دینے کو کہا جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کرنے کا اعلان ہو اور خود اپنی ذات کی صفائی کے ساتھ ساتھ ختم نبوت پر پختہ ایمان کا

اقرار ہو۔ وٹو صاحب نے فوری وہ تحریر تیار کرا کر دستخط کر دیئے اور ساتھ مطالبہ کیا کہ اب میری حمایت بھی کی جائے۔

انہیں بتایا گیا کہ آپ کی حمایت کا فیصلہ جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ اخبار میں وٹو صاحب کی اس تحریر کا عکس شائع کرا کر قائد سپاہ صحابہؓ نے اپنے سابقہ اعلان کو واپس لے لیا اور ادھر جماعت کی شوریٰ نے فیصلہ کر دیا کہ پنجاب کی سطح پر وٹو کو وزیر اعلیٰ بنانے میں مدد دی جائے اور اپنا ووٹ (میاں ریاض حشمت) ان کے حق میں استعمال کیا جائے۔

یوں اول روز ہی پنجاب میں سپاہ صحابہؓ منظور احمد وٹو صاحب کی حامی ہو گئی اور اگلے چند روز میں وہ وزیر اعلیٰ بھی منتخب ہو گئے۔

وزیر اعظم بے نظیر سے میری پہلی یادگار ملاقات اور کھری کھری باتیں

چونکہ بے نظیر کی وزارت عظمیٰ کے اول روز سے ہی میرا رویہ نسوانی حکومت کے ساتھ سخت تھا۔ اس لئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کا یا حلقے کا کوئی معمولی سے معمولی کام بھی ہوتا تو وزراء اور افسران ٹرخا دیتے۔ وفاقی وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کو اپنی اور قائد سپاہ صحابہؓ کی سیکورٹی کے لئے کلاشنکوفوں کے لائسنس کے لئے درخواست دی تو انہوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ وزیر اعظم سے بات کریں۔ جھنگ میں سوئی گیس کی پائپ لائن بچھانے کا کام روک دیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں وفاقی وزیر پیٹرولیم انور سیف اللہ صاحب سے بات کی تو انہوں نے کہا وزیر اعظم سے بات کریں۔ غرض کہ جو کام بھی عوامی سماجی رفاہی کرانے کے لئے کسی ادارہ سے رجوع کیا جائے تو جواب یہی ہے کہ "اوپر" رابطہ کریں۔ وفاقی وزراء ایک عام سے تبادلہ کے آڈر جاری کرنے تک کے روادار نہ تھے۔ یہ سب کچھ ایک طے شدہ پالیسی کا حصہ تھا اور میں نے بھی سوچ لیا کہ کچھ بھی ہو بے نظیر کے سامنے میں

ملاقات کی درخواست نہیں کروں گا۔ ادھر صدر مملکت کے الیکشن کا وقت قریب آ رہا تھا اور پیپلز پارٹی اپنے صدارتی امیدوار فاروق احمد لغاری کے حق میں ممبران اسمبلی سے رابطے کر رہی تھی۔ ایک روز اسمبلی کے اندر وفاقی وزیر خالد کھرل خان نے میری نشست پر آکر کہا کہ محترمہ وزیراعظم صاحبہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں " آپ وہاں سامنے ان کی نشست کے متصل دوسری نشست پر آجائیں۔ میں نے جواب دیا کہ اس طرح ساتھ والی نشست پر بیٹھ کر ملاقات کرنا کم از کم میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ اگر وہ ملاقات کی خواہش مند ہیں تو وزیراعظم ہاؤس کا وقت طے کر لیں۔

چنانچہ اجلاس ختم ہونے سے قبل ہی اگلے دن کا وقت طے کر دیا گیا اگلے روز جب میں وزیراعظم ہاؤس پہنچا تو ایک بڑے کمرے میں بے نظیر صاحبہ سے ملاقات میں درج ذیل بات چیت ہوئی۔ جو قومی اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔

محترمہ بے نظیر صاحبہ: مولانا آپ نے نہایت کم عمری میں سیاست کا یہ سفر کیسے طے کیا ہے اور آپ کی جماعت بھی بڑی تیزی سے مقبول ہوئی ہے۔

میرا جواب: دراصل ہمارا موقف اس قدر حقیقت اور سچائی پر مبنی ہے کہ جو ہر شخص کو آسانی سے سمجھ آجاتا ہے۔ ہم نظام خلافت راشدہ کا نفاذ چاہتے ہیں

محترمہ بے نظیر صاحبہ: میں بھی اسلام کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ آپ میرا تعاون کریں

میرا جواب: پھر آپ استعفیٰ دے دیں کیونکہ اسلام میں عورت کی حکمرانی جائز نہیں اور جو خدمت آپ اسلام کے دائرہ کار میں رہ کر کر سکتی ہیں وہ کریں۔

محترمہ بے نظیر صاحبہ: مولانا اسلام میں تو وسعت ہے اتنی سختی نہیں ہے

میرا جواب: اسلام میں تو کیا کسی آسمانی شریعت میں اللہ نے کوئی نبی عورت نہیں بنائی اور کسی نبی کا خلیفہ عورت نہیں بنی اور آپ تو شیعہ ہیں شیعہ مذہب میں بھی پہلا امام حضرت

علیؓ کو مانا گیا ہے۔ حضرت فاطمہ کو نہیں۔

محترمہ بے نظیر صاحبہ: نہیں میں شیعہ نہیں ہوں۔ میں حنفی سنی ہوں۔ میرے والد بھی حنفی سنی تھے۔ (حنفی سنی کا دعویٰ سن کر حیران رہ گیا) ہاں میری والدہ اور آصف شیعہ ہیں۔

میرا جواب: شیعہ سنی کا تو نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔

محترمہ بے نظیر صاحبہ: مولانا آپ ایسی بات نہ کریں ہمارے تو بچے بھی ہیں

میں نے کہا: دراصل شیعہ کے عقائد اہلسنت سے بالکل مختلف ہیں۔ اب آپ خود سوچیں کہ ایران کے خمینی صاحب نے اپنی کتاب میں حضرت ابوبکر حضرت عمرؓ کو کافر و زندیق لکھا ہے۔ تو وہ خود کیسے مسلمان ہو سکتا ہے۔ اس طرح شیعہ صحابہؓ کرام پر تبرا کرتے ہیں۔ عقیدہ امامت کے پیروکار ہیں جسے اہلسنت کفر سمجھتے ہیں۔

محترمہ بے نظیر صاحبہ: اگر خمینی صاحب نے یہ باتیں کی ہیں تو بہت غلط کیا ہے۔ وہ لوگ (یعنی حضرت ابوبکر و عمرؓ) تو بڑے اچھے لوگ تھے۔ ویسے میں بھی خمینی کو Liak لائق نہیں کرتی ہوں کیونکہ اس کی وجہ سے عالم اسلام میں آپس میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔

ان باتوں کے علاوہ ملکی اور صدارتی الیکشن کے حوالہ سے باتیں ہوئیں پھر کلاشنکوفوں کے لائسنسوں کی بات ہوئی جس کے انہوں نے فوراً آرڈر کر دیئے اور جھنگ میں سوئی گیس کے کام کو جاری کرنے اور ترقیاتی فنڈز جاری کرنے کا حکم بھی جاری کیا۔

اس ملاقات سے یہ احساس نمایاں ہوا کہ سردست بے نظیر صدارتی الیکشن کے باعث دینی جماعتوں کے راہنماؤں سے اپنی پالیسی میں نرمی پیدا کر چکی ہیں اور ایسا کوئی اشارہ نہیں دینا چاہتی ہیں جس سے دینی جماعتیں ان سے بدگمان ہوں۔

اس ملاقات سے اگلے روز قومی اسمبلی میں آصف زرداری میرے پاس آئے اور کہا آپ نے بی بی کو کیا کہا ہے۔ میں نے حیرت سے پوچھا کیا بات ہوئی ہے؟ کس بارے میں

پوچھ رہے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ آپ نے کہا کہ تمہارا نکاح نہیں ہوا ہے۔ میں نے کہا کیا آپ شیعہ نہیں ہیں؟ تو زرداری بولے کہ ہاں میں شیعہ ہوں مگر میں تبرا نہیں کرتا ہوں۔ میں اہل بیتؓ کی محبت میں شیعہ ہوا ہوں حالانکہ میرا والد اور خاندان سنی ہے۔ میں نے کہا ایک بات تو آپ نے تسلیم کرلی کہ شیعہ تبرا کرتے ہیں شیعہ کے کفر کے اور بھی کئی اسباب ہیں۔ جہاں تک آپ نے اہل بیتؓ کی محبت میں شیعہ ہونے کی بات کی ہے آخر وہ کونسی محبت ہے جو اہلسنت اہل بیتؓ سے نہیں کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں میں حافظ قرآن ہوں۔ نمازی ہوں اور صورتاً اہل بیتؓ کی تعلیمات کا پابند ہوں۔ آخر وہ کون سا ایسا محبت کا عنوان ہے جس نے آپ کو سنی سے شیعہ بنا دیا ہے۔ تو زرداری نے کہا میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتا ہوں۔

صدارتی الیکشن اور فاروق لغاری کی کامیابی میں مسلم لیگ کا اہم کردار

نومبر ۹۳ء میں صدارتی الیکشن کا مرحلہ آ پہنچا تو ایک طرف پیپلز پارٹی نے اپنے امیدوار فاروق لغاری کو میدان میں اتارا دوسری طرف مسلم لیگ نے چیئرمین سینٹ وسیم سجاد صاحب کو میدان میں امیدوار بنا کر لا کھڑا کیا۔ مقابلہ سخت اور کانٹے دار تھا۔ مسلم لیگ کے پاس سینٹ میں پیپلز پارٹی سے زیادہ ووٹ تھے اور وہ قومی اسمبلی میں ووٹوں کی کمی کو ایک مرتبہ پھر دینی و مذہبی جماعتوں کے علاوہ ایم۔ کیو۔ ایم اور بلوچستان کی جمہوری وطن پارٹی کو ساتھ ملا کر یہ الیکشن آسانی سے جیت سکتی تھی لیکن آخر وقت تک میاں نواز شریف صاحب کی سرد مہری اور عدم دلچسپی نے وسیم سجاد صاحب کی پوزیشن کو از حد کمزور کر دیا بلکہ الیکشن سے صرف ۱۲ گھنٹے قبل جب مولانا سمیع الحق صاحب (صدر متحدہ دینی محاذ) کے فلیٹ پر میاں نواز شریف وسیم سجاد صاحب جنرل مجید ملک صاحب آئے تو میں خود وہاں موجود تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ فاروق لغاری کا مقابلہ کرنے کے لیے

نواب زادہ نصراللہ صاحب کی حمایت کی جائے: میں نے کہا آپ الیکشن ہار چکے ہیں۔ پوچھنے لگے کیوں؟ میں نے کہا آپ نے نوابزادہ صاحب کو امیدوار بنانے کا جو ابھی فیصلہ کیا ہے اس سے خود آپ کے حلقوں میں یہ بات عام ہو گئی ہے کہ ہماری پوزیشن کمزور ہے۔ آپ کے انتہائی ذمہ دار ممبران اسمبلی فاروق لغاری صاحب کو ووٹ دینے کا یقین دلا چکے ہیں۔ نتیجہ آپ کے سامنے آنے والا ہے۔

ابھی ہم اس مجلس سے جدا نہ ہوئے تھے کہ فون پر معلوم ہوا کہ نواب زادہ نصراللہ نے فاروق لغاری صاحب کے مقابلہ میں الیکشن لڑنے سے انکار کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ خبر بھی مل گئی کہ جمہوری وطن پارٹی کے سربراہ اکبر بگٹی نے فاروق لغاری کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ تو اب میاں صاحب کہنے لگے ٹھیک ہے ہمارا امیدوار وسیم سجاد ہی ہے آپ ان کی حمایت کریں۔ دراصل نواب زادہ نصراللہ خان صاحب کو اس لئے لایا جا رہا تھا کہ اکبر بگٹی ان کی حمایت کر دے گا اور دینی جماعتیں بھی ان کو ووٹ دے دیں گی۔ ایم۔ کیو۔ ایم بھی ان پر راضی ہو جائے گی۔ مگر اس وقت تک پانی سر سے گذر چکا تھا۔ چنانچہ صرف قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ ووٹوں کا جو نتیجہ سامنے آیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وسیم سجاد صاحب کو مسلم لیگ کے کم از کم تیس ووٹ نہیں ملے۔ اسی روز فاروق لغاری، آصف زرداری اور آفتاب شیرپاؤ مولانا سمیع الحق صاحب کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ جن سے ایک تحریری معاہدہ طے پایا کہ وہ اسلام کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات کریں گے۔ ناموس صحابہؓ بل منظور کریں گے۔ پنجاب اور سرحد سے سینٹ کی ایک ایک سیٹ پر دینی محاذ کے نمائندہ کو دلائیں گے۔ اس معاہدہ پر مولانا سمیع الحق سینیٹر، مولانا شہید احمد رکن قومی اسمبلی اور میرے دستخط تھے۔ دوسری طرف متذکرہ بالا تینوں پیپلز پارٹی کے سرکردہ لیڈروں کے دستخط تھے۔ اس معاہدہ کے ضامن پنجاب کے وزیر اعلیٰ منظور احمد وٹو تھے کیونکہ پنجاب میں ہماری جماعت ان کی حلیف تھی۔

برطانیہ کا پہلا دورہ اور ناموس صحابہؓ واہلبیت بل کی تیاری

۱۰ فروری ۱۹۹۴ء کو پہلی مرتبہ سپاہ صحابہ برطانیہ کی دعوت پر برطانیہ کے دورے پر جانے کا موقع ملا۔ کئی شہروں میں پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے۔ اس دورے کا ایک مقصد مفکر اسلام علامہ خالد محمود صاحب سے مانچسٹر کی "اسلامک اکیڈیمی" جا کر ملنا تھا اور انہیں تیار کرنا تھا کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں آئمہ مجتہدین کی آراء کے تحت گستاخان صحابہؓ واہل بیت کے لئے شرعی سزاء تجویز کرنے کے لئے ایک مسودہ تیار کردیں چنانچہ حضرت نے اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس فرماتے ہوئے قریباً ایک ہفتہ کے اندر اندر ایک جامع مسودہ تیار فرمایا۔ جسے لے کر میں واپس پاکستان آیا اور پاکستان کے جید علماء کرام اور مفتیان عظام کے سامنے اسے پیش کیا۔ معمولی سے ردوبدل کے ساتھ اسے علماء کی ایک بڑی تعداد نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ اس کی بھرپور تائید کی۔ علماء کرام کی تائید حاصل کرنے کے بعد یہ مسودہ لاہور میں سپاہ صحابہؓ کی مجلس شوریٰ کے لاہور میں اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا اور اسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے کی منظوری دی گئی۔

ناموس صحابہؓ واہل بیت بل قومی اسمبلی میں

میاں نواز شریف صاحب کے سابقہ دور میں جو ناموس صحابہؓ واہلبیت بل پیش کیا گیا تھا۔ وہ مختصر عبارت پر مشتمل تھا۔ اگرچہ وہ بل بھی ممتاز پارلیمنٹرین کی آراء سے مرتب کیا گیا تھا۔ خصوصاً اس کی ڈرافٹنگ میں راجہ ظفرالحق صاحب موجودہ وزیر مذہبی امور کا بڑا دخل تھا لیکن اب بے نظیر کے دور حکومت میں جو بل قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ یہ ایک مستند و مفصل عبارت پر مشتمل تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب یہ بل کسی ممبر اسمبلی کو پڑھنے کے لئے دیا جاتا۔ تو وہ بڑے شوق سے

اس بل پر دستخط کر دیتا۔ اس بل پر نواب زادہ نصراللہ جیسے سیاستدان، اعجاز الحق، جاوید ہاشمی جیسے لوگوں کے دستخطوں کے علاوہ جمعیت علماء اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمن کے علاوہ باقی تینوں ارکان، جماعت اسلامی کے کل تینوں ارکان، فاٹا کے پانچ ارکان، مسلم لیگ کے قریباً چالیس سے زائد ارکان اور پیپلز پارٹی جو کہ برسراقتدار پارٹی تھی اس کے دو درجن کے قریب ارکان اسمبلی نے دستخط کر دیئے اور یوں ۷۵ سے اسی کے درمیان ممبران اسمبلی کی طرف سے یہ مشترکہ بل اسمبلی میں پیش کر دیا گیا۔

قومی اسمبلی کے ضابطہ کے مطابق اس طرح کے پرائیویٹ طور پر پیش کیئے جانے والے بل ہفتہ بھر میں صرف ایک روز (پرائیوٹ ڈے کے موقع پر) پیش کیے جاتے ہیں اور اس روز کئی دیگر پرائیویٹ بلوں کے باعث ایجنڈا اجلاس کافی طویل ہوتا ہے۔ ایجنڈے کی ترتیب قرعہ اندازی سے ہوتی ہے جس کے باعث جو بل شروع میں آ جاتے ہیں ان پر بحث ہو جاتی اور وہ منظور یا نامنظور ہو جاتے ہیں باقی رہ جاتے ہیں۔

اس لئے یہ بل مسلسل پانچ ماہ تک اسمبلی کے اجلاسوں میں پرائیویٹ ڈے کے موقع پر ایجنڈے کے شروع میں نہ آسکنے کے باعث منظوری کے لئے پیش نہ کیا جا سکا۔

سینٹ کا الیکشن اور پیپلز پارٹی کا معاہدے سے انحراف

برطانیہ سے واپسی پر پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور صدر مملکت فاروق لغاری سے رابطہ کر کے انہیں یاد دلایا کہ آپ نے صدارتی الیکشن کے دوران پنجاب و سرحد سے سینٹ کی ایک سیٹ کا معاہدہ کیا ہے۔ لہٰذا اسے ایفاء کیا جائے تو یہ سب لوگ اپنی بے بسی کا اظہار کرنے لگے کہ فیصلہ تو محترمہ نے کرنا ہے لیکن اس وقت ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا ہمیں محترمہ بے نظیر پر تو پہلے بھی اعتماد نہ تھا اس لئے ہم نے آپ تین ذمہ دار لوگوں سے تحریری معاہدہ کیا ہے۔ اب آپ بھی اس بات کو عملی طور پر ثابت کر رہے ہیں کہ آپ

کے نزدیک وعدے کا ایفا اور معاہدے کا پاس کوئی اخلاقی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ ادھر جب وٹو صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب کو ان کی ضمانت یاد دلائی تو وہ بھی آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ تاہم انہوں نے اس کا قدرے ازالہ میاں ریاض حشمت جنجوعہ کو اپنا مشیر اور شیخ حاکم علی صاحب کو پارلیمانی سیکرٹری بنانے کی صورت میں کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ سینٹ کے امیدوار کے طور پر متحدہ دینی محاذ کی طرف سے قائد سپاہ صحابہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی نے کاغذات نامزدگی داخل کرائے تھے پھر واپس لے لئے۔

پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں آزادی کشمیر کے موضوع پر پر جوش تقریر

سوچتا ہوں اس جہاں میں کوئی حد ہے ظلم کی؟
بے بسی مظلوم کی گویا سند ہے ظلم کی
ظلم پر خاموش رہنا بھی مدد ہے ظلم کی

مجلس اقوام عالم کو بتاؤں کس طرح
میں نہیں عیسیٰ، تو مردوں کو جگاؤں کس طرح؟

جو ترے سورج بجھائیں، ان کی آنکھیں پھوڑ دے
جو ترا سودا کریں، وہ ہاتھ بڑھ کے توڑ دے
خوف دنیا اس طرح بن، خوف دنیا چھوڑ دے

تیرے ہاتھوں میں ترے انصاف کی شمشیر ہے
تیرا حق خود ارادیت تیری تقدیر ہے

چھوٹ، جیسے چھوٹتے ہیں دامِ ظلمت کے اسیر
ٹوٹ، جیسے ٹوٹتے ہیں رات پر شعلوں کے تیر
جاگ، جیسے جاگتے ہیں اہل غیرت کے ضمیر

کوئی شعلہ، گوشہ تاریک میں ملتا نہیں
صبح آزادی کا سورج بھیک میں ملتا نہیں

○

بے نظیر حکومت نے کشمیر کاز پر پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس طلب کیا تاکہ متفقہ طور پر کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ چنانچہ اس موقعہ پر پارلیمنٹ کے اس اہم اجلاس میں ایکی مدلل اور پر جوش تقریر کرنے کا موقع ملا جسے قومی اخبارات اور عالمی ذرائع ابلاغ نے خوب سراہا۔ اس تقریر میں جہاں کشمیر کی حالت زار کر بیان کیا گیا وہاں کشمیر کے مظلوموں کی عملی مدد پر بھی زور دیا گیا اور ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لانے کی تجویز دی گئی چنانچہ اس تجویز کی حمایت میں اور بھی مقررین نے اپنی تجاویز پیش کیں۔ بالاخر یہ کشمیر کمیٹی کے قیام کی قرار داد پر منتج ہوئیں۔

قرارداد پاس کیے جانے کے باوجود عرصہ تک حکومت نے کمیٹی تشکیل نہ دی اور پھر بزرگ سیاستدان نواب زادہ نصراللہ خان کی چیئرمینی میں ایک کمیٹی قومی اسمبلی کے پارلیمانی لیڈروں پر مشتمل بنائی گئی۔ راقم بھی اس کا رکن تھا۔

اس تقریر میں حکومت کی صومالیہ فوج بھیجنے کی پالیسی پر سخت احتجاج کیا گیا۔ مکمل تقریر حسب ذیل ہے۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم　**شکریہ جناب سپیکر!**　میں سب سے پہلے آپ کا اور موجودہ حکومت کا اس سلسلہ میں مشکور ہوں کہ

آپ نے کشمیر کے اہم مسئلہ پر مشترکہ پارلیمنٹ کا اجلاس طلب کر کے اس پر ہر رکن اسمبلی اور پارلیمنٹ کے ہر ممبر کو آزادانہ طریقے سے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع فراہم کیا۔

جناب سپیکر! کشمیر کے بارے میں سب سے پہلے ہمیں یہ بات طے کر لینا چاہیے کہ ہم کشمیر کے بارے میں کیا موقف رکھتے ہیں؟ اس وقت کشمیر کے مسئلہ پر ایک رائے ہندوستان کی جانب سے آرہی ہے کہ وہ کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھتا ہے اور ہمیں بھی اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہیے کہ کیا ہم بھی کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھتے ہیں۔ اگر کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے اور ہم کشمیر کو اپنا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔ اپنے وجود کا ایک حصہ قرار دینے کے لئے ہم صبح و شام اس کے نعرے بھی لگاتے ہیں تو پھر میرا سوال یہ ہے کہ ہندوستان نے جس کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھا۔ اس نے اپنے ساتھ قائم رکھنے کے لئے ہر جائز اور نا جائز حربہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ کشمیر کے عوام میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو اس نے ان پر زبردستی حکمرانی کرنے کے خواب پورے کرنے شروع کر دیئے۔ جس کشمیر کو اس نے اپنا اٹوٹ انگ سمجھا آج وہ اس کشمیر کو ظلم و جبر کے ذریعے تشدد و بربریت کے ذریعے، اپنے ساتھ ملائے رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اٹوٹ انگ کے خواب کو پورا کرنے کے لئے آج سنگینوں کے ذریعے آج تشدد بربریت کے ذریعے، آج خون کی ندیاں بہانے کے ذریعے، آج قتل و غارت کے ذریعے اس اٹوٹ انگ کے خواب کو پورا کرنے کے لئے اس راہ پر چل پڑا ہے میرا سوال یہ ہے کہ اگر ہم پاکستان کے لوگ کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھتے ہیں۔ تو ہم نے اپنے حصے کے لئے، ہم نے اپنے وجود کے اس حصے کو آزاد کرانے کے لئے، اور اس کو حاصل کرنے کے لئے کونسی عملی کاروائی کی ہے۔ سوائے ان کاغذ کی دستاویز کے، سوائے ان قراردادوں کے، یہ کاغذات ان سنگینوں کا خون نہیں پونچھ سکتے۔ آپ کی قراردادیں اور آپ کے نعرے آپ کے مظاہرے اور آپ کے

جذبات ان تڑپتے ہوئے لاشوں کے لئے کوئی مصیبت نہیں ٹال سکتے۔ آپ کی قرار دادیں اور آپ کے تمام تر انداز اور طریقہ کار کشمیریوں کے لئے پانی کا ایک قطرہ اور بوند ثابت نہیں ہو سکتے۔ آج اگر آپ اس کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھتے ہیں۔ اس کا واحد ذریعہ اور ایک ہی حل ہے۔ آپ اپنی فوجوں کو کشمیر میں داخل کر دیجئے۔ اگر انڈیا کشمیر میں اپنی فوجیں داخل کر سکتا ہے۔ آخر آپ کے لئے کون سی بات مانع ہے؟ آخر آپ کے لئے کونسی رکاوٹ ہے؟ آپ کے راستے میں کون سی سد سکندری حائل ہے؟ جو آپ کو کشمیر کے مسلمانوں کے پاس جانے نہیں دیتی۔ جبکہ ظلم و جبر کے پہاڑ ٹوٹ چکے ہیں۔ درگارہ حضرت بل" کا محاصرہ ہو چکا ہے اور درگاہ میں جو لوگ داخل ہوئے تھے۔ آج موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ کشمیر کی سرزمین، سرسبز و شاداب سرزمین، کشمیر کی سرزمین، جنت نظیر سرزمین، خون مسلم سے رنگین ہو چکی ہے، اور ہم ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے اور ایک قرار داد کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ جبکہ ہندو ظالموں کے نزدیک اقوام متحدہ کی قرار داد کوئی حیثیت نہیں رکھتی، میرا سوال یہ ہے کہ تین چار دن کی ڈسکس (Discuss) کے بعد جو قرار داد آپ پاس کریں گے اس کی کیا ویلیو (Value) ہوگی؟ سب سے پہلے میں کشمیر کی صورت حال اور اس مسئلہ پر پورا موقف آپ کے علم میں لانے کے لئے عرض کرتا ہوں۔ کشمیر ۸۴ ہزار ۴۲۱ مربع میل پر مشتمل اس رقبے کا نام ہے۔ جو جموں لداخ وادی کشمیر، آزاد کشمیر شمالی علاقہ جات بلحستان پر مشتمل ہے۔ کشمیر ایک کروڑ بیس لاکھ آبادی پر مشتمل اس رقبے کا نام ہے جس رقبے میں آپ کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں بستے ہیں۔ کشمیر اس علاقے کا نام ہے۔ جس علاقے کے بارے میں اقوام متحدہ اپنی قرار داد میں کہہ چکا ہے کہ اس کی عوام کو یہ اختیار دیا جائے کہ تم پاکستان کے ساتھ ملنا چاہتے ہو یا انڈیا کے ساتھ ملنا چاہتے ہو۔ لیکن آج اس کشمیر کو تقسیم کرنے کی شرمناک مہم اور اس کشمیر کے حصے بکھیرنے کی کاروائیوں پر عمل ہو چکا ہے۔ ہمارے نادان دوست اور کشمیر کی

حالت زار سے لاعلم دوست اور حکمران کشمیر کی جغرافیائی صورت حال نہ سمجھتے ہوئے، امریکہ کی طرف سے ٹھونسے جانے والے فیصلے کو قبول کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں اور یہ طے پارہے ہیں کہ جموں اور لداخ کو تو انڈیا کے سپرد کردیا جائے اور وادی کو اپنا حق رائے دہی دے دیا جائے کہ وہ آزاد ہو جائے اور آزاد کشمیر اور بلتستان کو پاکستان کے ساتھ ملادیا جائے۔ ایسا کوئی منصوبہ جو اسرائیل کی مانند امریکہ آپ کے برصغیر میں آپ پر ٹھونسنا چاہتا ہے۔ آپ کو اسی اسمبلی سے یہ بات واشگاف الفاظ میں کہہ دینا چاہیے کہ ہم امریکہ کے کسی منصوبے کو نہیں مانتے۔ ہم ایک آزاد قوم ہیں۔ ہم کسی کا فیصلہ اپنے اوپر نہیں مانتے۔ ہم اپنا فیصلہ آپ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کشمیر کے مسلمانوں کو آزادی دلانا چاہتے ہیں۔ وہ کشمیری مسلمان بولے کہ وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا انڈیا کے ساتھ جانا چاہتا ہے۔

گرامی قدر سامعین! آج آپ جس کشمیر پر ڈسکس (Discuse) کر رہے ہیں۔ ۵۰ ہزار مسلمان کشمیر میں اس وقت تک شہید ہو چکا ہے۔ ۴۵ ہزار مسلمان اس وقت زخموں سے چور پڑا ہوا ہے۔ آج کشمیر کی جیلوں میں ۶۰ ہزار مسلمان تڑپ رہا ہے۔ آج تک ٹارچر سیلوں میں ۱۰ ہزار مسلمان اذیتیں برداشت کر رہا ہے۔ آج جس کشمیر کے مسئلہ پر ہم اور آپ ایک کھلے انداز میں بحث کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں آج اس کشمیر کی حالت زار یہ ہے کہ اس کشمیر میں جب بھی انڈین فوج چاہے کریک ڈاؤن (Down Crecke) کر کے وادی اور کشمیر کے لوگوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر بازاروں کو چھوڑ کر دکانوں کو چھوڑ کر کھلے میدان میں چلے جائیں اور پھر اس کے بعد فوج ان کے گھروں کی تلاشی لیتی ہے۔ پھر ایک ایک مسلمان ماں، بہن، بیٹی، کو اپنے سامنے سے گزار کر پھر جانے دیتی ہے۔ کتنی مائیں، بہنیں ہیں۔ جن کی عزت و آبرو پامال کر دی

گئی۔ کتنے جوان ہیں جن کے لاشے تڑپ رہے ہیں اور کتنے بچے ہیں جو نیزوں کی انیوں پر اچھال دیئے گئے ہیں۔ آج ان کے لئے ہمارے پاس قرارداد کے علاوہ سوچنے کے لئے موقع بھی ہونا چاہیے۔ میں بڑے دکھ سے کہنا چاہتا ہوں کہ عالم اسلام اور اسلامی مملکتوں کو کشمیر کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ اگر کچھ علم ہے تو مجھے بتلایا جائے کس اسلامی ملک نے آج تک مکمل کر کشمیر کے مسئلہ پر آپ کی حمایت کی ہے؟ کسی بھی اسلامی ملک سے آپ کو حمایت حاصل نہیں بلکہ آپ تو اسی بات پر پھولے نہیں سماتے کہ فلاں اسلامی ملک نے ہمارے ساتھ تنہائی میں بیٹھ کر خفیہ ملاقات میں کشمیر کے بارے میں اظہار ہمدردی کیا ہے۔ اظہار ہمدردی گویا کہ جب کوئی آدمی میرے پاس مہمان کے طور پر آئے تو مہمان مجھے کہتا ہے۔ مجھے فلاں تکلیف ہے۔ آپ کہیں مجھے بھی بڑا احساس ہے سوائے اس سے آپ کا آگے دم نہیں بڑھ سکا آپ کا کام یہ تھا۔ آپ امت مسلمہ کی اس تکلیف کو تمام عالم اسلام کے سامنے رکھتے آج پورا عالم اسلام آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملاتا۔ آج کشمیریوں کے پڑے ہوئے لاشے ان کی آس اور امید کی نظریں پاکستان کی طرف لگی ہوئیں ہیں۔ لیکن پاکستان اور پاکستان کی گورنمنٹ آج یہاں تک پہنچی ہے۔ ۴۶ سال کے عرصے میں کہ ہم خود بھی اس موقف کو نہ آج تک صحیح طور پر سمجھ پائے ہیں اور نہ ہم میں اتنی طاقت، نہ اتنی جرات، نہ ہم نے اس مسئلے کو اتنی اہمیت دی کہ ہم کسی مسلمان ملک کو اس مسئلے کی حقیقت سے آگاہ کر سکتے۔

جناب والا:۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے سب سے پہلے تمام سفارت خانوں سے جس طرح مجھ سے قبل ایک رکن اسمبلی نے کہا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہم آپ کے سامنے پیش کش رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دیں۔ جو آپ کے ملک کے نمائندوں کی حیثیت سے بیرون ممالک میں جا کر سفارت خانوں کے تھرو (Through)

باقی ممالک اور بالخصوص اسلامی ممالک کے سامنے کشمیر کی حالت زار کو بیان کر سکیں اور آپ کے موقف کی وضاحت کر سکیں۔ تاکہ انہیں پتہ چل سکے کہ کشمیر میں اس وقت کیا ہو رہا ہے؟ اور اسی مسئلہ کا ایک حل یہ بھی ہے کہ تمام اسلامی ممالک کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ جس انڈیا نے کشمیر میں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں جو انڈیا کشمیر میں مسلمانوں کا خون پانی سے سستا سمجھ کر بہا رہا ہے۔ اسلامی مملک کو اس بات پر آمادہ کرے وہ اس انڈیا کے ساتھ اقتصادی بائیکاٹ کرے وہ انڈیا کے بارے میں یہ دوٹوک فیصلہ کرے کہ جتنے انڈین ہمارے ملکوں میں آئے ہوئے ہیں ہم سب کو نکال باہر کریں گے۔ واپس بھیج دیں گے انڈیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا۔ اگر عالم اسلام انڈیا کو اقتصادی بائیکاٹ کی دھمکی دے ڈالے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ ایک دن میں انڈیا کی فوجیں کشمیر سے باہر نہ نکل جائیں گی۔ شرط یہ ہے کہ کوئی عالم اسلام کو آگاہ کرے۔ شرط یہ ہے کہ اس مسئلہ پر کوئی آواز اٹھا کر عالم اسلام کو اس کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے لئے قدم اٹھائے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان کے لئے اور کچھ نہیں کر سکتے تو آپ اپنے ملک کی ان جماعتوں کو، ان غیور مسلمانوں کو ان نوجوانوں کو اتنی اجازت تو دے دیں کہ وہ کشمیر میں جا کر علم جہاد کو بلند کریں۔ اور اپنے مظلوم مسلمانوں کے تعاون کے لئے قدم آگے بڑھا سکیں۔

جناب والا! آج کون سا ظلم کشمیر کی اس سرزمین پر نہیں ہو رہا۔ یہاں تک کہ اس کشمیر کے ظلم و جبر سے اخبارات بھرے ہوئے ہیں اور سب باتوں کو چھوڑ کر سردست اس بات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور بلکہ آج ہی انڈیا کے سفیر کو بلا کر وارننگ دی جائے کہ درگاہ حضرت بل کا محاصرہ فوری طور پر ختم کر دیا جائے۔ اگر وہ اس بات پر ضد کرے ٹال مٹول کی پالیسی سے کام لے تو آپ کو فوری طور پر اس مسئلہ میں ایک مہلت دینے کے بعد یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ ہم محمد بن قاسمؒ کی طرح اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے کشمیر میں اپنی

فوجیں داخل کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ یہ اتنی فوج، یہ تمام تر قوت طاقت کس مسئلے کا علاج ہے۔ مسلمان تڑپ رہا ہے۔ کشمیر جل رہا ہے۔ عزت و آبرو پامال ہو رہی ہے۔ آخر یہ فوج کس بیماری کی دوا ہے اور آپ نے اس فوج کو کس وقت کے لئے تیار کر رکھا ہے یا تو فوج کو چھٹی کروائیں گھروں میں بھیج دیں۔ اگر آپ کشمیر کو اپنا جزو تسلیم کرتے ہیں۔ تو آپ کو کشمیر کے اندر اسی طرح فوجیں بھیجنی پڑیں گی۔ جس طرح آپ نے سندھ میں فوج داخل کی ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ سندھ میں فوج کیوں بھیجی؟ اگر سندھ میں فوج بھیجی ہے تو اسی طرح جس طرح آپ کا حصہ سندھ ہے جس طرح پنجاب ہے جس طرح سرحد بلوچستان ہے اسی طرح ہمارے وجود کا ایک حصہ کشمیر بھی ہے۔ اگر آپ کشمیر کو اپنے وجود کا حصہ مانتے ہیں۔ فوج روانہ کیجئے اگر آپ فوج روانہ نہیں کرتے تو آج کے بعد کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ مت کہیں کشمیر کو اپنا حصہ مت قرار دیجئے۔ اس لئے آپ کو ٹھوس انداز میں بات کرنا چاہیے کہ کشمیر ہمارا حصہ ہے۔ کشمیر کو حق خود ارادیت دینے کے لئے موقع دیا جائے۔

گرامی قدر سامعین! میں اس موقع پر یہ فریضہ سرانجام دیتے ہوئے کہ ایک منتخب شدہ ہال کے اندر جہاں ملک کی تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں۔ جہاں سیاہ و سفید کے فیصلے کرنے کے لئے ہم قانون ساز ادارہ کی حیثیت سے اس کے کل پرزے کے طور پر کام کرتے ہیں۔ جو بات یہاں کی جاسکتی ہے۔ وہ بات نہ بازاروں میں کی جاسکتی ہے۔ وہ بات نہ دکانوں پر کی جاسکتی ہے۔ کم از کم آپ اتنا موقع تو دیجئے کہ جو مجاہد کشمیر میں آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ آپ ان مجاہدین کا عملی طور پر تعاون کرنے کے لئے قدم آگے بڑھائیں۔ آج وہ ڈنڈوں سے، سوٹوں سے، درختوں کی شاخوں سے، پتھروں سے اپنا دفاع کر رہے ہیں۔ ان کے پاس دفاع کے لئے کچھ نہیں ہے۔ یہ کیا ہے؟ ایک طرف کشمیر کا

نعرہ لگاتے ہیں ایک طرف آزادی کی بات کرتے ہیں۔ دوسری طرف کشمیر کے مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے ہو۔ ... وہ چاہے تو ان پر ظلم کرتا رہے۔ وہ چاہے تو تشدد کرتا رہے، وہ چاہے تو کشمیر کی ... ین کو ان کے خون سے رنگین کرتا چلا جائے اور آپ ہیں کہ نعرے لگاتے چلے جائیں ... دادیں پاس کرتے چلے جائیں، نہیں! آپ کو ایک غیرت مند مسلمان کی طرح، نہیں! آپ کو دین اسلام کے پیروکار کی طرح، نہیں! آپ کو قرآن پر عمل پیرا ہونے والے ایک سچے مسلمان کی طرح، قرآن پاک کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے (مالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ) تمہیں کیا ہوا ہے، تم رب کے راستے میں جہاد کیوں نہیں کرتے؟ جبکہ نوبت یہاں تک آپہنچی ہے۔ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون) کہ جو مرد اور عورتیں ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے ہیں وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا) اے اللہ ظالموں کی اس بستی سے ہمیں نجات دلا۔

گرامی قدر سامعین! دنیا بھر کا مظلوم مسلمان فلسطین کا ہو، کشمیر کا ہو، فلپائن کا ہو، صومالیہ کا ہو مسلمان ہو اس کی نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ کل ایک بات حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب نے فرمائی۔ اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ میں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں۔ صومالیہ کے مسلمان جنرل عدید کے حامی آج پاکستانی فوج کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔ بلایئے پاکستان کی فوج کو خود امریکہ غنڈہ وہاں سے نکل چکا ہے۔ وہ نکلنے کے بعد وہاں کے مسلمانوں کو پاکستان کی فوج کے حوالے کر گیا ہے۔ ہم نے فوج اس لئے نہیں بنائی کہ دنیا میں جا کر مسلمانوں کو قتل کرے، ہم نے فوج اس لئے نہیں بنائی کہ مسلمانوں کے خلاف سنگین قدم اٹھائے، ہم نے فوج اس لئے نہیں بنائی کہ جو کام اسی سے امریکہ کرانا چاہے، وہ کرتی چلی جائے۔ ہم امریکہ کے دم چھلے نہیں ہیں۔ ہم امریکہ کے غلام نہیں ہیں۔

ہم امریکہ کی لونڈی نہیں ہیں۔ ہم آزاد مسلمان ہیں۔ محمدؐ عربی کے پیروکار ہیں اگر تم اپنی سنگینوں کو کافروں کے مقابلے میں نہیں اٹھا سکتے ہو تو خدارا مسلمانوں کے گلوں پر کیوں چلاتے ہو، صومالیہ میں پاکستان کی فوج وہاں کے مسلمانوں کا قتل عام کر رہی ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ وہ امن کے لئے گئی ہے اگر امن کا یہ کام آپ نے کرنا ہی ہے تو آپ نے امن کا یہ کام بوسنیا میں کیوں نہیں کیا" اگر امن کے لئے آپ فوج صومالیہ بھیج سکتے ہیں تو کشمیر میں کونسی رکاوٹ ہے۔ آپ کی فوج کشمیر میں کیوں نہیں جاتی، کونسی بیڑیاں اس کے پاؤں میں ہیں۔ کونسی رکاوٹ اس کے راستے میں ہے۔ بات یہ نہیں ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو اس قدر ہیچ ذہنیت کا مالک بنالیا ہے کہ ہم نے اپنی باگ ڈور امریکہ بہادر کے ہاتھوں میں دے دی ہے۔ آج غیر مسلم قوتیں ہمیں پتلیوں کیطرح نچارہی ہیں۔ امریکہ نچائے تو ناچتے چلے جائیں۔ امریکہ اٹھائے تو اٹھتے چلیں جائیں۔ امریکہ اشارہ دے تو مسلمانوں کا قتل عام کرتے چلیں جائیں اور تمہیں کشمیر کے مظلوم پکاریں تم جاتے کیوں نہیں، ؟ تمہیں کشمیر کی بہنیں بلائیں تم اٹھتے کیوں نہیں ہو؟ تمہیں کشمیر کے مظلوم پکاریں تم سنتے کیوں نہیں ہو؟ اور کون آواز سنے ان مظلوم بہنوں کی کون آواز سنے ان چیختے ہوئے بچوں کی کہ جو بچے ایک سکول میں نعرے لگا رہے تھے کہ لے کے رہیں گے آزادی، پا کے رہیں گے آزادی، انڈین فوج وہاں سے گزرتی ہے۔ اس نے بچوں کے نعرے سنے تو جنرل نے کہا کہ رک جاؤ۔ فوج کو روک دیا گیا وہ سکول میں جا کر بچوں سے کہتا ہے تم کیا نعرے لگاتے ہو تو بچوں نے کہا ہم آزادی کے نعرے لگاتے ہیں تو جنرل نے کہا کہ ایک کمرے میں بند ہو جاؤ سارے بچے ایک کمرے میں بند ہو گئے تو جنرل نے کہا لاؤ پٹرول ان بچوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی ۲۰۰ سو معصوم بچے چلاتے چلاتے آزادی کے ترانے گاتے گاتے آگ میں جل کر راکھ ہو گئے۔ او مسلمانو! تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی آج انڈیا کشمیر میں کیا کچھ نہیں کر رہا۔ ۵ فروری ۱۹۹۲ء ریڈیو بی بی سی نے ایک نوجوان کا

انٹرویو نشر کیا۔ وہ نوجوان ایک زخمی تھا کہ تیرے ساتھ کیا بیتی۔ اس نوجوان نے بی بی سی کو انٹرویو دیا۔ ۵ فروری ۱۹۹۲ء کو بی بی سی نے وہ انٹرویو شائع کیا۔ وہ نوجوان کہتا ہے میں گھر سے سبزی لینے کے لئے نکلا میرا باپ نکلا ہم بازار میں آئے تو گولی چل پڑی، ہم ایک دکان میں چلے گئے چار پانچ افراد اور بھی آ گئے ہماری تعداد چھ ہو گئی تھوڑی دیر کے بعد ایک انڈین فوجی آیا اس کے ساتھ اس کا آفیسر تھا۔ اس نے کہا دکان بند کرو دکان بند کر دی گئی ہم اس میں محفوظ تھے۔ پہلے اس نے اپنے فوجی سے کہا انہیں گولی سے اڑا دو۔ اس کے بعد کہا ٹھہرو ایسا نہیں جاؤ پٹرول لاؤ کہتا ہے پٹرول لایا گیا۔ دکان کے اوپر پٹرول ڈال کر آگ لگا دی گئی اس اثناء میں ہم دیواریں توڑتے رہے میں تنہا وہ انسان تھا جو دیوار توڑ کر بھاگ نکلا۔ میرا باپ اور چار مسلمان جلتی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے۔

مجھے بتلاؤ ظلم کی وہ کونسی تاریخ ہے جو کشمیر کی سرزمین پر رقم نہیں کی جا رہی؟ وہ کونسا باب ہے جو لکھا نہیں جا رہا؟ کون سا انداز ہے جو اپنایا نہیں جا رہا؟ پاکستان کے منتخب نمائندگان کرام مجھے بتلاؤ آپ انتظار کس بات کا کرتے ہیں؟ وہ گنتی بتلاؤ جس گنتی کا انتظار ہے کہ جب ایک لاکھ مسلمان مرے تب اٹھیں گے اور اگر حس مر نہیں گئی؟ غیرت نیلام نہیں ہوئی؟ غیرت کا جنازہ نہیں نکلا ہے تو پھر سنو ۵۰ ہزار نوجوان شہید ہو چکا ہے ۶۰ ہزار قیدی ہو چکا ہے ۴۰ ہزار زخمی ہو چکا ہے اور زمین کشمیر آج خون سے رنگین ہو چکی ہے، اٹھو فیصلہ کرو چین سے نہیں بیٹھیں گے، سکون نہیں لیں گے، جب تک اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے آگے نہیں بڑھ جاتے۔

جناب سپیکر:۔ یہ صرف جذبات نہیں یہ ہماری ایمانی غیرت ہے۔ اور میں آج کہنا چاہتا ہوں چاہے یہ بات کسی کو اچھی لگے یا نہ لگے ہم کشمیر کی جنگ میں ملوث ہو چکے ہیں۔ ہم ملوث ہیں، ملوث رہیں گے۔ جنگ لڑیں گے بے دست و پا بھی لڑیں گے تنہا بھی لڑیں گے برف پوش پہاڑوں کو پھلانگ کر بھی لڑیں گے اگر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ کم از کم ہمارے راستے تو نہ

روکو کچھ نہیں کرتے ہمیں جانے دو پھر دیکھو اگر افغانستان میں مجاہدین تھوڑی تعداد میں اٹھ کر روس کے حصے الگ کر سکتے ہیں۔ آج میں کہتا ہوں کہ کشمیر کی آزادی انڈیا کے ٹکڑوں کا سبب بنے گی۔ کشمیر کی آزادی انڈیا کے مسلمانوں کی آزادی کا سبب بنے گی۔ کشمیر کا آزاد ہونا مسلمانوں کے لئے برانڈیا میں ہیں ان کے لئے یقیناً آزادی کا پیغام ثابت ہو گا۔ خدانخواستہ اگر یہ آزادی کی تحریک دب گئی اگر کشمیر کے مسلمان عزت کو بچانے میں کامیاب نہ ہوئے اور آج کشمیر کی بات ہے کل کو تم انڈیا کے مسلمانوں کو روؤ گے۔ مگر ان کا کوئی پوچھنے والا نہیں ہو گا۔ کشمیر دفاع پاکستان کی جنگ ہے۔

جناب والا! یہ درست ہے کشمیر پاکستان کے دفاع کی جنگ ہے۔ کشمیر مسلمانان ہند کے دفاع کی جنگ ہے۔ کشمیر اس ملک میں اسلام اور کفر کے مابین برپا ہونے والی وہ جنگ ہے۔ جس جنگ میں ہمیں فیصلہ کرنا ہو گا کہ ہم اسلام کا جھنڈا بلند کرنا چاہتے ہیں۔ یا گائے کا پیشاب پینے والے ہندو کے سامنے جھک جانا چاہتے ہیں۔ آج ہمیں یہ طے کرنا ہو گا۔ تاریخ کے اس موڑ پر کہ ہم برصغیر میں کس حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم ایک آزاد، غیرت مند، بہادر مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتے ہیں یا ایک بے حس بے کار اور مفاد پرست ایک عام انسان کیطرح زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ فیصلہ آج آپ کو تاریخ کے اوراق پر لکھنا ہو گا۔ اللہ کرے ہماری گورنمنٹ اس مسئلے میں سرخرو ہو۔ خدا کرے تاریخ میں ہمارا فیصلہ ایسے نقوش چھوڑ جائے۔ اللہ کرے ہم ایسے قدم اٹھا جائیں جس سے کشمیر اور ہندوستان کے مسلمانوں کو آزادی نصیب ہو۔ خدا کرے ہم وہ فیصلہ کر گزریں کہ ہماری آنے والی نسلیں اسے خراج تحسین پیش کریں۔ شکریہ جناب سپیکر

○

متناسب نمائندگی کے عنوان پر قومی اسمبلی میں خطاب

بتول شاعر

شور ہے جس کی ہوا بھی، ایسی بستی سے نکل
پھولنا پھلنا ہے تو اس بانجھ مٹی سے نکل!
پھر انہیں شاداب میدانوں کی جانب لوٹ جا
جیتے جی اس بے گیاہ و آب وادی سے نکل
ہر طرف جھکتی ہوئی چٹیل چٹانیں ہیں جہاں
اس جہنم زار، تنگ و تار گھاٹی سے نکل
بے نتیجہ ہیں اگر اپنے خیالوں کو بدل
تو اگر کندن نہیں بنتا تو بھٹی سے نکل

○

۱۲ اپریل ۹۴ء کو میں نے ایوان میں متناسب نمائندگی کے موضوع پر جو تقریر کی سپیکر قومی اسمبلی نے اس تقریر کو میرے نام ایک خط میں خوب سراہا، تقریر درج ذیل ہے۔

جناب سپیکر! متناسب نمائندگی پر بحث گزشتہ اجلاس سے چلی آ رہی ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آج جو دن ملک کو دیکھنا پڑ رہے ہیں اور جو حالات اور سیاسی فضا ہمارے ملک میں اس وقت موجود ہے اور بدامنی کی کیفیت اور دنیا بھر میں پاکستان کے وقار کو جس انداز میں دھچکا لگا ہے یا لگ رہا ہے اگر صحیح معنوں میں اس کا جائزہ لیا جائے تو اس ساری کی ساری غلطی کی بنیاد ہمارا موجودہ الیکشن سسٹم اور الیکشن کا نظام ہے۔ جہاں الیکشن میں اور

بڑی خامیاں اور بڑی ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ہم صرف نظر کر کے الیکشن کا انعقاد عمل میں لاتے ہیں وہاں یہ کس قدر ستم ظریفی اور عجیب بات ہے کہ آج ایک آدمی عام چپڑاسی کی بھرتی کے لئے اس وقت تک سلیکٹ نہیں ہوتا جب تک اس کی (باضابطہ) کوئی تعلیم نہ ہو اس کے پاس کریکٹر کی اسناد نہ ہوں اور اس کا کریکٹر واقعی بے داغ نہ ہو لیکن یہ عجیب بات ہے جو شخص ممبر اسمبلی بن کر ملک کا وزیر اعظم بنتا ہے یا ملک کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتا ہے ہمارے ملک میں ایسے آدمی کے لئے کوئی ضابطہ نہیں کوئی چور ہے، کوئی ڈاکو ہے، لٹیرا ہے، جاہل ہے، کچھ ہے ہمارے ملک میں اگر کوئی دولت مند ہے سرمایہ دار ہے، چاہے اس نے دولت کسی بھی انداز سے کسی بھی طریقے سے جمع کی ہے وہ قومی اسمبلی کا ممبر بننے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ اس کے علاوہ اگر کوئی آدمی تعلیم کے اعتبار سے حب الوطنی کے اعتبار سے یا اپنی خدمات کے اعتبار سے پاکستان میں کسی نمایاں کارکردگی کے اعتبار سے اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔ ہمارا الیکشن سسٹم ایسا سسٹم ہے کہ وہ اس سسٹم کے تحت پاکستان کی نیشنل اسمبلی میں پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور خصوصیت کے ساتھ جو الیکشن ۹۳ء میں ہوا۔ اس میں "الیکشن آور" میں مجھے موقع ملا، تو میں نے اس وقت بھی کہا کہ یہ جو ہمارا طرز انتخاب ہے۔ اس طرز انتخاب سے ایک مخصوص طبقہ اور ایک مخصوص گروہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔

گویا بڑی جماعت سے ٹکٹ لینے میں بھی وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو اپنی جماعت کو لاکھوں روپے پہلے چندے کے نام سے رشوت دے پھر جب یہ چندے کے نام سے رشوت دیتے ہیں تو پھر ان سے پوچھا جاتا ہے آپ کتنا خرچ کریں گے وہ کہتا ہے جناب! ۔ وکروڑ روپے خرچ کروں گا آج یہ ٹکٹ جماعتیں صرف دولت اور سرمائے کے بل بوتے پر ایسے ہی لوگوں کو پہلے دیتی ہیں کیونکہ وہ جماعتیں بھی سمجھتی ہیں کہ یہ آدمی تقویٰ و پرہیزگاری اور حب الوطنی کی وجہ سے الیکشن میں کامیاب نہیں ہو سکتا یہ کامیاب ہو گا تو سرمائے کے

بل بوتے پر ہو گا اور آج ہماری قوم کا یہ مزاج بن چکا ہے آپ اور یہ سارا ہاؤس جانتا ہے جو الیکشن کے ذریعے سے کامیاب ہو کر آیا ہے کہ عوام کا ذہن بن چکا ہے۔ بجلی دو سڑک، دو اور فلاں چیز دو ووٹ لو اب ایک آدمی جو کہ بہت بڑا قانون دان ہے۔ بہت بڑا حب الوطنی کا جذبہ رکھنے والا ہے۔ اس کے پاس پیسہ نہیں ہے دولت نہیں ہے۔ سرمایہ نہیں ہے نہ وہ بجلی دے سکتا ہے نہ ووٹ لے سکتا ہے نہ وہ الیکشن سے پہلے پہلے سڑک دے سکتا ہے نہ وہ الیکشن سے پہلے پہلے سکول دے سکتا ہے اور ہم نے وہ سرمایہ دار بھی دیکھے ہیں آج وہ سرمایہ داران اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے الیکشن سے پہلے گاؤں میں جا کر کہا سڑک پر کتنا خرچ آتا ہے۔ انہوں نے کہا سات لاکھ روپیہ اس نے کہا یہ دس لاکھ لے لو یہ دس لاکھ اپنے پاس رکھو اگر میں کامیاب ہو گیا تو سڑک بنا دوں گا اور اگر میں کامیاب نہ ہوا تم اس دس لاکھ روپے سے سڑک بنا لینا گویا کہ ووٹ عوام سے خریدے جا رہے ہیں اور عوام کا ذہن بنا دیا گیا ہے کہ ووٹ کیا ہے؟ ووٹ ایک پرچی ہے جس کی ہم نے قیمت وصول کرنی ہے اور وہ چھوٹی سی قیمت وصول کر کے اس ملک و قوم پر ڈاکوؤں کو مسلط کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ انہیں پیسے سے سروکار ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی حب الوطنی کے جذبے سے منتخب ہو کر چلا بھی گیا تو وہ آگے جا کر کرپشن نہیں کرے گا اول تو وہ خود کہتے ہیں جب اس کے پاس سرمایہ نہیں دولت نہیں یہ جیت کیسے سکتا ہے؟ یہ ساری کی ساری ہمارے نظام کی خرابیوں کی جڑ غلط طریقہ سے الیکشن ہے۔ پھر اس سسٹم میں خرابیوں کے علاوہ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ وڈیروں نے اپنے مخصوص حلقے بنا رکھے ہیں۔ انہوں نے حلقہ بندیاں اس انداز میں کرائی ہیں کہ حلقہ بندیوں میں صرف اور صرف ان کے مزارے ان کی رعایا ان کے ہاری ہی ہوتے ہیں۔ یہاں ہاؤس میں کتنے لوگ ہیں جو اپنے علاقے میں اپنے مدمقابل کو کھڑا ہونے کا حق نہیں دیتے جو اپنے علاقے میں اپنی رعایا کو کسی اور کو ووٹ دینے کا حق نہیں دیتے جو اپنے علاقے میں اپنی زمین پر جو لوگ محنت کرتے ہیں۔

کاشت کاری کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں انہیں یہ حق نہیں دیتے کہ وہ کسی اور کو اپنے گاؤں میں داخل ہونے دیں، یہ نظام کی خرابی ہے وہ سمجھتے ہیں ان لوگوں نے اگر تھوڑا سا بھی ہماری مرضی سے ہٹ کر فیصلہ کرنا چاہا تو یقیناً یہ لوگ ہمارے جیسے سفاک ہمارے جیسے ڈاکو ہمارے جیسے لٹیرے کو کبھی بھی اپنا منتخب نمائندہ نہیں بنائیں گے۔ تو جہاں اس الیکشن کی اور خرابیاں ہیں ایک خرابی یہ بھی ہے۔ ایک چال یہ بھی ہوتی ہے کہ دو آدمی آپس میں مدمقابل ہیں تو کوشش ہوتی ہے کہ ایک آدمی کو پیسے دے دیئے جائیں۔ پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ دے دیا کہ تو بھی کھڑا ہو جا اور ایک کو کھڑا کر دیا مخالف امیدوار کے ووٹ تقسیم کرائے۔ ایک طرف ایک لاکھ میں سے پچھتر ہزار ووٹ چلا گیا دوسری طرف سوا ۲۵ ہزار ووٹ لے کر یہ چوتھے صاحب کامیاب ہو گئے۔ گویا کہ اب اس علاقے کا نمائندہ وہ ہے۔ جس نے ۲۵ ہزار ووٹ لیا ہے اور اس کے برعکس جبکہ اس کے خلاف ۷۵ ہزار ووٹ استعمال ہوا ہے۔ اب مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ ۲۵ ہزار ووٹ لینے والا شخص ایک لاکھ افراد کا نمائندہ کیسے بن سکتا ہے؟ اور یہ کرپشن یہ انداز اس وقت ختم ہو سکتا ہے جب کوئی اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر حب الوطنی کے جذبے کی بنیاد پر عوام کے ساتھ میل جول اور اپنے تعلقات کی بنیاد پر منتخب ہو کر اسمبلی میں آئے اور یہ کب ہو گا۔ جب ہم اپنے الیکشن کے طریقہ کار پر نظرثانی کریں گے۔ آج اس ہاؤس کے ہاتھ میں اللہ کے فضل سے یہ موقع ہے اگر آج یہ ہاؤس چاہے تو وہ نظام انتخاب کو اس انداز میں اس سانچے میں ڈھال سکتا ہے کہ آج ہمارے منتخب ہو کر آنے والے اسمبلیوں میں نہ ہارس ٹریڈنگ کا شکار ہوں نہ اللہ کے علاوہ کسی سے ڈرنے والے ہوں۔ نہ محض اپنی پارٹی کی بنیاد پر صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دینے والے ہوں بلکہ اس انداز میں اسمبلیوں میں آنا چاہیے کہ وہ حق اور سچ کی بات کریں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے کردار کی بنیاد پر جیت کر آئے ہیں ہم اپنی پارٹی کے ٹکٹ کے مرہون منت نہیں ہیں۔

جناب والا! دنیا میں اس وقت انتخابات کے جو رائج الوقت طریقے ہیں ان طریقوں سے ایک جو اس وقت آئیڈیل کے طور پر سامنے آتا ہے متناسب نمائندگی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی کچھ اصلاحات اور ترمیمات کی ضرورت ہے لیکن اتنا ضرور ہے اگر متناسب نمائندگی کے عنوان پر الیکشن ہوں تو پاکستان میں ہر پارٹی اس کا جتنا ووٹ ہے جتنا ووٹ اس کا پورے ملک میں ہے وہ اپنا ووٹ لے کر جا ہے اس کا ایک نمائندہ ہو وہ اسمبلی میں پہنچے اور ہر پارٹی اپنے بہترین سے بہترین دماغ اسمبلی میں بھیجے گی یہاں کیا ہوتا ہے کہ پارٹی کے لیڈر ہار جاتے ہیں۔ پارٹی کے قائد ہار جاتے ہیں اور رشوت دے کر پارٹی کا ٹکٹ لینے والے جیت جاتے ہیں۔ اور وہ آکر اپنی پارٹیوں کو بلیک میل کرتے ہیں اور آکر اپنی پارٹیوں کی بدنامی باعث بنتے ہیں۔ لیکن اگر متناسب نمائندگی کے تحت الیکشن ہوں تو پارٹی کا بہترین ذہن پارٹی کے پڑھے لکھے لوگ پارٹی کا تعلیم یافتہ طبقہ پارٹی کے بانی ارکان ان اسمبلیوں میں پہنچیں گے تو پھر یہ اسمبلیاں سینما گھر کے ٹکٹ گھروں کا منظر پیش نہیں کریں گی۔ پھر یہ اسمبلیاں لڑائی جھگڑے کا میدان نہیں بنیں گی۔ پھر اس میں ملک کی پالیسیوں پر بحث ہوگی پھر ان اسمبلیوں میں ہم اس انداز میں سوچ وبچار کرنے کے عادی ہو سکیں گے جس انداز میں دنیا اپنے قدم تیزی سے آگے بڑھاتی چلی جارہی ہے۔ آج آئے دن جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں وہ ہم نے سابقہ دور میں بھی دیکھا جو اس دور میں دیکھ رہے ہیں شاید آنے والا دور اس سے بھی زیادہ برا ہو اس ساری کی ساری برائی کا سبب اور وجہ یہ ہے کہ ہمارا نظام انتخاب اتنا برا، اتنا غلط اور اتنی نادرست بنیادوں پر ترتیب دیا گیا ہے جو محض جاگیرداروں محض وڈیروں محض ہیروئن کے بڑے بڑے ٹھیکیداروں اور محض ڈاکوؤں کو سپورٹ کرتا ہے یہ کاروبار ملک و ملت سے وابستہ لوگ اور ملک و ملت سے محبت رکھنے والے لوگوں کو ہرگز سپورٹ نہیں کرتا آج جس آدمی کے گھر میں ایک کروڑ روپیہ نہیں

ہے چاہے وہ قائداعظم" کا بھائی کیوں نہ ہو علامہ اقبال" کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، میں کہتا ہوں آج ایک طرف علامہ اقبال" آجائیں اور دوسری طرف قائداعظم" آجائیں اور وہ لوگوں سے حب الوطنی کے نام پر ووٹ مانگیں تو لوگ ان کو چھوڑ دیں گے۔ وڈیروں اور سرمایہ داروں کو ووٹ دیں گے نظام اتنا غلط ہے لوگوں نے جب ذہن بنالیا۔ بجلی دو ووٹ لو سڑک دو ووٹ لو سکول دو ووٹ لو تو کہاں سے قائداعظم" صاحب ہیروئن کے پیسے علامہ اقبال" چوری کے پیسے اور ڈکیتی کے پیسے کہاں سے دیں گے وہ کہیں گے کردار پر ووٹ دو وہ کہیں گے ہماری سوچ پر ووٹ دو لوگ کہیں گے کردار والا دور چلا گیا سوچ والا دور چلا گیا۔ اب تو سرمایہ کی بات ہے۔ دولت کی بات ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جب تک ہم اس الیکشن کے غلط سسٹم سے نجات حاصل نہیں کر لیتے اس وقت تک ہم دوسرے ایشو (Issue) کو نہ اٹھائیں جب تک ہم صحیح الیکشن کا نظام ترتیب نہیں دیتے اس وقت تک صحیح نمائندگی نہیں ہو سکتی اور جب تک صحیح نمائندگی نہیں ہو سکتی قوم کا کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اللہ کرے ہماری سوچ کے دھارے بدلیں ہماری فکر کے زاویے تبدیل ہوں ہم اس بنیاد کو سمجھیں اور اس بنیاد کو صحیح طور پر استوار کرنے کی کوشش کریں تاکہ ملک و ملت کے لئے صحیح نتیجہ آسکے جو ملک کو باعزت طور پر اکیسویں صدی میں داخل کرا سکے اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

حکومت کی طرف سے تحریک شریعت کے کارکنوں پر گولیاں برسانے کے خلاف قومی اسمبلی میں میرا احتجاجی خطاب

یہ وہ دن تھے جب مالاکنڈ ڈویژن اور بونیر کے علاقوں میں ایک درویش صفت مجاہد صوفی محمد کی قیادت میں وہاں کے عوام نے تحریک نفاذ شریعت برپا کی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ملک

بھر میں رائج ظالمانہ انگریزی نظام سے بغاوت کرتے ہوئے نفاذ شریعت کا علم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ہر قسم کی قربانی کے جذبات سے معمور تھے۔ حکومت نے انہیں نفاذ شریعت کا نام لینے کے جرم میں اپنی فرعونیت کا نشانہ بنایا اور بارہ آدمی گولیوں سے بھون ڈالے۔ حکومت کے اس ظالمانہ اقدام نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس موقع پر میں نے قومی اسمبلی میں جو تقریر کی حسب ذیل ہے۔

محترم جناب سپیکر! میں آپ کا بے حد مشکور ہوں اور حزب اقتدار کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اسلام کے نام پر جانیں دینے والے بارہ شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اور آج ان پر ظلم و ستم کے ذریعے سے گولیاں چلانے والوں کے خلاف جو قرارداد ہم نے پیش کی تھی اس پر بحث کی ہے جو تحریک ہم نے پیش کی تھی جب اس پر بحث کا موقع آیا مجھے بڑا دکھ ہوا ہے کہ آدھا گھنٹہ ہم نے ضائع کیا ہے۔

جناب والا!۔ بونیر میں جو لوگ شہید ہوئے ہیں سب سے پہلے میرا سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کا قصور اور جرم کیا تھا؟ اس ملک میں کسی ایک شخص یا کسی ایک جماعت کا کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ ہمیں اپنے شب و روز شریعت کے مطابق گزارنے کا موقع دیا جائے۔ کیا یہ پاکستان میں جرم ہے؟ اگر یہ بات جرم ہے تو یہی جرم ہماری قوم آج سے ۴۶ سال قبل کر چکی ہے اسی جرم کی وجہ سے آپ کو یہ ملک حاصل ہوا ہے پھر آپ کو یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ پاکستان کا بنانا اسلام کے نام پر قربانیاں دینا اسلام کے عنوان پر تحریک کا کامیاب ہونا۔ یہ ہماری قومی سطح پر ایک بہت بڑی مجرمانہ کاوش تھی لیکن اگر آپ کو اور ہمیں اس بات پر ناز ہے کہ کائنات کے اس خطہ پر واحد مملکت پاکستان ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کی گئی تو کیا آج اس ملک کے ایک خطہ میں اگر وہاں کے مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہمیں عدالتوں میں اپنے ماحول اور معاشرے میں اسلام کا نفاذ چاہیے تو پھر آخر کون سی وجہ ہے

کہ ان پر گولیاں چلائی گئیں اور بارہ افراد کو شہید کیا گیا اور درجنوں کی تعداد میں وہاں لوگ زخمی ہوئے اور پھر دوسری بات اگر ان کا یہ مطالبہ غلط تھا تو پھر بارہ افراد شہید ہوئے اور شہادت کے بعد ان کا یہ مطالبہ کیسے صحیح ہو گیا؟ ناجائز بات جائز کیسے ہو گئی اور ہماری حکومت نے اس کا کیا نوٹس لیا؟ کن لوگوں نے ان بے گناہ افراد پر جو اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے تھے ان پر گولی چلائی اور ان کے ساتھ زیادتی کی ان کا ہماری حکومت نے کیا تدارک کیا میں آج یہ بات کرنے پر مجبور ہوں کہ ہماری گورنمنٹ کو یہ بات محسوس کرنی چاہیے کہ کیا کوئی ایسی سازش تو نہیں ہے کہ جس کے ذریعے سے ملک میں یہ تاثر عام طور پر عام ہو چکا ہے کہ پیپلز پارٹی کا دور جب بھی آتا ہے تو پیپلز پارٹی کے دور میں لاٹھی گولی کی سرکار حرکت میں آتی ہے تو وہ بھی ان لوگوں پر جو تحریک نظام مصطفیٰؐ کے نام سے میدان میں آتے ہیں تو ان پر یہ گولی چلتی ہے لاٹھیاں ان کے خلاف استعمال ہوتی ہیں جو تحفظ ناموس رسالتؐ کے لئے رشدی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اگر کوئی میدان میں آتے ہیں تو گولیاں ان کے خلاف چلتی ہیں کیا آخر پیپلز پارٹی کے دور میں اس کے خلاف بھی کوئی روایات ڈالنے کا آئندہ کے لئے پروگرام ہے یا یہ وہی پرانی روایات کو قائم رکھنا مقصود ہے اور میں یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ کچھ لوگوں نے اسلام کا لیبل لگا کر اسلام کا نام استعمال کر کے پاکستان بننے کے بعد ایک مرتبہ اسلام کے نام پر اس ملک میں حکومت حاصل کی تین سال ان کو بھی حکومت کرنے کے لئے ملے، اسلام کے عنوان پر انہوں نے کوئی خاطر خواہ کام کیا ہوتا تو آج قوم کو یہ دور دیکھنا بھی نصیب نہ ہوتا۔ میں اتنا کہوں گا کہ پیپلز پارٹی پاکستان میں کبھی بھی اسلام کے نام پر نہیں آئی اور اس طرح جس نے اسلام کے نام پر آتے ہی شریعت بل کا حلیہ بگاڑا اور شریعت بل میں یہ ترمیم کی کہ پارلیمنٹ کو قرآن و سنت پر بالادستی حاصل ہوگی اور قرآن و سنت کو تمام قوانین پر بالادستی حاصل ہوگی۔ بشرطیکہ پارلیمنٹ کے آئینی ڈھانچے سے نہ ٹکرائے۔ وہ سابقہ دور تھا جہاں اس وقت

عورتوں کو سفیر بنا کر امریکہ بھیجا گیا اور لیڈی ڈیانا کی شکل میں عورتوں کے استقبال کرائے گئے اور نور جہاں پانیزئی کو ڈپٹی چیئرپرسن بنایا گیا۔ مجھے اس بات کا جواب چاہیے کہ کیا یہ اسلام تھا؟ اگر یہ اسلام تھا تو آج یہ کچھ کبھی نہ ہوتا یہاں اسلام کے نام پر بھی اسلام کا استحصال ہوا ہے اور سوشلزم کے نام پر بھی اسلام کا نام استعمال ہوا ہے ہم اس اسلام کو بھی نہیں مانتے جو اسلام کے نام پر سوشلزم کا تحفظ کرے اور اسلام کے نام پر شریعت کا مطالبہ کرنے والوں پر گولیاں چلائے جو اسلام کے نام پر تحریک نظام مصطفیٰ کے لئے نکلنے والوں پر گولیاں چلائے جو اسلام کے نام پر رشدی کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں پر گولیاں چلائے۔ جناب سپیکر! یہ کیسا عجیب ماحول ہے ایک طرف کا چہرہ دکھاتا ہوں تو شیم کی آواز ادھر سے آتی ہے جب آئینہ ادھر سے دکھاتا ہوں تو شیم کی آواز ادھر سے آتی ہے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں اس سلسلے میں اگر مولویت کا کردار غلط ہے تو میں ہزار بار اس مولویت پر لعنت کرنے کو تیار ہوں جو مولویت اسلام چھوڑ گئی ہو جو مولویت دین چھوڑ گئی ہو، جو مولویت پیغمبر کی شریعت چھوڑ کر عورتوں اور مردوں کے درمیان والی قوم کے ساتھ سجدہ ریز ہو گئی ہو، ہم اس مولویت سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور ہم کل بھی اپوزیشن میں تھے اعلائے کلمہ الحق کا جذبہ بیدار رکھتے ہوئے کل بھی حق کہتے تھے آج بھی کہتا ہوں نہ کل اسلام تھا نہ آج اسلام ہے۔ کل بھی اسلام کے ساتھ زیادتی ہوئی اور آج بھی اسلام کے ساتھ زیادتی ہوئی۔ (سپیکر: مولانا صاحب ذرا ٹھنڈے مزاج سے تقریر کریں۔)

جناب والا! ٹھنڈا مزاج اگر اسلام کی بات آئے تو ٹھنڈا مزاج اور جب ذاتیات کی بات آئے یہاں لوگ ذاتیات کے لئے کیا نہیں کرتے آج مجھے دکھ ہوا جب اسلام کی بات چلی تو یہاں واک آؤٹ ہونے لگا تھا کیوں کہ اسلام کی بات چلی ہے اسلام کی جب بات آئے گی تو پھر آدمی کا گریبان پکڑا جائے گا، پھر مہران بینک کے سکینڈل سرد خانوں میں

نہیں جائیں گے پھر موزوے کی بحث سرد خانوں کی نظر نہیں ہوگی یہ ملک ہے جسے گورا انگریز چھوڑ گیا اور بد قسمتی سے کالے انگریز اس پر مسلط ہو گئے۔ جنہوں نے گورے انگریز کے جانے کے بعد اس ملک کی بچی کھچی ہڈیوں کو نوچ ڈالا اور اس ملک کو تباہی و بربادی کے دھانے پر لاکھڑا کر دیا آج وڈیرے دولت مند جاگیردار اور سرمایہ دار اس ملک کے اندر دولت اور پیسے کے ذریعے اس قدر اپنی جڑیں مضبوط کر چکے ہیں کہ کوئی مخلص محب وطن کوئی غریب شخص اپنی خدمات کے بل بوتے پر اس ایوان میں نہیں آسکتا۔

اگر جمہوری طریقہ سے اسلام نہ آیا تو ہم انقلاب برپا کریں گے۔

جناب والا! میں عرض کر رہا تھا کہ بونیر کے لوگ جن پر گولی چلائی گئی ہماری حکومت بتلائے ان کا قصور کیا تھا اگر قصور یہ تھا کہ وہ شریعت کا مطالبہ کر رہے تھے تو پھر جواب دیا جائے ان کا مطالبہ منظور کیوں کیا اگر مطالبہ منظور کیا گیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ جرم نہیں اور اگر اس ملک میں اسلام کا نام لینا جرم ہے۔ جیسے کہ اکبر الہ آبادی نے کہا۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اگر بونیر میں اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرنا جرم ہے ہم یہاں بھی مطالبہ کرتے ہیں، ہم سڑکوں پر بھی جائیں گے، ہم چوکوں چوراہوں میں جائیں گے۔ اگر جمہوری طرز کے ذریعے اسلام نہیں آیا تو ہم انقلاب کے ذریعے اسلام لائیں گے اگر کوئی لاٹھی گولی کی سرکار راستہ روکنا چاہتی ہے وہ ہمارا راستہ روک دکھائے اس لئے اسلام کے عنوان پر جناب والا (اسمبلی میں پہلی مرتبہ نعرہ تکبیر کی گونج) نعرہ تو لگایا جا سکتا ہے آپ کو جواب نہیں مل سکتا سپیکر (آرڈر پلیز آرڈر) اور ویسے بھی اس ملک میں نعروں کے ذریعے سے جو سیاست

شروع ہوئی ہے آج تک وہ سیاست کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئی۔ نعروں کے ذریعے سے ہی یہ کام چلتا گیا۔ آج تو کچھ لوگ کہتے ہیں۔ پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الااللہ۔ یہ بھی صرف ایک نعرہ تھا اور پھر کسی نے کہا روٹی کپڑا مکان وہ بھی ایک نعرہ تھا پھر کسی نے کہا معاشی استحکام وہ بھی ایک نعرہ تھا پھر سوشل کنٹریکٹ وہ بھی ایک نعرہ ہے یہاں سوائے نعروں کے اور کچھ نہیں ہے اور نعروں سے نہ قوم کے پیٹ بھرے جاسکتے ہیں نہ مظلوموں کی دادرسی ہوسکتی ہے۔ نعروں سے نہ ظلم کے طلسم توڑے جاسکتے ہیں نعروں کے ذریعے نہ اپنے دشمنوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ نعرہ لگانے والی قومیں تباہی و بربادی ان کا مقدر رہتی ہے۔ ہمیشہ وہی قومیں سربلند و سرفراز ہوتی ہیں۔ جو نعروں کی بجائے عملی میدان میں کام کرے۔ سپیکر (مولانا صاحب تحریک التوامیں پندرہ منٹ سے زیادہ تقریر نہیں ہوسکتی)

جناب والا! ابھی تو پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے (سپیکر نہیں دس منٹ ہوگئے ہیں۔) میں آپ جتنی دیر بول رہے ہیں میں اتنی دیر بھی نہیں بولنا چاہتا مجھے احساس ہے کہ میرے جیسے جذبات ہمارے بہت سے ساتھیوں کے سینوں میں موجزن ہیں میں تمام باتوں کو اسی بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں میں اپنی بات ختم کر رہا ہوں تاکہ دوسرے ساتھی گفتگو کرسکیں لیکن میرا مطالبہ ہے کہ جو بارہ مسلمان شہید ہوئے ہیں ہمیں ان شہیدوں کا قصاص چاہیے ہم اپنے شہیدوں کے لئے پانچ لاکھ کا مطالبہ نہیں کرتے۔

ہم شہیدوں کا قصاص لیں گے

جناب سپیکر:۔ میرا اس ہاؤس میں اس مسئلہ پر آخری مطالبہ ہے ہمیں پانچ پانچ لاکھ نہیں چاہیے۔ ہم قصاص لیں گے کہ وہ کون سے ہاتھ ہیں جنہوں نے ہماوے مسلمان بھائیوں کو ذبح کرایا ہے۔ ہمیں قصاص چاہیے ہمیں مقابلے میں وہ سر چاہیے ہمیں مقابلے

میں وہ دھڑ چاہیے ہم اس کو اسی طرح کیفر کردار تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اسلام کے اصول کے مطابق (ان النفس بالنفس والعین بالعین) جان کے بدلے میں جان لی جائے گی آنکھ کے بدلے آنکھ لیں گے کان کے بدلے میں کان لیں گے جن لوگوں نے ہمارا خون پیا ہے ہم ان لوگوں سے قصاص لے کر چھوڑیں گے۔

○

سرکاری وفد کے ہمراہ حج پر روانگی اور حجاج کرام سے زیادتیوں کا سدباب

مئی ۹۴ء میں وفاقی وزیر مذہبی امور سید خورشید علی شاہ کی قیادت میں قومی اسمبلی کے پارلیمانی گروہوں کے سربراہوں کا ایک وفد حج کے موقع پر حجاج کرام کی مشکلات کا جائزہ لینے اور خود حج کی مبارک سعادت سے مالامال ہونے کے لئے سفر حجاز پر روانہ ہوا۔ جس میں مولانا فضل الرحمٰن، جماعت اسلامی کے مظفر ہاشمی، مسلم لیگ کے زبیر اکرم ندیم بھی شامل تھے اور راقم بھی ہمراہ تھا۔ میرا چونکہ ۹۲ء میں حج کا پہلا سفر ہو چکا تھا اور عمرہ کی سعادت بھی دو مرتبہ حاصل ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے حرمین شریفین میں پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد خصوصاً سپاہ صحابہؓ کے عہدیداران و کارکنان سے رابطہ میں مشکل پیش نہ آئی۔ بعض حضرات نے میرے سرکاری وفد کے ہمراہ آنے پر اعتراض بھی کیا تو میں نے انہیں بتایا کہ اس وفد کا مقصد حجاج کرام کو پیش آنے والی مشکلات کا جائزہ لینا اور حکومتی اقدام کی نگرانی کرنا ہے۔ اگر آپ کے توسط سے اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہم کامیاب ہو جائیں تو یقیناً یہ سفر بامقصد ہو گا اور کامیاب ہو گا ورنہ سرکاری خرچہ پر اس مبارک سفر میں وقت گذارنے کا خود مجھے بھی ملال رہے گا۔

یہ بات سن کر مقامی احباب نے شکایات کے انبار لگا دیئے اور ایسے ایسے انکشافات

کیے کہ دل دہل اٹھا۔ حجاج کرام سے جتنی رقم رہائشی اخراجات کی مد میں وصول کی جاتی ہے اور جو سہولتیں ان کا قانونی حق ہوتی ہیں۔ یہاں پر ڈائریکٹر اور ڈپٹی ڈائریکٹر حج اس سے کہیں کم سہولتوں والی رہائش گاہیں سستے کرائے پر لے کر کروڑوں روپے کی بچت کر لیتے ہیں اور اوپر تک حصہ پہنچا کر خود کو محفوظ کر لیتے ہیں۔

چنانچہ تھوڑی ہی کوشش سے وہ ایسی تمام دستاویزات لا کر مجھے دینے میں کامیاب ہو گئے جن سے صاف طور پر اس مبارک سفر پر جانے والے پاکستانیوں کو لوٹنے کے ثبوت موجود تھے۔ ادھر ہم نے ان تمام رہائش گاہوں کا دورہ کیا جہاں پاکستانی حجاج مقیم تھے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جس کمرے میں صرف دس آدمیوں کی گنجائش ہے وہاں پندرہ پندرہ افراد کو رکھا ہوا ہے۔ بیماروں کے لئے کوئی دوائی کا بندوبست نہیں ہے۔ رہائشی مکانات حرم سے دور ہیں اور حرم تک پہنچانے والی گاڑیاں کسی اور کام میں معروف ہیں اور پاکستان کے صابر و شاکر حجاج کرام زبان پر حرف شکایت اس لئے نہیں لاتے ہیں کہ کہیں ہمارے ثواب میں کوئی کمی نہ آجائے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ میدان عرفات میں پاکستان کے حجاج کے لئے وہ آخری علاقہ رجسٹرڈ کرایا گیا جسکے عرفات کا حصہ ہونے پر بھی شک تھا۔ میں نے اس زیادتی اور لوٹ مار، ظلم اور ناانصافی پر سخت احتجاج کیا اور چند دیگر حضرات بھی میرے موقف کے حامی ہو گئے تو اس وقت اور تو کچھ نہ ہو سکا۔ اتنا ضرور ہوا کہ پاکستانی ڈسپنسریوں میں ادویات کا ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ جن رہائش گاہوں میں حجاج کی تعداد زیادہ تھی انہیں متبادل رہائش گاہ دی گئیں اور باقی صفائی وغیرہ کے کسی حد تک انتظامات درست کیے گئے۔ رہائشی عمارتوں سے حجاج کو حرم لانے والی گاڑیوں میں اضافہ کیا گیا لیکن یہ تمام ہنگامی انتظامات مشکلات کے دہکتے ہوئے الاؤ پر پانی کے چند چھینٹے مارنے کے مترادف تھے۔

مدینہ منورہ جا کر جب انتظامات کا جائزہ لیا گیا تو یہاں پر ایسے ایسے گھپلوں کے کیس

سامنے آئے کہ عقل دنگ ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ جب میں نے وفاقی وزیر صاحب کو اس سے مطلع کیا تو وہ سر پکڑ کر رہ گئے۔ سفر حج سے واپسی پر ڈائریکٹر حج اور ڈپٹی ڈائریکٹر حج کے خلاف سخت ایکشن لینے کا انہوں نے اعلان کیا۔ وہ وعدہ کہاں تک وفاء ہوا کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ لمبے ہاتھوں والے لوگ کنویں میں اترنے سے پہلے باہر نکلنے کے راستے تیار کر چکے ہوتے ہیں لیکن میرا دل مطمئن ہو گیا کہ چلو جس مقصد کے لئے سرکاری اخراجات پر سفر ہوا اس میں کسی حد تک کامیاب تو ہوا۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے منیٰ و عرفات میں مباحثہ

○

چونکہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب، مولانا عبدالغفور حیدری صاحب اور مولانا لطف الرحمٰن صاحب (برادر مولانا فضل الرحمٰن) بھی حج کے نزدیکی ایام میں حجاز مقدس پہنچ چکے تھے تو منیٰ اور عرفات میں ہم چار پانچ حضرات کا خیمہ ایک ہی تھا۔ جہاں ملکی حالات، بے نظیر کی پالیسیاں اور اسلام و شیعیت پر خوب گرما گرم بحثیں ہوتی رہیں۔ مولانا عبدالغفور حیدری صاحب دونوں جمعیتوں کے مابین اتحاد کے لئے کافی مخلصانہ انداز میں گفتگو کرتے لیکن اس وقت جب مولانا فضل الرحمٰن صاحب شیعیت کے کفر کو تسلیم نہ کرنے پر کمربستہ ہو جاتے تو مولانا لطف الرحمٰن صاحب مصالحانہ انداز میں آگے بڑھتے اور یہ کہتے شیعیت کے کفر پر ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہمارا صرف سپاہ صحابہؓ سے طریقہ کار پر اختلاف ہے۔ کیونکہ اس وقت علماء حق کے تمام مدارس کے مفتی حضرات نے مولانا منظور احمد نعمانی صاحب کے

استفتاء کے جواب میں شیعت کے کفر کا جو متفقہ فیصلہ دیا ہے اسے رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ میں جواب میں کہتا جب آپ کا ہمارے ساتھ اصولی مسئلہ پر اتفاق ہے تو طریقہ کار سے آپ جس قدر بھی اختلاف کریں ہمیں منظور ہے جہاں ہم آپ کی رائے میں وزن محسوس کریں گے اور مسلمانوں کا فائدہ اس میں پائیں گے تو وہاں ضرور ہم اپنے طریق کار میں تبدیلی لائیں گے۔ لیکن اس وقت ہم امیر عزیمت مولانا حق نواز شہید ہی کے انداز اور طریقہ کار کو مفید سمجھتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں۔ پھر اس پر بحث چل نکلتی کہ مولانا حق نواز شہید تو جمعیت علماء اسلام کے عہدیدار تھے۔ اور ہماری قیادت میں کام کرتے تھے۔ ہم ان کے ہر مشکل وقت میں کام آتے رہے تو میرا جواب یہ ہوتا جب تک آپ نے ان کی سرپرستی فرمائی انہوں نے بھی آپ کو برملا قائد تسلیم کیا اور آپ کے گن گائے لیکن جب آپ نے انہیں نظرانداز ہی نہیں کیا بلکہ برملا طور پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو سپاہ صحابہؓ میں رہنا چاہتا ہے وہ جمعیت چھوڑ دے اور پھر اخبارات میں مولانا کے مشن اور کاز سے اعلان لاتعلقی کرنے کی مہم شروع کی۔ حتیٰ کہ ۱۹۸۹ء کے آخری ایام میں ان کے اسلام آباد میں آپ کی رہائش گاہ پر پانچ روز تک ایک معمولی سے مسئلہ کے لئے بیٹھے رہنے کے بعد مایوس ہو کر چلے جانے کا واقعہ پیش آیا تو پھر وہ برملا طور پر نہ صرف آپ حضرات کی پالیسیوں کی مخالفت کرنے لگے تھے بلکہ خود جمعیت کا میدان چھوڑ کر سپاہ صحابہؓ کے مشن کے لئے وقف ہو گئے۔

آج بھی ہم اسی مقام پر کھڑے ہوئے ہیں آپ پہلے والی شفقت اور سرپرستی کا انداز اپنائیں اور ہمارے موقف کی تردید کی بجائے (دبے لفظوں میں ہی سہی) تائید کریں تو جماعت کا ایک ایک کارکن آپ کی عزت و عظمت کو سلام کرنے پر تیار ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے کون سا جماعت کے لئے ڈالروں کا انبار لگا دیا ہے جس کے باعث انہیں ہمارے حلقوں میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا ہے۔ بات اتنی سی ہے کہ پشاور

کی انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس ہو یا کوئی اور موقعہ ہو تو انہوں نے کھل کر ہمارے موقف کی تائید کی ہے اور ہم انہیں خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

مدائن صالح کے تاریخی مقامات کا مطالعاتی دورہ

سن بستیوں کا حال جو حد سے گذر گئیں
ان امتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گئیں
کر یاد ان دنوں کو کہ آباد تھیں یہاں
گلیاں جو خاک و خون کی دہشت سے بھر گئیں۔
کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے
کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں۔

○

پاکستانی سفارتخانہ میں ایک نہایت مخلص ساتھی جن کی میزبانی سے ۱۹۹۳ء میں بھی عمرہ کے سفر میں مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میں مستفیض ہو چکا تھا۔ اس دفعہ پھر مدینہ منورہ وہ میرے منتظر تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ کو مدینہ منورہ سے ساڑھے چار سو کلو میٹر دور اردن کی سرحد کے قریب ان تاریخی مقامات کا دورہ کرانا چاہتا ہوں۔ جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آباد تھی اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا پہاڑ سے برآمد ہونے کا معجزہ رونما ہوا تھا اور ساتھ ساتھ واپسی پر خیبر کا وہ تاریخی قلعہ بھی دکھانا چاہتا ہوں جو خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ اس [illegible] اتنی بڑی پیش کش کا بھلا میں کیسے انکار کر سکتا تھا۔ تاہم اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں اس سفر میں کوئی پریشانی نہ پیش آ جائے کیونکہ اس طرح کے سفر کی سخت ممانعت ہے اور کسی جگہ بھی روکا جا سکتا ہے اور غیر

قانونی سفر کے جرم میں کوئی کاروائی ہونے کا احتمال بھی ہے۔ مگر ان کے عزم و یقین اور تجربہ کے پیش نظر میں تو تیار ہی تھا۔ پنجاب کے صوبائی وزیر مذہبی امور چوہدری شاہ نواز چیمہ بھی تیار ہو گئے جو مدینہ منورہ کے سفر میں اپنی خواہش سے میرے ساتھ ہی قیام و طعام کا انتظام کرائے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک روز نماز فجر کے متصل بعد یہ سفر شروع کر دیا اور پولیس کی تمام چوکیوں سے اللہ اللہ کرتے نکلتے چلے گئے اور چار گھنٹے کے طویل سفر کے بعد جو کہ ۱۲۰ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے طے ہوا تھا۔ ہم لوگ "العلاء" پہنچے۔ اب اگلا مرحلہ یہ تھا کہ اس علاقہ کے گورنر کے نمائندہ سے مدائن صالح کے تاریخی مقامات (جو کم و بیش ساٹھ ستر میل کے رقبہ پر مشتمل ہیں اور ان کے تمام راستوں پر سخت ترین چیک پوسٹیں ہیں) کا دورہ کرنے کی اجازت لی جائے۔ مجھے تو اس بات کی صرف چالیس فیصد امید تھی کہ ہمیں اجازت مل جائے گی لیکن اس نوجوان ساتھی کی شستہ عربی اور مخصوص عربی سٹائل میں شیوخ حضرات کے منہ اور پیشانی پر بوسے دینے اور خود کو پاکستانی سفارتخانہ کا نمائندہ بتاتے ہوئے ہمارے بارے میں کافی مبالغہ سے کام لینے کے باعث یہ کام چند ہی منٹوں میں ہو گیا۔ جب کہ پاکستان میں شاید ایسے کام کے لئے ہزاروں روپے کے علاوہ کم از کم ایک ہفتہ تو ضرور صرف ہو جاتا۔

اجازت نامہ کے بعد جب چیک پوسٹ کراس کر کے اس علاقہ میں داخل ہوئے تو آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور قرآنی آیت مبارکہ " وتنحتون الجبال بیوتا فارحین " کی اصل مراد سامنے تھی۔ میلوں کے ایریے میں پھیلے ہوئے دیو قامت بلند و بالا پہاڑوں کے سلسلہ پر نظر پڑنے کے بعد یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہمارے سامنے پہاڑ ہیں یا ہاتھیوں شیروں سانپوں پر مشتمل خوفناک جانور ہیں۔ تاحد نظر دکھائی دینے والے بلند پہاڑوں پر ہزاروں کی تعداد میں تیار لشکر کسی جنگ کے لئے کمربستہ ہے اور سر اٹھائے ہوئے دشمنوں کی راہ تک رہا ہے۔ کہیں تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہ کے

سامنے باادب کھڑے ہوئے وزیروں مشیروں کا سجا دربار ہے تو کہیں پورے کا پورا پہاڑ شہزادیوں کے مجسم پیکر میں تراشا ہوا ہے۔ اس سرزمین میں داخل ہوتے ہی ایک عجیب قسم کا خوف و دہشت انسانی طبیعت پر طاری ہو جاتا ہے۔ جس سے بجا طور پر ہم بھی متاثر ہوئے۔ ہر طرف ویرانگی اور پہاڑوں کے درمیان صحرا کا خاموش وحشت انگیز منظر ماحول کو اور زیادہ ہیبت ناک بنائے ہوئے ہے۔ یہ علاقہ قدرتی طور پر چاروں اطراف سے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے لیکن ان زبردست قوت کی حامل قوموں نے ان پہاڑوں کو اس طرح تراش دیا کہ اب وہ کسی عظیم ترین قلعہ کی فصیلیں نظر آتی ہیں۔

کس کس بات کا ذکر کیا جائے، بس یہی کہہ سکتا ہوں آج کے اس مادی ترقی کے دور میں جو کام تمام تر مشنریوں کے باوجود ممکن نہیں ہے۔ وہ ہزاروں برس قبل ان قوموں کے ہاتھوں سے ہی معرض وجود میں آیا۔ شاید اسی لئے وہ قومیں جسمانی قوت اور فولادی وجود کی مالک ہونے کے باعث اتنی سخت دل بھی واقع ہوئی تھیں کہ اپنے پیغمبروں اور رسولوں کی نہ صرف دعوت حق کو جھٹلانے پر آمادہ ہو گئیں بلکہ ان سے معجزات کا مطالبہ کر کے محیر العقول معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں۔ بلکہ حضرت صالح علیہ السلام کی معجزانہ طور پر ظہور پذیر ہونے والی اونٹنی تک کو قتل کر کے تین دن میں عذاب آنے کی دھمکی سن کر بھی چاروں طرف عذاب کا انتظار کرنے کے لئے نظریں گھمانے لگیں۔

اس وادی سے گذرتے ہوئے پھر ہم اس مقام پر پہنچے جہاں اس قوم کے بادشاہوں کے محلات کے کھنڈرات موجود ہیں وہاں پولیس کی سخت ترین چیک پوسٹ کے ذریعہ پھاٹک لگا کر راستہ بند کیا گیا ہے۔ جسے ہم نے اجازت نامہ دکھا کر کھلوایا اور اس ... میں "قصر بنت" قصر فرید اور دوسرے ایسے کھنڈرات دیکھے ہیں جس سے اس قوم کی قوت و شوکت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور ان کی بدبختی و سیاہ کاری کے نتیجے میں اس کے انجام بد کی تعبیر بھی سامنے آجاتی ہے کہ آج ان کے تراشے ہوئے محلات، کھودے ہوئے کنویں

پانی کے حوض اور ویران حویلیاں سامان عبرت بنے ہوئے ہیں۔ شاید انہی مناظر کے بارے میں قرآن کریم پکار کر کہتا ہے۔ لوگو! زمین میں گھوم پھر کر دیکھ لو کہ مجرم قوموں کا انجام کیسا رہا۔

یکم محرم کی تعطیل کے لئے وزیر اعلیٰ پنجاب سے مذاکرات اور ہوم سیکرٹری سے جھڑپ

سفر حج سے واپس ہوئی تو پوری حکومت کو محرم کے بخار میں مبتلا پایا۔ صوبائی انتظامیہ کی طرف سے اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کو محرم کے لئے امن کمیٹیوں کے اجلاسات طلب کرنے کی ہدایات کا آغاز ہو چکا تھا اور موسمی مینڈکوں کی طرح "اتحاد بھائی چارہ" کی مخصوص بولیاں بولنے والے میدان میں اترنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ بات مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آئی کہ جن لوگوں کے پیچھے ان کے محلہ کے لوگ نماز پڑھنے کو تیار نہیں ہوتے اور ان کی بیویاں بھی ان کے خیالات سے متفق نہیں ہوتیں وہ محرم الحرام میں قیام امن کے لئے کیا کارنامے سرانجام دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور انہیں کن مجبوریوں کے تحت حکام بالا بڑی بڑی ذمہ داریاں دے کر صوبوں کے سرکاری دوروں پر روانہ کر کے قومی خزانے کا نقصان کرتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسے لوگ چونکہ چرب زبانی اور خوشامد کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کی طبیعت اور مزاج کا اس حد تک تجربہ رکھتے ہوتے ہیں کہ وہ ہر اس روپ میں ڈھلنے کا سلیقہ جانتے ہوتے ہیں جس روپ میں حکمران انہیں دیکھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اس لئے کند جنس باہم جنس پرواز کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

سپاہ صحابہؓ کی طرف سے گذشتہ کئی سالوں سے یکم محرم کو یوم شہادت سیدنا فاروق اعظمؓ پر سرکاری تعطیل کے مطالبہ کو تسلیم کرانے کے لئے مدح صحابہؓ کے جلوس کا اہتمام کیا

جاتا ہے۔ اس لئے اس دفعہ وزیر اعلیٰ پنجاب منظور احمد وٹو صاحب کی یہ خواہش ہوئی کہ کسی طرح اس جلوس کو ختم کیا جائے۔ انہوں نے ۲۹ ذوالحجہ کو ہمیں دوپہر کے وقت ملاقات کے لئے دعوت دی۔ چنانچہ ہم نے دو گھنٹے تک ملاقات میں انہیں آگاہ کیا کہ یہ جلوس نہ ہمارا مذہبی جلوس ہے اور نہ ہی کوئی عبادت سمجھ کر ہم نے اسے بدعت کے طور پر اپنایا ہوا ہے۔ یہ محض مطالباتی جلوس ہے آپ ہمارا مطالبہ تسلیم کرلیں ہم جلوس ختم کردیں گے۔ انہوں نے رات دس بجے دوبارہ پھر ملاقات کا وعدہ کرلیا۔ رات کے اجلاس میں بھی سپاہ صحابہؓ کے قائد علامہ ضیاالرحمٰن فاروقی، مولانا محمد ضیاء القاسمی، شیخ حاکم علی، میاں ریاض حشمت، یوسف مجاہد، مولانا محمد نواز بلوچ اور میں خود شامل تھا جبکہ دوسری طرف وزیر اعلیٰ وٹو صاحب وزیر تعلیم ریاض فتیانہ صاحب وزیر خوراک اقبال ٹکا صاحب، چیف سیکرٹری صاحب پنجاب اور ہوم سیکرٹری پنجاب حفیظ گل موجود تھے۔

دوران اجلاس کافی باتیں ہوئیں ایک دوسرے کو قائل کرنے اور اپنا موقف منوانے کی کوششیں کی گئیں یہاں تک کہ رات کے بارہ بج گئے۔ چنانچہ بالآخر ایک معاہدہ طے پاگیا کہ حکومت پنجاب آئندہ سال سے یکم محرم کو سرکاری تعطیل کا نوٹیفکیشن جاری کرے گی اور سپاہ صحابہؓ اپنے جلوس ختم کرنے کا اعلان کردے۔ اس تاریخی موقعہ پر ایک ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آگیا جو اگرچہ ایک طرف اس معاہدہ کی تکمیل کا سبب بھی بنا۔ تو دوسری طرف میرے ساتھ آئندہ پیش آنے والے حادثات کا نقطئہ آغاز بھی ثابت ہوا۔

ہوا یوں کہ جب ہم دونوں فریق بحث و مباحثہ میں مصروف تھے تو میں نے شدت سے اس بات کو محسوس کیا کہ ہوم سیکرٹری صاحب اپنی گفتگو میں علماء کرام کا مذاق اڑانے اور ان کی تضحیک کرنے اور بعض اوقات انہیں دھمکانے تک سے گریز نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کا لہجہ حد درجہ گستاخ ہوتا چلا جارہا ہے۔ میں نے ان کی بات ٹوکتے ہوئے کہا آپ اپنا

انداز گفتگو درست کریں اور یہ مت سمجھیں کہ آپ کے سامنے کوئی سرکاری وظیفہ خور مولوی بیٹھے ہیں۔ ہم بحمد اللہ علماء دین بھی ہیں اور منتخب ممبران اسمبلی بھی۔ آپ ایک سرکاری ملازم ہیں اور اسی حیثیت میں بات کریں۔

میری اس بات پر ہوم سیکرٹری دم بخود ہو کر رہ گئے اور سٹپٹاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ان کی زبان ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی تو وہ سرخ چہرے اور جوشیلے انداز میں مجھ پر رعب ڈالنے لگے۔ میں نے ان کی یہ حرکت دیکھی تو میں بھی کھڑا ہو گیا اور ان سے کہا کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکالی یا حرکت کی تو اس کا نقد جواب ملے گا۔ رنگ محفل یکسر آتش فشاں کی صورت اختیار کر چکا تھا وزیر اعلیٰ صاحب باقی وزراء اور قائدین سپاہ صحابہؓ نے فوراً بیچ بچاؤ کرا کر ہم دونوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور پھر جلد از جلد تمام معاملات کو آخری شکل دے کر یکم محرم کی چھٹی کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔

ہوم سیکرٹری اور چیف سیکرٹری صاحب نے اس واقعہ کے بعد اگرچہ میرے ساتھ گلے مل کر "جو ہوا سو ہوا" "مٹی پاؤ" کے اصول پر اس بات کو بھول جانے کا اقرار کیا لیکن ان کے دل و دماغ کی تختی سے یہ واقعہ مٹ نہ سکا اور انہوں نے اپنی اس بے عزتی یا میری بے باکی کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ اگلے صفحات میں آپ کو واضح طور پر ان کے اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کی جھلکیاں نظر آئیں گی۔ میں اب بھی کبھی کبھی سوچتا ہوں کیا اس ملک کی افسر شاہی اس حد تک خود کو ہر قسم کی تنقید سے بالاتر سمجھتی ہے کہ اگر کوئی شخص محض ان کے مزاج کے خلاف بات کر دے تو یہ اسے کبھی معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتی ہے۔

نظریہ امام مہدی پر تقریر اور دنیائے شیعیت میں ہلچل

مسلمانوں کا جس طرح عقیدہ توحید کے مقابل شیعہ کے عقیدہ بداء، عصمت قرآن کے مقابل عقیدہ تحریف قرآن، عقیدہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے مقابل عقیدہ عصمت

آئمہ پر اصولی اختلاف ہے۔ اسی طرح شیعہ کے عقیدہ رجعت پر بھی بنیادی اختلاف ہے۔

شیعہ اثناعشریہ کے ہاں قیامت سے پہلے بھی ایک مرتبہ تمام مومنین و مخلصین اور منافقین و مرتدین کو زندہ کر کے آئمہ اہل بیت کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا سخت ترین بدلہ لیا جائے گا اور یہ اس وقت ہو گا جب ان کے بارہویں امام جو کہ پانچ چھ سال کی عمر میں تیسری صدی میں سر من رائی کے پہاڑ میں غائب ہو چکے ہیں۔ ان کا ظہور ہو گا۔

شیعہ کے نزدیک یہی بارہویں امام امام مہدی ہیں۔ انہی کے القاب قائم آل محمد، امام منتظر، امام زمانہ، صاحب العصر وغیرہ ہیں جبکہ اس کے برعکس اہلسنّت والجماعت کا نظریہ احادیث متواترہ کی روشنی میں یہ ہے کہ حضرت امام مہدی قرب قیامت میں پیدا ہوں گے آپ کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہو گا۔ خود آپ کا نام "محمد" ہو گا۔ جب آپ کی عمر مبارک چالیس برس کی ہو گی تو آپ کے ہاتھ پر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت ہو گی پھر آپ لشکر اسلام کو لے کر ان یہود و نصاریٰ کی افواج کے مقابلہ پہ نکلیں گے جو حرمین شریفین کے قریب پہنچ چکی ہوں گی۔ پھر جب آپ ملک شام پہنچیں گے اور دمشق کی جامع مسجد میں نماز کی تیاری میں مصروف ہوں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا۔ بعد ازاں یہ دونوں محترم حضرات مل کر دجال کو "لد" کے مقام پر قتل کریں گے اور یہودی و نصاریٰ کے لشکروں کو شکست دے کر اسلام کو پوری دنیا میں غالب کر کے اللہ کی زمین کو اللہ کے نظام کے نفاذ کے ذریعہ برکتوں اور سعادتوں سے مالا مال کر دیں گے۔

اہلسنّت والجماعت اور شیعہ اثناعشریہ کے مابین "امام مہدی" کی شخصیت پر جو اصولی اختلاف ہے۔ اسے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

شیعہ کے بارہویں امام امام مہدی کا نام محمد والد کا نام حسن عسکری والدہ کا نام نرجس مقام پیدائش "سر من رائی" اس وقت عمر قریبا ساڑھے گیارہ سو سال ہے جبکہ

اہلسنّت کے امام مہدی کا نام محمد والد ماجد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ مقام پیدائش مدینہ منورہ اور چالیس سال کی عمر میں بیت اللہ کے متصل ان کے ہاتھ پر بیعت ہوگی۔ شخصیات کے اس اصولی اختلاف کے بعد اب اس بات کو جان لینا چاہیے کہ دونوں شخصیات کا بعد از ظہور نصب العین بھی ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہوگا۔

شیعہ کی مستند کتب حق الیقین تصنیف ملاں باقر مجلسی، بصائر الدرجات، منتہی الامال میں بالتفصیل اصول کافی، احتجاج طبری و تفسیر کی تمام کتب وغیرہ میں اس بات کا وضاحت کے ساتھ ذکر ہے کہ ہمارے امام مہدی کا جب ظہور ہوگا تو ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے خود محمد ﷺ پھر حضرت علیؓ اور دیگر آئمہ کرام بیعت کریں گے۔ ہمارے امام مہدی ظہور کے بعد کافروں سے پہلے سنیوں کو قتل کریں گے اور ابتداء ان کے علماء کے قتل سے کریں گے۔ ہمارے امام مہدی حضرت عائشہ کو قبر سے نکال کر انکے وجود پر (معاذ اللہ) کوڑے لگائیں گے۔ ہمارے امام مہدی حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو روضہ رسول کی دیواریں گرا کر قبروں سے نکال کر برہنہ کریں گے اور پھر انہیں دن رات میں ہزار مرتبہ پھانسی دیں گے۔ (معاذ اللہ) ہمارے امام مہدی کا جب ظہور ہوگا تو ان کے پاس اصلی قرآن مجید ہوگا جو ستر گز لمبا ہوگا۔

طوالت کے خوف سے صرف ان پانچ علامتوں پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ اس کی پوری تفصیل کوٹ لکھپت جیل میری اسی متنازعہ تقریر کی تائید میں لکھی گئی کتاب "امام مہدی" میں قائد سپاہ صحابہ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی (شہید) نے درج فرمادی ہے کتاب شائع ہو چکی ہے اور اس عنوان پر ایک مستند کتاب ہے۔

شیعہ کے مزعومہ امام مہدی کے ان کارناموں کے برعکس اہلسنّت والجماعت کے نظریہ کے مطابق حضرت امام مہدی کا یہ کردار ہرگز نہیں ہوگا بلکہ وہ اسلام کے غلبہ اور مسلمانوں کی عزت کو چار چاند لگانے کے مشن کی تکمیل فرمائیں گے۔

میں نے مسجد حق نواز شہید جھنگ صدر میں ذوالقعدہ بمطابق ۱۹۹۴ء کے آخری دو جمعہ کے خطبات میں اس اصولی اختلاف کا تفصیل سے ذکر کیا۔ پہلے جمعہ میں میں نے اہلسنت والجماعت کا نظریہ امام مہدی اور حضرت امام مہدی کے اوصاف، کمالات اور کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا۔ دوسرے جمعہ میں میں نے شیعہ کے نظریہ امام مہدی کو بیان کرتے ہوئے ان بہت سی ڈرامائی اور افسانوی روایتوں کا بھی ذکر کیا جو حضرت حسن عسکری سے شاہ روم کی پوتی نرجس سے شادی کرانے کے بارہ میں شیعہ کتب میں موجود ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شیعہ کے امام مہدی کی پیدائش ہوئی یا نہیں ہوئی اس پر بھی شیعہ کی مستند کتب میں پائی جانے والی تفصیلات بیان کر کے شیعہ نظریہ کے مطابق ظہور امام مہدی کے بعد جو کارنامے ان سے ظاہر ہونے ہیں ان کا تذکرہ کیا (جن کی ایک جھلک آپ دیکھ چکے ہیں۔)

اس کے بعد میں نے دوٹوک انداز میں اس رائے کا اظہار کیا کہ شیعہ کے گیارہویں مزعومہ امام حسن عسکری رحمت اللہ علیہ اصل میں لاولد تھے ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ شیعہ نے اپنے خود ساختہ مذہب کے اس اصول کو تحفظ دیتے ہوئے کہ دنیا امام کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی ہے" حضرت حسن عسکری کی وفات کے بعد ان کا ایک بیٹا ثابت کر کے پھر اسے فوری غائب قرار دے دیا تاکہ زیارت کے شوق میں مبتلا شیعہ عوام کو مطمئن کیا جا سکے۔ میں نے کہا اگر بات اس حد تک ہوتی تو بھی ہمیں اس پر اعتراض کرنے یا اس افسانوی کہانی کے تاروپود حقائق کی روشنی میں بکھیرنے کی ضرورت نہ تھی۔ چونکہ شیعہ حضرات نے پھر اس حد تک آگے قدم بڑھا لیے کہ انہوں نے اس غائب شخصیت کے ظہور پذیر ہونے کے ساتھ ایسے واقعات کو بھی منسوب کر دیا جن کا تعلق ہمارے ایمان اور جذبات سے ہے۔ اس لئے اب ہم پر لازم ہے کہ ہم شیعہ اور پوری دنیا کو بتائیں کہ اول تو تمہارے امام مہدی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں۔ اگر بالفرض بقول تمہارے پیدا ہو چکے ہیں اور اب غائب

ہیں اور ظاہر ہو کر روضہ رسول کو گرانے حضرات شیخین کی توہین کرنے حضرت عائشہ کی توہین کرنے کی کوشش کریں گے اور کافروں سے قتل سینوں کو قتل کریں گے تو پھر سن لو! ہم بھی ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہیں اور ہم ایسے فرضی، جعلی، افسانوی مہدی کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ ایسے ناپاک عزائم رکھنے والے کو عبرتناک سزا دینے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

تقریر کے ڈیڑھ ماہ بعد جھنگ کے شیعوں کا واویلا اور میرے قتل کی سازش

امام مہدی کے عنوان پر شیعہ سنی نقطہ نظر پر مشتمل تقریر ہو جانے کے بعد میں حج پر روانہ ہو گیا حج سے واپسی پر کئی روز جھنگ میں رہا۔ حکومت پنجاب سے یکم محرم الحرام کے عنوان پر مذاکرات کیے۔ لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اس تقریر کا نہ علمی جواب آیا اور نہ کوئی احتجاج ہوا۔ جب حکومت پنجاب نے یکم محرم الحرام کی چھٹی کا نوٹیفکیشن جاری کرنے اعلان کر دیا تو محرم کے شروع کے ایام میں مجھے S.S.P پولیس جھنگ ناصر درانی نے بتایا کہ جھنگ کے شیعہ لیڈر آپ کی تقریر پر سخت احتجاج کر رہے ہیں میں نے جب ان کو بتایا کہ تقریر تو ڈیڑھ ماہ قبل کی ہے تو وہ بھی حیران رہ گئے اور پھر جب میں نے انہیں شیعہ کی بنیادی کتب سے مواد دکھایا کہ جس کی بناء پر میں نے تقریر کی تھی تو انہیں اور زیادہ حیرت ہوئی۔ پھر ایک روز پتہ چلا کہ تھانہ کوتوالی میں میری اس تقریر پر اب F.I.R درج کر کے سیل کر دی گئی ہے۔

ادھر جھنگ کے شیعہ نے ایک فرضی سی۔ آئی۔ ڈی اہلکار کی طرف سے رپورٹ تیار کی۔ جس میں میری تقریر کو نہایت توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا۔ اس رپورٹ کو تمام حکام، افسران، علماء، ممبران اسمبلی کو بھیجا گیا اور یہ تاثر عام کرنے کی کوشش کی گئی کہ مولانا اعظم طارق نے امام مہدی کی گستاخی کی ہے اور امام مہدی کے وجود کا انکار کر دیا ہے۔ اور پھر

دیکھتے ہی دیکھتے لاہور اور کئی شہروں میں میرے خلاف دیواروں پر نعرے لکھے جانے، میرے پتلے جلائے جانے اور میرے واجب القتل ہونے کے فتوے صادر کیے جانے لگے۔ لاہور میں سپاہ محمد کے نام سے ایک جماعت نے اس مسئلہ کی بنا پر خود کو آگے بڑھانا شروع کر دیا اور چند ڈکیتیوں، قتل، بدکاریوں کے مقدمات میں ملوث تخریب کاروں نے علامہ و قائد و جرنیل کے القابات کے لبادے اوڑھ کر اپنی شیعہ قوم کو میرے خلاف بھڑکا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ان "مذہبی رضاکاروں" کو فنڈز مہیا کرے تاکہ یہ لوگ مجھے قتل کر کے اپنے مذہب کی بہت بڑی خدمت سرانجام دے سکیں۔ چنانچہ ان کی حسب منشا شیعہ قوم نے انہیں خوب چندہ دیا اور وہ لوگ گھناؤنے منصوبے بنانے میں معروف ہو گئے۔ (جن کی تفصیلات آگے آئیں گی)

پنجاب حکومت کی طرف سے پولیس اسکواڈ واپس، مرکزی حکومت کی طرف سے اسلام آباد میں اسلحہ لے کر چلنے پر پابندی

ایک طرف میرے خلاف قتل کے فتوے، دھمکی آمیز بیانات اور بعض شہروں کی دیواروں پر نعرے اور میرے پتلے جلانے کا سلسلہ جاری تھا۔ دوسری طرف حکومت پنجاب کے ہوم سیکرٹری حفیظ گل صاحب نے مجھ سے پولیس اسکواڈ کی وہ حفاظتی سہولت (جو از خود سابقہ حکومتوں کے ادوار میں بھی خود صوبائی حکومتوں کی طرف سے دوران سفر دی جاتی تھی) واپس لینے کا فیصلہ صادر کر دیا۔

ادھر وفاقی وزیر داخلہ نصیراللہ بابر نے بھی اسلام آباد میں اسلحہ لے کر چلنے پر پابندی عائد کر دی۔ ان ہر دو فیصلوں کے کیا مقاصد تھے اور دہشت گردوں، تخریب کاروں کی طرف سے کئی شہروں میں میرا تعاقب کیے جانے کے باوجود کسی قسم کی حکومت کی طرف

سے کاروائی کا نہ کیا جانا کیا معنی رکھتا تھا۔ اس سے ہر صاحب عقل بخوبی آگاہ ہو سکتا ہے۔ اور حکومت کے ان اقدامات کا نتیجہ آگے چل کر راکٹ لانچروں سے مجھ پر حملوں کی صورت میں سامنے آیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ابھی میری زندگی کے ایام بقایا ہیں ورنہ حکمرانوں نے خصوصاً آصف زرداری صاحب نے تو سپاہ محمد جیسی تنظیم بنوا کر اور مجھ پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کرا کر میری زندگی کے تمام راستے کاٹ دیئے تھے۔ جن کی تفصیلات آگے آنے والی ہیں۔

گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین سے دوستی

بے نظیر کی حکومت کے قیام کے بعد صوبہ پنجاب میں گورنر کی سیٹ پر چوہدری الطاف حسین کو لایا گیا۔ جن کا تعلق جہلم شہر سے تھا۔ چوہدری صاحب چونکہ ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں جہلم سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے اور اپوزیشن کے بینچوں پر بیٹھے پیپلز پارٹی کی نمائندگی کرتے تھے۔ مجھے ضمنی الیکشن میں کامیاب ہو کر قومی اسمبلی پہنچنے کا موقع تو ان سے شناسائی ہو گئی۔ چوہدری صاحب ایک اچھے وکیل اور صاحب مطالعہ شخص تھے۔ اپنے کچھ دینی مطالعہ کے گھمنڈ میں انہیں علماء کرام کی جماعت میں "جہالت" کے پائے جانے کا کچھ زیادہ ہی احساس تھا۔ وہ قومی اسمبلی میں بعض دفعہ نواز شریف اور ان کے حامی علماء کرام کی مخالفت میں اس قدر بڑھ جاتے کہ علماء کرام کی توہین و تضحیک کر کے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کا سامان کرتے۔ ان کی تقریر کے اختتام پر میں کھڑا ہو جاتا اور انہیں علماء حق کے کردار سے آگاہ کرتا اور ساتھ ساتھ انہیں بتاتا کہ اچھے اور برے لوگ ہر معاشرہ میں ہوتے ہیں آپ اگر وکیل ہیں تو وکلاء کے لطائف بھی اس قدر ہیں کہ اگر میں بیان کرنے لگ جاؤں تو آپ شرم کے مارے منہ چھپانے لگ جائیں گے۔ غرض کہ ہمارے درمیان خوب چپقلش جاری تھی۔

ایک روز میں ان سے وقت لے کر ان کے ہاسٹل جا پہنچا اور ان سے ناموس صحابہؓ و اہل بیتؓ بل پر بات کی تو وہ بڑے جذبہ کے ساتھ اس کی حمایت کرنے پر تیار ہو گئے۔ اور بطور محرک بل پر دستخط کر دیئے۔ نواز شریف حکومت کے خاتمہ پر انکے گورنر بننے کے بعد ان سے دوستی کا تعلق قائم رہا اور انہوں نے میرے لئے گورنر ہاؤس کے دروازے کھلے رکھنے کا حکم دے دیا۔ جس کے باعث جب بھی لاہور جاتا ان سے ملاقات ہو جاتی۔

مدارس عربیہ کی تنظیموں کے نمائندگان کی گورنر پنجاب سے ملاقات

انہی ایام میں حضرت قائد سپاہ صحابہؓ فاروقی شہید نے کہا کہ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث مکاتب فکر کے مدارس کی تنظیموں، (وفاق المدارس، تنظیم المدارس وفاق المدارس السلفیہ) کے ذمہ دار علماء کرام گورنر پنجاب سے ملاقات کے خواہاں ہیں تاکہ فارغ التحصیل علماء کرام کو جاری ہونے والی اسناد کو حکومت پنجاب ایم۔ اے عربی، ایم۔ اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کرلے میں نے گورنر صاحب سے وقت ملاقات طے کر کے حضرت مولانا سلیم اللہ خان کی قیادت میں ان تینوں مکاتب فکر کی تنظیموں کے نمائندگان سے ملاقات کرانے کا اہتمام کیا اور پھر اس ملاقات کے نتیجے میں علماء کرام کا مطالبہ تسلیم کر لیا گیا اور اس کے مطابق چند روز بعد گورنر الطاف حسین صاحب نے نوٹیفکیشن جاری کرا دیا اور یوں ہمارے تعلقات پہلے سے بھی گہرے ہوتے چلے گئے۔

بے نظیر حکومت کا مدارس عربیہ کے خلاف ایکشن

بے نظیر حکومت چونکہ اول روز سے ہی چند مانگے تانگے کے ممبران پر استوار تھی اگرچہ وہ اپنی پارٹی کا صدر منتخب کرا کر کافی مطمئن تھی تاہم امریکہ اور بیرونی قوتوں کا دباؤ برداشت کرنے کی اس میں ذرہ برابر بھی سکت نہ تھی۔ اس وجہ سے ایک طرف اس نے

پاور پلانٹس کی تنصیبات جیسے معاہدے کیے جنہوں نے ملک کی اقتصادی حالت کا بھٹہ بٹھا دیا۔ اگرچہ ان معاہدوں کے ذریعہ خود بے نظیر صاحبہ اور انکے شوہر نامدار نے دل کھول کر دولت سمیٹی پھر بھی ان معاہدوں کا فائدہ چونکہ امریکی اور یورپی کمپنیوں کو تھا تو ان کی ہر فرمائش پر آنکھیں بند کر کے دستخط کر دیئے گئے۔

دوسری طرف امریکہ اور اس کے حواری غیر مسلم ممالک کا حکومت پر دباؤ بڑھتا چلا گیا کہ پاکستان میں تیزی سے بڑھتے ہوئے مذہبی رجحان، کشمیر، افغانستان، بوسنیا، برما اور فلپائن کے مظلوم مسلمانوں کی جانی و مالی نصرت کے جذبات کو پروان چڑھنے سے روکا جائے اور اس کا حل ان کی نظر میں ایک ہی تھا کہ دینی اداروں پر سخت ترین پابندیاں عائد کی جائیں۔ ان کے نصاب تعلیم کو تبدیل کیا جائے۔ ان کی آزاد حیثیت کو ختم کر کے حکومت خود ان کا انتظام سنبھالے چنانچہ رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے مدارس عربیہ کے خلاف طرح طرح کے الزامات عائد کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

گورنر کی طرف سے مدارس عربیہ کے خلاف تشویشناک بیانات اور ان کا جواب

بے نظیر حکومت کے مدارس عربیہ کے خلاف ناپاک عزائم اور بیانات کا سلسلہ شروع ہوا تو گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین بھی اپنی عادت سے مجبور ہو گئے کیونکہ ان کے دل میں علماء سے ایک قدرتی سا "بیر" موجود تھا۔ ویسے بھی پیپلز پارٹی کی سوچ اور علماء کرام و دینی حلقوں کی سوچ میں واضح فرق ہے۔ چنانچہ گورنر صاحب نے مدارس کے خلاف بیان بازی کے ریکارڈ توڑ دیئے۔ ان بیانات کا جواب اگرچہ چند حلقوں سے آیا لیکن میری طرف سے اسی لہجہ میں جواب دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا کیونکہ اگر گورنر صاحب اپنی عادت سے مجبور تھے تو ظاہر بات ہے کہ میں بھی ان مدارس کے تحفظ و سلامتی کے۔ لئے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور تھا۔ چنانچہ ان بیانات سے میرے اور گورنر صاحب کے

درمیان فاصلے بڑھتے چلے گئے۔

مدارس عربیہ کے مہتمم حضرات کے نمائندہ اجلاس میں میری جوشیلی تقریر

مولانا سمیع الحق مدظلہ کی کوششوں سے دینی حلقوں میں حکومتی عزائم کے خلاف دفاعی انداز اختیار کرنے کا جذبہ پروان چڑھنے لگا تو دیوبندی، بریلوی اہلحدیث مکاتب فکر کے مدارس کے مہتممین و ناظم حضرات مشائخ عظام اور نامور علماء کرام کا ایک کنونشن جامعہ نعیمیہ لاہور میں طلب کر لیا گیا۔ کنونشن میں شرکت کا مجھے بھی دعوت نامہ پہنچا تو میں اپنے احباب سمیت کنونشن میں شریک ہو گیا۔ کنونشن کے منتظمین نے تمام مقررین کو دعوت خطاب دی لیکن مجھے قصداً نظرانداز کر دیا گیا۔ آخر مولانا سمیع الحق اور دیگر حضرات کی مداخلت سے مجھے دعوت خطاب دی گئی تو میں نے چند منٹوں میں حکمرانوں کی ناپاک سازشوں کا ذکر کر کے پوری قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا، "علماء کرام نے مجھ سے قبل یہ انداز اختیار فرمایا ہے کہ اگر ہم سے دینی مدارس چھینے گئے تو ہم درختوں کے نیچے بیٹھ کر قال اللہ و قال الرسول کا فریضہ سرانجام دیں گے۔

یہ انداز نہایت بزدلی اور کمزوری کی دلیل ہے۔ یہ وطن ہمارا ہے اور ہمارے بڑوں نے قربانیوں سے حاصل کیا ہے۔ آج ہمیں یہ اعلان کرنا ہے کہ اگر کوئی قوت مدارس کی طرف برے ارادوں سے بڑھی تو ہم اس کی ٹانگیں توڑنے کے لئے تیار کھڑے ہونگے اور ان مدارس کی طرف بری نگاہ سے دیکھنے والی آنکھیں نکال دیں گے۔"

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

یہ تقریر اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ پورا کنونشن نعروں سے گونج اٹھا۔ میں نے اس تقریر میں گورنر پنجاب کے بیانات کا نوٹس لیتے ہوئے کہا: جو شخص ۲۴ میں سے ۱۸ گھنٹے شراب کے نشے میں مدہوش رہتا ہے وہ کیا جانے کہ مدارس عربیہ کی کیا شان ہے اور کیا مقام ہے؟ کنونشن کے اختتام پر صحافیوں نے مجھے گھیر لیا اور کنونشن کے اغراض و مقاصد معلوم کرنے شروع کر دیئے جس کے نتیجہ میں دوسرے روز اخبارات میں میرے، سخت لب و لہجہ اور حکمرانوں کے بارے میں صداقت پر مبنی جوابات کا چرچہ تھا۔

اس صورت حال نے گورنر پنجاب کے دل سے میری محبت یا تھوڑے بہت تعلق داری کے رشتہ کو ختم کر کے میرے بارے میں سخت بغض و عداوت کا مادہ بھر دیا اور یہاں تک کہ وہ میری جان کے درپے ہو گئے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

حکومت کی طرف سے ناموس صحابہؓ بل کو روکنا اور میرا اسپیکر کی کرسی پر قبضہ

قول اقبال

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکر معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوق خراش
اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

O

وزارت عظمیٰ کے حصول کے بعد "جیالا صدر" منتخب کرانے اور چاروں صوبوں سے بڑی تعداد میں سینٹ میں پیپلز پارٹی کی نمائندگی کو یقینی بنانے کے بعد اب بے نظیر صاحبہ

اور ان کے لیڈروں کا دماغ آسمان پر پہنچ چکا تھا۔ وہ فخریہ طور پر اس بات کا دعویٰ کرنے لگے تھے کہ اب ہم نہ صرف پانچ سال تک اقتدار کے مزے لوٹیں گے بلکہ آئندہ پانچ سال کے لئے بھی ہم ہی منتخب ہونگے۔ کیونکہ صدر "اپنا بندہ" ہے۔ لہٰذا کسی کے ساتھ کیا ہوا وعدہ یا معاہدہ محض زبانی بات اور کاغذ کے ایک ٹکڑے سے زیادہ کوئی اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ صدارتی الیکشن پر کیے گئے تحریری معاہدے کی دوسری شق ناموس صحابہؓ بل منظور کرانا تھی۔ چنانچہ ۱۹۹۴ء جون کو "پرائیویٹ ڈے" کے موقع پر ناموس صحابہؓ بل اسمبلی کے ایجنڈے میں تیسرے نمبر پر آیا ہوا تھا۔ چنانچہ جب پہلے اور دوسرے نمبروں پر کاروائی مکمل ہو چکی تو اب سپیکر اسمبلی کی ذمہ داری تھی کہ وہ اعلان کرتے "اب ایجنڈا نمبر تین کی کاروائی شروع ہوتی ہے۔" "مولانا اعظم طارق اٹھ کر بل پیش کریں۔" مجھے اٹھ کر بل کی عبارت پڑھنا تھی۔ پھر سپیکر کی طرف سے ایوان میں بل پیش کر کے اس پر رائے شماری کرائی جانا تھی اگر ایوان میں موجود ممبران کی سادہ اکثریت اسے منظور کر لیتی تو قانون سازی کا ایک مرحلہ مکمل ہو جاتا تھا۔

اس وقت ایوان میں صورت حال یہ تھی کہ مسلم لیگ کی طرف سے ناموس صحابہؓ و اہل بیت بل پر دستخط کرنے والے اکثر ارکان اور دینی جماعتوں کے نمائندے تو موجود تھے ہی خود پیپلز پارٹی کے وہ نمائندے بھی موجود تھے۔ جنہوں نے اس بل پر دستخط کئے ہوئے تھے جبکہ بل پر دستخط نہ کرنے والے ارکان اسمبلی اجلاس میں موجود ہی نہ تھے کیونکہ انہوں نے اس انداز میں بل کی حمایت کا یقین دلایا تھا کہ ہم نہ مخالفت کریں گے اور نہ حمایت۔

حکومت کے لئے یہ مرحلہ بڑا دشوار گزار تھا خصوصاً وزیر قانون و پارلیمانی امور سید اقبال حیدر جو کہ خود ایک متعصب شیعہ ہیں۔ اس صوت حال پر سخت پریشان ہو گئے کیونکہ انہیں نتیجہ صاف نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ سپیکر کی کرسی پر موجود ایوان چلانے والے ڈپٹی سپیکر سید ظفر علی شاہ جو اس بل کے ذاتی طور پر مخالف تھے مجھے بل کی عبارت

پڑھنے کا کہتے۔ اقبال حیدر صاحب نے چلا چلا کر کہنا شروع کر دیا کہ جناب سپیکر اسلام آباد میں پانی کی کمی ہے۔ لہٰذا میری تجویز ہے کہ آپ پانی کی قلت کے مسئلہ پر بحث کی اجازت دیں اور تقاریر شروع کرائیں۔ ڈپٹی سپیکر صاحب بھی ان کی اس بات کی تائید کرتے ہوئے نظر آئے تو میرے سمیت اپوزیشن مسلم لیگ کے ڈپٹی اپوزیشن لیڈر گوہر ایوب صاحب پختون خواہ پارٹی کے پارلیمانی لیڈر محمود خان اچکزئی جماعت اسلامی کے پارلیمانی لیڈر مظفر احمد ہاشمی جمعیت علماء اسلام کے راہنما مولانا عبدالغفور حیدری اور کئی دوسرے ارکان پارلیمنٹ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز میں پرزور مطالبہ کرنے لگے کہ ایجنڈا کے مطابق مولانا محمد اعظم طارق کو بل پڑھنے کا موقع دیا جائے۔

ڈپٹی سپیکر صاحب نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اولاً تو ہمیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ میں آئندہ ہفتہ تک اس مسئلہ کو مؤخر کر دوں۔ جب میں نے اور تمام دیگر ارکان اسمبلی نے اس بات سے انکار کر دیا تو انہوں نے وفاقی وزیر صاحب کو کہا کہ وہ مان جائیں لیکن وفاقی وزیر تو اس طرح چلا رہے تھے اور آپے سے باہر ہو رہے تھے کہ انہیں کوئی بات سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔ وہ یہی رٹ لگا رہے تھے کہ بس آپ پانی کی بحث شروع کرائیں۔ اب سپیکر صاحب نے ہمیں کہا کہ اگر آپ لوگ وزیر موصوف کی تجویز تسلیم نہیں کریں گے تو میں اجلاس برخواست کر دوں گا۔ ہم نے کہا کہ ہم تو اسمبلی کے ضابطہ اور اصول کے مطابق اسمبلی چلانے کی بات کر رہے ہیں اور آپ ایک شخص کی غلط اور بے اصول ضد پر بے جا حمایت کیے جا رہے ہیں۔ آپ انہیں حکم دیں کہ وہ خاموشی سے بیٹھیں۔ اور اسمبلی کی اگلی کاروائی شروع کریں۔

چونکہ سپیکر کا منصب اسمبلی میں ایک بلند منصب ہوتا ہے۔ جس کی بات اور حکم کے سامنے وزیراعظم کو بھی خاموشی اختیار کرنا ہوتی ہے۔ مگر چونکہ ڈپٹی سپیکر بہرحال پیپلز پارٹی کے رکن اسمبلی تھے۔ سو انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ اجلاس برخواست کیا جاتا ہے اور

کرسی سے اٹھ کر پچھلی دیوار میں لگے دروازے سے باہر نکل گئے۔

اس پر ہم سب نے مشورہ کیا کہ یہ اجلاس غیر اصولی طور پر ختم کیا گیا ہے لہٰذا کوئی رکن بھی اجلاس کی صدارت کر کے کاروائی دوبارہ چلا سکتا ہے۔ چنانچہ میں خود سپیکر کی کرسی پر پہنچ گیا اور اعلان کیا "اسمبلی کا اجلاس شروع کیا جاتا ہے"۔ اس پر سب ارکان اسمبلی ڈسک بجاتے ہوئے بیٹھ گئے میں نے ناموس صحابہؓ بل کی عبارت پڑھی اور کہا جو اس کی حمایت میں ہیں ہاں کہیں ہر طرف سے ہاں ہاں کی آوازیں بلند ہوئیں پھر میں نے کہا جو اس کی مخالفت میں ہیں "ناں" کہیں تو سوائے وزیر موصوف کے کسی نے ناں" نہ کہا تو میں نے کہا بل پاس کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اجلاس برخواست کیا جاتا ہے۔

میں سپیکر کی کرسی سے نیچے اترا تو ارکان اسمبلی نے آگے بڑھ کر مجھے بل پاس ہونے کی مبارک باد دی۔ دوسرے روز اخبارات نے اس واقعہ کو شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔

میری دیوانگی قائم ہے وہیں پر اب تک
ورنہ ہر رنگ میں انسان بدل جاتا ہے
عقل انسان کو گمراہ بھی کرتی ہے کبھی
عقل کی بات پہ ایمان بدل جاتا ہے
جنگ اور امن میں کچھ فرق نہیں ہے ایسا
کش مکش رہتی ہے میدان بدل جاتا ہے
ہم نے حافظ وہ نظر دیکھی ہے جس کے دم سے
زندگی کا سروسامان بدل جاتا ہے

قومی اسمبلی میں پیش کیا جانے والا ناموس صحابہؓ واہل بیتؓ بل

چونکہ یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں ظاہر ہونے والی اغراض کے لئے پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵۔ بابت ۱۸۶۰ء) اور مجموعہ فوجداری ۱۸۹۸ء بابت ۱۸۹۸ء) میں مزید ترمیم

کی جائے۔ لہٰذا بذریعہ حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

مختصر عنوان اور آغاز نفاذ

(۱) یہ ایکٹ قانون فوجداری (ترمیمی) ایکٹ ۱۹۹۴ء کے نام سے موسوم ہو گا۔

(۲) اس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہو گا۔ (۳) یہ فوری نافذ العمل ہو گا۔

ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء کی دفعہ ۲۹۸ کی ترمیم

مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) کی دفعہ ۲۹۸ الف میں۔

(الف) الفاظ "دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی ایسی سزائے قید دی جائے گی جس کی میعاد تین سال تک ہو سکتی ہے یا سزائے جرمانہ دی جائے گی یا ہر دو سزائیں دی جائیں گی" کی جگہ الفاظ "موت یا عمر قید یا دس سال قید بمع اسی (۸۰) کوڑے کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہو گا" تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

(ب) آخر میں حسب ذیل تشریح کا اضافہ کیا جائے گا۔ یعنی

تشریح

اس دفعہ میں خلفاء راشدین یا اصحاب رسول پاک کے حوالہ سے لفظ "بے ادبی" اس شخص پر بھی لاگو ہو گا جو قصداً یا دانستہ طور پر اہل بیت عظام (ازواج مطہرات و اولاد رسول) کی توہین لفظاً "قولاً" یا تحریراً یا مرئی اشکال کے ذریعے یا کسی تہمت، طعن آمیز اشارہ یا درپردہ الزام کے ذریعہ بلاواسطہ یا بالواسطہ حسب ذیل ریمارکس کلی یا جزوی طور پر استعمال کرے۔ یعنی

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علیؓ کے

ایمان کی نفی کرے۔

۲۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنیؓ حضرت علیؓ اور اہل بیت عظامؓ کی شان میں گستاخی، بے ادبی کرے اور ان کو سچا مخلص اور با ایمان مسلمان نہ ماننے کا اظہار کرے۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پہ بدی کی تہمت لگائے ان کے ایمان کی نفی کرے۔ غیر مومنہ کہے اور یا انہیں لائق حد مانے۔

۴۔ صحابہ کرام (جن کے ایمان اور اعمال صالحہ کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک تواتر قدر مشترک کے ساتھ پہنچی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ان سے راضی ہونے کی شہادت دی) کے ایمان کی نفی کرے۔ انہیں حضور اکرم ﷺ کے بعد مرتد سمجھے اور ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرے۔

تشریح

پیراگراف (۱) تا (۴) بالا کے مرتکب افراد کو ارتداد اسزائے موت دی جائے گی۔

۵۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے حق ہونے کا انکار کرے۔

۶۔ ان صحابہ کرام جن کے مومن ہونے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے رضایاب ہونے کی خبر ہم تک بروایات صحیحہ مشہورہ پہنچی ہو ان کی شان میں علی العموم گستاخی اور بے ادبی کے کلمات کہے۔

۷۔ حضرت امیر معاویہؓ جنہیں حضرت امام حسنؓ نے عراق کی اسلامی سلطنت سپرد کی اور آنحضرت ﷺ نے ایک پیش گوئی میں انہیں ان (حضرت حسنؓ) کے

عمل پر سید فرمایا اور ان کو ان کے فریق حضرت امیر معاویہؓ دونوں کو فئتین عظیمتین من المسلمین فرمایا کو کافر سمجھے اور انہیں سب وشتم کرے

۸۔ صحابہ کرام کی شان میں علی العموم (واضح طور پر) بے ادبی اور گستاخی کرے۔

تشریح

پیراگراف (۵) تا (۸) بالا کے مرتکب افراد کو عمر قید یا کم از کم دس سال قید بمعہ ۸۰ کوڑے کی سزا دی جائے۔

(۳) ایکٹ نمبر ۵- بابت ۱۸۹۸ء) کے جدول دوئم کی ترمیم

مجموعہ فوجداری ۱۸۹۸ء) میں جدول دوئم میں دفعہ ۲۹۸ الف سے متعلق اندراجات میں۔

۱۔ کالم ۵ میں لفظ "قابل ضمانت" تبدیل کر دیا جائے گا"

۲۔ کالم ۷ میں الفاظ "دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی ایسی سزائے قید دی جائے گی جس کی میعاد تین سال تک ہو سکتی ہے یا سزائے جرمانہ یا ہر دو سزائیں دی جائیں گی۔) کی جگہ الفاظ "موت یا عمر قید یا دس سال قید بمعہ ۸۰ کوڑوں تک سزا دی جائے گی" تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

۳۔ کالم ۸ میں الفاظ "درجہ اول یا دوم کا مجسٹریٹ" کی جگہ الفاظ "کورٹ آف سیشن" تبدیل کر دئیے جائیں گے۔

بیان اغراض ووجوہ

اسلامی ملک میں اہل بیت عظامؓ اور صحابہ کرامؓ کی عزت وناموس کے تحفظ کرنے

فرقہ وارانہ فسادات کا خاتمہ کرنے اور ہر سال ملک کا امن و امان برباد ہونے سے بچانے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ قانون میں ترمیم کر کے گستاخان اہل بیت و صحابہ کرام کے لئے ناموس رسالت کی طرح سخت ترین سزا یعنی سزائے موت، عمر قید یا دس سالہ قید اور کوڑوں کی سزا رکھی جائے تاکہ اہل بیت عظام (ازواج، مطہرات و اولاد رسول ﷺ) اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضرت عمر فاروق ؓ حضرت عثمان غنی ؓ اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ و دیگر اصحاب رسول ﷺ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرنے والوں پر قانونی گرفت مضبوط کی جا سکے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے تعزیرات پاکستان میں موجودہ بل کے تحت ترمیم کرنا مقصود ہے علاوہ ازیں مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کے جدول دوئم میں متعاقب ترامیم بذریعہ بل ہذا کی جاتی ہیں۔

مولانا اعظم طارق رکن انچارج

بجٹ اجلاس میں ناموس صحابہ ؓ بل پیش کرنے کی دھمکی اور حکومت کی بدحواسی

ناموس صحابہ ؓ بل کو منظور ہونے سے غیر قانونی طور پر روکنے کی جو کوشش کی گئی میں نے اور اپوزیشن کے کئی ممبران نے اس پر احتجاج کرتے ہوئے حکومت کو وارننگ دی کہ اب تین روز بعد اسمبلی میں بجٹ پیش ہونے کے موقع پر ہم نہ صرف حکومت کی طرف سے ایوان کے تقدس کو پامال کرنے اور اسمبلی کے اصولوں سے انحراف کرنے پر احتجاج کریں گے بلکہ ہم اس روز بھی ناموس صحابہ ؓ واہل بیت ؓ بل پیش کریں گے، تاکہ ریڈیو، ٹی وی پر براہ راست دکھائی اور سنائی جانے والی کارروائی کے ذریعہ عوام تک اس بل کی تفصیلات پہنچائی جائیں۔

ہماری اس دھمکی سے حکومت اس قدر خوف زدہ اور بدحواس ہو گئی کہ ۱۰ جون کو اس نے بجٹ تقریر براہ راست نشر نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لوگ مقررہ وقت پر ٹی۔ وی پر

سامنے بیٹھے اور سوچتے رہے کہ نامعلوم کس وجہ سے پہلی مرتبہ بجٹ براہ راست نہیں دکھایا جارہا ہے ادھر اسمبلی میں ہم نے اپنا احتجاج زبردست انداز میں ریکارڈ کرایا اور ڈپٹی سپیکر کے رویہ کی خوب خبرلی۔ جس سے آئندہ ہمیشہ ڈپٹی سپیکر صاحب اسمبلی کاروائی چلاتے ہوئے محتاط رہے۔

ناموس صحابہؓ و اہل بیت بل کے خلاف حکومتی اقدامات اور مجھے نااہل قرار دلوانے کا اعلان

قومی اسمبلی میں اچانک ناموس صحابہؓ و اہل بیت بل کے پاس ہو جانے کا خطرہ اگرچہ وقتی طور پر ٹل گیا کیونکہ حکومت نے ڈپٹی سپیکر کے اجلاس برخواست کے بعد اسمبلی کی کاروائی کو غیر قانونی قرار دے کر مسترد کر دیا تھا۔ تاہم اس بات کا شدید اندیشہ تھا کہ کسی بھی وقت یہ بل ایوان میں دوبارہ پیش ہو کر پاس ہو سکتا ہے۔ چنانچہ پیپلزپارٹی نے پارلیمانی اجلاس میں تمام پارٹی ممبران کو پابند کر دیا کہ وہ اس بل پر کیے ہوئے دستخطوں کو واپس لے لیں اور اس کی حمایت نہ کریں۔ لیکن اس کے باوجود تین ممبران قومی اسمبلی نے جن کا تعلق پیپلزپارٹی سے تھا اس بل کی حمایت سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا۔ ان میں ٹوبہ ٹیک سنگھ سے منتخب چوہدری محمد اشفاق، کبیر والا سے منتخب سردار محمد اقبال ہراج اور فیصل آباد سے منتخب چوہدری محمد الیاس جٹ شامل ہیں۔ پیپلزپارٹی سے بیس کے قریب دیگر ارکان نے دستخط تو واپس لے لئے لیکن اس بات کا یقین دلایا کہ اول تو وہ اس بل کے پیش ہونے پر اس کی حمایت کریں گے۔ ورنہ کم از کم اس کی مخالفت نہیں کریں گے تاکہ مخالفین کے ووٹ زیادہ نہ ہوں۔ بعض نے کہا ہم "پرائیویٹ ڈے" کے روز اسمبلی میں نہیں آئیں گے تاکہ کم از کم مخالفت کا گناہ مول نہ لیں۔

لیکن اس کے بعد تیسرے ہی روز بجٹ پیش کیا گیا چنانچہ اگلے پورے ایک ماہ کے

اجلاس میں بجٹ پر بحث کے باعث "پرائیویٹ ڈے" کی کاروائی ہی اسمبلی کے ایجنڈے میں شامل نہیں ہوئی۔

یہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ حکومت نے میری طرف سے سپیکر کی کرسی پر جا بیٹھنے اور بل پاس کرانے کے اقدام کو عدالت میں لے جانے کا اعلان کر دیا تھا تاکہ وہ مجھے نااہل قرار دلوائے۔ لیکن اسے قانونی مشیروں نے آگاہ کیا کہ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ آپ نے مولانا اعظم طارق کی طرف سے ایوان کو زبردستی چلانے کی کاروائی کو قانونی تسلیم کر لیا ہے ایسی شکل میں ناموس صحابہؓ بل پاس سمجھا جائے گا۔ ورنہ اگر آپ کا یہ دعویٰ ہو کہ جب مولانا اعظم طارق سپیکر کی کرسی پر بیٹھے اس وقت ایوان قانونی طور پر جاری نہ تھا تو پھر مولانا طارق کا اقدام ایوان کے تقدس کے پامال کے زمرے ہی میں نہیں آتا۔ کیونکہ جب ایوان کی کاروائی جاری نہ ہو تو کرسی پر کسی کے بیٹھنے یا نہ بیٹھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
تب جا کر پیپلز پارٹی کے ارکان کو ہوش آیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

انہی دنوں اسمبلی میں قومی بجٹ اور ناموس صحابہ بل کے موضوع پر میں نے حسب ذیل تقریر کی۔

بجٹ اور ناموس صحابہؓ بل کی اہمیت پر تاریخی تقریر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

شکریہ جناب سپیکر:۔ آج مجھے بجٹ پر تقریر کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ میں اس موقع پر یہ عزم لے کر کھڑا ہوں کہ میں حقائق پر مبنی تلخ باتیں آج انتہائی نرم لہجے میں اس ایوان میں کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

جناب والا:۔ ہمیں ہمارے بجٹ میں یہ بات دکھائی گئی ہے کہ ہمارے ملک میں ایک

سال میں ۳ کھرب ۳۹ ارب ۵۱ کروڑ ۰۷ لاکھ روپے کی آمدنی کا تخمینہ لگایا گیا ہے سب سے پہلی بات اس آمدنی کو جن بنیادوں پر اندازہ کر کے قوم کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ ہم نے بجٹ بریفنگ (Brefing) میں وزیر خزانہ اور اپنے سیکرٹری حضرات کو یہ بات واضح کر دی تھی اور ہم نے ان کے سامنے اپنا موقف منوالیا تھا کہ آپ نے جو بیس (Base) آمدن کا پیش کیا ہے۔ اس میں خاص طور پر زراعت اور ٹیکس ہیں۔ آپ نے زراعت میں کپاس کو اپنا بیس (Base) بنایا ہے۔ چاول کو اپنا بیس (Base) بنایا ہے۔ گندم کو اپنا بیس (Base) بنایا ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اس سال ہمارے ملک میں کپاس وائرس کی وجہ سے پچھلے سال سے بھی کم ہونے کے امکانات ہیں بلکہ یقین ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ جس بنیاد پر آمدن کو پیش کیا جارہا ہے۔ اسے وائرس سے بچاؤ کے لئے اس وائرس کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے اور زمینداروں کو وقت پر اعلیٰ بیج مہیا کرنے اور اس کو اسی طرح وقت پر اسپرے مہیا کرنے کا حکومت نے کوئی ایسا پروگرام اور لائحہ عمل پیش ہی نہیں کیا اس کے ساتھ ساتھ آمدن ٹیکس سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور ہمارے ہاں ٹیکس دینے کے لئے سوائے ایک غریب اور شریف طبقہ کے بڑے بڑے لوگوں سے ٹیکس وصولی کی کوئی کاروائی نہیں کی جاتی۔

جناب والا:۔ جب ہم اخراجات کی طرف دیکھتے ہیں اور اسی عنوان پر آج میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک میں تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ۳ کھرب ۳۹ ارب تو آمدن ہو گی اور ہم اخراجات کریں گے ۳ کھرب ۸۵ ارب گویا کہ ۴۶ ارب ہم اپنی آمدن سے زیادہ خرچ کریں گے مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جب کوئی آدمی آمدن سے زیادہ خرچ کرے چادر سے زیادہ اپنے پاؤں پھیلائے تو پھر اس آدمی کے ساتھ کیا حشر ہوتا ہے اور چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے والے بھرپوری رات جن کیفیات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اسی طرح

ہمارا ملک اس کیفیت سے دوچار ہو گا، لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ اخراجات کہاں ہوں گے تو پھر نظر آتا ہے کہ ایک کھرب ایک ارب روپے صرف ہم اپنے دفاع پر خرچ کریں گے اور میں آج اس ایوان میں یہی تلخ حقیقت نرم لفظوں میں عرض کرنا چاہتا ہوں ہمارا غریب ملک کب تک کھربوں روپے صرف اس ڈر سے کہ ہم نے انڈیا سے لڑنا ہے۔ ہم نے اپنا ملک انڈیا سے بچانا ہے۔ لہٰذا ہم کھربوں روپے کے سالانہ بم اسلحہ راکٹ لانچر میزائل خرید کر اپنے ملک میں رکھیں کیا ہمارے ملک کے لئے سوائے اس کے کہ ہم بموں کے ذریعے اپنے ملک کا دفاع کریں ہمارے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔

جناب والا:- وجہ کیا ہے؟ ہندوستان بھی ہمارا ایک پڑوسی ملک ہے اور آج کا دور انقلابی دور ہے اور آج ڈائی لاگ سے دیوار برلن بھی ٹوٹ چکی ہے۔ ایسے دور میں کھربوں روپے جہاں ہم دفاع پر خرچ کرتے ہیں کیا ہم ہندوستان کو مجبور نہیں کر سکتے کہ ہمارے ساتھ اس بات پر آمادہ ہو کہ وہ بھی اپنے کھربوں ڈالر عوام پر خرچ کرے ہم بھی اپنے کھربوں ڈالر عوام پر خرچ کریں اور ہمارے درمیان میں جو تنازع کی چیزیں ہیں ہم انہیں بین الاقوامی ثالثوں پر یا ہم اسے ڈائی لاگ پر حل کریں اور میں عرض کرتا ہوں کہ یہ ہمارا دفاع پر خرچ ہوتا ہے میں آج یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ جس طرح ہمارے ملک کا دفاع ایک ملک کی کلید اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک کے سفارت خانے ہمارے ملک کی خارجہ پالیسی اور ہمارے ملک کی وزارت خارجہ کی کارکردگی بھی دفاع کا حصہ ہے۔ ہمارے ملک کی خارجہ پالیسی کا عالم یہ ہے کہ ہمارے چالیس ہزار سے زائد کشمیری مسلمان بھائی شہید ہو چکے ہیں۔ کشمیر میں ظلم و ستم کا دور دورہ ہے لیکن ہم مظلوم ہو کر بھی دنیا والوں کو نہیں بتا سکتے کہ ہم مظلوم ہیں انڈیا کی خارجہ پالیسی کا یہ عالم ہے کہ وہ ظالم ہے، وہ قاتل ہے، وہ دہشت گرد ہے، وہ انسانیت کا خون پیتا چلا جا رہا ہے، مگر

دنیا میں پھر بھی اپنے آپ کو جمہوریت کے چمپیئن کے طور پر منوا رہا ہے دنیا میں وہ اپنے آپ کو پھر بھی ایک سیکولر ریاست کے عنوان سے پیش کر رہا ہے اور ہم لوگ مار بھی کھاتے ہیں۔ ہم لوگ پٹتے بھی ہیں، ہم لوگ ظلم و تشدد کا نشانہ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن دنیا میں کوئی آواز ہماری ہاں میں ہاں ملانے کے لئے تیار نہیں۔ ہمارے ملک کی خارجہ پالیسی کی ناکامی اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے برادر اسلامی ممالک بھی ہمارا ساتھ دینے کی بجائے انڈیا کا ساتھ دیتے ہیں۔ ان سے زرمبادلہ پاکستان آنے کی بجائے انڈیا میں جاتا ہے۔ ہمارے برادر اسلامی ممالک بھی کشمیر جیسے ایشو (Issue) پر ہمارا موقف تسلیم کرنے کی بجائے انڈیا کا موقف تسلیم کرتے ہیں تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری وزارت خارجہ کو بھی دفاع کا حصہ بنایا جائے اور انہیں اس بات پر پابند کیا جائے کہ وہ ہمارے ایشو (Issue) کو ہمارے اس تنازعے اور جھگڑے کو دنیا کے سامنے پیش کرے اور وہاں سے ہندوستان کا اقتصادی بائیکاٹ کروائے ہندوستان کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ ہمارے ساتھ متنازع معاملات پر ڈائی لاگ کرے اور پھر ہم ایک ایسا امن کا آپس میں معاہدہ کریں کہ یہ جو ہم سالانہ کھربوں روپے صرف دفاع پر، بموں پر خرچ کرتے ہیں۔ یہی پیسے ہم عوام پر خرچ کریں تاکہ ہمارا ملک خوشحال ہو اس کے ساتھ ساتھ دوسری بات کہ اس سال ہم بیرونی قرضہ پر جو سود کی ادائیگی کر رہے ہیں۔ ہم بیرونی قرضہ پر بیس ارب روپے سود دیتے ہیں اور اندرون ملک جو ہم نے قرضے لیے ہیں ان کی وجہ سے بیاسی ارب روپے ہم اندرون ملک قرضوں پر سود دے رہے ہیں۔

ایک کھرب روپے سود کی ادائیگی

جناب والا:- یہ ہم صرف سود دے رہے ہیں۔ اصل رقم جوں کی توں ہمارے کندھوں پر ہے۔ ہر سال ہم جتنا سود دیتے ہیں اگر اتنا پیسہ ہم اپنی قوم پر خرچ کرتے تو ہم

سود کی لعنت سے بچ گئے ہوتے یا ہم نے اپنے قرضوں کو گھٹانے کے لئے کوئی ایسے اقدام اٹھائے ہوتے۔ پیسہ سود پر دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایک سال کے لئے چھوٹا سا بوجھ ہلکا کیا ہے جو آئندہ سال پھر جوان ہو کر آپ کے کندھوں پر آنے والا ہے۔ اس لعنت کو ختم کرنے کے لئے ہم نے کیا سوچا ہے؟ اور ہماری حکومت نے کیا سوچا ہے؟ کہ ہر سال ہم ایک کھرب روپے سے زیادہ روپیہ صرف سود ادا کرنے کے لئے دیتے ہیں جبکہ قرض ہمارے اوپر اتنا ہی باقی رہتا ہے۔

(ہم کافر کافر کے نعرے کیوں لگاتے ہیں؟

جناب والا:۔ اس کے بعد اب میں آتا ہوں اس ایشو (Issue) پر کہ ہمارے ملک میں ایک بات عام ہے کہ ہمارے ملک کے حالات خاص طور پر لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ ہر وقت ہمارے لئے درد سر بنا رہتا ہے اور اس لاء اینڈ آرڈر میں آپس کے اختلافات ہیں۔ سیاسی جھگڑے ہیں لسانی جھگڑے ہیں۔ قومی جھگڑے ہیں صوبائی جھگڑے ہیں اور اس لاء اینڈ آرڈر میں ایک جھگڑا ہے فرقہ واریت کا اور اس ہاؤس (House) کو معلوم ہونا چاہیے۔ محترمہ وزیر اعظم صاحبہ یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں آپ کی اور ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کی وضاحت کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ اس ملک میں میری جماعت سپاہ صحابہ کو فرقہ وارانہ فسادات کا ایک گروہ اور ایک فریق تسلیم کیا جاتا ہے اور ہمیں یہ کہا بھی جاتا ہے کہ آپ ابتداء کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان کی کسی گورنمنٹ نے ہم سے پوچھنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ کی تقریروں میں تلخ نوائی کیوں ہے؟ آپ کا لہجہ سخت کیوں ہے؟ آپ کے جلسوں میں کافر کافر کے نعرے کیوں لگتے ہیں؟ آپ دل آزاری کا باعث کیوں بنتے ہیں؟ کبھی بھی کسی حکومت نے ہمیں بٹھا کر یہ پوچھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی بلکہ سوائے اس کے یہاں بیٹھ کر دہشت گرد

ہیں، تخریب کار ہیں۔ انڈیا کے ایجنٹ ہیں، فرقہ پرست ہیں، امریکہ کے ایجنٹ ہیں کے الزام لگائے جاتے ہیں۔ یہ ہماری عادت بن گئی ہے۔ ہم سے ڈائی لاگ کر کے اس کے اسباب نہیں پوچھتے ہمیں صرف یہ کہہ دیتے ہیں۔ ملک دشمن ہیں آپ اس ہاؤس (House) کی کمیٹی بنائیں وہ کمیٹی یہاں پر اہل سنت والجماعت کے علماء کو اور اہل تشیع کے علما کو بٹھائے بٹھا کر ہم سے پوچھیں آپ آپس میں کیوں لڑتے ہیں؟ آپ کو پریشانی کیا ہے۔ ہم سے پوچھیں کہ آپ کو تکلیف کیا ہے؟ ہمارے مدمقابل سے پوچھیں آپ کو تکلیف کیا ہے؟ ہم دونوں اپنی اپنی تکالیف اپنی اپنی باتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آپ کے ہاؤس (House) کی کمیٹی فیصلہ کرے کہ زیادتی جو ہو رہی ہے۔ اس کا راستہ روکا جائے جو باتیں فرقہ وارانہ فسادات کا موجب اور سبب بنتی ہیں۔ ان باتوں کو ختم کیا جائے جہاں سے لڑائی جھگڑا اور فساد جنم لیتے ہیں۔ آپ ان سوراخوں کو بند کریں۔ لیکن یہ بات میں آج کہنے پر مجبور ہوں کہ پاکستان کی ہر گورنمنٹ نے فرقہ واریت کو خود پھیلایا ہے۔ سب سے بڑی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ یہ چاہتی ہے کہ اس کو بھی پکڑ کر جیل میں بند کر دو۔ اس کو بھی جیل میں بند کر دو اور فلاں آدمی کو قتل کرا دو۔ اور فلاں آدمی کو لاء اینڈ آرڈر یا 16M.P.O کے عنوان سے آپس میں لڑا دیا جائے تو میری آج یہ التماس ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات کا خاتمہ ہو تو میں اپنی جماعت کی طرف سے پیش کش کرتا ہوں کہ کہ آپ کسی جگہ پر ہمیں بیٹھائیں کسی جگہ پر ہمیں بلائیں ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ میں اپنی تکلیف دکھاتا ہوں ہمیں یہ تکلیف ہے جناب! کہ ہمارے ملک میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسی کتابیں شائع ہو کر مارکیٹ میں آ رہی ہیں جن کتابوں کا ایک ایک صفحہ اصحاب پیغمبر، اہل بیت عظام، پیغمبر اسلام ؐ اور قرآن مجید کی توہین تنقیص اور تبرا بازی سے بھرا ہوا ہے۔ اب مجھے بتلائیں جب یہ لٹریچر آئے گا۔ (سپیکر: مولانا Up Wind کریں) (میں) میں نے اتنے نرم لہجے میں اور اتنی اہم بات شروع کی ہے اور

آپ وائنڈ اپ کا حکم دے رہے ہیں۔ بہر حال جب یہ لٹریچر مارکیٹ کی زینت بنے گا تو مجھے بتلاؤ کون شخص اس لٹریچر کو پڑھ کر صرف نظر کر سکتا ہے اور پھر بد قسمتی ہماری کہ ہمارے پڑوسی ممالک اتنا زہریلا لٹریچر پاکستان میں بھیج رہے ہیں اور ان کے سفارت خانے اور ان کے یہاں پر پاکستان میں خانہ ہائے فرہنگ کے نام سے پندرہ پندرہ بیس بیس ادارے اتنا زہریلا لٹریچر شائع کر رہے ہیں۔ کہ اس لٹریچر کی موجودگی میں یہاں فرقہ وارانہ فسادات میں اضافہ ہوگا یہاں مذہبی فسادات جنم لیں گے آپ براہ کرم اگر ہمیں بلاکر ڈائی لاگ نہیں کرا سکتے تو آپ اس لٹریچر کو بند کیجئے ہم نے اسی لٹریچر کو اور لٹریچر لکھنے والوں کا راستہ بند کرنے کے لئے "ناموس صحابہ بل" اسمبلی میں پیش کیا۔ بد قسمتی سے ناعاقبت اندیش لوگ اور بعض فرقہ واریت کو فروغ دینے کے لئے باضابطہ وزارت کا منصب سنبھالے ہوئے لوگ اس کا راستہ روکنے کے لئے آگے آئے۔

جناب والا:۔ میں اپنی بات کو وائنڈ اپ (Wind Up) کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ دو تین باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری حکومت ویسے تو عورتوں کے لئے الگ الگ کیمپ بھی قائم کر رہی ہے۔ عورتوں کے لئے الگ پولیس اسٹیشن بھی قائم کر رہی ہے لیکن میرا سوال ہے کہ خواتین کے لئے الگ یونیورسٹی کا قیام کیوں عمل میں نہیں لایا جا رہا ہے؟ خواتین کے لئے الگ یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ پس ماندہ علاقوں کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دی جائے۔

جھنگ کی پسماندگی دور کی جائے

جناب والا:۔ جھنگ وہ ضلع ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے فیصل آباد اس کی تحصیل تھا۔ شیخوپورہ اس کی تحصیل تھا۔ سرگودھا اس کی تحصیل تھا۔ تحصیلیں ضلع بنیں۔ ضلع سے

ڈویژن بن گئیں اور یہ جو ضلع ہے مجھے لگتا ہے کہیں آئندہ سالوں میں آ کر یہ تحصیل نہ بن جائے اس کے بہت سارے مسائل ہیں اور مسائل میں خاص طور سے اس میں یونیورسٹی کا قیام اور دیگر وہ چیزیں ہیں جو اس کی ضروریات ہیں میری آپ کے ذریعے سے یہ اپیل ہو گی کہ پس ماندہ علاقوں کی طرف بلا امتیاز توجہ دی جائے تاکہ اس کی ترقی کی طرف کوئی قانونی قدم آگے اٹھایا جا سکے۔ شکریہ جناب سپیکر۔

کشمیر کمیٹی کا قیام اور اغراض و مقاصد

قومی اسمبلی کی کشمیر کمیٹی کے قیام کے بعد نواب زادہ نصراللہ صاحب کی قیادت میں آزاد کشمیر مقبوضہ کشمیر کے مہاجرین کے کیمپوں کے دورہ جات اور مختلف فوروموں پر کشمیر کاز کے لئے آواز بلند کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کے عوام تو در کنار ممبران اسمبلی تک اور کابینہ کے وزراء تک کشمیر کے مسئلہ سے اس قدر نابلد اور جاہل ہیں کہ بس "کشمیر ہمارا ہے" "ہم کشمیر آزاد کرائیں گے" کے علاوہ ان کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ اگر کسی بھی فورم پر انہیں کشمیر کے اصل مسئلہ کو بیان کرنا پڑ جائے یا مقبوضہ کشمیر کی تفصیلات کسی دوسرے ملک میں جا کر بتلانا پڑ جائیں تو وہ منہ تکتے رہ جائیں گے۔

میرے اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت کی مسلم لیگی حکومت نے قومی اسمبلی کی کشمیر کمیٹی کا چیئرمین جس شخص کو بنایا' وہ باوجود اس کے کہ بے نظیر کے دور میں بھی کشمیر کمیٹی کے ممبر تھے لیکن چیئرمین بن کر انہوں نے ٹیلی ویژن پر اپنے انٹرویو میں جو باتیں کہیں انہیں سن کر پوری قوم کے سر ندامت سے جھک گئے اور کئی روز تک اخبارات میں اس پر کالم چھپتے رہے۔ چیئرمین موصوف کشمیر کے تنازعہ کی تاریخی داستان سناتے ہوئے کہاں سے کہاں جا نکلے۔ حالانکہ کشمیر کمیٹی کے ارکان کو تو کئی مرتبہ بریفنگ دی جاتی ہے

اور لٹریچر کی شکل میں ایسا مواد مہیا کیا جاتا ہے کہ اگر تھوڑی سی توجہ دے دی جائے تو آدمی نہ صرف مسئلہ کشمیر کو سمجھ سکتا ہے بلکہ اسے آسانی کے ساتھ دوسرے کو سمجھا بھی سکتا ہے۔ لیکن سوچنے والا دماغ اور دیکھنے والی آنکھ بھی تو ہو۔ جو "سیاستدان" بریفنگ کے دوران سوئے رہیں اور لٹریچر کو گاڑی کی ڈگی میں دفن کر دیں وہ کیا جانیں کہ مسئلہ کشمیر کیا ہے۔

مقاصد

کشمیر کمیٹی کے چند اہم مقاصد یہ تھے۔

۱۔ کشمیر کمیٹی پاکستانی کی عوام میں مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو اجاگر کرے گی۔

۲۔ مجاہدین کشمیر کے حوصلے بلند کئے جائیں گے۔

۳۔ مجاہدین کشمیر کی دل کھول کر امداد کی جائے گی۔

(اس مقصد کے لئے نہ تو کشمیر کمیٹی کو اجازت حاصل ہوئی اور نہ ہی اس کے لئے کوئی صحیح رستہ اختیار کیا گیا۔)

۴۔ مسئلہ کشمیر کو عالمی سطح پر پیش کرنے کے لئے اقوام عالم کو کشمیر میں ہونے والے بے گناہ ہزاروں شہیدوں، خواتین کی عصمتوں کی پامالی اور رہنڈو کی درندگی کے واقعات سے آگاہ کیا جائے گا۔

۵۔ بھارت کے سفارتی سطح پر شروع کردہ پروپیگنڈے کا توڑ کیا جائے۔ جس میں اس کا الزام ہے کہ کشمیر کا داخلی مسئلہ ہے۔ پاکستان بھارت کے داخلی مسائل میں مداخلت کر کے امن وامان کا مسئلہ پیدا کر رہا ہے۔

چنانچہ کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم سے ۵ فروری ۱۹۹۴ء کو ہڑتال اور احتجاج کے موقع پر میں نے چیچہ وطنی سے براستہ عارف والا، دیپالپور، قصور، لاہور کا سفر کیا اور دوران سپاہ صحابہ، مسلم لیگ، پی پی پی حتیٰ کہ شیعہ جماعتوں تک کے مشترکہ اور انوکھے دلچسپ

احتجاجی مظاہروں سے بھی خطاب کیا جن سے اپنوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے اور دشمن عداوت و بغض کے بے بحر بیکراں میں ہی غوطے لگاتے رہے لیکن بیچارے کیا کر سکتے تھے۔

کشمیر کے لئے بیرون ممالک سرکاری وفود کی روانگی

کشمیر کمیٹی کے ایک بھرپور اجلاس نے چھ وفود تشکیل دیئے جو کم از کم چھ، چھ۔ سات، سات۔ ملکوں کا سرکاری دورہ کریں گے تاکہ عالمی سطح پر مسئلہ کشمیر کی مظلومیت اجاگر ہو اگرچہ میں اس بارے میں ایماندارانہ رائے رکھتا ہوں کہ ایسے سرکاری وفود کا بیرون ملک بھیجنا ملکی وسائل کو سراسر ضائع کرنے اور قیامت میں غریب عوام کے ہاتھوں اپنے گریبان پکڑوانے کے مترادف ہے کیونکہ اسی کام کے لئے تو سفیر مقرر ہیں لیکن ہمارے "سفارشی جیالے" سفیروں کو سفارت نام جیسی بلا کا کیا علم ہے۔

وفود کی تشکیل پر میری حیرت اور حکومت کی میرے ساتھ ڈرامہ بازی

وفود کی تشکیل پر اس وقت میں حیرت زدہ رہ گیا کہ جب قومی سطح کے لیڈرز اور بعض سابق نگران وزیراعظم اور اپوزیشن کے لیڈروں نے باقاعدہ اصرار کر کے اپنی مرضی کے ممالک کا انتخاب کر کے سفر کے عزم سے آگاہ کیا اور اعلیٰ سہولتوں کے حامل ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے انتظامات کرنے پر اصرار کر کے کشمیر کی مظلومیت بیان کرنے اور ظلم و ستم کی درد دل سے داستان سنانے کے لئے یہ قافلہ اہل حق عازم بنکاک ہوا۔

جب مجھ سے میرے پسندیدہ ممالک کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے کہا اگر مجھے عرب ممالک میں بھجوائیں تو میرا کام بہت آسان ہو گا کیونکہ میں عربی زبان میں اپنا موقف پیش کر سکوں گا اور عرب ممالک میں پھیلے ہوئے پاکستانیوں کے ذریعہ بھی کشمیر کے مسئلہ کو

وہاں کے شیوخ و علماء تک پہنچا سکتا ہوں۔ تاہم دوسرے حضرات کی طرح میری یہ بااصرار خواہش نہیں ہے۔ چنانچہ مجھے مظفر احمد ہاشمی صاحب کی قیادت میں جانے والے اس وفد میں شامل کر دیا گیا جس کا روٹ، ملائیشیا، انڈونیشیا، جاپان اور چین تھا۔

ہم سے پاسپورٹ لے کر ان چاروں ممالک کے علاوہ کئی دوسرے ممالک کے بھی ویزے لگوا لئے گئے اور ہمیں پابند کر دیا گیا کہ پانچ جولائی کو اسلام آباد پہنچ جائیں۔ ۵ جولائی کو نواب زادہ نصراللہ صاحب نے جھنگ فون کر کے تیاری کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ میری تیاریاں مکمل ہیں۔

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندہ حر کے لئے جہاں میں فراغ

میں نے اس روز ۵ جولائی کی شام اسلام آباد پہنچ کر نواب زادہ صاحب کو اطلاع کر دی اگلے روز ۶ جولائی صبح نو بجے نواب زادہ صاحب کا فون آیا کہ آپ کا نام وفد سے خارج کر دیا گیا ہے۔ لہذا آپ تیاری نہ کریں۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ آپ کے ویزے نہیں لگ سکے ہیں گویا کہ ان ممالک کے سفارتخانوں نے آپ کو اپنے ملک میں آنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ میں نے جب معلومات کیں تو پتہ چلا کہ میرے پاسپورٹ پر تمام ممالک کے ویزے لگے ہوئے ہیں۔ میں نواب زادہ صاحب سے خود ملاقات کے لئے ان کی رہائش گاہ پر پہنچا اور انہیں مطلع کیا کہ جناب میرے پاسپورٹ پر تمام ممالک کے ویزے لگے ہوئے ہیں۔ آپ مجھے اصل وجہ سے مطلع کریں تو انہوں نے نہایت افسردہ لہجے میں کہا "بڑے گھر سے کہا گیا ہے کہ اسے باہر نہیں بھیجنا ہے" حالانکہ ان وفود

میں بے نظیر حکومت کے نمبر دون مخالف شیخ رشید احمد جیسے لوگ بھی تھے جو کہ برطانیہ کے دورے پر گئے تھے۔ مجھے اچانک اس حکومتی اقدام سے اس بات کا احساس ہوا کہ اس وقت جس قدر حکمرانوں کی آنکھوں میں مجھے کھٹکنے کا شرف حاصل ہے۔ شاید کسی دوسرے کو نہ ہو چونکہ نواب زادہ صاحب ایسے ہی کئی دوسرے مواقع پر بھی اپنی بے بسی اور مجبوری کا اظہار کرتے رہتے تھے جب میں انہیں مجاہدین کشمیر کی امداد کے لئے تیار کرتا اور مجاہد جماعتوں کے لیڈران سے ان کی ملاقات کراتا یا مولانا مسعود اظہر کی ہندوستان کی جیلوں سے رہائی کا سرکاری سطح پر مطالبہ کرنے کی تجویز پیش کرتا تھا۔ اس لئے میں نے جماعت سے مشورہ کر کے اس کمیٹی کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا اور اسمبلی کے اجلاس میں کمیٹی سے استعفیٰ چیئرمین صاحب و سپیکر کو پیش کر دیا۔

جشن آزادی کے موقع پر قومی اسمبلی کے سامنے حکمرانوں کا گرینڈ شو اور کراچی میں ہمارے چار کارکن رینجرز کے ہاتھوں شہید

۱۴ اگست کا دن پاکستان میں یوم آزادی کے عنوان سے ہر سال دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ حکمرانوں نے اس دن کی اصل حیثیت کو تبدیل کر کے اور ہر سال مقصد حصول پاکستان کا جائزہ لے کر اپنی خامیوں کوتاہیوں کا جائزہ لینے اور اس مملکت خداداد کو مکمل اسلامی مملکت بنانے کا عزم مصمم کرنے کی بجائے اسی روز مقصد پاکستان سے مکمل انحراف کرنے اور اسلامی تعلیمات کے مذاق اڑانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بے نظیر حکومت نے ۱۴ اگست ۹۴ء کو قومی اسمبلی کے سامنے گرینڈ شو کی تقریب کا اہتمام کیا جو بے حیائی، عریانی، فحاشی اور مادر پدر آزاد ہو کر غل غپاڑہ مچانے کی ایک بدبودار تقریب تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیں کہ جب یہ تقریب اپنے عروج پر پہنچی اور وزیراعظم بے نظیر اسٹیج پر براجمان ہو گئیں۔ اداکاروں، فنکاروں نے لہک لہک کر سامنے

موجود لوگوں اور ملک میں براہ راست ٹیلی ویژن پر دیکھنے والوں کو شرم سے آنکھیں جھکانے پر مجبور کرنا شروع کر دیا، تو آسمان سے ایسا بادل اٹھا کہ جس نے زوردار بارش سے نہ صرف پوری تقریب کو الٹ دیا بلکہ وزیر اعظم صاحبہ کے میک اپ کو دھو کر ان کا اصلی چہرہ قوم کو اس طرح دکھایا کہ قوم تو قوم اسٹیج پر موجود ان کے بچوں نے بھی انہیں پہچاننے سے انکار کر دیا اور حیرت کی بات ہے کہ صرف ایک فرلانگ کے فاصلہ پر تقریب سے ہٹ کر بارش کا نام و نشان تک نہ تھا۔

ایک طرف اسلام آباد میں جشن آزادی اس طرح منایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف کراچی میں سپاہ صحابہؓ کی آزادی پاکستان کے عنوان سے ایک بڑی ریلی جب صدر کراچی سے واپس آکر مرکز سپاہ صحابہؓ جامع مسجد صدیق اکبرؓ میں پہنچی تاکہ دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہو تو حکومت کی طرف سے متعین نیم فوجی دستوں نے باقاعدہ مورچہ بند ہو کر مسجد میں موجود کارکنوں پر بے تحاشہ فائرنگ کر دی۔ جس سے موقع پر چار نوجوان تڑپ تڑپ کر شہید اور کئی زخمی ہو گئے۔

شہدا کے جنازے کے لئے کراچی پہنچنے پر ایئرپورٹ سے مجھے واپس بھیج دینا

14 اگست کی شام جب مجھے جھنگ میں کراچی کے سانحہ کی خبر ملی تو میں نے اور شیخ حاکم علی صاحب نے فوراً کراچی جانے کا پروگرام بنایا تاکہ شہداء کے جنازوں میں شرکت اور کراچی میں پیش آمدہ اس سانحہ پر حکام سے بات چیت کی جائے۔ فیصل آباد ایئرپورٹ سے جہاز کے ذریعے جب ہم کراچی پہنچے تو انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر مجھے روک کر کہا گیا کہ آپ کے کراچی میں داخل ہونے پر پابندی ہے۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا کہ اس وقت میری آمد سے حالات کی کشیدگی میں کمی ہو گی لیکن یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے کہ جسے صحیح بات سمجھانا اونٹ کو رکشے میں بٹھانے کے مترادف ہے۔ بالآخر شیخ حاکم علی صاحب

چپکے سے نکل گئے اور مجھے ایئرپورٹ ہی سے اسلام آباد جانے والے جہاز پر بٹھا کر واپس بھیج دیا گیا۔

حکمرانوں کے ایسے ہی فیصلے ہمیشہ جلتی پر تیل کا کام دیا کرتے ہیں۔ اور جب پانی سر سے گذر جاتا ہے۔ تو پھر کف افسوس مل کر یہ کہتا کہ آپ ٹھیک کہتے تھے "ایک فیشن بن چکا ہے۔

سانحہ کراچی پر اسمبلی میں دردناک خطاب اور وزیر داخلہ کی ہٹ دھرمی

دوسرے روز ۱۵ اگست کی صبح شیخ حاکم علی صاحب کراچی سے اسلام آباد پہنچے۔ وہ میری ہدایت پر مسجد کے صحن میں شہید ہونے والے نوجوانوں کے خون آلود کپڑے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ میں وہ کپڑے پلاسٹک کے شاپر میں ڈال کر قومی اسمبلی میں لے آیا۔ اور اس واقعہ پر سخت احتجاج کرتے ہوئے اسمبلی میں خون آلود کپڑے لہرا کر یہ سوال کیا کہ مجھے بتلایا جائے کہ اس خون کا ذمہ دار کون ہے؟ اور میں کس کے خلاف پرچہ درج کراؤں۔ قانون کے محافظوں نے مسجد میں خون کی ندیاں بہادی ہیں اور موقع سے سینکڑوں گولیوں کے خول اٹھا کر بطور ثبوت محفوظ کئے جاچکے ہیں۔ ہزاروں چشم دید لوگ واقعہ کے گواہ ہیں۔ آج کے اخبارات میں کمشنر کراچی اور ڈپٹی کمشنر ضلع وسطی کے بیانات موجود ہیں کہ یہ گولی ہمارے حکم پر نہیں چلائی گئی اور اخبارات مسجد کی بے حرمتی اور قرآن کو گولیوں سے چھلنی نسخوں کی خبر سے سیاہ ہیں۔ کیا اسی کا نام آزادی ہے؟ اور جشن آزادی پر قوم کو یہی تحفہ تم نے دیا ہے۔" تقریر اس قدر دردناک اور پرجوش تھی کہ اسمبلی کے ممبران کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

اس موقع پر وفاقی وزیر داخلہ جنرل ریٹائرڈ نصیر اللہ بابر نے اس واقعہ کی مذمت

کرنے اور مجھے صبر و تحمل کی تلقین کرنے کی بجائے یہ کہہ دیا کہ "مولانا ڈراما کر رہے ہیں" جس پر پوری اسمبلی میں وزیر داخلہ کے خلاف شیم شیم کی آوازیں بلند ہوئیں اور میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا تم بک بک کرتے ہو اور تائیں تائیں کرتے ہو۔ میں تمہیں شہداء کے خون آلود کپڑے دکھا رہا ہوں اور تم اسے ڈرامہ قرار دیتے ہو۔ تم ابھی اس واقعہ کی ذمہ داری قبول کرو۔ میں پھر تمہیں بتلاتا ہوں کہ انتقام کیسے لیا جاتا ہے۔

اسمبلی کی یہ تقریر کیسٹ کی شکل میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ جسے سن کر ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت میں کس طرح اپنے سینے میں بھرے ہوئے رنج و غم کا اظہار کر رہا تھا ادھر کراچی میں یہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد الٹا ہمارے ہی کارکنوں کو گرفتار کرکے ان پر اس قتل کا مقدمہ درج کردیا گیا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے ان کا حسن کرشمہ ساز کرے

مرکزی حکومت پہلے ہی میرے خلاف ادھار کھائے بیٹھی تھی۔ اب اس کی آتش انتقام مزید بھڑکنے لگ گئی۔

میں نے کراچی کے حالات پر قومی اسمبلی میں گف[illegible]رتے ہوئے کہا

جناب سپیکر:۔ میرے نزدیک اگر غیر ملک [illegible] پر حملہ کردیں یہ بھی زیادتی ہے۔ چہ جائے کہ اپنے ملک کی عوام اپنے ہی ملک کی ایجنسیوں سے اپنے ہی ملک کے اپنے بھائیوں سے، اپنے ہی ملک کی اپنی قوم اور اپنی برادری سے غیر محفوظ ہو جائیں۔ آپ یہاں تک دیکھیں۔ کل جو لوگ ایک اسٹیج کی زینت تھے۔ ایک ٹیبل پر کھڑے ہوتے تھے۔ ایک جماعت تھی، ایک کاز تھا۔ آج وہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ آج تو وہ بات دور چلی گئی کہ سندھی سے لڑیں گے، پنجابی سے لڑیں گے، پٹھان سے لڑیں گے۔ اب تو یہ ہے ایک

کہتا ہے میں مہاجر ہوں، دوسرا کہتا ہے میں حقیقی مہاجر ہوں، اسی بنیاد پر لڑائی ہو رہی ہے۔

جناب والا:- ایسے حالات میں یہ تیسری صورت حال پیدا کی گئی ہے فرقہ واریت کی۔ میں اس اسمبلی میں کھڑے ہو کر پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ میں اپنی جماعت کا ایک ذمہ دار ہوں۔ کتنے آدمی قتل ہوئے جنہیں ہمارے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔ خدا ہمیں غرق کر دے گا اگر کسی ایک آدمی کے قتل میں بھی ہماری جماعت ملوث ہو اور ہماری جماعت نے یہ کچھ کیا ہو۔ لیکن ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے بس جا رہی ہے۔ بس کے اوپر بم مار دیا گیا۔ میں نے اخبار میں پڑھا، بم مار دیا، برسٹ مار دیا۔ مجھے یہ بتلایا جائے کہ دن کی روشنی میں آدمی برسٹ مار رہے ہیں۔ بم مار رہے ہیں۔ وہ آدمی گئے کہاں؟ وہ غائب کیسے ہو گئے؟ وہ کیش لے کر دن دیہاڑے کہاں چلے گئے۔ وہاں بہادر علی ایس ایچ او تھا۔ اس کو قتل کرنے کے 25 آدمی جناب انہوں نے روڈ بلاک کیا، گھر بلاک کیے، لوگوں کو اغواء کر لیا اور اس کو قتل کر دیا۔ یہ 25 آدمی کہاں چلے گئے؟، کہاں چھپ گئے؟ جس شہر میں ہماری پولیس موجود ہے، ہماری ایجنسیاں موجود ہیں، ہماری فوج موجود ہے۔ وہاں اتنے قاتل 25 - 25 قاتل چھپ گئے۔ میں کہتا ہوں اس کو استعفیٰ دے دینا چاہیے تھا۔ اس سے بڑھ کر کسی گورنمنٹ کی ناکامی کیا ہو سکتی ہے کہ دن دیہاڑے 25، 25 آدمی کلاشن کوفوں سے پولیس افسروں کو بھون ڈالیں، بسوں کے اوپر برسٹ ماریں اور ہم سوچ رہے تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔ کب آئی جب مسجد صدیق اکبرؓ میں جوتوں سمیت داخل ہوئی۔ میں اپنی تلخ نوائی پر بھی معذرت چاہوں گا۔ میں کسی کا دل دکھانے کے لئے بات نہیں کرتا۔ لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ابھی آزادی کے موقع پر کراچی میں ریلی چل رہی تھی۔ انچولی کے پاس سے گزری۔ ڈی۔ سی صاحب نے خود ہمارے ساتھیوں کو کہا کہ مجھے پہلے معلوم تھا کہ انچولی کے پاس کوئی گڑ بڑ نہ ہو جائے۔ جب ڈی۔ سی کو معلوم تھا کہ

یہاں گڑ بڑ ہو سکتی ہے تو اس نے راستہ کیوں نہیں بدلوایا؟ اس نے روٹ کیوں نہیں تبدیل کروایا اور پھر اس نے انچولی سے باقاعدہ پرمشن لی کہ یہاں کچھ نہیں ہوا۔ لیکن وہاں ہوا، نعرے بازی بھی ہوئی، گولی بھی چلی۔ لیکن آگے جو واقعہ پیش آیا وہ انچولی سے تین کلو میٹر دور پیش آیا۔ وہاں جا کر جب لوگ مسجد میں چلے گئے۔ اب ان پر فائرنگ ہوئی ہے، وہ نعرے لگا رہے ہیں، احتجاج کر رہے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا گھیراؤ کر لیا جائے، نوائے وقت نے لکھا۔ لڑائی کی وجہ کیا بنی، فوج نے کہا کہ ہم تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ مسجد کے لوگوں سے مسجد والوں نے کہا کہ ہم بیٹھے ہوئے ہیں آپ تلاشی لے لیں۔ تلاشی لینے کے لئے فوجی جوان جب اندر گئے تو جوتوں سمیت داخل ہوئے۔ کل کا نوائے وقت پڑھ لیجئے۔ جس پر وہاں موجود لوگوں نے احتجاج کیا کہ آپ بوٹ اتار لیں۔ اتنا کہنے کی دیر تھی بھون دیئے لوگ ایک سو خول G-3 گولیوں کا میں یہاں سے ایوان میں پیش نہ کر سکوں مجھے کر ... دیکھئے۔ فوج نے ایک سو گولی چلائی۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر ۳ آدمی شہید ہو گئے۔ ۲۸ آدمی زخمی ہو گئے اور پھر ہوا کیا جو لوگ زخمیوں کو ہسپتال لے کر گئے ۴۰ پکڑ لئے۔ ۴۰ آدمی پکڑے ہوئے ہیں اور ٹارچر ہو رہا ہے۔ ان کی آنکھوں پر پتھر رکھ کر پٹیاں باندھی ہوئی ہیں۔ ان کا جرم کیا تھا؟ کہ یہ زخمیوں کو لے کر جا رہے تھے۔ اب مجھے بتلائیں ۴۰ آدمی گرفتار ہوئے۔ ان سے کیا چیز برآمد ہوئی۔ ایک رائفل برآمد ہوئی۔ اگر آپ نے پکڑنا تھا پانچ آدمیوں کو پکڑتے جن سے اسلحہ برآمد ہوا ہے۔ جن کے پاس اسلحہ نہیں ان کے اوپر 302 کی F.I.R کیوں کاٹی گئی۔ وہ چہرے کیوں چھپائے جا رہے ہیں۔ فوج کا جانا ہمارے لئے مقدس ہے۔ میں سمجھتا ہوں فوج کو بدنام کرنے کی یہ کوشش کی گئی۔ ورنہ فوجی جوان کبھی بھی ایسا نہیں ہے۔ جو جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر اپنی ہی قوم پر گولی چلائے۔ وہ فوجی وردی میں ملک کا دشمن ہوگا اور مجھے افسوس ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ جب فوج کے عنوان پر بات آئی تو فوج کے افسران کو چاہئے تھا کوئی اور کہتا نہ کہتا کہ بات فوج

کی آئی ہے۔ ہم اس کی تحقیقات کرتے ہیں۔ لیکن اس طرف سے بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ وہاں تو جناب ڈی۔ سی کمشنر اب کوئی بھی F.I.R نہیں لیتا کیوں۔ فوج مرکز نے بھیجی ہے۔ مسئلہ فوج کے ساتھ ہو گیا اور وہ فوج کے خلاف کہاں سے F.I.R لے میں مرکز میں کہتا ہوں یہ کہتے ہیں صوبائی مسئلہ ہے۔ وہ کہتے ہیں مرکز کا مسئلہ ہے۔ ہمیں بتلائیں ہم کدھر جائیں۔ یہ صورت حال جو اس وقت پیدا ہو چکی ہے۔ (سپیکر:- مولانا صاحب Wind Up کریں۔)

شکریہ جناب والا:- اب اور بات میں وہاں گیا۔ جس دن یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی دن میں فیصل آباد سے سوار ہوا۔ میں رات کو سوا ایک بجے کراچی ایئرپورٹ پر اترا فوراً جناب روک لیا کہ آپ کراچی میں داخل نہیں ہو سکتے۔ کراچی میرا گھر ہے، گھر میں میرے بچے ہیں۔ میں وہاں مسجد کا نائب خطیب ہوں۔ مجھے اپنے گھر میں جانے نہیں دیتا تو کہاں جانے دیتا ہے۔ اگر میں جاتا ہوں۔ وہاں کے لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھتا ہوں۔ وہاں اپنے کارکنوں سے پوچھتا ہوں انہیں صبر و تحمل کا سبق دیتا ہوں تو یہ بات ملک و قوم کے مفاد میں تھی۔ مجھے روک دیا گیا۔ اور کہا کہ لاہور کی فلائٹ ہم نے روکی ہوئی ہے۔ چلو اس میں بیٹھو۔ میں رات کو تین بجے لاہور پہنچا اور کوئی پرسان حال نہیں جناب۔ سارے کے سارے V.I.P لاؤنج میں سوئے پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا میں اکیلا کہاں جاؤں۔ میں ۵ گھنٹے V.I.P لاؤنج میں ٹیبل پر سویا رہا اور نیند کہاں آتی ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ میں کہاں جاؤں، یہ صورت حال ہے۔ وہ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا۔ ایک آدمی چلا گیا، کسی گاؤں میں اور وہاں اسے ڈاکوؤں نے پکڑ لیا۔ اس کے کپڑے اتار لیے اور کپڑے اتار کر کہا کہ بھاگ جاؤ اور پیچھے کتے لگا دیئے اور جب اس نے کتوں سے بچنے کے لئے نیچے سے پتھر اٹھایا تاکہ وہ کتوں کو مارے تو پتھر برف میں جما ہوا تھا۔ اس نے اس وقت کہا۔ چہ حرامزاد

گانند کہ سنگھار ابستند و سگمار اکشادند کیسے یہ بے وقوف لوگ ہیں۔ جنہوں نے پتھر باندھ دیئے ہیں۔ کتے کھول دیئے ہیں۔

جناب والا:- میں ترجمہ نہیں کرتا۔ لیکن میں یہی کہتا ہوں کہ قاتل دندناتے پھر رہے ہیں اور آپ ہمیں روک رہے ہیں۔ (سپیکر پلیز Wind Up مولانا) بس میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ جناب والا اس وقت ملک میں ایک اور بھی اشتعال ہے۔ میں نے ناموس صحابہؓ بل اسمبلی میں پیش کیا۔ ہماری یہاں حکومت کے بعض ذمہ داروں نے ناموس صحابہؓ بل کو متنازعہ بنایا اور یہاں House میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو غلط Breif کیا اور اس بل پر افراتفری کی کیفیت پیدا کی ہوئی ہے ملک میں کشیدگی پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی ذمہ داری بھی یہاں سے اٹھتی ہے۔ ابھی بل میں نے پیش بھی نہیں کیا کہ اس بل کے خلاف بیانات کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ یہ ایک مسئلہ بھی ہے۔ جو فرقہ واریت کو ہوا دے رہا ہے۔ اب میری تجاویز یہ ہیں جناب سے کہ پہلے یہاں اس ایوان کے جو پارلیمانی لیڈر ہیں۔ ان پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے۔ اس کمیٹی کو یہ اختیار سونپا جائے کہ وہ کمیٹی Brief لے فوج سے۔ وہ صوبائی حکومت سے سے Brief کرے اور پھر اگر یہ کمیٹی محسوس کرے تو وہاں پر برسرپیکار گروپوں کے لیڈروں سے ملاقات کرے اور انہیں یقین دلائے اور میں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں اگر کسی لیڈر پر ایک قتل کا مقدمہ ہے، دو قتل کے مقدمے ہیں، تین قتل کے مقدمے ہیں اس بنیاد پر۔ وہ آپ سے دور رہتا ہے اور اس پر چار سو آدمی قتل ہو جاتا ہے۔ پہلے تو وہ چار آدمیوں کا قاتل تھا، اب چار سو کا قاتل بن گیا ہے۔ اگر ایسے کسی پر مقدمے ہیں۔ آپ اسے سنیں۔ اگر اس کے پیچھے قوم ہے اور کوئی لیڈر اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل نہیں کرتا اور دوسری بات ہے کہ کم از کم ملک کے ذمہ دار سیاست دانوں کی گول میز کانفرنس بلائی جائے اور ان سے آراء و تجاویز لی جائیں تاکہ اس

مسئلے کو صحیح طور پر حل کیا جا سکے۔ شکریہ۔"

انہی دنوں کراچی میں امن وامان کے زیر بحث مسئلہ پر میں نے مندرجہ ذیل تقریر بھی کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکریہ جناب سپیکر:۔ میں بہت مشکور ہوں آپ کا اور اس House کا اور بالخصوص وزیر داخلہ صاحب کا کہ جنہوں نے آج کراچی کے خاص مسئلے کے پیش نظر کراچی کے عنوان پر آج یہاں پر ڈسکس Discuss کرنے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ جناب والا کراچی پاکستان کا "عروس البلاد" ہے۔ روشنیوں کا وہ شہر ہے کہ جو اپنی جغرافیائی صورت حال اور تمام قومیت کے مرکز اور محور ہونے کے ناطے سے منی پاکستان کہلا رہا ہے۔ ایک عرصہ دراز سے کراچی کو مختلف تعصبات اور مختلف عنوانات پر نفرتوں کی آگ میں دھکیلنے کی کوشش کی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ کراچی میں یہ صورت حال کیوں پیدا کی گئی۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ کراچی میں یہ صورت حال پیدا کرنے کی ایک وجہ تھی۔ کراچی اور حیدر آباد یہ دو شہر تھے۔ جن دو شہروں سے ہمیشہ دینی، مذہبی اور اسلامی نمائندگی ایوان میں آیا کرتی تھی۔ یہ دینی، یہ مذہبی اور اسلامی نمائندگی ایوان میں آکر اپنا ایک اہم کردار ادا کرتی تھی۔ کراچی نے کتنے بڑے بڑے سیاست دان پیدا کیے۔ کیسے کیسے لیڈر پیدا کیے۔ ایک سازش کے تحت اس کراچی کو ایک قومیت کے عنوان پر اس کی آگ میں دھکیلا گیا اور مصنوعی طور پر آج بھی پورے کا پورا منصوبہ اگر سامنے لایا جائے کہ کس نے کس عنوان پر کس کو کتنے پیسے دیئے اور بلکہ میں یہ کہوں گا کہ ۸۵ء کے اندر جو حکومتیں آئیں۔ ان حکومتوں کے جو وزراء اعلیٰ تھے۔ ان وزراء اعلیٰ کی سرپرستی میں پروان چڑھتی ہوئی کچھ

جماعتوں نے جنت نظیر شہر کو جہنم بنا کر رکھ دیا اور پھر!

جناب والا:- یہ معاملہ آگے بڑھتا آیا۔ اس معاملے کو صحیح انداز میں ڈیل کرنے کی بجائے یا بجائے اس کے کہ کسی صحیح مطالبے پر کان دھرا جاتا۔ کراچی میں تعلیم یافتہ لوگ جو ہاتھوں میں ڈگریاں لے کر مارے مارے پھرتے تھے اور ان کے لئے نوکری اور ملازمت کے دروازے بند تھے اور دیہاتوں سے جو لگ ان پڑھ اور بہت معمولی قسم کی ڈگری لے کر اور معمولی تعلیم لے کر شہر میں آتے تھے۔ کوٹہ سسٹم کے عنوان پر انہیں نوکریاں مل جاتی تھیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ کو میرٹ کی بجائے ان کا حق دینے کی بجائے جب ان سے ان کا حق چھینا گیا تو پھر نتیجہ یہ نکلا کہ بے روزگاری نے وہاں ایک کربناک صورت حال اختیار کرلی اور جن لوگوں نے بے روزگاری کے خاتمے کے لئے نئے نئے منصوبے پیش کیے کہ یہ انداز ہے۔ بے روزگاری کے خاتمے کا کہ یہاں ایک نیا صوبہ بنالیا جائے اور بے روزگاری کے خاتمے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ قومیت کو شہر سے نکال دیا جائے اور پھر تمام کے تمام وسائل ہمارے ہاتھ میں آجائیں گے۔ یہ خوشنما نعرے تھے۔ جو ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے۔ وہاں باقاعدہ ایک الگ صوبے کے نعرے لگائے گئے۔ وہاں نعرے لگائے گئے کہ ان لوگوں کو یہاں سے نکالا جائے۔ یہ نعرے تھے۔ جنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے پذیرائی حاصل کرلی۔ ہم نے اس دور میں بھی کہا کہ یہ وہ چیزیں ہیں۔ جو اس انداز میں حل نہیں ہو سکتیں۔ اور نتیجتاً کراچی نے وہ دن بھی دیکھے جب قومیت کے عنوان پر لوگوں کا خون بہا۔ ایک آدمی کا جرم یہ تھا کہ وہ رنگ و نسل اور علاقے کے لحاظ سے وہ مہاجر نہیں تھا۔ وہ اردو Language نہیں رکھتا تھا۔ وہ سندھی Language نہیں رکھتا انہیں مار مار کر وہاں سے نکالنے کی کوشش کی گئی۔ ہم نے بار بار اس بات پر کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے لیکن وقت کے حکمرانوں نے اس کی سرپرستی کی اس کو سپورٹ کیا۔ نتیجتاً وہ طاقتیں بڑھتی چلی گئی اور

پھر جب انہیں اتنی اہمیت حاصل ہو گئی کہ وہ الیکشن میں منتخب ہو گئیں تو اس وقت ہم نے کہا اب چونکہ عوام نے انہیں منتخب کر لیا ہے اب یہ عوام کے منتخب نمائندے ہیں۔ لہٰذا عوام کے منتخب نمائندے جس عنوان پر منتخب ہوئے ہیں۔ انہیں اس کا حق ملنا چاہیے لیکن کیا ہوا ان کے ساتھ ایوانوں میں بھی زیادتی ہوئی اور انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ان ایوانوں میں اور صوبائی اسمبلی کے ایوانوں میں ان کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا کہ جس کی وجہ سے ایک بات کا احساس ہونے لگا کہ اب آپس میں لڑائی شروع ہو گئی ہے دیہاتیوں کی اور شہریوں کی، اور اس لڑائی میں کتنی جانیں ضائع ہوئیں کتنے لوگ مارے گئے۔ جب حالات کنٹرول سے باہر ہو گئے، تو اسی ایوان میں مجھے یاد ہے، بحث ہو رہی تھی۔ فوج کو بھیجنے کے لئے رائے لی جا رہی تھی عوام سے، اس وقت بھی ہم نے کہا تھا۔ اس مسئلہ کو فوج کے ذریعہ حل نہ کیا جائے۔ فوج کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ بیمار کو فوری طور پر انجکشن لگائیں۔ اس کا بخار کم ہو جائے گا۔ لیکن یہ بیماری کا حل نہیں ہے۔ اس کا اگر آہستہ آہستہ علاج کیا جائے تو بیماری کی جڑ ختم ہو جائے گی یہ اس کا حل ہے۔ فوری طور پر فوج کو مت بھیجا جائے۔ لیکن فوج بھیجی گئی۔ نتیجہ کے طور پر کیا ہوا وہ حالات جو پولیس کے کنٹرول سے باہر ہو گئے۔ وہ حالات جو وہاں پر تمام قوانین کو بروئے کار لانے کے باوجود قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ جب فوج گئی شروع شروع میں فوج کو لوگوں نے Come Well کہا۔ خوش آمدید کیا۔ لیکن جب حکمرانوں نے فوج کو اپنی مرضی سے چلانا چاہا اور حکمرانوں نے پاکستان کی اُس اہم فورس سے اپنی مرضی کے مطابق ایکشن کروائے اور بڑے بڑے ایکشن اس سے رونما ہوئے تو نتیجہ کے طور پر وہ حالات فوج بھی کنٹرول نہ کر سکی اور آج صورت حال یہ ہے کہ جناب قومیت کا عنوان ابھی باقی ہے۔ آج وہ کون سی ایجنسیاں ہیں۔ جنھوں نے مہاجر کو مہاجر سے لڑانا شروع کر دیا ہے۔ حقیقی اور غیر حقیقی لڑنے لگ گئے۔ ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا تو اب ایک سازش کے تحت وہاں شیعہ سنی فسادات

کرائے جا رہے ہیں۔ یہاں شیعہ سنی فسادات کا کوئی جواز نہیں تھا۔ کوئی وجہ نہیں تھی۔ میں ذمہ داری سے کہتا ہوں کراچی اور سندھ میں جو شیعہ سنی فسادات کرائے جا رہے ہیں۔ اس میں نہ شیعہ کے لیڈر انوالو ہیں، نہ سنیوں کے لیڈر انوالو ہیں۔ اس میں ایجنسیاں انوالو ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ قومیت کی جنگ کو اب مذہبی جنگ میں تبدیل کر کے قومیت سے انتقام لے لیا جائے تو جب بات مذہبی ہو جائے گی۔ میں نے پہلے بھی بجٹ میں تقریر میں ایوان میں کہا کہ جناب اب فرقہ وارانہ فسادات ہوں یا لسانی فسادات ہوں۔ میرا تو ہمیشہ موقف یہ ہے کہ اگر حکومت چاہے یہ فسادات کبھی نہیں ہو سکتے۔ کیا وجہ ہے گھر میں دو بیٹے لڑ رہے ہیں۔ دو بھائی لڑ رہے ہیں۔ جب ان کا باپ موجود ہے۔ ان کا بڑا بھائی موجود ہے۔ وہ اپنے بیٹوں کو کیوں نہیں مناتا۔ اپنے بھائیوں کو بٹھاتا کیوں نہیں؟ وہ پوچھتا آپ کیوں لڑ رہے ہیں؟ آپ کو تکلیف کیا ہے؟ اگر حکومت اپنے آپ کو باپ کی یا بڑے بھائی کی حیثیت دینے کے لئے تیار ہو اور وہ قومیت کے عنوان پر لیڈروں کو ایک ٹیبل پر بٹھائے اور مذہب یا فرقہ واریت کے عنوان پر لیڈروں کو ایک پلیٹ فارم پر بٹھائے ان سے موقف سنے۔ کیا میں نے بجٹ کی تقریر میں نہیں کہا تھا کہ آپ نے 50 کروڑ روپیہ لاء اینڈ آرڈر کے لئے مختص کیا ہے اور لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ یا تو قومیت کے عنوان پر پیدا ہوتا ہے یا مذہب کے عنوان پر پیدا ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا۔ شیعہ سنی فسادات جتنے ہوتے ہیں۔ میری جماعت، میری ذات اس میں ایک فریق کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں آپ سے کہہ رہا ہوں ہمیں ٹیبل پر بٹھاؤ۔ یہاں ایوان کی کمیٹی بناؤ۔ ہمیں کسی جگہ بلاؤ۔ ہم سے پوچھو آپ کو تکلیف کیا ہے؟ ہمارے فریق مخالف سے پوچھو اسے تکلیف کیا ہے؟ جو جو تکلیف ہماری صحیح ہو آپ اس کا ازالہ کریں۔ آپ اس کے منصف بنیں۔ یہاں نہ کوئی کسی کو نکال سکتا ہے۔ نہ کسی کو کوئی ختم کر سکتا ہے۔ ملک میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ مذہب میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اختلاف باعث مذمت نہیں۔ اختلاف تو موجود رہتا ہے۔ اختلاف تو بھائیوں میں بھی

ہو سکتا ہے۔ اختلاف تو بیوی اور خاوند میں بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف باعث مذمت نہیں، فساد باعث مذمت ہے، فساد کیوں ہو رہا ہے؟ پاکستان میں مسلمان بھی ہے، عیسائی بھی ہے، ہندو بھی ہے، سکھ بھی ہے، مذہب کا اختلاف ہے۔ شیعہ سنی مذہب کا اختلاف ہے، لیکن اختلاف برداشت ہے۔ اختلاف 14 صدیوں سے ہے۔ قیامت تک رہے گا۔ اختلاف کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بات فساد کی ہے کہ لڑائی کیوں ہوتی ہے؟ جھگڑا کیوں ہے، فساد کیوں ہے، وہ فساد کون کر رہا ہے، ابتداء کس کی طرف سے ہو رہی ہے۔ اس بات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ میں سندھ کے بارے میں واضح طور پر کہتا ہوں کہ وہاں فرقہ وارانہ فسادات جو کراچی میں شروع کرائے گئے ہیں۔ وہ حکومت اور ایجنسیوں کی طرف سے کرائے گئے ہیں۔ اگر نہیں ہوئے تو حکومت مجھے بتلائے کہ اس نے فرقہ وارانہ فسادات کو ختم کرانے کے لئے کون سا قدم اٹھایا ہے۔ کیا میں نے صدر مملکت کو نہیں کہا۔ کیا میں نے وزیر اعظم کو نہیں کہا۔ کیا میں نے اس ایوان میں نہیں کہا۔ کیا میں نے گورنر پنجاب کو نہیں کہا کہ اس فساد کی فضا کو ختم کریں۔ آپ ہمیں بلائیں، لیکن میں جانتا ہوں۔ حکومت وقت یہ چاہتی ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات ختم نہ ہوں۔ اس سے چار فائدے ہوں گے۔ پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعے بڑی بڑی لیڈر شپ کو راستے سے ہٹانے کا حکومت کو موقع مل جائے گا۔ دوسری بات یہ ہوگی کہ فرقہ وارانہ فسادات سے مذہبی اور دینی قوتوں کو بدنام کرنے کا حکومت کو موقع مل جائے گا اور تیسری بات فرقہ وارانہ فسادات سے حکومت وہاں کی بڑی بڑی مذہبی، سیاسی جماعتوں کو ختم کر کے ایک نئی Tention پیدا کر سکتی ہے اور فرقہ وارانہ فسادات کی آڑ لے کر حکومت مذہبی جماعتوں پر پابندی لگا سکتی ہے۔ چار فائدے ہیں اور موجودہ حکومت یہ چار فائدے حاصل کرنا چاہتی ہے تاکہ لیڈر شپ کو راستے سے ہٹایا جائے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ ہمیں خود پرمٹ دیئے گئے ہمیں کہا گیا۔ اخبار کی شہ سرخیوں کے ذریعے کہ جناب یہ چار آدمی ہیں۔ (جن

میں ایک میرا نام ہے۔) جن کی جان کو خطرہ ہے۔ ایک طرف یہ کہا گیا۔ ایک طرف ہمیں پولیس کی گارڈ نہیں دی گئی۔ لیکن اب کیا ہوا یہ نواب زادہ صاحب تشریف فرما ہیں۔ ان سے پوچھئے کہ مسئلہ کشمیر پر جو پارلیمانی وفد ترتیب دیا گیا' اس میں بھی شامل تھا۔ اس کے ساتھ ایک دن پہلے وہ کون شخصیت ہے۔ جس نے مظفر ہاشمی کی معیت میں مجھے ملک سے باہر جانے سے روکا۔ یہ سازش تھی کہ اعظم طارق کو یہاں رکھا جائے اور اسے قتل کرا دیا جائے۔"

شیعیت کی کھلی جارحیت اور حکومت کی مجرمانہ خاموشی

قومی اسمبلی میں ناموس صحابہؓ بل کو ملنے والی پذیرائی پر شیعیت کی صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ ایران تک کی نیندیں اڑ چکی تھیں اور تحریک جعفریہ کے لیڈر کھلے عام ناموس صحابہؓ و اہل بیت بل کے خلاف اشتعال انگیز بیانات دے رہے تھے اور دوسری طرف امام مہدی کی گستاخی کا بہانہ بنا کر شیعہ عوام اور ایران سے بھاری رقمیں وصول کر کے راکٹ لانچروں' کلاشنکوفوں اور بموں سے مسلح ہو کر شیعہ کا تخریب کار گروپ سپاہ محمدؐ مختلف شہروں میں میرا تعاقب کرنے لگا۔ مجھے سرگودھا' کوٹ ادو' فیصل آباد کے جلسوں میں خطاب کرنے سے روکنے کے لئے اخبارات پوسٹروں اور امام باڑوں کے لاؤڈ سپیکروں سے دھمکیاں دی جانے لگیں کہ اگر اعظم طارق اس شہر میں داخل ہوا تو ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ادھر میں نے ان کے ایک ایک چیلنج کو قبول کر کے تمام پروگراموں میں شرکت کو یقینی بنانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ لاہور میں شیعہ کی امام مہدی کانفرنس میں اعلان کیا گیا کہ جو شخص اعظم طارق کا سر کاٹ کر لائے گا وہ انعام کا مستحق ہو گا۔ اس کانفرنس کی آڈیو کیسٹ حاصل کر کے مقامی تھانہ میں رپٹ درج کرائی گئی لیکن حکومت کی طرف سے

اس طرح کے کسی واقعہ کا نوٹس نہ لیا گیا۔ فاضل پور ضلع راجن پور میں میری تقریر کے دوران شیعہ نے فائرنگ کردی لیکن پرچہ ہمارے ہی خلاف درج کردیا گیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں میری تقریر کے دوران بم گرنیڈ مار کر جلسہ کے قریب کھڑی ایک گاڑی تباہ کردی گئی۔ ان واقعات پر حکومت کی مجرمانہ خاموشی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ خود اس بات کی آرزو رکھتی ہے کہ کسی طرح میں دشمن کے حملوں کا نشانہ بن جاؤں اور ان کی آنکھوں میں کھٹکنے والا یہ کانٹا مستقل طور پر نکل جائے۔

شاہ پور (سرگودھا) میں راکٹ لانچروں سے قاتلانہ حملہ دو گن مین شہید

یہ قدم قدم قیامت یہ سواد کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے، جسے زندگی ہو پیاری
ہے عجب طرح کی بازی، یہ بساط عشق عامر
کبھی جیت کر نہ جیتی کبھی ہار کر نہ ہاری

○

۲۲ اگست ۱۹۹۴ء کا گرم دن۔ دوسرے روز قومی اسمبلی کا اجلاس دو گن مین سرکاری حاجی امتیاز احمد، رشید احمد، پرائیوٹ گن مین احسان اللہ، ڈرائیور فاروق نجمی پی اے عبدالرحمان میرے ہمراہی تھے۔ پہلے ہم جھنگ صدر ایک مرحوم کارکن کی فاتحہ کے لئے گے۔ اور وہاں سے ہم جھنگ سٹی چلے گئے وہاں سے فراغت کے بعد ہم تقریباً ساڑھے تین بجے براستہ ساہیوال، سرگودھا بذریعہ ڈالہ ٹویوٹا روانہ ہوئے۔ پہلے میں نے براستہ خوشاب جانے کا ارادہ کیا تھا مگر پھر اچانک اپنا فیصلہ بدل ڈالا۔ ساہیوال سے کچھ پہلے ایک

پجارو نے ہماری مخالف سمت سے کراس کیا۔ اچانک پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے محافظوں نے مجھے بتایا کہ نواب امان اللہ شیعہ دہشت گرد جا رہا ہے۔ میں نے کہا۔ معمول کی بات ہے۔ ساتھیوں نے جواب دیا جی ہاں کراس کرنا تو معمول کی بات ہے مگر اس کا آپ کو دیکھتے ہی چہرہ چھپانے کی کوشش کرنا ہرگز معمول کی بات نہیں لگتی۔ میں نے کہا۔ خیر ہے اللہ مہربانی کرے گا۔ ہم نے کچھ سفر مزید طے کیا تو ایک ہوٹل پر کھڑے چند لڑکوں نے بلند آواز میں اپنے دوسرے ساتھیوں کو کہا۔ وہ گیا اور تھوڑی دیر بعد گاڑی کے پچھلے حصہ پر بیٹھے ہوئے ساتھیوں نے بتایا کہ ایک سفید جیپ ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔ میں نے شیشے سے منظر دیکھا تو جیپ کی بجائے ایک نئے ماڈل کا 4x4 کا سفید ٹویوٹا ڈالہ ہماری طرف بہت تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ جس میں چند برقعہ پوش عورتیں اور چند نوجوان بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ میری چھٹی حس نے خطرے کا الارم دیا اور میں نے محسوس کیا کہ اگر یہ گاڑی ہمارے قریب پہنچ گئی اور یقیناً پہنچ جائے گی تو پھر حملہ کی صورت میں انتہائی نقصان کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ اس وقت ہم ساہیوال سے گزر چکے تھے۔ میں نے آواز دی فاروق۔ جواب ملا۔ جی حضرت۔ میں نے کہا! آگے ایک چھوٹا سا گاؤں آئے گا وادھی وہاں لکڑی کا ایک عارضی پل ہے۔ تم اس کے دوسرے کنارے کے پل پر گاڑی کھڑی کر دینا میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔

ہماری گاڑی پل پر پہنچ چکی تھی اور جیسے ہی گاڑی دوسرے کنارے پہنچی تو بریک لگ گئی۔ ابھی ہم حالات کا جائزہ بھی لینے نہیں پائے تھے کہ دوسرے کنار پر متعاقب گاڑی پہنچی جس سے فوراً ہی راکٹ داغا گیا۔ خوش قسمتی سے وہ ہماری گاڑی سے چند گز آگے جا کر گرا اور ایک زبردست دھماکے سے پھٹا جس سے ہر طرف دھویں اور مٹی کے بادل پھیل گئے اتنی دیر میں ہم سب نیچے اتر گئے تھے مگر شاہد محمود اندر رہ گیا جو کہ سویا ہوا تھا۔ حاجی امتیاز دروازے کی اوٹ سے اور رشید احمد اور سرفراز پہلوان نیچے لیٹ کر

پوزیشن سنبھال چکے تھے۔ مولانا صاحب آپ فوراً یہاں سے ہٹ جائیں اور کسی محفوظ جگہ پر پہنچ جائیں ہم انہیں انشاء اللہ سنبھال لیں گے یہ بات حاجی امتیاز نے کی۔ میں نے ہدایت کی کہ "تمہارے پاس اسلحہ کم ہے۔ اس لئے وقفے وقفے سے نشانہ لے کر استعمال کرنا۔" ساتھیوں نے کہا آپ فکر نہ کریں اتنی دیر میں دستی بموں اور کلاشنکوف سے اس تیزی سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ہم کسی جنگی محاذ پر کھڑے ہوں تمام علاقہ میدان کارزار کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ ٹریفک بلاک ہو چکی تھی۔ بظاہر یوں لگتا تھا۔ جیسے ہمارے زندہ بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تمام علاقہ شیعہ آبادی پر مشتمل ہے میں نے دل ہی دل میں اپنے رب کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ حاجی امتیاز، رشید اور سرفراز کمال بہادری اور جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور بہت عقلمندی سے جوابی فائرنگ کرتے رہے۔ جس سے دشمن بھی مضروب ہو چکے تھے اور ان کی چیخ و پکار کی آوازیں واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ میرے ہاتھوں میں چونکہ اسلحہ نہیں تھا۔ تو وہاں ٹھہرنا بھی نامناسب تھا۔ چنانچہ میں اور احسان اللہ ایک قریبی سیم نالہ میں سے ہوتے ہوئے کماد کے ایک کھیت کی اوٹ میں چلے گئے لیکن وہاں بھی تیزی سے گولیاں اور رائفل بم برسائے جا رہے تھے۔ اللہ کے خاص فضل و کرم سے محفوظ رہے۔ کچھ دیر بعد ہم قریبی آبادی کی طرف بڑھے۔ تو وہاں موجود ایک بوڑھی عورت کہنے لگی "وے بھرا وا اید رساڈے گھر وچ وڑ آ" (ارے بھائی ہمارے گھر داخل ہو جا) اچانک میری نظر اس گھر پر لگے سبائی علم پر پڑی تو میں نے اپنا ارادہ بدل لیا اور دوبارہ کماد کی اوٹ کو ہی اپنی جائے پناہ بنا لیا۔ ادھر حاجی امتیاز گرنیڈ لگنے سے زخمی ہو چکا تھا اور شاہد محمود بھی گرنیڈ لگنے سے بے ہوش ہو کر اندر ہی گر چکا تھا۔ اتنی دیر میں حاجی امتیاز کی گن گولیوں سے خالی ہو گئی تو اس نے رشید کو پکارا کہ مجھے میگزین میں گولیاں ڈال دو۔ رشید حاجی امتیاز کو گولیاں ڈال کر دینے لگا اور اتنے میں حاجی نے گاڑی سے ایک کپڑا نکال کر زخم پر باندھا اور پھر فائرنگ شروع کر دی۔ ان کی ایک گولی مخالفین کی

گاڑی کی ونڈ سکرین توڑتی ہوئی ڈرائیور کو لگی جس سے وہ لوگ بوکھلا اٹھے اور بوکھلاہٹ میں واپس دوڑنے کے لئے انہوں نے گاڑی کو موڑا لیکن گاڑی چند گز تک چلنے کے بعد رک گئی۔ ان لوگوں نے اپنے زخمیوں کو سہارا دے کر نکالا۔ ان میں سے ایک چیخا اوے مو... نے مار دیا جلدی گاڑی چھینو اور یوں انہوں نے تھوڑی دیر میں گن پوائنٹ پر تو... یں خالی کروائی اور جھنگ کی طرف فرار ہونے کی کوشش کی لیکن وہ گاڑی بھی ... پر جاکر پنکچر ہوگئی۔ ان لوگوں نے پھر ایک گاڑی چھینی۔ کچھ لوگ اندر بیٹھ گئے اور بقیہ ... نہ ہونے کی بناء پر کار کی ڈگی میں جابیٹھے اور فرار ہوگئے۔

اتنی دیر میں اطلاع ملنے پر ایس ایس پی سرگودھا جناب مشتاق احمد سکھیرا موقع پر پو... کی بھاری جمعیت لے کر پہنچ گئے۔ سکھیرا صاحب اس وقت بیڈ منٹن کھیل رہے تھے جب انہیں اس سارے واقعہ کی اطلاع ملی تھی تو وہ وہیں سے ٹریک سوٹ میں چلے آئے۔ انہوں نے پولیس کے چند نوجوانوں کو ساتھ لیا اور ملزمان کے تعاقب میں چلے گئے اور معلوم کرتے کرتے ضلع جھنگ کے تھانہ قادرپور کے ایک گاؤں موضع ادو پہنچ کر گاؤں کا محاصرہ کر لیا اور زبردست ایکشن کے نتیجے میں وہاں ایک "ایمان بگاڑا" (امام بارگاہ) میں موجود چند لوگوں نے اعتراف کیا کہ ملزمان یہاں آئے ضرور تھے مگر آدھا گھنٹہ ہوا وہ آگے نکل گئے ہیں لیکن سکھیرا صاحب نے اعتبار نہ کیا اور وہاں کے چند وڈیروں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے ایس ایس پی سکھیرا صاحب نے کمال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملزمان کو Trace کر لیا جو سپاہ صحابہ سے تعلق رکھتے تھے مگر شومئے قسمت کہ ملزمان نہایت بااثر ہونے کی وجہ سے کسی ایسی جگہ چھپ گئے کہ موقع پر گرفتار نہ ہو سکے۔

ادھر مساجد کے سپیکروں پر اعلانات ہونے لگے کہ مولانا اعظم طارق جہاں کہیں بھی ہیں وہ باہر آجائیں کیونکہ پولیس پہنچ چکی ہے اور ملزمان فرار ہو چکے ہیں مگر ہم نے اعلانات پر اعتبار نہ کیا کہ ہو سکتا ہے یہ بھی دشمن کی سازش ہو مگر کچھ دیر بعد جب ہم نے اپنے ساتھیوں

سرفراز پہلوان کی آواز میں اعلان سنا تو ہم باہر آ گئے۔ یوں اس حملہ میں شاہد محمود اور حاجی امتیاز احمد نے جرات و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اللہ اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا کرے۔ آمین

ادھر دوسری جانب پولیس ایس ایس پی صاحب کی خصوصی عدالت میں تمام شواہد اکٹھے کرتے کرتے ایک ڈسپنسر تک پہنچ گئی۔ جس نے ملزمان کی مرہم پٹی کی تھی مگر اس نے بتایا کہ ملزمان مجھے زبردستی لے کر گئے تھے اور کسی کو بتانے پر قتل کی دھمکی دی تھی۔ پولیس نے جب تمام کڑیاں ملائیں اور ملزمان جو گاڑی چھوڑ بھاگے تھے۔ وہ آج بھی تھانہ شاہ پور میں نشان عبرت بنی ہوئی ہے۔ اس سے چند وزیٹنگ کارڈ و دیگر ایڈریس ملنے پر تفتیش کا دائرہ کار کچھ وسیع کیا تو معلوم ہوا کہ اس سازش میں نہایت ہی بااثر شخصیات ملوث ہیں اور جس کی وجہ سے آج تک ملزمان گرفتار نہ کئے جا سکے۔

قومی اسمبلی میں مجھ پر قاتلانہ حملہ کے خلاف احتجاج اور وفاقی وزیر داخلہ کی غلط بیانی

22 اگست کے قاتلانہ حملہ کے باعث دو شہید ہونے والے ساتھیوں کی نعشیں لے کر 23 اگست کی صبح میں تو جھنگ پہنچ گیا اور جنازہ اور تدفین میں مصروف رہا۔ ادھر قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے راہنماؤں نے اس پر سخت احتجاج کیا اور حکومت سے اس بات کی وضاحت طلب کی کہ جب یہاں اسمبلی میں بارہا مولانا نے اپنی جان کے خطرے میں ہونے کی بات کی تھی تو حکومت نے سیکورٹی کا کیا انتظام کیا۔ جس کے جواب میں وفاقی وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے سراسر غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ اول تو میں نے مولانا اعظم طارق کو جھنگ جانے سے منع کیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان پر سرگودھا میں داخلہ بندی

تھی۔ اس لئے انہیں پولیس سکواڈ مہیا نہ کی گئی۔ تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے چونکہ سرگودھا میں اشتعال انگیز تقریر کی تھی اس کے رد عمل میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔

قومی اسمبلی میں میرا خطاب اور وزیر داخلہ کی غلط بیانی اور قتل کی سازش میں حکومت کے ملوث ہونے پر دلائل

قاتلانہ حملہ کے ایک ہفتہ بعد جب میں ۲۹ اگست کو اسلام آباد پہنچا تو میں نے قومی اسمبلی میں پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑے ہو کر اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کی تفصیلات اور اس کا پس منظر بیان کیا اور یہ بات چار شواہد کے ذریعہ ثابت کی کہ حکومت خود اس سازش میں ملوث ہے۔ میرا موقف تھا کہ!

۱۔ حکومت پنجاب نے اس حملہ سے چند روز قبل میرے گھر پر تعینات پولیس گارڈ واپس لے لی تھی۔

۲۔ حکومت پنجاب نے میرے ساتھ ایک ضلع سے دوسرے ضلع تک چلنے والی پولیس سکواڈ واپس لے لی تھی

حالانکہ یہ دونوں حفاظتی اقدامات مجھے اس وقت بھی حاصل تھے جب میں گذشتہ دور حکومت میں نواز شریف حکومت میں اپوزیشن راہنما تھا اور پنجاب میں غلام حیدر وائیں وزیر اعلیٰ تھے۔ میری ان سے شدید مخالفت تھی لیکن موجودہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں منظور احمد وٹو جن کے ہم حلیف ہیں۔ ان اقدامات پر مرکز کی ہدایات کے باعث مجبور ہو گئے ہیں۔

۳۔ خود وفاقی حکومت نے اسلام آباد میں اسلحہ لانے کی ممانعت کا آرڈر جاری کر دیا تھا جس کے باعث میں نے اپنا لائسنسی اسلحہ ساتھ رکھنے سے گریز شروع کر رکھا

تھا۔ صرف مختصر سا واجبی اسلحہ ہمراہ رکھنے پر مجبور تھا۔ ورنہ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو پھر حملہ آوروں سے کوئی بھی بچ کر نہ جا سکتا تھا۔

۴۔ وفاقی حکومت۔نے ۵ جولائی کو کشمیر کمیٹی کے وفد کے ہمراہ مجھے دورے پر جانے سے صرف 12 گھنٹے قبل روکا۔ مجھے اسی وقت بعض حساس اداروں کے ذمہ داروں نے بتایا تھا کہ حکومت تمہیں ملک میں رکھ کر کسی حادثہ سے دوچار کرانا چاہتی ہے اور ساتھ ساتھ میں نے وزیر داخلہ کی غلط بیانی کا پردہ چاک کرتے ہوئے بتایا کہ مجھ پر نہ تو سرگودھا میں داخلہ بندی ہے نہ ہی میں سرگودھا جارہا تھا اور نہ ہی مجھ پر حملہ کرنے والے سرگودھا کے شیعہ ہیں (بلکہ ان کا تعلق ٹھوکر نیاز بیگ لاہور سے ہے) اور نہ ہی وزیر داخلہ نے مجھے جھنگ جانے سے روکا تھا۔ ادھر مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے والے شہر شہر میرے پیچھے راکٹ لانچر لے کر بالکل نئی گاڑی ٹویوٹا 4x4 پر سینیٹر کی جعلی نمبر پلیٹ لگا کر گھومتے رہے۔ مگر انہیں کہیں بھی روکا نہ گیا۔

مزید یہ کہ قاتلانہ حملہ کرنے والوں نے بھاگ کر جس علاقہ میں پناہ لی ہے۔ اس علاقہ میں پناہ دینے والے لوگوں کی پشت پناہی اس وقت وہاں کے رکن قومی اسمبلی کر رہے ہیں۔ جو پیپلز پارٹی کے اہم راہنما ہیں۔

ایران کی طرف سے میرے قتل کے لئے ایک کروڑ روپیہ قومی اسمبلی میں انکشاف

۲۹ اگست کو اسمبلی میں کیے جانے والے خطاب میں اخبارات کی تازہ رپورٹوں کے ذریعہ میں نے واضح کیا کہ چند روز قبل ایران کے سفارتخانہ لاہور کے دفتر سے ایک شخص مظفر سیال گرفتار کیا گیا ہے جو اپنے پانچ ساتھیوں کے ایران کے لئے ویزے لگوا رہا تھا۔ یہ مظفر سیال نامی شخص شورکوٹ کے ایک جاگیردار گھرانے کا فرد ہے اور اس کا دادا ۱۹۸۵ء میں ممبر قومی اسمبلی رہ چکا ہے۔ پورا خاندان شیعہ ہے۔ اس نے پولیس کو نہ صرف تمام حملہ آوروں کے نام بتائے ہیں اور انھیں موبائل فون لے کر دینے کا اقرار کیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ حملہ آور کئی روز تک اس کے ہاں پناہ گزیں رہے ہیں۔

اس ہفتہ کا نوائے وقت لاہور اس وقت میرے ہاتھ میں ہے جس میں واضح طور پر ملزم مظفر سیال کا بیان شائع ہوا ہے کہ ایران نے مولانا اعظم طارق کو قتل کرانے کے لئے ایک کروڑ روپیہ دیا ہے۔ میں حکومت پاکستان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر وہ غیر ممالک کو عموماً اور ایران کو خصوصاً کیونکر کھلی چھٹی دیئے ہوئے ہے کہ وہ پاکستان میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ علماء کرام کا قتل جس طرح سے چاہے کراتی رہے۔ اس اسمبلی میں آج سے ساڑھے تین سال قبل رکن اسمبلی مولانا ایثار القاسمی نے کہا تھا کہ پاکستان کے افسران نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ آپ کو قتل کرنے کے لئے ایران سے کمانڈو آ گئے ہیں۔ پھر اس کے چند روز بعد مولانا ایثار القاسمی کو شہید کر دیا گیا۔

میں آج اس ایوان میں کھڑے ہو کر حکمرانوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ آخر تم کیا چاہتے ہو؟ تم ہمارا تحفظ نہیں کر سکتے ہو تو پھر ہمیں پابند مت کرو اور جائز اسلحہ لیکر چلنے سے مت روکو۔

اسمبلی میں اسلحہ لانے پر وزیر داخلہ سے جھڑپ

۲۹ اگست کو میں نے اپنے خطاب کے آخر میں اعلان کیا کہ آپ لاکھ پابندیاں لگائیں اب میں اپنی سیکورٹی کے لئے اپنا لائسنسی اسلحہ ساتھ لاؤں گا۔ اس پر وزیر داخلہ جو کافی دیر سے میری تقریر سن کر سٹپٹائے بیٹھے تھے اور میری طرف سے حکومت کو ۲۲ اگست کے قاتلانہ حملہ کا ذمہ دار ٹھہرائے جانے پر دیئے گئے دلائل سے سخت پریشان تھے۔ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ اسلحہ لے کر آئیں گے تو میں آپ کو گرفتار کرادونگا۔

میں نے جواب میں کہا یہ باتیں تو کل کی ہیں میں ابھی اس وقت مسلح ہو کر آیا ہوں آپ اپنا شوق پورا کرلیں۔

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی
وہ چاند یہ تارا ہے، وہ پتھر یہ نگیں ہے!
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ گردوں، وہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے نہیں ہے

میرے اس اعلان پر اسمبلی میں کھلبلی مچ گئی۔ وزیر داخلہ نے فوراً پولیس کی نفری طلب کرلی کہ ہم تلاشی لیں گے۔ دوسری طرف اسمبلی کے افسران میری منت سماجت کرنے لگے کہ اگر آپ کے پاس جائز لائسنسی اسلحہ کی موجودگی ثابت ہو گئی تو ہم سب معطل ہو جائیں گے۔ آپ ہم پر رحم کریں۔

چنانچہ میں نے فوراً ساتھیوں کو کہہ کر ذاتی اسلحہ آگے پیچھے کرا دیا اور وزیر داخلہ کو چیلنج کیا کہ آپ افسران اور سرکاری اہلکاروں کو معطل نہ کرنے کا وعدہ کریں۔ میں آپ کو ابھی اسلحہ دکھاتا ہوں۔ لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے تو میں نے اعلان کیا کہ آج کے بعد میں اسلام آباد میں کھلے بندوں پیدل گھوما کروں گا اور ساتھ کوئی گن مین سرکاری بھی نہیں رکھوں گا۔ اگر میرے ساتھ کچھ ہوا تو ذمہ دار حکومت اور وزیر داخلہ ہونگے۔

اجلاس کے اختتام پر میں اسمبلی سے باہر نکل کر پیدل اپنے فلیٹ کی طرف چل پڑا تو میرے دائیں بائیں پولیس کی گاڑیاں اور اسلام آباد انتظامیہ کے افسران چلنے لگے۔ چنانچہ میری اس ضد پر حکمرانوں کو مجبوراً میرے ساتھ یہ سمجھوتا کرنا پڑا کہ ہم آپ کو اسلام آباد میں ہر وقت پولیس کی گاڑیاں مہیا کیا کریں گے۔ آپ اپنا لائسنسی اسلحہ گاڑی میں رکھیں لیکن اس کی نمائش نہ کریں۔

میرے اوپر قاتلانہ حملے کے ملزمان سے حکومت کے تعلقات

ڈھل چکی رات تو اب کہر بھی چھٹ جائے گی
اب بھی امید کی لو کم نہ کرو دیوانو!
آندھیاں آیا ہی کرتی ہیں ہر اک حبس کے بعد
گل شدہ شمعوں کا ماتم نہ کرو دیوانو!

○

۲۲ اگست کو شاہ پور میں قاتلانہ حملہ کرنے والے جن ملزمان کو F.I.R میں نامزد کیا گیا تھا۔ ان میں ایک سپاہ محمد کا سالار غلام رضا نقوی اور دوسرا اس کا بھانجا محمد علی عرف شبر شاہ تھا۔ ان ملزمان کو ہم نے پہلے بھی دیکھا ہوا تھا۔ کیونکہ ان کا تعلق اصل میں جھنگ سے

ہے۔ بعد میں ٹھو کر نیاز بیگ لاہور میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے تھے۔

ملزمان نے حملہ سے پہلے بھی اخبارات اور اپنے مذہبی جلسوں میں اس ناپاک سازش کو عملی جامہ پہنانے کا اعلان کیا تھا اور اس واقعہ کے بعد بھی نہ صرف وہ اقرار کرتے رہے بلکہ انہوں نے لاہور مینار پاکستان پر ایک کانفرنس منعقد کر کے پہلے حملہ کو تسلیم کرتے ہوئے آئندہ پھر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ لیکن حکومت ان کی گرفتاری سے ہمیشہ پہلو تہی کرتی رہی۔ ان تخریب کاروں کے کانفرنسوں جلوسوں میں شریک ہونے سے حوصلے مزید بڑھتے گئے حتیٰ کہ ایک روز لاہور کے D.S.P چوہدری شفقات احمد پولیس کی چار گاڑیوں میں نفری ہمراہ لے کر جب ٹھوکر نیاز بیگ ایک ملزم کی گرفتاری کے لئے پہنچے تو ان تخریب کاروں نے ان پر سیدھی فائرنگ کر دی۔ جس سے یہ افسران اور ملازمین منت سماجت کر کے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور انکی گاڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔

شیعہ دہشت گردوں کی اتنی بڑی جرات کے بعد بھی ان پر ہاتھ ڈالنے کے لئے پولیس کو اس لئے اجازت نہ دی گئی کہ اسلام آباد سے وزیر اعظم ہاؤس میں بیٹھی شخصیات اپنے "پالتو غنڈوں" پر آنچ آنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

گورنر پنجاب کی حملہ آوروں سے ملاقات

ایک طرف پولیس افسران اور مرکزی حکومت ہمیں قومی اسمبلی کی استحقاق کمیٹی میں ملزمان کی گرفتاری کی یقین دہانی کرانے میں مصروف تھی۔ دوسری طرف پنجاب کے گورنر چوہدری الطاف حسین صاحب گورنر ہاؤس میں ان نامزد ملزمان سے میٹنگ کر کے اخبارات میں تصاویر شائع کرا کر یہ بتا رہے تھے کہ ملزموں کو مکمل سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ بالآخر پولیس افسران کو ہمارے سامنے اقرار کرنا پڑا کہ "ہم مجبور ہیں" حکومت آپ پر قاتلانہ حملہ کے مرتکب ملزمان کو خود تحفظ فراہم کر رہی ہے۔

عجیب اتفاق اور تغیر زمانہ کی ایک جھلک

بے نظیر حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی نگران حکومت کے دور میں سپاہ محمد کے سالار غلام رضا نقوی کو گرفتار کر لیا گیا اور اس پر خود اپنی جماعت کے لیڈر مرید عباس یزدانی کے قتل کا بھی مقدمہ قائم کر دیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ جب ۱۹۹۷ء میں مجھے گرفتار کر کے چوہنگ بھیجا گیا تو وہاں غلام رضا نقوی بھی بند تھا اور اس کے حکم پر یزدانی کو قتل کرنے والا موسیٰ نامی نوجوان بھی بند تھا اور سیشن کورٹ لاہور میں بم دھماکہ کرنے والا محرم علی بھی وہیں تھا۔ چند دنوں کے بعد شاہ پور کے حملہ میں ملوث ایک اور ملزم "بلو بٹ" بھی گرفتار ہو کر وہاں پہنچ گیا۔

ادھر تفتیشی افسران میں D.S.P چوہدری شفقات احمد اور ان کے وہ ساتھی موجود تھے۔ جن پر پونے دو سال قبل یہ دہشت گرد ٹھوکر نیاز بیگ میں حملہ کر چکے تھے۔ صورت حال یہ تھی کہ غلام رضا نقوی مجھ پر قاتلانہ حملہ سمیت ٹھوکر نیاز بیگ کی فائرنگ یزدانی کو قتل کرانے اور کئی دیگر بدکاریوں اور ڈکیتیوں کے الزامات میں دوران تفتیش انکار کرتا تھا۔ تو اسی کے ساتھی سامنے بیٹھ کر کہتے تھے۔ علامہ صاحب خدا کا خوف کرو! اتنا جھوٹ موٹ بولو! ہم عباس علمدار کے علم پر ہاتھ رکھ کر گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے فلاں فلاں کام کیے ہیں بلکہ ہمیں تو اب آپ کو علامہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ باہر آپ بڑے بہادر بنتے تھے اب آپ کی حالت یہ ہے کہ بات بات پر آپ کی زبان لرزتی ہے۔

اس شخص کے گھٹیا کردار کے بارے میں چوہنگ سینٹر کے تفتیشی افسران کے پاس اس قدر مواد جمع ہو چکا ہے کہ جسے اگر وہ اخبارات کے سامنے لائیں تو ہر خاص و عام کو بخوبی علم ہو جائے گا کہ امام مہدی کے نام پر اپنی قوم کو بے وقوف بنانے والے کس قماش کے لوگ تھے۔

گورنر پنجاب کا مجھے پولیس مقابلہ میں قتل کروانے کے لئے

ڈی۔آئی۔جی راولپنڈی کو حکم اور قدرت کا انتقام

گورنر پنجاب کی طرف سے ہمارے نامزد ملزموں کی سرپرستی کی جانے کی خبریں جب اخبارات کی زینت بننے لگیں تو میں نے اسمبلی کے اندر اور باہر اس کا سخت نوٹس لیا اور گورنر پنجاب کے کردار کو چیلنج کیا کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ انہیں اس عہدہ پر باقی رکھا جائے۔

چنانچہ اس یلغار سے گورنر صاحب اور برافروختہ ہو گئے انہوں نے D.I.G راولپنڈی شعیب سڈل کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ مجھے پولیس مقابلہ میں ختم کرا دے۔

لیکن اللہ کے فیصلوں پر قربان! کہ خود گورنر صاحب چند ماہ کے بعد اس جہان ہی سے چلتے بنے اور مجھے قتل کرانے کی حامی بھرنے والا پولیس افسر مجھے تو قتل نہ کرا سکا لیکن وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے بھائی مرتضیٰ بھٹو کو قتل کرانے کے الزام کی زد میں آ کر کراچی کے D.I.G کے عہدہ ہی سے برطرف نہیں ہوا بلکہ جیلوں کی ہوائیں اور عدالتوں کے دھکے کھانا اس کا مقدر بن چکا ہے۔

ملتان میں میری قیام گاہ پر فائرنگ

ستمبر ۱۹۹۴ء میں ملتان میں ایک تاریخی ناموس صحابہ کانفرنس کی تیاریاں کی گئیں۔ مجھے لاہور میں ضروری کام تھا جس کی وجہ سے دیر ہو گئی اور دوپہر کے دو بج گئے چنانچہ فوری طور پر بھائی کاظم صاحب کی معرفت ایک چارٹرڈ طیارہ کا بندوبست کیا گیا اور یوں ہم

چار بجے ملتان پہنچ گئے بعد نماز عصر گھنٹہ گھر ملتان میں تاریخی کانفرنس سے خطاب کر کے ہم ممتاز خطیب قاری محمد حنیف ملتانی کی عیادت کر کے رات کو گلگشت کالونی ملتان میں حاجی محمد عرفان شاہین کے مکان پر آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔ پولیس کی گاڑی جو ہمارے ساتھ تھی واپس چلی گئی اور میرے گن لاہور ہی میں رہ گئے تھے اور صرف دو ساتھی ایک دو رائفلوں کے ہمراہ یہاں رہ گئے۔ رات ۲ بجے اچانک شدید فائرنگ کی آوازوں سے میری آنکھ کھل گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک گن مین محمد اسلم گھبرایا ہوا میرے کمرہ میں داخل ہوا کہ شیعہ نے حملہ کر دیا ہے اور وہ لوگ گیٹ پر کھڑے ہیں اور فائرنگ کر رہے ہیں اور بلند آوازوں سے گیٹ کھولنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ میں نے مالک مکان سے پوچھا آپ ان لوگوں کو پہچانتے ہیں تو انہوں نے کہا کچھ لوگ تو محلے کے شیعہ ہیں اور ایک تھانیدار ہے اور وہ بھی شیعہ ہے۔ فائرنگ اس قدر تھی کہ گھر کے تمام بڑے چھوٹے افراد شدید خوف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ ادھر ہمارے پاس جو اسلحہ تھا وہ بھی جواب دے چکا تھا گولیاں مس ہو رہی تھیں۔ ہم نے جلدی سے ایس ایس پی اور ڈپٹی کمشنر کو فون کیے۔ اتفاق سے ایس ایس پی ملتان چوہدری عبدالقدیر بھٹی فون پر مل گئے۔ انہوں نے تمام صورتحال سن کر پولیس کی گاڑیاں روانہ کیں اور خود بھی ہماری طرف چل پڑے۔ چند ہی منٹوں بعد پولیس پہنچ گئی اور حملہ آور حواس باختہ ہو کر بھاگنے لگے اور کچھ لوگ پکڑے گئے۔ ایس ایس پی صاحب بھی پہنچ چکے تھے پکڑے ہوئے لوگ اور ایس ایس پی صاحب جب میرے پاس مکان کے اندر آئے تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ سارا سلسلہ غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ میں نے پوچھا وہ کس طرح تو کہنے لگے کہ ہم محلے والوں نے آپ کے گن مینوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید ڈاکو ہیں اور اس کوٹھی میں ڈکیتی کی نیت سے پھر رہے ہیں۔ اس لئے ہم نے مسلح ہو کر ڈاکوؤں کے تعاقب میں حملہ کیا تھا چونکہ اس واقعہ میں قصور پولیس کا بھی تھا کہ ان کی سیکورٹی والی گاڑیاں چلی گئی تھیں اس لئے پولیس افسران بھی ان کی حمایت کر کے

صفائیاں دینے لگے میں نے یہ کہہ کر مسئلہ ختم کر دیا کہ مجھے اگر اس حملہ سے شہرت کی ضرورت ہوتی تو میں ضرور اس کی تفصیلات میں جاتا اور اب جبکہ پولیس تک صفائی دے رہی ہے اور دوسری طرف شیعہ لوگ قسمیں کھا رہے ہیں تو میں اعتبار کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر رہا ہوں دوسرے روز نا معلوم کیسے یہ خبر اخبارات کو مل گئی اور انہوں نے پوری تفصیلات کے ساتھ اسے سرخیوں میں قاتلانہ حملہ کے نام سے شائع کیا۔ رات کے سناٹے میں پون گھنٹہ تک ہونے والی اس فائرنگ باہر کھڑے حملہ آوروں کی آوازیں اور گھر میں بچوں اور اہل خانہ کی پریشانی کا منظر آج بھی جب میری نظروں میں آتا ہے تو میں کانپ کر رہ جاتا ہوں۔

ملتان سے لاہور واپسی پر چارٹر طیارہ کے پائلٹ نے مجھے کہا کہ آپ ہی لوگوں کا دمن جگرا ہے کہ آپ ان گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی اپنے مشن میں معروف ہیں۔ ورنہ میری تو رات حالت بہت بری تھی اور میں نے آئندہ کے لئے توبہ کر لی تھی کہ کبھی آئندہ آپ جیسے لیڈر کے ساتھ رات نہ گزاروں گا۔

بی بی سی T.V ٹیم کی لندن سے آمد اور میرے پروگراموں کی ریکارڈنگ

اکتوبر ۹۶ء کے پہلے عشرہ میں لندن سے B.B.C ٹیلی ویژن کے ایک پروڈیوسر کا فون آیا کہ ہماری ٹیلی ویژن کی ایک ٹیم آپ کا مکمل انٹرویو کرنے کی خواہش مند ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی جماعت کا نصب العین۔ آپ کی جدوجہد۔ سیاسی و مذہبی سرگرمیاں اور آپ کے جلسوں اور کانفرنسوں کو ریکارڈ کریں آپ کی سماجی فلاحی اور خدمت عوام کے لئے اٹھائے جانے والے اقدامات کا جائزہ لیں اور آپ کے تفصیلی انٹرویو کریں تاکہ اسے B.B.C کے انٹرنیشنل چینل سے نشر کر سکیں۔ میرے لئے یہ بات بہت بڑی خوشی کا باعث تھی کہ "کاش ایسا ہو جائے کہ ہماری آواز بین الاقوامی سطح پر سنائی دی جانے لگے میں

نے انہیں اجازت دے دی۔"

چنانچہ یہ سات آٹھ رکنی وفد تمام تر ساز و سامان اور لاہور سے کرائے کی مستقل گاڑیاں لے کر ۲۱ اکتوبر کو جھنگ پہنچ گیا۔ ہم نے ان کے لئے ریسٹ ہاؤس بک کروا دیئے اور ان کے خورد و نوش کا اہتمام بھی کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے کہا ہم اپنے اخراجات از خود برداشت کریں گے۔ ۲۲ اکتوبر کو جامعہ محمودیہ گلشن جھنگوی کا سالانہ جلسہ تھا۔ جس میں اس ٹیم نے بڑی دلچسپی لی اور اسے مکمل ریکارڈ کیا۔ اس موقع پر مدرسہ کے لئے جب عوام سے فنڈز کی اپیل کی گئی تو جھنگ کے عوام نے نوٹوں کی بارش کر دی اور اسٹیج کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر لگا دیا۔ دراصل یہ انداز جواب تھا اس سوال کا جو اس ٹیم کے ہمراہ ایک ماہر صحافی نے کیا تھا کہ آپ کو فنڈز کہاں سے ملتے ہیں؟ میں نے جب کہا کہ عوام ہمیں فنڈز مہیا کرتے ہیں تو انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اس کانفرنس میں دیکھنا کہ لوگ پیسے کس طرح دیتے ہیں۔ وہ صحافی اسٹیج کے سامنے بیٹھ کر میری تقریر سننے لگا۔ تقریر کا عنوان شیعہ کے کفریہ عقائد تھا۔ چنانچہ تقریر کے بعد جب کہ میں پسینہ میں شرابور تھا تو میں کھانا کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھا ہی تھا تو ٹیم کیمرے لے کر پہنچ گئی کہ آپ ہمیں اسی حالت میں بتائیں کہ آپ نے اس قدر جوش اور ولولہ کے ساتھ جو تقریر کی ہے اور اس کے رد عمل میں سامعین نے جو پر جوش نعرے لگائے ہیں۔ ہم اس سے حیران و پریشان ہیں۔ کیا ابھی یہاں کوئی جنگ شروع ہو جائے گی؟ میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ لوگ آرام سے گھروں کو چلے جائیں گے۔ تو انہوں نے کہا آپ کی تقریر کا جس قدر لوگوں پر اثر ہوا ہے ہمیں تو یقین ہے کہ اب وہ ضرور کوئی گھیراؤ جلاؤ کا سلسلہ شروع کریں گے۔ میں نے کہا آپ حوصلہ رکھیں۔ تقریر کا یہ سٹائل سپاہ صحابہؓ کے مقررین کا ایک مخصوص سٹائل ہے۔ اس سے جھگڑا فساد تو ہرگز نہیں ہوتا تاہم عوام کے دلوں میں اسلام، قرآن اور صحابہؓ کے دشمنوں سے نفرت ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور یہی ہمارا مقصد

ہے کہ مسلمان خود کو کفار و منافقین سے دور رکھیں۔

انہی دنوں میں چونکہ سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس بھی طلب کیا گیا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ گلگت میں ۲۵ اکتوبر کو الیکشن ہو رہے ہیں۔ ہماری جماعت نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے امیدواروں کی حمایت میں مجھے گلگت کے دورے پر فوری روانہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا میں سفر کرنے پر مجبور ہوں۔ انہوں نے اس بات پر اور زیادہ خوشی کا اظہار کیا اور کہا ہم اپنی گاڑیاں ساتھ لے کر آپ کے ہمراہ چلیں گے۔ چنانچہ یہ ٹیم میرے ہمراہ بذریعہ روڈ شمالی علاقہ جات روانہ ہوئی۔ چلاس سے لیکر گلگت تک ہمارا زبردست استقبال ہوا اور گلگت کے عوام نے تو بے پناہ جوش و ولولہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے فقید المثال استقبال کیا اور عظیم الشان استقبالی جلسے کا اہتمام کیا۔ اس پورے پروگرام کی بھی B.B.C کی ٹیم نے ریکارڈنگ کی۔ واپسی پر تین چار روز تک میرے سماجی امور اور جھنگ کے شہریوں کے تاثرات اور جھنگ کے ماحول و کلچر کو ریکارڈ کیا۔ میں نے چونکہ ۲۸ اکتوبر کو عمرہ پر روانہ ہونا تھا۔ اس لئے مجھے فیصل آباد ایئرپورٹ پر الوداع کہہ کر یہ ٹیم کراچی سے ہوتی ہوئی واپس چلی گئی۔

چار ماہ کے بعد اس ٹیم نے ایک بیس منٹ کی فلم تیار کی جس میں جامعہ محمودیہ کے جلسہ میں میری شیعہ کے کفریات کو بیان کرتے ہوئے تقریر کی جھلک، میرے انٹرویوز، سپاہ صحابہؓ کا تعارف اور گلگت کے استقبال و جلسہ کی جھلک دکھائی گئی اور شیعیت کے کفر کے نعرے سنائے گئے۔ اس فلم کی اشاعت میں کئی مقامات پر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی لیکن شیعیت کے کفر کا اعلان پوری دنیا میں گونج اٹھنے سے ایران اور دنیا بھر کا شیعہ چیخ اٹھا۔ میری گرفتاری کے دیگر اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس فلم کی اشاعت کے بعد ایران اور دنیا بھر کا شیعہ میری گرفتاری کا مطالبہ کرنے لگے۔ فلم کے بعض حصوں پر اعتراض اپنی جگہ لیکن B.B.C ٹیلی ویژن نے پچاس سے زائد مرتبہ اس فلم کو چلا کر شیعیت کے کفر کا نعرہ پوری دنیا میں عام کر دیا۔

سفر عمرہ پر روانگی اور آئمہ حرمین شریفین سے ملاقاتیں

فیصل آباد ایئرپورٹ سے کراچی پہنچا تو وہاں گوجرانوالہ کے دوست شیخ محمد عرفان میرے منتظر تھے۔ جنہوں نے اس سفر میں میرا شریک سفر بننے کی عرصہ سے خواہش کی تکمیل کا راستہ نکال لیا تھا۔ میرے کراچی میں داخلہ پر پابندی تھی۔ اس لئے کراچی ڈویژن کے اہم راہنما ایئرپورٹ پر پہنچ چکے تھے۔ ان سے وہیں ریسٹورنٹ میں ملاقات ہوئی اور حال و احوال جاننے کا موقع ملا۔ بعد ازاں عمرہ کے لئے احرام باندھ کر جہاز میں سوار ہو گئے۔ جدہ ایئرپورٹ پر کارکنوں کی بڑی تعداد نے استقبال کیا اور کاروں کا یہ جلوس مکہ مکرمہ پہنچا۔ پاکستان ہاؤس میں سامان اتار کر بیت اللہ کی طرف چل پڑے۔ خانہ خدا پر پہلی ہی نظر پڑتے ہوئے زبان سے یہ الفاظ جاری ہوئے۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار O ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین اے میرے پروردگار ہمارے شہیدوں کے خون کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے اور خون کی برکت سے ہمارے مشن حق کو کامیابیوں سے ہمکنار فرما۔ جب تک میرے جسم میں روح موجود ہے مجھے اپنے دین حق کی صدا بلند کرتے رہنے کی توفیق عطا کیے رکھ اور میری جماعت کے اسیروں کو رہائی نصیب فرما اور چھوٹے بڑے عہدیداران و کارکنوں کی جانوں، مالوں، عزتوں، آبروؤں کی حفاظت کرنا اور ہم سب کو بار بار حج و عمرہ کے مبارک اسفار کی نعمت سے ہم کنار فرما۔

عمرہ کی تکمیل کے بعد پاکستان ہاؤس آکر آرام کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کے احباب اور جدہ وطائف کے ساتھیوں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مکہ مکرمہ کے کئی محلوں میں تربیتی پروگرام منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا چنانچہ مدینہ منورہ سے واپسی پر ان

پروگراموں میں شرکت کا وعدہ کیا گیا۔

مولانا سیف الرحمن صاحب مسند اور مولانا سعید احمد مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مدرسین اور اجل عالم دین ہیں۔ ہر دو حضرات کا آئمہ حرم اور شیوخ عرب میں ایک بلند مقام ہے۔ ان حضرات کے ہمراہ مسجد حرام کے بڑے امام صاحب حضرت شیخ عبداللہ بن سبیل سے ملاقات ہوئی۔ سپاہ صحابہؓ کا موقف پیش کیا گیا جس پر انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ اس طرح انہوں نے پاکستان میں نسوانی حکومت پر دکھ کا اظہار کیا کہ "علماپاکستان اس سلسلہ میں کیوں مداہنت کا شکار ہیں۔ انہیں بتایا کہ اب بھی اہل حق کا ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو اسمبلی کے اندر اور باہر نسوانی حکومت کے خلاف آواز حق بلند کر کے اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہا ہے۔ انہوں نے ایران کی پاکستان کے معاملات اور سعودیہ کے معاملات میں مداخلت پر بھی تشویش کا اظہار کیا کہ وہ علماء حق کو راستہ سے ہٹانے کے لئے تخریب کاروں کی سرپرستی کرنے میں مصروف ہے۔

ان ہر دو علماء کرام کے ہمراہ باب عبدالعزیز کے متصل دفتر میں تشریف رکھنے والے شیخ طہٰ سے ملاقات ہوئی۔ جنہوں نے بہت ہی شفقت و محبت کا اظہار فرمایا اور ڈھیروں دعائیں، مزید اپنے گھر پر ملاقات کی دعوت دی۔ چنانچہ جب ان کے گھر پر ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے ایک پرانی کتاب کے درجنوں صفحات کے فوٹو سٹیٹ نکلوا کر مجھے دیئے کہ یہ خاص وظائف ہیں اور میں آپ کو ان کی اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ دشمنوں کے شر اور ناپاک عزائم سے آپ کی حفاظت فرمائے گا اور ساتھ ساتھ آٹھ انچ لمبا چار انچ چوڑا 8x4 کا ایک غلاف کعبہ کا ٹکڑا عنایت فرمایا جس پر یا قیوم سونے کی تاروں سے تحریر ہے۔

مکہ مکرمہ میں چند روز گذار کر مدینہ منورہ کا سفر کیا اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر عاجزانہ انداز میں سلام پیش کیا اور حضرات شیخین حضرت ابو بکر صدیق و حضرت

عمر فاروقؓ کی خدمت بھی سلام عرض کیا اور ساتھیوں کے سلام پہنچائے۔

پھر جنت البقیع میں جا کر امہات المومنین ازواج النبی ﷺ اور حضرت عثمان ذوالنورین و تمام صحابہؓ کرام کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

مدینہ منورہ کے احباب اس لحاظ سے بڑے مستعد ہیں کہ انہیں جونہی میرے مکہ مکرمہ پہنچنے کی خبر ملتی ہے تو وہ فوراً رابطہ کر کے مدینہ منورہ آمد کا پروگرام معلوم کر کے بڑی تعداد میں پروگرام ترتیب دے لیتے ہیں اور پھر تمام پروگرام شاندار انداز میں کامیابی کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں۔ ہر پروگرام میں سینکڑوں ساتھی شریک ہوتے ہیں۔

مسجد نبوی کے بڑے امام الشیخ عبد الرحمان الحذیفی سے ملاقات

مدینہ منورہ میں قاری امان اللہ صاحب نہایت فعال ساتھی ہیں۔ قاری گل حسن صاحب عبد الوحید صاحب حافظ محمد اکرم صاحب قاری خلیل احمد صاحب قاری محمد ابراہیم صاحب، قاری عبد اللطیف صاحب، قاری محمد رمضان صاحب ایسے ساتھی ہمہ وقت خدمت کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان حضرات کی کوششوں سے مسجد نبویؐ کے بڑے امام صاحب عالم اسلام کے عظیم راہنما الشیخ علی عبد الرحمٰن الحذیفی مدظلہ سے انکی رہائش گاہ پر ملاقات کا وقت طے پایا چونکہ قاری خلیل احمد صاحب کو مسجد نبوی میں درس و تدریس کی اجازت حاصل ہے اور وہ مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل بھی ہیں۔ حضرت شیخ حذیفی سے ان کی نیاز مندی بھی کافی عرصہ سے تھی۔ اس لئے انہوں نے وقت ملاقات حاصل کیا پھر میرے ہمراہ ملاقات کے لئے شیخ کے گھر پر (جو کہ مسجد نبویؐ کے متصل فلائٹوں کی بالائی منزل پر تھا) حاضر ہوئے۔

شیخ حذیفی کی سادہ طبیعت بے تکلفانہ انداز اور درویش صفت طبیعت سے بہت متاثر ہوا۔ حضرت شیخ سے میں نے سپاہ صحابہؓ کا موقف بیان کیا تو از حد خوش ہوئے اور

فرمانے لگے واللہ الشیعہ اشد کفرا من الیہود والنصاری کہ اللہ کی قسم شیعہ کا کفر یہود و نصاری کے کفر سے بھی زیادہ واضح ہے۔ شیخ کو سپاہ صحابہؓ کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور قاتلانہ حملوں، حکمرانوں کی انتقامی کارروائیوں سے آگاہ کر کے دعا کے لئے کہا تو شیخ نے ڈھیروں دعائیں اور میرے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا لاتحزن انت کمثل خالد بن ولید انشا اللہ کہ فکر نہ کرو تم خالد بن ولید کی طرح دشمنوں کی سازشوں سے انشاء اللہ محفوظ رہو گے۔ (نوٹ) اس ملاقات کی تفصیلات ۱۹۹۶ء کے ماہنامہ خلافت راشدہ میں شائع ہو چکی ہیں۔

مدینہ منورہ کے کچھ احباب کی وساطت اور کوشش سے مدینہ یونیورسٹی کے پروفیسروں اور شیوخ سے ایک مجلس کا اہتمام ہوا۔ اس مجلس میں تین چار گھنٹے تک شیعہ کے عقائد و نظریات اور ایرانی حکومت کے ناپاک عزائم پر بات چیت ہوتی رہی۔ مجلس میں شریک تمام اساتذہ و شیوخ حضرات بڑے ہی متاثر ہوئے اور انہوں نے اصرار کیا کہ آپ دو چار روز اور قیام کی مدت بڑھائیں تاکہ ہم آپ کو بڑے بڑے علماء و شیوخ سے ملوائیں لیکن میں نے دوسرے ہی روز مکہ مکرمہ کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ رات گئے یہ مجلس برخواست ہوئی تو تمام حضرات نے نہایت پرتپاک انداز میں الوداع کہا۔

مکہ مکرمہ واپسی پر جماعتی پروگرام نمٹائے اور طواف وداع کر کے گاڑیوں پر سوار ہو کر جدہ پہنچے۔ جدہ میں مسلم لیگ سعودی عرب کے چوہدری ارشد صاحب و دیگر حضرات نے ایک نہایت ہی خوبصورت استقبالیہ کا ایک ہوٹل میں پروگرام ترتیب دیا ہوا تھا۔ جہاں پہنچے تو ایسے لگا جیسے پاکستان میں کوئی تقریب ہو رہی ہو۔ اس تقریب کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ مجھ سے قبل مسلم لیگ اور کئی دوسری جماعتوں کے راہنماؤں نے خوب تقاریر کیں اور مجھ پر کئی اعتراض کیے۔ خصوصاً میاں نواز شریف کا تحریک نجات میں ساتھ نہ دینے اور اب اسمبلی میں ان کی قیادت میں بے نظیر کے خلاف کام نہ کرنے پر اعتراضات کیے۔ میں نے

خندہ پیشانی سے تمام اعتراضات سنے۔ پھر جب میری باری آئی تو میں نے ایسی کھری کھری سنائیں اور نواز شریف کے اپنے دور اقتدار کے کارنامے اور بے نظیر کو الیکشن ۹۳ء کے بعد قوم پر مسلط کرنے کی سازش اور فاروق لغاری کے لئے صدارت کا راستہ صاف کرنے کی چالوں کو بیان کیا تو لوگ دم بخود رہ گئے۔ پھر اپنی سیاسی خدمات اور قربانیوں کا ذکر کیا تو مجمع کا جوش دیدنی تھا۔ غرض کہ یہ تقریر ایک مثالی تقریر تھی۔ جسے آج بھی وہ لوگ بہت یاد کرتے ہیں اور کیسٹیں شوق سے سنتے ہیں۔

ایرانی پارلیمنٹ کے سپیکر کا قومی اسمبلی سے خطاب اور میرا واک آؤٹ

ایرانی حکومت کی ہمیشہ یہ چال رہی ہے کہ جب وہ پاکستان میں کسی بڑی تخریب کاری کرانے کے نتیجے میں ننگی ہو جاتی ہے اور پاکستان کے عوام و خواص میں اس کے خلاف نفرت کا احساس بڑھ جاتا ہے تو پھر وہ اپنے کسی بڑے لیڈر کو ایک بھاری بھرکم وفد کے ہمراہ پاکستان بھیج دیتی ہے جو یہاں آکر اپنے اوپر لگائے جانے والے الزامات سے برات کا اعلان کر کے اپنے بھیانک چہرے کو ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہے اور ساتھ ساتھ پاکستان کے ساتھ دوستی کے بلند و بانگ دعوؤں اور پاکستانی شیعہ کی حوصلہ افزائی اور مالی معاونت کر کے انہیں از سر نو اپنی کاروائیاں تیز کرنے کی طرف راغب کرتا ہے۔

۲۲ اگست کو مجھ پر ہونے والے قاتلانہ حملہ سے ایرانی حکومت کے خفیہ عزائم سے پردہ اٹھ گیا تھا۔ اخبارات نے گرفتار ملزم کے اس بیان کو نمایاں کر دیا تھا کہ ایرانی حکومت نے مولانا اعظم طارق کو قتل کرانے کے لئے ایک کروڑ روپیہ دیا تھا۔ ادھر اسمبلی میں میں نے ایرانی حکومت کو آڑے ہاتھوں لینا شروع کر دیا تھا جسے اخبارات شائع کر رہے تھے۔ تو ایک مرتبہ پھر ایرانی حکومت نے اپنے وفد کو پاکستان بھیجنے کا پروگرام بنایا اور ایرانی پارلیمنٹ کے سپیکر ناطق نوری کی قیادت میں تین سو ارکان پر مشتمل وفد کو پاکستان روانہ

کر دیا اتنے بڑے وفد سے ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ایرانی اپنے کسی مفتوحہ ملک کی سرزمین پر اتر رہے ہیں۔

پاکستانی حکومت نے ناطق نوری کو پارلیمنٹ میں خطاب کی دعوت دے ڈالی۔ جسے اس نے بصد شوق قبول کیا کیونکہ بھوکے کو دو روٹیوں کے سوا اور کیا چاہیے۔

میں نے اعلان کر دیا کہ "میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں ناطق نوری سے یہ ضرور سوال کروں گا کہ تم لوگ آخر پاکستان میں قتل و غارتگری کا بازار کس مقصد کے لئے گرم کیے ہوئے ہو؟ میرے اس اعلان پر حکمران طبقہ ہل کر رہ گیا۔ بے نظیر نے اپنے خصوصی مشیر مسعود ملک صاحب کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ مجھے ہر طریقہ سے قائل کریں۔ مسعود ملک صاحب نے وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں بہانہ سے بلوا کر طرح طرح کی پیشکشیں کیں اور اس موقع پر واک یا احتجاج نہ کرنے کی اپیل کی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنی پیشکشوں کو تو اپنے پاس رکھیں۔ لیکن یہ بات آپ کو بتا دوں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ناطق نوری کا خطاب ہو اور میں خاموش رہوں۔ چنانچہ اجلاس کے وقت میں اسمبلی میں پہنچا تو گیلری میں بیٹھے ہوئے ایرانی وفد کے ارکان کی نظریں ہر طرف سے ہٹ کر میرے اوپر جم گئیں وہ ایک دوسرے کو اشاروں سے میری طرف متوجہ کرنے لگے۔

تلاوت کلام پاک اور ترجمہ سے اجلاس کا آغاز ہوا۔ سید یوسف رضا گیلانی سپیکر اسمبلی نے رسمی شکریہ کے الفاظ کہے اور ناطق نوری کو خطاب کی دعوت دی۔ جس پر میں کھڑا ہو گیا اور ناطق نوری کو مخاطب کر کے کہا چونکہ آپ کی حکومت پاکستان میں علماء و اہل سنت کو قتل کرا رہی ہے اور ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایران میں اہل سنت کے بنیادی حقوق سلب کیے ہوئے ہے۔ لہٰذا میں ایک ظالم اور تخریب کار ملک کے نمائندہ شخص کی تقریر کا بائیکاٹ کرتا ہوں۔ میرے بائیکاٹ کے چند منٹوں بعد کئی دیگر ایم این اے حضرات اٹھ اٹھ کر اس لئے باہر آنے لگے کہ انہیں

ناطق نوری کی فارسی زبان میں کی جانے والی تقریر سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ایرانی وفد پریشان ہو گیا کہ اتنے لوگ واک آؤٹ کیوں کر رہے ہیں۔ دوسرے روز تمام اخبارات نے میرے واک آؤٹ اور بیان کردہ وجوہات کو خوب شائع کیا۔

راولپنڈی کانفرنس پر شیعوں کی طرف سے حملہ کی ناکام کوشش

۲۲۔ جمادی الثانی ۲۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو پشاور میں یوم صدیق اکبرؓ کے موقعہ پر جلوس مدح صحابہؓ کی قیادت کرنے کے بعد کوہاٹی بازار راولپنڈی میں منعقد ہونے والی سیدنا صدیق اکبرؓ کانفرنس میں شرکت کے لئے پہنچا تو معلوم ہوا کہ قریبی امام باڑہ میں ٹھوکر نیاز بیگ لاہور کے تخریب کار آ چکے ہیں جو مجھ پر پہلے حملہ کر چکے ہیں اور مکمل تیاری کیے ہوئے ہیں کہ اگر آج رات جلسہ سے مولانا اعظم طارق نے خطاب کیا تو ہم انہیں ہرگز زندہ واپس نہیں جانے دیں گے۔ قائد سپاہ صحابہؓ حضرت فاروقی نے بھی اس کانفرنس سے خطاب کرنا تھا اور وہ تشریف لا چکے تھے۔ بعض احباب نے اور انتظامیہ کے افسران نے بھی دبے لفظوں میں یہاں تک کہہ دیا کہ آپ واپس چلے جائیں۔ ہم عوام کے سامنے کوئی عذر پیش کر دیں گے اور حضرت فاروقی صاحب کا خطاب ہو جائے گا۔ کیونکہ مخالفین نے اخبارات میں بھی دھمکیاں دے رکھی ہیں اور امام باڑے میں مسلسل لاؤڈ سپیکر پر آپ کے خلاف اشتعال انگیز نعرے جاری ہیں اور شیعہ عوام بھی بڑی تعداد میں وہاں جمع ہیں۔ میں نے جواب دیا اگر شیعہ کی طرف سے چیلنج نہ کیا گیا ہوتا تو شاید میں آپ کی بات تسلیم کر لیتا لیکن اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ میں اسٹیج پر جا پہنچا۔ ادھر کارکنوں نے کھڑے ہو کر استقبال کے نعرے لگانے شروع کر دیئے ادھر شیعہ نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی اور تیسری طرف اسٹیج سے کچھ علماء کھسکنا شروع ہو گئے۔ اس دوران سٹی مجسٹریٹ اسٹیج پر پہنچا کہ براہ کرم آپ خطاب نہ کریں۔ حالات ہمارے کنٹرول سے باہر ہونے کا اندیشہ ہے۔ شیعہ

غنڈے امام باڑہ سے نکل کر روڈ پر آچکے ہیں اور جلسہ کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہیں۔ میں نے ان کی بات کان میں سن کر انہیں اسی طرح کان میں کہا، ہمارے تمام انتظامات مکمل ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر اپنی ڈیوٹی سرانجام دیں۔ مجسٹریٹ تو منہ لٹکائے چلے گئے لیکن اسٹیج پر موجود کئی لوگوں کے رنگ ہوا ہو گئے۔

کچھ ہی دیر بعد میں نے لاؤڈ سپیکر کے میک پر آکر خطبہ پڑھنا شروع کر دیا اور کارکنوں سے کہا کہ تیار ہو کر کھڑے ہوں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں امام مہدی کے مسئلہ پر خطاب کروں گا۔ جونہی شیعہ کو میری تقریر شروع ہونے کا علم ہوا۔ انہوں نے جلسہ کی طرف فائرنگ شروع کر دی۔ چونکہ جلسہ اور شیعہ درمیان کافی فاصلہ تھا پولیس کی نفری درمیان میں کھڑی ہوئی تھی۔ چنانہ شیعہ کی فائرنگ سے پولیس کے دو نوجوان زخمی ہو گئے اور شیعہ و پولیس ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ شیعہ کا اصل مقصد تو خوف و ہراس پیدا کر کے جلسہ منتشر کرنا یا مجھے نشانہ بنانا تھا لیکن وہ اس ناپاک منصوبہ میں ناکام ہو گئے۔ صدیق اکبر کانفرنس نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رہی اور میری تقریر بھی مکمل ہو گئی۔

صدر سے ملاقات اور آصف زرداری کے فرقہ واریت میں ملوث ہونے کے ثبوت

انہی ایام میں قائد سپاہ صحابہؓ کے ہمراہ صدر فاروق لغاری سے ملاقات کا وقت طے پایا۔ اس سے قبل بھی صدر صاحب سے ایک ملاقات نواب زادہ نصر اللہ خان کی معیت میں فروری ۹۶ء کے آخری عشرہ میں ہو چکی تھی۔

جس میں صدر مملکت فاروق لغاری کو شیعہ کے ناپاک لٹریچر اور گستاخانہ طریقہ کار سے مطلع کیا تھا۔ اس وقت یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ فاروق لغاری صاحب خود بھی شیعہ کے بارہ میں کافی معلومات رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس ملاقات میں ہم نے انہیں بتایا کہ آصف زرداری لاہور کے ٹھوکر نیاز بیگ گروپ کی سرپرستی کر رہا ہے اور اسے پولیس اور قانون

سے بچا کر ان کے حوصلوں کو بڑھا رہا ہے اس سلسلہ میں ہم نے لاہور پولیس وانتظامیہ کے ذمہ دار افسران کے بیانات و خیالات انہیں بتائے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتلایا کہ کراچی، شورکوٹ اور کئی دیگر شہروں میں آصف زرداری کے سیکرٹری رائے سکندر نے (جو شورکورٹ کا متعصب شیعہ ہے) امام باڑوں کے تعمیر کرانے کے لئے سیاسی دباؤ استعمال کیا ہے اور اپنے مخالفین کو پولیس کے ہاتھوں ذلیل کرانے کی کوشش کی ہے۔

آصف زرداری کی مجھ سے ملاقات اور گلہ شکوہ

بقول اقبال

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن، نئی شان!
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

صدر فاروق لغاری سے ملاقات کے دوسرے روز ہی جب میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں پہنچا تو آصف زرداری میرے پاس آکر بیٹھ گیا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔

آصف زرداری:- تم نے فاروق لغاری کو میری شکایت کی؟

میں:- ہاں انہیں بتایا ہے کہ وہ آپ کو سمجھائیں ویسے تو آپ کسی کی بات سمجھتے نہیں ہیں۔

آصف زرداری:- میں نے کیا کیا ہے؟

میں:- آپ سب کچھ کر رہے ہیں بلکہ حقیقتاً حکومت ہی آپ چلا رہے ہیں۔

آصف زرداری:- آپ نے فاروق لغاری کو کہا ہے کہ میں دہشت گردوں کو سپورٹ کرتا ہوں حالانکہ میں تو خود دہشت گردی کا مخالف ہوں۔

میں:- لاہور کا ٹھوکر نیاز بیگ گروپ جو مجھ پر قاتلانہ حملہ کر چکا ہے اور جگہ جگہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔ شہر شہر میرے پروگراموں کو سبوتاژ کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے آخر کس کی سپورٹ پر اتنا آپے سے باہر ہے۔ لاہور پولیس پنجاب پولیس ٹھوکر نیاز بیگ جا کر گاڑی جلوا کر ذلیل ہو کر واپس آ جاتی ہے تو کس کی وجہ سے؟ نامزد قاتل گورنر ہاؤس میں بیٹھ کر گورنر سے گپ شپ کرتے ہیں تو کس کے ایماء پر مینار پاکستان پر کھڑے ہو کر قاتل پولیس کو چیلنج کرتے ہیں کہ ہمیں پکڑ کر دکھاؤ اور سر عام راکٹ لانچر لئے پھرتے ہیں۔ جن کی تصاویر اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں تو یہ سب کچھ کس کی سپورٹ سے ہو رہا ہے؟

ہمارے تو تمام بالا افسران سے ایک ہی بات سنتے سنتے کان پک گئے ہیں کہ ہم مجبور ہیں۔ وزیر اعظم سے قاتلوں کو پکڑنے کی اجازت لے دیں۔

آصف زرداری:- یہ سب الزام ہے۔ مجھے تو ان باتوں کی خبر ہی نہیں ہے اور میرا سپاہ محمد وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

میں:- اگر آپ اس قدر لاعلم ہیں کہ آپ کے ملک میں ایک جماعت کے سربراہ اور ممبر اسمبلی سے کیا ہو رہا ہے اور قاتل کس قدر دندناتے پھرتے ہیں تو پھر آپ لوگ حکمران کس کے ہیں؟ اگر آپ کا تعلق ان قاتلوں سے نہیں ہے تو آپ اب انہیں گرفتار کرا کر قانون کے حوالہ کریں ہم سمجھیں گے کہ آپ صحیح کہتے ہیں۔

آصف زرداری:- ہاں میں کوشش کروں گا اور آج ہی آئی۔ جی پنجاب سے بات کروں گا۔

(لیکن بے نظیر بھٹو کے بقایا ایک سال کے دور میں بھی قاتل گرفتار نہ ہوئے)

میں:- آپ کے وزراء نے ہمیشہ ٹرخانے کی پالیسی ہی اپنائی ہے اور کبھی کبھی صاف کہہ دیتے ہیں کہ اوپر رابطہ کرو۔ اس لئے میں نے رابطہ کس سے کرنا تھا۔

آصف زرداری:- دراصل آپ ہمارے خلاف سخت تقریریں بھی کرتے ہیں اور ہمیں ذلیل بھی کرتے ہیں۔ ہماری حمایت بھی نہیں کرتے ہیں۔ پھر کام تو نہیں ہو سکتے ہیں ناں۔ آپ تھوڑی سی حمایت والا انداز اور اسمبلی میں حکومت سے تعاون کریں تو جو کام آپ کا ہو گا میں خود کر کے آپ کو بتایا کروں گا۔

میں:- میں ایک عالم دین ہوں اور میں نے عوام سے دین کے نام پر ووٹ لئے ہیں۔ میں نسوانی حکومت کا تعاون اور غیر اسلامی پالیسیوں کی حمایت کیسے کر سکتا ہوں؟ باقی کام عوام کے ہوتے ہیں۔ میرا ذاتی مفاد نہیں ہوتا ہے یہ آپ کو کرنے چاہئیں۔

آصف زرداری:- میں آپ کو بتادوں کہ پاکستان کو اس وقت بے نظیر کی ضرورت ہے۔ بے نظیر کو حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ہی عورت کی سربراہی کے خلاف کیوں ہیں اور بھی تو مولانا حضرات ہیں وہ تو ہمارا تعاون کرتے ہیں۔

میں:- یہ آپ کی سوچ ہے کہ پاکستان کو بے نظیر کی ضرورت ہے۔ میری اور پاکستان کے عوام کی ایسی سوچ نہیں ہے باقی دیگر مولانا حضرات کی بات آپ نے کی ہے۔ انہوں نے اپنی قبر میں جانا ہے میں نے اپنی قبر میں جانا ہے۔ اس لئے جو بات میں شریعت اور ملک کے خلاف سمجھتا ہوں میں اس پر سمجھوتا نہیں کر سکتا۔

آصف زرداری:- اگر آپ کا انداز یہی رہا تو پھر آپ کے لئے مشکلات پیدا ہوتی رہیں گی۔

میں:- اللہ مالک ہے۔ مشکل ہو یا آسانی زندگی نے تو گذری جانا ہے۔

دورہ انگلینڈ سے واپسی اور انقلابی قدم اٹھانے کا فیصلہ:۔

جنوری کے تیسرے عشرہ میں برطانیہ کے دورہ پر دوسری مرتبہ جانے کا پروگرام طے ہوا۔

دورہ برطانیہ کے دنوں میں ڈیوزبری شہر کے تبلیغی جماعت کے عظیم الشان مرکز جانے کا اتفاق ہوا۔ بزرگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور دعائیں حاصل کیں۔ جمعہ کا خطبہ اس شہر کی ایک مسجد میں دیا۔ جس میں جمعہ کے بعد تفصیلی خطاب ہوا۔ اس تبلیغی مرکز کے پڑوس ہی میں حاجی یاسین صاحب کی رہائش گاہ ہے۔ وہاں افطاری کی تو حاجی صاحب نے مجھے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف تاریخ دعوت و عزیمت کی دو جلدیں دیں۔ اس کتاب کے اس حصہ کا مطالعہ میں نے پاکستان واپسی پر جہاز میں کیا۔ جس حصہ میں پیکر عزیمت امام احمد بن حنبلؒ کے حالات واقعات اور ان پر توڑے جانے والے تشدد و بربریت کے پہاڑ اور ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کا تفصیل سے ذکر تھا۔

میں نے جہاز میں بیٹھے بیٹھے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب مجھے ہر حال میں تمام مصلحتوں سے بالاتر ہو کر نسوانی حکومت کے خلاف آواز حق بلند کر دینی چاہیے اور قومی اسمبلی میں شیعہ کا کفریہ لٹریچر پیش کر کے حقائق کو واضح کر دینا چاہیے تاکہ "حجت تمام ہو جائے"　　. اس راستہ میں مشکلات تو آئیں گی لیکن اللہ پر بھروسہ کر کے اب مشکلات کو بھی برداشت کریں گے۔

بقول شاعر

جب بھی ذرے کو ملا اپنی حقیقت کا سراغ
کتنے خورشید اسے چاک گریباں سے ملے!

گرچہ متروک تھی مدت سے گزرگاہ وفا
بعید کچھ اس کے ہمیں خار مغیلاں سے ملے

سربلندی کے لئے جان بھی کم ارزش ہے
یہی پیغام ہمیں عہد کے زنداں سے ملے

انقلابوں کے ثمر دیر سے ملتے ہیں کہیں
کب کسی کو یہ گہر آج کے طوفاں سے ملے

○

چنانچہ واپس آتے ہی میں نے قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے شیعوں کی قابل اعتراض کتب کا آئینہ بھی دکھا دیا۔

قومی اسمبلی میں شیعہ کتب کی نمائش اور حکومت کے ناپاک عزائم کا ذکر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم جناب سپیکر! صدارتی خطاب اپنی نوعیت کا ایک بہت ہی اہم خطاب ہوتا ہے۔ جس میں حکومت کی کارکردگی، حکومت کی پالیسیاں، حکومت کے ماضی کے کارناموں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حکومت کے لئے صدارتی خطاب میں مستقبل کے واسطے تجاویز اور اسی طرح ان کی نیک تمناؤں اور آرزوؤں پر مبنی خطاب ہوتا ہے۔ میں اپنا وقت ضائع کیے بغیر صدر مملکت کے خطاب کے اس حصے کو جس میں انہوں نے (یہ میرے پاس ان کا خطاب ہے اس کے صفحہ دس پر) فرقہ واریت کے بارے میں بڑی پریشانی کا اظہار کیا ہے اور واقعی اس وقت فرقہ واریت ہمارے ملک کا بڑا ہی حساس مسئلہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور اس کی حساس نوعیت کیا ہو سکتی ہے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ روزانہ درجنوں کی تعداد میں لوگ اس کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس وقت ہماری دسترس سے باہر کیوں ہوتا چلا جارہا ہے اور ہم اسے کیوں نہیں حل کر پا رہے؟

جناب والا:- میں سمجھتا ہوں ہم اس مرض کی اصل تشخیص نہیں کر پا رہے ہیں اور جب تک کسی مرض کی تشخیص نہ کی جائے اس وقت تک اس کا علاج ناممکن ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مذہبی اختلافات صدیوں سے ہیں اور شاید صدیوں تک رہیں گے مذہب کا اختلاف ہو، سیاست کا اختلاف ہو، قوم کا اختلاف ہو، زبان کا اختلاف ہو، یہ ایک قدرتی امر ہے۔ اختلاف باپ بیٹے کی سوچ میں بھی ہو سکتا ہے۔ الیکشن میں بھی ہو سکتا ہے اختلاف نہ باعث تشویش ہے نہ اختلاف پریشانی کی بات ہے۔ باعث تشویش فساد ہے کہ لڑائی نہ ہو۔ لڑائی دو ملکوں کے درمیان ہو تب بھی تشویش ہے۔ دو مذہبوں کے درمیان ہو

تو تب بھی پریشانی کا باعث ہے۔ دو بھائیوں کے درمیان میں ہو تب بھی پریشانی کا باعث ہے۔ تو میں عرض کروں گا کہ ہمیں اس بات کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے کہ مذہبی اختلافات ختم ہو جائیں یہ ناممکن بات ہے۔ اگر ہمارے ملک میں شیعہ سنی مذہبی اختلافات ہیں تو یہ صدیوں سے ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ نہ یہ ممکن ہے کہ شیعہ سنی ہو جائے اور نہ یہ ممکن ہے سنی شیعہ ہو جائے ہاں فساد نہیں ہونا چاہیے۔ جس طرح ہمارے ملک میں مسلمان اور عیسائی۔ مسلمان اور ہندو، مسلمان اور سکھ کے علاوہ دوسرے مذاہب ہیں۔ اس طرح مختلف مذاہب کے لوگ ہمارے ملک میں موجود ہیں اور آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ شیعہ اور سنی آپس میں اختلاف کی بناء پر آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟ ان میں لڑائی کے اسباب کیا ہیں؟ ان میں جو ایک دوسرے کی طرف سے جارحیت پیدا ہو چکی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

جناب والا:- میں آپ کی موجودگی کا احترام کرتے ہوئے نام نہیں لوں گا لیکن حقائق بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ صحیح مرض کی تشخیص ہو سکے۔ ہمارے ایک پڑوسی ملک میں ایک انقلاب برپا ہوا (وہ انقلاب اسلام کا تھا یا نہیں تھا۔ میں اس بحث میں بھی نہیں جاتا) پاکستان میں بھی اس کی راہیں ہموار کرنے اور اس انقلاب کے اثرات چھوڑنے کی کوشش کی گئی اور اس پڑوسی ملک نے ایسا مواد، ایسا لٹریچر، ایسی کتابیں اور اس ملک کے ریڈیو، ٹی۔ وی نے ایسے پروگرام ایسی تقاریر شائع کرنا شروع کیں کہ جس سے یہاں پر اور پوری دنیا میں عوام اہل سنت کے جذبات بڑی شدت کے ساتھ مجروح ہوئے اس ملک میں انقلاب لانے والی شخصیت نے اس ملک کے سرکاری پریس پر جو کتابیں شائع کیں وہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں۔ یہ اس ملک کی انقلابی شخصیت کی اپنی تصنیف ہے۔ "کشف اسرار" اس کا نام ہے۔ یہ فوٹو بھی نظر آ رہا ہے کس کا ہے۔ آپ سب جانتے ہیں۔ یہ وہاں سے شائع

ہو کر یہاں تقسیم ہو رہی ہے۔ اخبار میں اشتہار شائع ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے منسٹر Minister باضابطہ جاکر ایسی کتب کی تعارفی تقریب کا افتتاح کرتے ہیں اور یہ کتابیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ کتاب کا نام آپ نوٹ کر لیں۔ یہ کتاب یہاں عام تقسیم ہو رہی ہے۔ اس پر کوئی بین نہیں ہے۔ "کشف اسرار" کتاب کا نام ہے۔ پڑوسی ملک سے چھپ کر آئی ہے۔ اس میں خلفاء راشدین، اہل بیت عظام، حضرت خالد بن ولیدؓ اور اسی طرح صحابہ کرامؓ کے خلاف بہت زیادہ بدزبانی اور بہت زیادہ بدکلامی کی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں جب تک یہ کتاب اس ملک میں آتی رہے گی یہاں کی عوام کے جذبات مجروح ہوتے رہیں گے۔ اس طرح جناب یہ دوسری کتاب ہے۔ "ولایت فقیہہ" یہ بھی اسی شخصیت کی لکھی ہوئی ہے وہیں سے چھپ کر آئی ہے۔ اس میں سارے انبیاء علیہ السلام کی توہین کی گئی عقیدہ ختم نبوت کی نفی کی گئی۔ حضرت ابو ھریرہؓ جو ہماری قریباً ۵۵۰۰ احادیث کے راوی ہیں۔ ان کو سنگین گالیاں دی گئیں۔ گستاخی کی گئی۔ ہمارے یہاں جو منسٹر ہیں (خالد کھرل وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات) یہ کتاب بھی ان کی موجودگی میں مفت تقسیم کی گئی۔ یہ خمینی کی کتاب ہے اور یہ بھی اسی کی ہے۔ انہوں نے اپنے مرنے سے چند روز پہلے یہ وصیت نامہ لکھا تھا۔ یہ ہمارے ملک میں اردو میں شائع کی جارہی ہے۔ یہ اصل فارسی میں تھی۔ یہ اردو ترجمہ ہے۔ جس میں سارے صحابہ کرامؓ کی توہین کی گئی اور ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آج کی جو ہماری قوم ہے یہ ان سے بہت زیادہ بہتر ہے۔ اس کتاب کا نام ہے۔ "صحیفہ انقلاب" یہ کتاب ہے جو تقسیم کی گئی۔ اسی طرح جناب اتنی بڑی بڑی کتابیں جن کا سائز آپ دیکھ رہے ہیں کہ بارہ بارہ سو صفحات کی کتاب ہے۔ اس کتاب کا نام "حق الیقین" ہے۔ یہ بھی اسی ملک سے شائع ہو کر آئی ہے اور اس کتاب کے صفحات پر نہ قرآن مجید کو بخشا گیا ہے نہ حضور ﷺ کی گھر والیوں کو معاف کیا گیا ہے۔ نام لے لیکر اہل بیت عظام ازواج مطہراتؓ، صحابہ کرامؓ کو وہ کچھ کہا گیا ہے۔ معاذ اللہ جو عام آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ کتاب

حق الیقین ہے۔ اسی طرح یہ کتاب بھی مفت تقسیم ہوئی ہے۔ وہاں بھی اس کتاب کا مصنف ہے "ملاں باقر مجلسی" جو مر چکا ہے۔ یہ کتاب ہے۔ "جلاالعیون" یہ بھی اس ملک سے آئی ہے۔ یہ پرچیاں میں نے لگائیں۔ میں اسے نہیں پڑھتا اس طرح یہ کتاب بھی اس ملک سے آئی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے "عین الحیات" یہ بھی مفت تقسیم ہو رہی ہے۔ اس کتاب میں بھی حد سے زیادہ توہین ہے۔ یہ تو اس ملک کی باتیں ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں کتابیں اس ملک کے جو ذمہ دار سرکاری عہدیداران آتے ہیں صدر ہو یا دوسرے ہوں ہمارے ملک کے بعض نجی ادارے پرائیوٹ ادارے وہ انہیں اعزازیئے دیتے ہیں استقبالیے دیتے ہیں۔ اور ہم حکومت کی ایسی پالیسی سے بالکل متفق ہیں اور ہم تائید کرتے ہیں کسی غیر ملکی سرکاری مہمان کو یہاں نجی پرائیویٹ مذہبی اداروں میں مہمان بننے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ وہ یہاں آکر نجی اداروں کے مہمان خصوصی بن کر ان کی سپورٹ کر کے ایسی موشگافیاں چھوڑ کر اپنے ملکوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمارے ملک میں مذہبی منافرتیں پھیلتی ہیں۔ ہمارے ملک میں مذہبی لڑائیاں ہوتیں ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسے تمام ملکوں کو کوئی بھی ملک ہو۔ کوئی اسلامی ملک ہو، کوئی غیر اسلامی ملک ہو، ہماری حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ پابندی لگائے اور اس طرح تمام جماعتوں کے اکاؤنٹ چیک کیئے جائیں۔ جن جماعتوں کو غیر ملکی رقوم مل رہی ہیں۔ (سپیکر مولانا صاحب آپ کے پانچ منٹ باقی ہیں)

<u>جناب والا:۔</u> ایک بجے میری بات شروع ہوئی ہے۔ ابھی میرے دس منٹ باقی ہیں۔ پانچ منٹ آپ نے خود گفتگو کی ہے۔ اس لئے 1:25 پر آپ مجھے روک تے ہیں۔ آپ اپنے سیکرٹری سے پوچھ لیجئے ایک بجے میں نے گفتگو شروع کی ایک بجکر گیارہ منٹ میں سے پانچ منٹ میرے ہو گئے) مولانا پانچ منٹ آپ کے ہو گئے۔ ایک منٹ آپ نے اور لے

لیا۔

توجناب والا:۔ میں اس لئے یہ عرض کر رہا ہوں یہ جو خون بہہ رہا ہے۔ یہ جو قتل عام ہو رہا ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ منافرتیں کہاں سے پھیلیں؟ یہ جذبات کہاں سے مجروح ہوئے یہ ایک دوسرے کی دشمنیاں کہاں سے آئیں اب یہ جو میں نے حوالے دیئے ہیں اور آپ کے فرمان کے مطابق میں نے ایک عبارت بھی نہیں پڑھی، میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اگر میں ایک حوالہ پڑھ دیتا یہاں آگ لگ جاتی لیکن جو لوگ یہ بھیج رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اگر آپ نہیں روکیں گے ہماری حکومت نہیں روکے گی اور ہم ان سب کے بارے میں صدر صاحب کو وزیر اعظم صاحب اور ملک کے اعلیٰ عہدوں پر جو لوگ ہیں مطلع کر چکے ہیں۔ بار بار مطلع کر چکے ہیں لیکن شاید ان کے بس میں نہیں ہے۔ شاید یہ ملک کسی اور ملک کی کالونی بن گیا ہے اور شاید دوسرے ملک اسے اپنا ایک نجی کارخانہ سمجھتے ہیں جو چاہیں ہمارے ملک میں کرتے چلے جائیں تاکہ ہمارے ملک کے اندر ہنگامہ اور فساد ہو تو میں نے عرض کیا تھا۔

جناب والا:۔ کہ لاہور میں ایک ادارہ ہے۔ اگر آپ منع فرماتے ہیں تو میں اس کا نام بھی نہیں لیتا۔ ایچ بلاک۔ ماڈل ٹاؤن میں ایک ادارہ ہے۔ جس میں ان سرکاری غیر ملکی مہمانوں کو اعزاز دیئے جاتے ہیں۔ اس ادارے نے اب تک ۵۰ کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ ایک کتاب اس ادارے کی میرے پاس ہے۔ "سہم مسموم" کے نام سے یہ کتاب (شاہ صاحب! توجہ فرمائیں یہ کتاب تقریباً ۴۴۰ صفحات کی ہے۔ یہ میں ابھی دکھا رہا تھا۔ اس کتاب کے ۴۲۸ صفحے پر حضرت عمرؓ کے بارے میں وائٹ پیپر شائع کیا گیا ہے۔ ۱۰۰ نمبر لگائے گئے ہیں۔ ۱۰۰ نمبر لگا کر سو گالیاں دی گئیں ہیں۔ جس ادارے میں یہ غیر ملکی سرکاری مہمان آتے ہیں۔ ۱۰۰ گالیاں اس کتاب میں نمبر لگا کر ایک دو تین اسی طرح سو گالیاں دی گئی ہیں۔

یہ بھی اسی ادارے نے شائع کی ہے۔ "حقیقت فقہ حنفیہ" اس میں حضور پاکؐ کے خاندان کو آپ کی ازواج مطہراتؓ کو وہ ننگی گالیاں دی گئی ہیں کہ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کسی عام انسان کے بارے میں بھی ایسی زبان درازی نہیں کی جا سکتی۔

جناب والا:- اس طرح کراچی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس کا ٹائٹل اتنا بھیانک ہے کہ ٹائٹل کے اوپر حضرت ابو بکرؓ کا نام لکھ کر معاذ اللہ نیچے ایک بہت برے جانور کی تصویر دی گئی ہے۔ اس کا مصنف کراچی سے مسلسل کتابیں شائع کر رہا ہے۔ اس کتاب کا نام "شیخ سقیفہ" ہے۔ اس طرح اور کتابیں ہیں۔ یہ بھی اسی طرح لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ اسی ادارے سے اس میں اتنی غلیظ گالیاں دی گئی ہیں۔ اس وقت تک جو کتابیں یہاں میرے پاس ہیں جو کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں۔ ان کی تعداد ۵۰۰ سے زیادہ ہے۔ ۵۰۰ سو کے لکھنے والے ۵۰ سے زیادہ مصنف ہیں۔ جن میں پاکستان سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد ۳۰ سے زیادہ ہے۔ وہ کتابیں بڑے بڑے اداروں سے شائع ہو کر جب مارکیٹ میں آتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ رشدی (ملعون) نے ایک کتاب لکھی تھی۔ وہ بھی یورپ میں بیٹھ کر لکھی تھی۔ تو پوری دنیا سراپا احتجاج ہو گئی تھی۔ میرا دعوی ہے جو کچھ ان کتابوں میں ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رشدی کی کتاب میں وہ کچھ نہیں ہے۔ رشدی کی کتاب میں وہ غلاظت نہیں ہے۔ یہ لڑائی پیدا کرنے کی بات نہیں ہے؟ تو کیا ان کتابوں کے خلاف احتجاج کرنا فرقہ واریت ہے؟ لیکن ہوا کیا؟ اس کفر کا راستہ روکنے کی بجائے ان کے لکھنے والوں کی زبانیں کاٹنے اور قلم توڑنے کی بجائے اور ان کے خلاف موثر قانون بنانے کی بجائے انہیں اٹھا کر جیلوں میں بند کرنے کی بجائے اور ایسی کتابوں کو بین کر کے ان کی نشر و اشاعت پر پابندی لگانے کی بجائے ایسے پریس حکومت کی تحویل میں لینے کی بجائے آج ان کی ملکی سپورٹ بھی ہو رہی ہے۔ غیر ملکی طور پر بھی ان کو سپورٹ کیا جا رہا ہے اور جب

بھی کسی حکومت نے اس کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ تو الٹا اس حکومت کو معذرت کرنا پڑی کہ ہم سے بڑی غلطی ہو گئی۔ آئندہ آپ جو کچھ مرضی کرتے چلیں جائیں۔ ہم ان کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔ یہ لاڈلے بیٹے بنا کر پالے جا رہے ہیں اور لاڈلے بیٹوں کی طرح انہیں پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ جب آپ سانپ کو دودھ پلائیں گے۔ جب اپنے ملک میں رشدی پالیں گے تو پھر غازی علم الدین بھی پیدا ہو نگے۔ جو ان راجپالوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔ پھر غیرت اور حمیت کے متوالے بھی اس ملک میں آئیں گے۔ جو اپنی جان دے دیں گے لیکن اس کفر کو پھیلنے اور پھولنے کا موقع نہیں دیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ مذہبی مسئلہ بڑا احساس ہو تا ہے۔ یہاں کوئی عام آدمی کی عزت کے خلاف کوئی بات ہو جائے جیسا ابھی آپ دیکھ رہے تھے کہ سپیکر صاحب کو کہا جا رہا تھا کہ آپ کے خلاف یہ آرٹیکل لکھا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری ایک ذات تو کیا لاکھوں اور کروڑوں جانیں ان مقدس شخصیات کے پاؤں کی خاک پر قربان ہو سکتی ہیں۔ جن کے بارے میں یہ بکواسات کی جاتی ہیں اور غلاظت بکی جاتی ہے۔ ہمیں سب سے پہلے ان کا راستہ روکنا چاہیے لیکن کوئی اس طرف نہیں آرہا ہے۔ اس کو کوئی سننے کو تیار نہیں۔ یہ بات کہاں سنائیں جبکہ آپ بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

جناب والا:- اب میری تجاویز ہیں۔ میں ٹائم بھی دیکھ رہا ہوں۔ میری تجاویز ہیں کہ ملک میں جو مذہبی فسادات مسلسل ہیں۔ انہیں ختم کیسے کیا جائے۔ میری پہلی تجویز یہ ہے کہ ملک میں اس وقت مذہبی عنوان پر دو جماعتیں آپس میں لڑ رہی ہیں۔ ایک جماعت کو سپاہ صحابہؓ کے عنوان سے لوگ جانتے ہیں۔ جس کا میں ذمہ دار ہوں۔ ایک جماعت کو لوگ تحریک جعفریہ کے نام سے جانتے ہیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کے سینکڑوں آدمی قتل کر دیئے ہیں۔ سب سے پہلے میرا رضاکارانہ مطالبہ ہے۔ اپنے ایم۔ این۔ اے ہونے کے

باوجود اپنی جماعت کے ذمہ دار ہونے کے باوجود میں رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو اپنی قیادت کو حکومت کی تحویل میں دینے کے لئے تیار ہوں وہ ہمیں پکڑے اپنی تحویل میں لے کر ہماری تحقیقات کرے ہمارے بینک اکاؤنٹ چیک کرے ہماری جماعت کی آمدن چیک کرے اور جو الزامات ہمارے اوپر فریق مخالف نے لگائے ہیں۔ ہم سب الزامات کے بارے میں اپنی تحقیقات کرانے کے لئے تیار ہیں لیکن حکومت اسی طرح اس طبقے کے ذمہ داروں کو بھی گرفتار کرے۔ اگر وہ بھی رضاکارانہ طور پر گرفتاری دے دیں تو وہ بھی ہمارے الزامات کا جو کارکنوں کے قتل کے ہوں یا ہمارے الزامات غیر ملکی مداخلت کے ہوں یا ہمارے الزامات ان کتابوں کے بارے میں ہوں جواب دیں۔ ان سے پوچھ گچھ کی جائے۔ تاکہ یہ محسوس ہو سکے کہ قانون سے بالاتر کوئی نہیں ہے۔ پاکستان کی گورنمنٹ کسی کی دم چھلا نہیں ہے۔ پاکستان کی گورنمنٹ ایک مضبوط اور خود مختار گورنمنٹ ہے اور اس سے پتہ چل جائے گا اور میں آج کہتا ہوں کہ میں تو رضاکارانہ طور پر گرفتاری دینے کے لئے تیار ہوں۔ آپ ان کی گرفتاری کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ ان کے پیچھے اتنی بڑی بڑی قوتیں اور ملک ہیں کہ آپ اگر ان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھیں گے تو فوراً آپ شرمندگی سے اپنی آنکھ کو نیچا کر لیں گے۔

جناب والا:- دوسری میری تجویز یہ ہے۔ دونوں طرف سینکڑوں قتل کے مقدمات ہیں۔ قتل کے مقدمات میں ۳۰۲ میں جو ملزمان نامزد کئے گئے ہیں۔ ان ملزمان کے بارے میں دونوں جماعتوں کو کہا جائے کہ یہ ملزمان کی فہرست ہے۔ آپ ان ملزموں کو حکومت کی تحویل میں دے دیں۔ جو ملک کا وفادار ہو گا۔ جو محب وطن جماعت ہو گی۔ حکومت کے طلب کردہ آدمی حکومت کے ہاتھ میں دے گی۔ اگر فریق مخالف اس بات کے لئے تیار ہو میں اسمبلی میں شورٹی (Surety) دیتا ہوں کہ جو میرا کارکن، میرا عہدیدار حکومت کو کسی

مقدمے میں مطلوب ہے۔ میں رضاکارانہ طور پر حکومت کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں۔

جناب والا:- میری تیسری تجویز یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ دونوں جماعتوں کے ذمہ داران کو بٹھا کر یہ بات طے کی جائے کہ آپ بھی اہل بیت کو مانتے ہیں۔ ہم بھی اہل بیت کو مانتے ہیں۔ آپ یہ بتلائیں کہ اگر کوئی آپ کے مذہب کے مقدس شخصیات کی توہین کرے تو اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ ہم سے پوچھئے کہ جو ہماری مذہبی مقدس شخصیات کی توہین کرے اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ جن سزاؤں پر ہم اتفاق کرلیں۔ حکومت ان سزاؤں کو یہاں سے قانون کی شکل دلوائے تاکہ نہ کوئی ان کی مقدس شخصیات کی توہین کر سکے نہ ہماری مقدس شخصیات کی توہین کر سکے اور یہ گستاخی کا دروازہ مستقل بنیادوں پر بند ہو جائے۔ (مجھے پتہ ہے۔ آپ مجھے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ جناب والا میری نظر گھڑی کی طرف ہے۔)

جناب محترم:- میری آپ سے التماس ہے کہ یہ وہ بنیادی چیزیں اور بنیادی نکات ہیں۔ جن پر اتفاق کئے بغیر اس ملک میں مذہبی فسادات کا خاتمہ ناممکن ہے اور میں یہ بھی تجویز پیش کروں گا کہ حکومت کراچی میں مساجد کے تحفظ کے لئے اپنی ذمہ داری کو پورا کرے۔ اگر خانہ خدا میں کوئی آدمی تراویح میں قرآن نہیں سن سکتا۔ اگر مسجد میں کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اگر مسجدوں میں بھی امن نہیں ہے تو پھر امن کہاں ملے گا؟ مسجد تو جائے امن تھی۔ امن کی پناہ گاہ تھی۔ آج مسجدوں کو بھی بدامنی میں تبدیل کرکے وہاں گولیوں کی بوچھاڑ کردی جاتی ہے اور خاص طور پر تبلیغی جماعت کی مسجدوں میں اور جو بیچارے کسی کو کچھ بھی نہیں کہتے۔ یہ بیچارے اپنا کام کرتے ہیں۔ ان کی مساجد پر فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے آخر اتنی لاقانونیت ہو رہی ہے۔ کوئی ایک ملزم بھی نہیں گرفتار ہو

رہا کوئی ایک بھی اریسٹ نہیں کیا جا رہا۔ کسی ایک پر بھی ہاتھ نہیں ڈالا جا رہا۔ (سپیکر مولانا صاحب اس کو Complete کریں) شکریہ جناب ویسے بھی اذان ہونے والی ہے۔ پانچ منٹ کے بعد آپ کس کو ٹائم دیں گے میں دو چار تجاویز پیش کر دیتا ہوں۔ (سپیکر جی میں بلاتا ہوں ابھی جناب افضل خان صاحب) ٹھیک ہے۔

جناب والا:۔ میں آپ کی وساطت سے حکومت سے یہ مطالبہ کر رہا ہوں کہ اس ایوان کی ایک کمیٹی بنا دی جائے وہ بااختیار کمیٹی ہو۔ جس طرح سینٹ میں بنائی گئی ہے۔ یہ نئی بات نہیں ہے ایسی کمیٹی سینٹ میں بنائی گئی ہے۔ اس ایوان کی کمیٹی ہو۔ وہ کمیٹی دونوں طبقوں کے ذمہ داروں کو بلائے اور ان سے کہے کہ آخر کیا وجہ ہے؟ کہ چودہ سو سال پرانے اختلاف کی بنیاد پر آپ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔ وہ کمیٹی دونوں کی بات سنے۔ جس نتیجے پر وہ کمیٹی پہنچے۔ جو رپورٹ وہ کمیٹی حکومت کو دے ہم من و عن اس کمیٹی کی تجاویز کی پابندی کرنے کو تیار ہیں لیکن۔

جناب والا:۔ میں آپ کو بتلا رہا ہوں آج ریکارڈ پر یہ بات لا رہا ہوں۔ کل میں نے بتلایا تھا کہ جنہوں نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ میرے دو باڈی گارڈ شہید ہوئے اور مقابلے میں وہ بھی زخمی ہوئے ۳۰۲ میں نامزد ملزم ہیں۔ وہ دندناتے پھر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کوئی ہے ہمیں پکڑنے والا؟ ایک تو وہ مجرم ہیں جن کا علم نہیں۔ کراچی میں تو چلو ملزمان کا علم نہیں۔ ایک آپ جانتے ہیں۔ نامزد ملزمان ہیں وہ مقابلے میں خود زخمی ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں آؤ ہم نے یہ کام کیا ہے وہ اقراری ملزم بھی ہیں لیکن حکومت انہیں گرفتار کرنے کے لئے تیار نہیں۔

تو جناب والا:۔ جب اس طرح بے حسی ہو گی۔ تو پھر ملزمان کے حوصلے تو اور بلند

ہوں گے پھر تو وہ اور زیادہ جو کچھ کرنا چاہیں گے کریں گے۔ اس لئے میری التماس ہے کہ اگر کمیٹی محسوس کرے ملک میں قانون سازی کی ضرورت ہے۔ تو قانون سازی کی جائے غیر ملکی مداخلت کا دروازہ بند کیا جائے۔ غیر ملکی اثرات جنہیں ملک میں برپا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان کا راستہ روکا جائے اور یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔

جناب والا:- میں آدھے منٹ میں آخری بات کہہ رہا ہوں۔ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ یہاں پنجاب کی اہم شخصیت نے ہی آرڈر کیا ہے کہ بعض وعدہ معاف گواہ بنائے جائیں جو جیلوں میں ہمارے کارکن بند ہیں انہیں کہا جارہا ہے کہ ہم آپ کو باعزت بری کرتے ہیں۔ آپ وعدہ معاف گواہ بنیں۔ کہ اعظم طارق نے ہمیں کہا تھا ہمیں اسلحہ دیا تھا کہ فلاں آدمی کو قتل کردیا جائے تاکہ ہم وعدہ معاف گواہ کی گواہی کی بنیاد پر اعظم طارق کے ساتھ وہی حشر کریں گے جو بھٹو کے ساتھ کیا گیا۔ آج میں خود بتانا چاہتا ہوں دنیا کی کوئی طاقت اعظم طارق پر ایک پیسے کا الزام نہ مالی طور پر ثابت کرسکتی ہے اور نہ اسی طرح ایک اشارہ بھی میرا ثابت کرسکتی ہے لیکن میں انہیں بتلاؤں گا کہ نہ اعظم طارق بھٹو ہے نہ سپاہ صحابہ" پیپلز پارٹی ہے۔ سپاہ صحابہ" پی پی نہیں۔ اگر ایسی کوشش کی گئی ہم اس کا راستہ روکیں گے۔ شکریہ!

(نوٹ:- اس تقریر کے شروع میں میں نے خمینی کی کتاب کشف اسرار کا وہ حوالہ پڑھ کر سنایا تھا جس میں خمینی نے حضرت عمر فاروق کو معاذ اللہ کا فر زندیق لکھا تھا اور حضرت عثمان کو بد قماش تحریر کیا تھا۔ ڈپٹی سپیکر سید ظفر علی شاہ نے حوالہ سنانے سے منع کردیا اور وہ جملے کاروائی سے حذف کرنے کا حکم دے دیا جس کے باعث باقی تقریر اشاروں میں کرنا پڑی۔)

مسجد حق نواز شہید میں نسوانی حکومت سے اعلان جنگ

اسمبلی میں شیعہ کتب پیش کرنے کے بعد میں نے ۹ فروری کے خطبہ جمعہ میں اسمبلی کی کاروائی بیان کی اور بتایا کہ میں اتمام حجت کرکے اپنے شہداء کی روحوں کو خوش کرچکا ہوں اور برطانیہ کے دورہ کی مختصر تفصیلات کے بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے ابتدائی حالات زندگی بیان کیے اور بقایا حصہ آئندہ جمعہ میں بیان کرنے کا وعدہ کیا۔

۱۶ جنوری ۱۵ رمضان المبارک کے جمعہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی مشکلات ان پہ ہونے والی زیادتیوں اور پیش آنے والے مصائب کو بیان کرتے ہوئے میں نے اعلان کیا کہ آج کے بعد بے نظیر کی نسوانی اور غنڈہ حکومت سے میں جنگ کا اعلان کرتا ہوں اور کسی قسم کی بھی مصلحت بینی یا چشم پوشی سے کام نہیں لیا جائے گا اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ حکومت ضرور میرے خلاف کوئی بڑا ایکشن لے گی۔ انشاء اللہ العزیز میں اسے صبر و استقامت سے برداشت کروں گا۔ (یہ تقریر ایک تاریخی الہامی تقریر ہے۔ جس میں کہے گئے ایک ایک لفظ آج ساڑھے تین سال کے بعد بھی میرا عمل جاری ہے)

میاں نواز شریف کی افطار پارٹی میں میری شرکت پر بے نظیر کی گھبراہٹ

رمضان المبارک کے دوسرے عشرے میں اپوزیشن لیڈر میاں نواز شریف نے اسلام آباد میں افطار پارٹی کا اہتمام کیا اور مجھے دعوت دی۔ میں جب تقریب میں پہنچا تو وہاں نواب زادہ نصر اللہ صاحب، مظفر ہاشمی صاحب جیسے دیگر جماعتوں کے پارلیمانی لیڈر اور حکومت کے بعض حلیف بھی تھے۔ افطار پارٹی کے بعد ہماری مشترکہ پریس کانفرنس ہوئی اور آئندہ متفقہ لائحہ عمل اختیار کرکے حکومت کا مقابلہ کرنے کا عندیہ دیا گیا۔

دوسرے روز اخبارات نے اس پارٹی کو بڑی اہمیت دی اور ہماری تصاویر پہلے

صفحات پر شائع کیں۔ اس تقریب کی کاروائی پڑھ کر بے نظیر گھبرا گئی کہ کہیں اس کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کی تیاریاں تو شروع نہیں ہو رہی ہیں کیونکہ حکومت چند مانگے تانگے ممبران کی بیساکھیوں پر ہی تو قائم ہے۔

مرکزی حکومت کی طرف سے کروڑوں روپے کا لالچ

میری اسمبلی کے اندر اور باہر حکومت مخالف تقاریر اور میاں نواز شریف کی افطار پارٹی میں شرکت نے حکومتی ایوانوں میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ اسلام آباد کے ایک اردو انگریزی اخبار کے مالک ممتاز صحافی کی وساطت سے حکومت نے مجھ سے رابطہ کیا اور پیش کش کی کہ اگر آپ میاں نواز شریف کو عدم اعتماد کی صورت میں ووٹ نہ دینے کی یقین دہانی کرائیں تو نقد ایک کروڑ روپیہ اور پجارو گاڑی حاضر ہے۔ اگر عدم اعتماد کے موقعہ پر حکومت کا ساتھ دینے کا یقین دلائیں تو دو کروڑ روپے نقد اور باقی بے شمار مراعات اور ترقیاتی فنڈز حاضر ہیں۔

میں نے ان سے پوچھا یہ فنڈز کب ملیں گے اور مجھے فی الفور کیا کرنا ہو گا تو جواب ملا کہ آپ کراچی چلیں وہاں آپ کی ایک پریس کانفرنس کرائی جائے گی۔ جس میں آپ نواز شریف کی پالیسیوں سے اختلاف کر کے حکومت کا ساتھ دینے یا کم از کم نواز شریف کا ساتھ نہ دینے کا اعلان کریں گے۔ میں نے کہا آج ۱۸ فروری ہے دو دن بعد اسکا جواب دونگا۔

قائدین سپاہ صحابہؓ کو آئندہ چوبیس گھنٹوں میں گرفتار کرنے کا اعلان

حکومت کی طرف سے ایک طرف کروڑوں روپے کی آفر ہو چکی تھی میں سوچنے کا وقت مانگ کر جھنگ آ چکا تھا تاکہ ساتھیوں کو حکومت کے اس سنہرے جال سے آگاہ کروں۔ تو دوسری طرف راولپنڈی ڈویژن کے ڈی۔ آئی۔ جی پولیس کی طرف سے

۱۸ فروری کو پریس کانفرنس میں یہ بیان جاری کیا گیا جو ۱۹ فروری کے ملک بھر کے اخبارات نے صفحہ اول پر شائع کیا کہ ۲۵ نومبر ۱۹۹۵ء کو لاہور کی شیعہ کانفرنس سے واپس آنے والی بس پر کھاریاں کے قریب جو فائرنگ ہوئی تھی اور وہاں لوگ قتل ہوئے تھے۔ اس F.I.R میں چونکہ سپاہ صحابہؓ کے قائدین کے نام بھی ہیں لہٰذا اس کے تحت قائدین سپاہ صحابہؓ کو آئندہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر گرفتار کرلیا جائے گا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مقدمہ کی F.I.R میں جن سپاہ صحابہؓ جہلم کے عہدیداران کو نامزد کیا گیا تھا وہ گرفتار ہو کر بے گناہ ثابت ہو کر رہائی بھی پا چکے تھے۔

میں نے اس بیان کے جواب میں اخبارات کو بیان جاری کیا کہ حضرت فاروقی تو اس وقت ملک سے باہر تنظیمی دورے پر ہیں۔ حکومت نے جس مقصد کے حصول کے لئے یہ گرفتاری کا اعلان کیا ہے مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ میں اس گرفتاری کی مزاحمت بھی کروں گا اور چند دنوں میں اس سازش کو بھی بے نقاب کروں گا۔

۲۰ فروری کو مجھے اسلام آباد سے فون آیا کہ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے اسلام آباد جا کر انہیں بتایا کہ ایک طرف آپ تعاون کی بات کرتے ہیں دوسری طرف گرفتاری کا اعلان کرتے ہیں۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ بس کوئی بات نہیں ہے۔ آپ سوچ کر فیصلہ کریں۔ گرفتاری کی کوئی بات نہیں۔

حکومتی سازش کے انکشاف کے بعد اعلان حق

۲۲ فروری یوم شہادت مولانا حق نواز شہید کے موقع پر احرار پارک کے ایک بڑے جلسہ میں میں نے D.I.G پولیس کی پریس کانفرنس کی اصل وجہ اور حکومت کی پیش کش کا ذکر کر کے اعلان کیا کہ نہ تو میں لالچ میں آکر نسوانی حکومت کا تعاون یا کم از کم مخالفت سے دستکش ہوتا ہوں اور نہ ہی تمہاری گرفتاری کے اعلان سے خوف زدہ ہو کر اپنے

موقف سے پیچھے ہٹتا ہوں۔ لہٰذا میرا جواب سن لو! کہ تم اپنے پیسے اور دولت اپنے پاس رکھو اور ریاستی جبر کا جس طرح چاہو استعمال میں لاؤ میں اپنے مشن و موقف پر قائم ہوں اور آج مجھے خوشی ہے کہ میرے موقف اور مشن کا نعرہ B.B.C ٹیلی ویژن سے بلند ہو چکا ہے۔ جس کی ابھی اسی پارک میں آپ لوگوں کو ریکارڈ شدہ فلم دکھائی جائے گی۔

B.B.C ٹیلی ویژن پر میری تقریر و انٹرویوز کی فلم

۲۱ اور ۲۲ فروری کی درمیانی شب B.B.C ٹیلی ویژن سے میرے انٹرویوز اور تقاریر پر مبنی فلم نشر کرنے کے اشتہارات تین دنوں سے ٹی وی پر آ رہے تھے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرف سے عموماً اور پاکستان و جھنگ کے لوگوں کی طرف سے خصوصاً اس فلم کا انتظار شدت سے ہونے لگا۔ چنانچہ میں نے خود شیخ محمد اشفاق صاحب کے گھر جا کر یہ فلم دیکھی۔ اگرچہ اس کے بعض حصوں سے مجھے اختلاف تھا تاہم فلم کے اکثر حصوں کو دیکھ کر بے ساختہ میرے منہ سے نکلا الحمد للہ آج میرے جھنگوی شہید کا نعرہ پوری دنیا میں گونج گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی زبان پر جاری ہو گئی کہ اللہ خیر کرے اب دشمن اتنی بڑی ذلت کو برداشت نہیں کرے گا وہ ضرور کوئی خباثت کرے گا۔

لندن میں قائد سپاہ صحابہؓ پر قاتلانہ حملے کی خبر

دوسرے روز احرار پارک میں اس فلم کی ریکارڈنگ دیکھ کر عوام نے زبردست نعرے لگائے اور شام کو اٹک سے ہمارے ایک نہایت مخلص ساتھی حبیب الرحمٰن نے فون پر اطلاع دی کہ لندن میں قائد سپاہ صحابہ پر قاتلانہ حملہ ہو گیا ہے اور وہ شدید زخمی حالت میں ہسپتال میں ہیں۔ بلاشبہ ایک نہایت پریشان کن خبر تھی۔ جس نے میرے دل کو ہلا ڈالا۔ ادھر رات دو بجے جھنگ میں اپریشن شروع ہو گیا اور پولیس مجھے گرفتار کرنے کے لئے میرے گھر پہنچ گئی۔

(وقت تحریر 9 بجے دن 5 جولائی 1998ء بمطابق 10 ربیع الاول، اٹک جیل)

روپوشی کے چار ماہ، آغاز سے انجام تک

رنج کا خوگر ہو گر انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ 22 فروری 1995ء کو احرار پارک جھنگ میں یوم شہادت امیر عزیمت" کے موقع پر عظیم الشان اجتماع میں یہ انکشاف کرنے کے بعد کہ مجھے حکومت کی حمایت یا کم از کم مخالفت نہ کرنے کی صورت میں بے نظیر حکومت کی طرف سے ایک کروڑ روپے اور پجارو و دیگر مراعات کی پیش کش کی گئی ہے۔ میں نے اعلان کیا کہ میں نہ صرف اس حکومتی رشوت کو پائے حقارت سے ٹھکراتا ہوں بلکہ اپنی تمام تر صلاحیتیں غیر شرعی نسوانی حکومت کے خاتمہ کے لئے صرف کرتا رہوں گا۔ اور یہ تک بتلا دیا تھا کہ مجھے ان "انکشافات" کے بعد اب کسی وقت بھی گرفتار کیا جا سکتا ہے لیکن میں گرفتاری نہیں دونگا۔

مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل یہ جلسہ ختم ہوا اور اگلی رات دو بجے اسسٹنٹ کمشنر باجوہ صاحب اور ڈی ایس پی لیاقت بودلہ صاحب کی معیت میں پولیس کی ایک بڑی نفری نے میرے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ میرے سیکرٹری محمد یوسف نے مجھے صورت حال بتائی۔ میں نے دروازہ کھول کر اچانک آمد کا مقصد معلوم کیا، تو مجھے بتایا گیا کہ آپ کی تین ماہ کے لئے نظربندی کے آرڈر ہیں اور ڈی سی صاحب نے ملاقات کے لئے ابھی طلب کیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ گرفتاری نہیں دوں گا۔ وہ مجھے آمادہ کرتے رہے کہ

ہمارے ہمراہ چل کر ڈی سی صاحب سے بات کرلیں۔ میں نے شروع شروع میں انکار کیا۔ پھر خاموشی سے اٹھا اور اپنے گھر کی چھت سے نزدیکی مکان پر اتر کر پچھلی گلی سے ہوتے ہوئے رانا مقصود کے گھر جا پہنچا۔ رانا صاحب کی والدہ نے رات اڑھائی بجے جب میرے "بیل" دینے پر دروازہ پر آکر پوچھا کہ کون ہے؟ تو میں نے اپنا تعارف کرایا۔ وہ حیران ہو کر بولیں کہ رات کے اس وقت آپ اکیلے یہاں کیسے آگئے؟ میں نے اختصار سے صورت حال بیان کی، انہوں نے دروازہ کھول کر کہا۔ اوپر کی منزل پر آپ چلے جائیں، جب میں ان کے مکان کی دوسری منزل پر جاکر رانا برادران سے ملا تو انہوں نے کہا آپ بے فکر ہو کر سو جائیں۔ میں نے کہا نہیں مجھے یقین ہے کہ پولیس کو جیسے ہی میرے گھر سے نکلنے کی خبر ہوگی۔ وہ اس گھر کا ضرور رخ کرے گی۔ لہٰذا مجھے فوری طور پر کسی دوسری جگہ منتقل ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہاں سے رانا لیاقت صاحب کے گھر فون کر کے انہیں موٹر سائیکل لانے کا کہا۔ کچھ ہی دیر بعد اپنے گھر سے چار پانچ گلیاں پیچھے میں ایک ایسے محفوظ مکان پر پہنچ گیا جہاں پر چار دن میرا قیام رہا لیکن پولیس اور تمام ایجنسیاں ملکر بھی نہ ڈھونڈ سکیں۔

روپوشی کی پہلی رات بچوں کی پریشانی

یہاں ایک اور بات بتا تا چلوں کہ جب رات دو بجے پولیس افسران نے میرے گھر پر ڈیرے ڈال دیئے اور مجھے گرفتاری پیش کرنے کے لئے آمادہ کرنے لگے تھے تو ایک وقت ایسا آیا کہ میں گرفتاری دینے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ میں نے دوسرے کمرہ میں جاکر اپنے بچوں کو بیدار کیا ان سے کہا کہ میں گرفتاری پیش کرنے لگا ہوں۔ آپ لوگ بالکل گھبرانا نہیں۔ آٹھ دن بعد عید آرہی ہے۔ نئے کپڑے پہننا اور اپنی امی کو پریشان نہ کرنا۔ بچے نیند سے اٹھے تھے اور پہلی بار انہوں نے گرفتاری کا نام سنا تھا۔ تو وہ گھبرا گئے۔ مجھے وہ منظر آج تک نہیں بھولتا ہے کہ میرے بچے میری باتوں پر عمل کرنے کا وعدہ بھی کر رہے تھے

اور ان کی آنکھوں سے جدائی کے تصور کے باعث آنسو بھی جاری تھے۔ انہیں یہ باتیں عجیب لگ رہی تھیں کہ میں خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے کی خبر بھی ان کو دے رہا ہوں اور ساتھ ساتھ عید کی خوشیاں منانے کی تلقین بھی کر رہا ہوں۔ لیکن کچھ دیر بعد جب میں نے گرفتاری کی بجائے روپوشی کا راستہ اختیار کر لیا تو جھنگ کے حکام نے مزید پولیس کی بھاری نفری کے ہمراہ پورے محلے کا محاصرہ کر کے لیڈی پولیس کے ذریعہ میرے دو کمروں پہ مشتمل گھر کی تلاشی اس طرح شروع کر دی، جیسے انہیں کوئی نہایت ہی خوفناک چیز کو برآمد کرنا ہے۔ سوٹ کیس، الماریوں، بستروں، کتابوں کو اس طرح الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ جیسے گھر میں ڈاکہ پڑ گیا ہو اور پھر میرا لائسنسی اسلحہ اٹھا کر چلتے بنے۔ پولیس کی اس وحشیانہ کاروائی نے میری اہلیہ اور بچوں کو اور زیادہ خوف زدہ کر دیا۔ لیکن اب الحمدللہ یہ بچے اور ان کی والدہ اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ بڑی سے بڑی پریشانی اور مصیبت پر بھی حوصلہ مندی کا ثبوت دیتے ہیں۔

جھنگ سے پیر محل روانگی اور نصرت خداوندی

جس کٹھن راہ سے ہم کشتۂ غم گزرے ہیں
لوگ اس وادی پرخار سے کم گزرے ہیں

کاروان غم ہستی ہے ابھی راہوں میں
رہرو زیست ابھی چند قدم گزرے ہیں

لہلہاتے ہیں وہاں آج بھی شاداب کنول
جس تصور کی گزرگاہ سے ہم گزرے ہیں

دل میں اب شائبہ حسن بہاراں بھی نہیں
جانے کس دور سے پابند الم گزرے ہیں

میری روپوشی کو 18 گھنٹے گذر چکے تھے۔ دوسری شب میں نے B.B.C ریڈیو پر اپنی روپوشی کی خبر سنی تو اس موقع پر پنجاب کے ہوم سیکرٹری حفیظ گل کا یہ دعویٰ نشر ہوا کہ ہم چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر مولانا اعظم طارق کو گرفتار کرلیں گے۔ "لیکن چار روز، چار راتیں گزرنے کے باوجود وہ مجھ تک نہیں پہنچ پائے تھے۔ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ جھنگ چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں منتقل ہو جانا چاہیے کیونکہ ایک تو اس بات کی خبریں مل رہی تھیں کہ جھنگ پولیس گھر گھر تلاشی مہم شروع کرنے والی ہے۔ نیز میں جس گھر میں مقیم تھا، اب وہاں عید کے موقع پر اہل خانہ کے نواسوں اور نواسیوں نے عید کرنے کے لئے آنا تھا۔ ایسی صورت میں میرا وہاں ٹھہرنا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک عزیز کو فون کر کے پیغام دیا کہ وہ رات دو بجے گاڑی لے کر مولانا حق نواز شہید کے گھر کے سامنے احرار پارک کے متصل پہنچ جائیں۔

خدا کا کرنا یوں ہوا کہ رات عشاء کے وقت ہی بارش شروع ہو گئی جس کی وجہ سے اس پورے علاقہ میں ڈیوٹی پر متعین پولیس کی بڑی نفری واپس پولیس لائن چلی گئی۔ ادھر رات پونے دو بجے میں اس گھر سے نکلا جہاں روپوش تھا۔ مجھ سے پچاس قدم کے فاصلہ پر اسی گھر کا پندرہ سالہ بچہ آگے آگے چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم محلہ حق نواز شہید میں اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اہلیہ نے اندر سے پوچھا کون؟ میں نے اپنا بتایا تو انہوں نے شدید حیرت کے ساتھ دروازہ کھول دیا اور بتایا کہ پولیس گھر کے چاروں طرف موجود ہے۔ آپ کیسے آ گئے میں نے کہا فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ادھر کوئی نہیں ہے اور میں یہ شہر بھی چھوڑ رہا ہوں۔ چنانچہ بچوں کو اٹھایا انہیں پیار کیا اور حوصلہ دیا پھر گھر کے قریب ہی ایک کچی زمین میں دبایا ہوا اپنا اسلحہ نکلوایا اور کپڑوں کا سوٹ کیس و اسلحہ ہمراہ لیا۔ اس دوران ساتھی گاڑی لے کر احرار پارک پہنچ گئے۔ اس طرح رات سوا دو بجے میں جھنگ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ مہم بارش کے باعث کامیابی سے سر ہو

گئی ورنہ جھنگ میں پولیس کے ناکوں اور ڈیوٹیوں کے باعث ایسا ممکن نہ تھا۔

پیر محل سے جہانیاں کا سفر

پھول ایسا کہیں دیکھا ہے گلستانوں میں
کوئی پہچانے مجھے سوختہ سامانوں میں

غور سے کیوں مجھے ارباب نظر دیکھتے ہیں
کوئی تو وجہ کشش ہوتی ہے دیوانوں میں

جھنگ سے چل کر ہم پیر محل پہنچے۔ جہاں ایک قریبی گاؤں میں اپنے عزیزوں کے ہاں دو ماہ کا عرصہ گذارنے کے بعد اب یہ خیال دامن گیر ہوا کہ اس جگہ سے کسی دوسری جگہ ہجرت کی جائے چنانچہ فون پر یہاں سے رابطہ تو ہر طرف تھا۔ مگر سوائے اہل خانہ کے کسی کو اپنا فون نمبر یا رہائش کا پتہ نہیں بتایا ہوا تھا۔ انہی دنوں میں جہانیاں کے بہت ہی نامور عالم دین مولانا محمد یعقوب عابد مرحوم کے خلف الرشید برادرم مولانا وجیہ الرحمٰن کے بار بار اصرار پر ایک دن انہیں مطلع کیا کہ کل صبح بعد الفجر خانیوال بائی پاس کے متصل بہاولپور روڈ پر موجود ہوٹل میں ملاقات ہوگی۔ آپ گاڑی لے کر وہاں پہنچ جائیں۔ ادھر جہاں عزیزوں کے ہاں مقیم تھا۔ انہیں صرف اتنا بتایا کہ خانیوال میرا انتظار ہو رہا ہے مجھے آپ لوگ وہاں چھوڑ آئیں۔ چنانچہ دو کاروں میں ہم دس ساتھی رات تین بجے سفر پر روانہ ہوئے۔ رستہ میں ایک جگہ سند میلیانوالی سے قبل یہ دیکھ کر تمام ساتھی دم بخود ہو کر رہ گئے کچھ لوگ روڈ کے اوپر ہاتھوں میں اسلحہ لے کر کھڑے ہوئے ہیں اور گاڑیوں کو رکنے کا اشارہ کر رہے ہیں۔ میرے ہاتھ میں اس وقت 222 رائفل تھی۔ میں نے ساتھیوں سے کہا آپ اول تو خود کو بالکل عام سا مسافر ظاہر کریں لیکن اگر معاملہ گڑبڑ ہوا تو پھر سب سے پہلے گولی میں

خود چلاؤں گا۔ چنانچہ میری گاڑی پیچھے ہو گئی۔ دوسری کار آگے لگ گئی۔ روڈ پر کھڑے ہوئے لوگوں نے کار روکی اس میں جھانکا اور اسے جانے کا کہا اب ہماری گاڑی آگے بڑھی۔ لمبے قد کے ایک شخص نے جس کی آنکھوں سے شراب کا نشہ اور منہ سے بدبو کے بھبھکے آرہے تھے۔ ہماری کار کے قریب آکر اندر جھانکا۔ میرا ہاتھ کپڑے میں لپٹی رائفل کے ٹریگر پر تھا۔ پھر اس نے ڈرائیور سے پوچھا کہاں جا رہے ہو تو ڈرائیور نے بتلایا کہ سندھیلیانوالی جا رہے ہیں۔ اس نے ایک اور نظر گاڑی میں ڈالی اور کہا جاؤ۔ چنانچہ ہماری گاڑی آگے بڑھ گئی۔ خانیوال کے بائی پاس پر اگلی گاڑی والے ساتھیوں نے بتلایا کہ وہ لمبے قد کا نوجوان اس علاقہ کے شیعہ ایم۔ پی۔ اے علی رضا شاہ کا بیٹا تھا۔ نامعلوم وہ کس غرض سے رات کے آخری حصہ میں مسلح ہو کر روڈ پر کھڑا ہوا تھا۔

ہم لوگ سورج طلوع ہونے سے قبل مقررہ جگہ پر پہنچے تو تھوڑی ہی دیر بعد مولانا وجیہ الرحمن صاحب کار لے کر پہنچ گئے۔ ان گاڑیوں سے سامان ان کی کار میں شفٹ کیا اور ان حضرات کو الوداع کہہ کر ہم اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پیر محل کے احباب کو یہ علم نہیں تھا کہ آگے مجھے لیجانے والا ساتھی کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اور مولانا وجیہ الرحمن کو یہ علم نہیں تھا کہ مجھے یہاں تک لانے والے کون ہیں اور کہاں سے لائے ہیں۔ روپوشی کے ایام میں اس طرح کی احتیاط ضروری ہوتی ہے تاکہ اگر پولیس یا ایجنسیاں پناہ دینے والے کسی ایک شخص تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو انہیں یہ خبر نہ ہو کہ آگے "اس مہمان کو" کون لے گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روپوشی کی پہلی رات جب رانا مقصود کے گھر سے اگلی دوسری نامعلوم جگہ شفٹ ہو گیا تو اس صبح رانا مقصود اور ان کے بھائی گرفتار کر لئے گئے اور ان پر بے تحاشا تشدد کیا گیا لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ میں کس منزل پر پہنچا ہوا ہوں۔

گورنر پنجاب، وفاقی وزیر داخلہ، سپیکر قومی اسمبلی اور اخبارات میراان سے رابطہ اور وہ مجھ سے لاعلم

روپوشی کے اول روز ہی ٹیلی فون کے ذریعہ اخبارات سے رابطہ اور بیانات جاری کرنے کا میں نے سلسلہ شروع کر دیا۔ خود اپنی اہلیہ کو ایک دوسرے گھر میں بلوا کر مطلع کر دیا کہ میں خیریت سے ہوں اور جھنگ ہی میں ہوں۔ پھر پیر محل پہنچ کر جھنگ سے فیکس مشین بھی اس طرح منگوائی کہ جھنگ سے رجانا اڈہ تک لانے والے شخص کو بس اتنا معلوم تھا کہ اڈہ کی مسجد میں فلاں رنگ کے رومال والے شخص کے حوالہ کرنا ہے چنانچہ فیکس مشین مجھ تک پہنچ گئی تو پھر یہ ہمیشہ ہر جگہ ساتھ ہی رہی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جو بیان بیس بیس منٹ تک لاہور اسلام آباد کے صحافیوں کو زبانی لکھوانا پڑتا تھا اب اسے تحریر کر کے ڈیڑھ منٹ میں فیکس کر دیا جاتا۔

پیر محل، جہانیاں، ٹوبہ، گوجرانوالہ اور جھنگ سے حتیٰ کہ آخری دنوں میں اسلام آباد سے فون پر جس طرح حکام بالا اور اخبارات کے صحافیوں سے رابطہ بار بار ہوتا رہا اس کے پیش نظر یقینی بات تھی کی یہ فون نمبر حکومت تلاش کر لیتی لیکن محکمہ ٹیلی فون کے ایک انجینئر نے ایسا "گر" مجھے بتلا دیا تھا کہ جس کے باعث میں نے بارہا گورنر پنجاب الطاف حسین (مرحوم)، وزیر اعلیٰ پنجاب منظور وٹو، وزیر داخلہ پاکستان نصیر اللہ بابر، سپیکر قومی اسمبلی یوسف رضا گیلانی اور جھنگ کے ڈپٹی کمشنر اور ایس ایس پی سے کئی کئی منٹ تک گفتگو کی لیکن اس تمام گفتگو کے باوجود وہ میرا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

•

اجتماع جمعہ اور ملک بھر میں کانفرنسوں سے میرے ٹیلی فونک خطابات،

امریکی ایجنسیاں اور پاکستانی حساس ادارے سراغ لگانے میں ناکام

جب گریباں گیر ہو جاتا ہے ٹھکرایا ہوا
سوچتا ہے بت ہر اک ظالم ارے یہ کیا ہوا؟

روپوشی کے انہی ایام میں جھنگ کے شیخ اقبال اور کراچی میں پانچ امریکیوں کے قتل کا سانحہ رونما ہو گیا۔ شیخ اقبال قتل کیس کی ایف۔ آئی۔ آر میں پولیس افسران کے دباؤ پر میرا نام بھی درج کرا دیا گیا اور ادھر پانچ امریکیوں کے قتل میں امریکہ کی طرف سے میرے طلب کیے جانے کی خبریں اخبارات میں شائع ہونا شروع ہو گئیں۔

جہانیاں پہنچ کر میں نے اخبارات میں خبر دی کہ میں اس جمعہ کے موقع پر مسجد حق نواز شہید میں جھنگ کے عوام سے فون پر خطاب کروں گا۔ اور عوام سے رائے لوں گا کہ میں گرفتاری پیش کروں یا نہیں۔ اس خبر کے بعد جھنگ کے ٹیلی فون ایکسچینج کو امریکی ایجنسیوں، حساس اداروں کے جدید ترین آلات نے اپنے کنٹرول میں کر لیا تاکہ وہ میرا سراغ لگا سکیں اور یہ خبریں بھی اخبارات میں آنے لگ گئیں۔ اب میرے لئے یہ بات چیلنج بن چکی تھی کہ میں اگر خطاب نہیں کرتا ہوں تو بے عزتی والی بات ہے اور عوام کے حوصلے پست ہونگے۔ اگر فون پر خطاب کرتا ہوں تو سخت خطرہ ہے کہ فون ٹریس (Trias) نہ ہو جائے۔

کس آسماں سے گذرا ہے درد کا دریا
ستارے ٹوٹ کے آب رواں میں آنے لگے!

کافی سوچ و بچار کے بعد ایک دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ رستہ یہ تھا کہ جمعہ کے روز ہم چار ساتھی دو موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر جہانیاں سے ملتان چلے گئے۔ ایک موٹر سائیکل میں خود چلا رہا تھا ملتان میں محمد اخلاق نامی ساتھی کے گھر پہنچے۔ جسے ایک روز قبل ہی کارڈ سسٹم ٹیلیفون کے کارڈ خرید لینے اور شہر کے اہم بوتھ ٹیلیفون کی تفصیلات جمع کر رکھنے کا پابند کیا ہوا تھا۔ چنانچہ کارڈ لے کر ملتان کینٹ کے علاقہ میں سپر مارکیٹ کے سامنے لگے ٹیلیفون بوتھ سے ڈیڑھ بجے دوپہر جھنگ رابطہ کیا اور کچھ ہی دیر بعد ملتان کی اس معروف ترین مارکیٹ کے سامنے کھڑے کھڑے فون پر خطاب شروع کر دیا۔ باقی ساتھی دور دور کھڑے ہوئے نہ صرف اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے بلکہ وہ اس تاریخی موقع کی تصاویر بھی بنا رہے تھے۔ اور ملتان کے شہری ہمیں دیکھ کر ہنس رہے تھے کہ یہ دیہاتی لوگ فون کرتے ہوئے تصاویر بنا کر اپنے پینڈو پن کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کیونکہ اس وقت میرے سر پر ایک بڑی سی سفید چادر کی دیہاتی انداز میں پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ فون پر اس یادگار خطاب کے بعد ہم موٹر سائیکلوں پر جہانیاں واپس آ گئے۔

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی!
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا!

دوسرے روز اخبارات نے اس خطاب کو نمایاں انداز میں شائع کیا اور حساس اداروں وامریکی ایجنسیوں کی تمام تر کوششوں کو ناکام قرار دیا۔ جھنگ پولیس نے میرے سیکرٹری محمد یوسف فاروقی کو گرفتار کرلیا اور دعویٰ کیا کہ مولانا اعظم طارق نے تمہارے گھر محلہ مسلم نگر میں بیٹھ کر خطاب کیا ہے۔ اس روپوشی کے عرصہ میں کبیر والہ کی سالانہ کانفرنس، لاہور فاروق اعظم سیکرٹریٹ میں ہونے والی کانفرنس کمالیہ کی جامع مسجد فاروقیہ میں ہونے والی کانفرنس حضرو میں کارکنوں کے اجلاس۔ جہلم میں کارکنوں کی تربیتی نشست اور فیصل

آباد میں جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس سے بھی خطاب کیا۔

جہانیاں سے جھنگ کا کراماتی سفر

فطری بات ہے کہ جب انسان حکمرانوں یا مخالفین کی طرف سے خطرہ محسوس کرتا ہو تو وہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے۔ بعض اوقات فرضی خدشہ کے پیش نظر بڑے بڑے اقدامات کرنے پڑتے ہیں اور محض شک وشبہ کی بنیاد پر اپنی جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جہانیاں میں روپوشی کا وقت صحیح انداز سے گذر رہا تھا۔ ایک روز گھر فون کر کے یہ اطلاع دی کہ آج صبح میں آپ کو چیک روانہ کر رہا ہوں تاکہ آپ گھریلو اخراجات کے لئے بینک سے رقم نکلوالیں۔ چنانچہ چیک ایک ساتھی محمد اخلاق کے حوالہ کیا کہ وہ جھنگ جا کر گھر دے آئے۔ اس کی روانگی کے چھ گھنٹے بعد پھر آٹھ گھنٹے بعد حتیٰ کہ پھر سولہ گھنٹے جب گھر سے معلوم کیا کہ چیک والا لڑکا پہنچ گیا ہے تو جواب ملا کہ نہیں۔ اب مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ وہ لڑکا ہی کہیں پولیس کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو اور اس کے پاس سے چیک کا برآمد ہونا اور آج کی تاریخ کا اس چیک پر لکھا ہونا ہی اس لڑکے کے مشکوک ہونے کے لئے کافی ہے۔ رہ رہ کر یہ خیال ذہن میں آنے لگا کہ اگر وہ لڑکا پکڑا گیا تو تھوڑے سے تشدد کے بعد وہ یقیناً بول اٹھے گا کہ مولانا اعظم طارق جہانیاں میں فلاں مقام پر ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے اس خدشہ کو کسی پر ظاہر نہ کرتے ہوئے فیصلہ کر لیا کہ مجھے جہانیاں چھوڑ دینا چاہیے لیکن میں جہانیاں کے احباب کو یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ میری اگلی منزل کونسی ہے۔ کیونکہ اگر ابھی یا کچھ دنوں بعد ان تک پولیس پہنچ جاتی ہے تو ان کے پاس کوئی اگلا راستہ دکھانے کو نہ ہو۔ میں نے مولانا وہبیہ الرحمٰن اور ان کے بھائیوں کو بتایا کہ مجھے فوراً اسلام آباد پہنچنا ہے۔ لہٰذا آپ حضرات لاہور کی بس پر مجھے سوار کرا دیں۔ شروع میں انہوں نے میرے بس میں سفر کرنے کو بڑی حیرت و تعجب سے دیکھا لیکن میرے اصرار پر انہیں خاموش ہونا

پڑا۔ ہاں تو یہ بات میں نے ابھی تک بتائی ہی نہیں کہ جہانیاں پہنچ کر میں نے اپنے سیکرٹری راشد محمود فاروقی کو اپنے پاس بلوالیا تھا۔ چنانچہ مولانا وجیہ الرحمن صاحب نے مجھے اور راشد کو رات دس بجے بہاولپور سے براستہ چیچہ وطنی فیصل آباد جانے والی بس پر بٹھادیا۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم کہیں دوسری جگہ سے لاہور والی بس پر سوار ہو جائیں گے۔ بس میں سوار ہونے تک راشد بھی اس بات سے لاعلم تھا کہ ہماری اگلی منزل کون سی ہے۔ اسے اس وقت حیرت ہوئی جب میں نے کنڈیکٹر سے نوبہ کا ٹکٹ کاٹنے کا کہا۔

کیا میری شکل واقعی مولانا اعظم طارق جیسی ہے

جہانیاں سے بس پر نوبہ کی طرف سفری جاری تھا اور چیچہ وطنی سے آگے بس گذر چکی تھی کہ میں نے محسوس کیا کہ ایک شخص پورے انہماک سے مجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر کچھ ہی دیر کے بعد اس شخص نے اٹھ کر مجھ سے مصافحہ کرتے ہی سوال داغ دیا؟ کیا آپ مولانا اعظم طارق صاحب ہیں؟ میں نے اپنے حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے فوراً اس سے سوال کر دیا۔ کیا واقعی آپ کو میری شکل مولانا اعظم طارق جیسی لگتی ہے؟ اس نے کہا جی بالکل ہو بہو آپ مولانا اعظم طارق کی طرح ہیں۔ میں نے برجستہ جواب دیا۔ "پہلے بھی کئی لوگوں نے مجھے اس طرح مولانا اعظم طارق ہی سمجھا ہے۔ اللہ کی قدرت ہے کہ کئی لوگوں کی شکلیں و صورتیں کئی لوگوں سے بہت مشابہ ہوتی ہیں" اور وہ شخص جی ہاں کہتے ہوئے واپس اپنی سیٹ پر جا بیٹھا کسی ایسے اچانک پیش آمدہ حادثہ پر بروقت جواب دے کر اپنی پوزیشن برقرار رکھنا بہت مشکل معاملہ ہوتا ہے۔

روپوشی کے ایام میں جھنگ پہنچنا

کسی صورت بھی فتنے زندگی کے کم نہیں ہوتے
سکون زیست ملتا ہے جہاں پر ہم نہیں ہوتے

گھڑی وہ کون سی ہے جس میں دل کو چین ملتا ہو
وہ لمحہ کونسا ہے جس میں رنج و غم نہیں ہوتے
ہر اک راہ وفا میں دام ہیں رنگیں زلفوں کے
وہ رستہ کون سا ہے جس میں پیچ و خم نہیں ہوتے
عجب انداز ہے ان کشتگان راہ الفت کا
مصائب بڑھتے جاتے ہیں مسافر کم نہیں ہوتے

رات تین بجے ہم ٹوبہ ٹیک سنگھ پہنچے اور ریلوے پھاٹکوں کے پاس اتر کر ساتھ ہی مارکیٹ کے اندر نئی تعمیر شدہ مسجد کی چھت پر چلے گئے۔ میں نے جہانیاں سے روانہ ہونے سے قبل پیر محل کے عزیزوں کو فون پر پابند کیا تھا کہ وہ رات تین بجے کار لے کر ریلوے پھاٹک کے پاس پہنچ جائیں۔ میں نے اپنے ذہن میں طے کر لیا تھا کہ میں خود جھنگ میں اپنے گھر جاؤں گا۔ لیکن راشد کو بھی اس بات سے آگاہ کرنا احتیاط کے خلاف تھا۔ چنانچہ میں نے اسے پابند کیا کہ وہ ابھی یہاں سے فیصل آباد چلا جائے اور وہاں سے اسلام آباد پہنچ کر قومی اسمبلی سے میری تنخواہ کا چیک وصول کرے۔ اور پھر وہاں سے جھنگ گھر میں فون پر رابطہ رکھے میں جہاں ہونگا اپنی خیریت سے آگاہ کردوں گا۔ ادھر پیر محل کے ساتھی کار لے آئے تو میں نے کار میں سوار ہو کر ان سے کہا کہ جھنگ چلیں۔ جھنگ کا نام سن کر وہ ٹھٹھک کر رہ گئے اور انہوں نے بتایا کہ ہم تو گھر بتا کر آئے ہیں کہ ہم مولانا کو یہاں گاؤں میں لا رہے ہیں۔ تاہم میں نے ان سے کہا آپ جھنگ چلیں مجھے وہاں ضروری کام ہے۔

انہوں نے گاڑی جھنگ روڈ پر ڈال دی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کی حدود کے خاتمہ پر جھنگ کی حدود کا آغاز ہوا تو سامنے سرخ بتی جلتی ہوئی اور پولیس کی چوکی کا بیریئر روڈ پر لٹکا ہوا نظر آیا۔ پولیس چوکی کے ملازم نے گاڑی کے پاس آکر پوچھا کون ہو؟ اور کدھر جانا ہے؟۔ جس کے جواب میں کار ڈرائیور نے کہا اے۔ ایس۔ آئی احمد یار ہوں اور گاڑی آگے بڑھا

دی۔ لیکن اس جواب سے پولیس چوکی کے ملازم کو شک پڑ گیا کہ معاملہ گڑ بڑ ہے۔ اس نے کہا گاڑی کھڑی کر کے شناخت کرائیں۔ ہم نے گاڑی کو اور تیز کر دیا اور چلتے بنے۔ لیکن تھوڑے ہی سفر کے بعد ہمیں احساس ہوا کہ مسئلہ گڑ بڑ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ملازم چوکی کی وائرلیس سے یقیناً کنٹرول کے ذریعہ پولیس کے اعلیٰ افسران کو آگاہ کرے گا کہ مشکوک گاڑی جھنگ کی طرف آ رہی ہے۔ چنانچہ اب اس خدشہ کے پیش نظر میں نے ڈرائیور سے کہا وہ گاڑی چند فرلانگ آگے چل کر دائیں طرف والے لنک روڈ پر ڈال دے۔ اس لنک روڈ پر گاڑی ڈال دی گئی اور الیکشن مہم کا تجربہ کام آ گیا۔ ہم لوگ تقریباً بیس کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے گوجرہ جھنگ روڈ پر جا نکلے اور وہاں سے سیٹلائٹ ٹاؤن میں داخل ہوئے۔

فجر کی آذانیں ہو رہی تھیں کہ گاڑی عثمانیہ مسجد کے سامنے جا کھڑی کی۔ کار والے ساتھی سخت پریشان تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ اب وہ مطمئن ہو کر واپس چلے جائیں۔ اگلا سفر میں خود طے کر لوں گا۔ وہ سلام کر کے واپس چلے گئے۔

جھنگ میں دس روز تک اپنے گھر میں قیام

عثمانیہ مسجد کے پاس ہی کار سے اتر کر میں نے مولانا محمد الیاس بالاکوٹی صاحب کے گھر کی بیل کا بٹن دبایا تو مکان کی چھت پر گیلری سے مولانا بالاکوٹی کی آواز سنائی دی کون ہے بھئی؟ میں نے جواب دیا کہ اپنا ہی آدمی ہوں۔ آواز پہچان لیں یا شکل دیکھ لیں۔ انہوں نے گیلری سے آگے بڑھ کر دیکھا تو حیران رہ گئے اور فوراً سیڑھیاں اتر کر دروازہ کھولا اور یہ کہتے ہوئے مجھے اوپر ساتھ لے گئے کہ آپ کو ان دنوں میں ادھر نہیں آنا چاہیے تھا۔ حالات سخت کشیدہ ہیں۔ میں نے ان سے کہا آپ بے فکر رہیں بس یہ بتائیں کہ فوری موٹر سائیکل مل سکتا ہے۔ انہوں نے کہ میرے پاس تو ہے نہیں۔ میں نے ان کے فون سے جامعہ محمودیہ کا نمبر ملایا اور وہاں کے مدرس مولانا غلام اللہ صاحب سے کہا کہ وہ فوراً اپنے موٹر

سائیکل کے ہمراہ جامع عثمانیہ پہنچیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ پہنچے تو میں نے خود موٹر سائیکل چلاتے ہوئے مسجد حق نواز شہید کی پچھلی جانب کے محلہ میں آکر بریک لگائی۔ اور مولانا غلام اللہ صاحب سے کہا وہ اب واپس چلے جائیں۔

ان کے جانے کے بعد ایک ساتھی فاروق نجمی کے گھر کی بیل کا بٹن دبایا اور انکے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہی کہا کہ وہ مسجد حق نواز شہید تک پہنچنے والے مکان کی چھتوں کے اوپر سے راستہ کی راہنمائی کریں چنانچہ انہوں نے مکان کی چھت سے مسجد تک کا راستہ دکھایا اور میں چھتوں کو عبور کرتا ہوا مسجد تک اور پھر اپنے گھر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

گھر میں اچانک میرے اس داخلہ سے میرے گھر والوں کو حد درجہ حیرت ہوئی۔ سوائے بڑے دو بچوں کے کسی کو اپنی موجودگی سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تاکہ کہیں باہر بات نہ کر بیٹھیں۔ میرا اکثر وقت مکان کی چھت پر بند کمرہ میں گذرتا جبکہ مکان کے چاروں طرف باہر پولیس کے درجنوں اہلکار مستعد و چاک وچوبند ہو کر ڈیوٹیاں دے رہے ہوتے۔ گھر میں زیادہ وقت سخت گرمی کے موسم میں کمرہ میں بند رہنے اور چھوٹے بچوں کو دیکھتے رہنے مگر ان سے مل نہ سکنے اور ان کی پیاری پیاری باتوں خصوصاً اپنے بارے میں ان کی پریشانی پر مبنی معصوم باتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے میری طبعیت خراب ہو گئی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب ان معصوم بچوں سے ملاقات کرنے کے لئے اس گھر کو چھوڑ دینا چاہیے۔

عید الاضحیٰ سے چار روز قبل جھنگ سے دوبارہ روانگی

تشنگی موج کے ہونٹوں پہ مچلتی دیکھی!
ہم جو ساحل پر کبھی پیاس بجھانے نکلے

مثل مشہور ہے کہ دریا کے کنارے بیٹھ کر بھی بعض دفعہ پیاسا رہنا پڑتا ہے۔ بلکہ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا کہ گھر میں رہتے ہوئے بھی اپنے چار چھوٹے بچوں سے مل نہیں سکتا تھا۔ ان کے پیارے پیارے چہروں کو چوم نہیں سکتا تھا اور ان کے معصوم ذہنوں کی پریشانی کو سامنے آ کر خوشی میں بدل نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ بے احتیاطی کسی نقصان کا باعث ہو سکتی تھی۔ بچے تو بچے ان دس دنوں میں مجھے اپنی والدہ محترمہ سے ملاقات آخری ر... کرنا پڑی کیونکہ ان کی سادہ طبیعت سے اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ کسی خاتون .. سامنے اس ملاقات کا ذکر کر دیتیں۔

چنانچہ جیسا کہ میں ۔نے اوپر بتایا ہے گرمی کی وجہ سے چھوٹے سے کمرے میں بند رہنے کے باعث طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ اب جھنگ سے نکلا جائے اور بچوں سے اچھے ماحول میں ملاقات کی جائے۔ چنانچہ ایک ساتھی کو موٹر سائیکل لے کر فاروق مجی کے گھر کے دروازے پر انتظار کا کہا اور خود مسجد حق نواز شہید کی چھت سے رات دو بجے ہوتا ہوا فاروق مجی کے گھر کی سیڑھیاں اترا اور موٹر سائیکل پر سوار ہو کر ٹوبہ روڈ پر ریلوے پھاٹک کے پاس پیر محل سے آئی ہوئی کار میں سوار ہو کر پیر محل چلا گیا۔

عید الاضحیٰ کے دوسرے روز والدہ اور بچوں سے جنگل میں ملاقات

تیرے آنگن میں رہیں عید کی خوشیاں رقصاں
دل، جگر سوختہ ہم گھر کو جائیں کیسے؟

میں نے عید الاضحیٰ پیر محل کے قریب گاؤں ہی میں گذاری اور اپنے ساتھی محمد حنیف اور سیکرٹری محمد یوسف کو فون کیا کہ وہ عید کے اگلے روز میری والدہ، اہلیہ اور بچوں کو لے کر رجانہ اڈے پر پہنچ جائیں۔ وہاں انہیں ایک کار پر موجود فلاں رنگ کا لباس پہنے

ہوئے جاتمی ملیں گے گاڑی کو ان کی کار کے پیچھے لگا لینا۔ چنانچہ دوسرے روز پہلے میں خود کار پر پیر محل سے رجانہ پہنچا اور وہاں سے سمندری روڈ پر موجود جنگل کی سیرگاہ میں اتر گیا اور کار کو رجانہ بھیج دیا جو تھوڑی دیر بعد گاڑی کو ہمراہ لے کر وہاں پہنچ گئی۔ میں گھنے جنگل میں اچانک اپنے بچوں کے سامنے آیا، تو بچے شدید حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات کا اظہار کرتے مجھ سے لپٹ گئے۔ میں نے والدہ سے پیار لیا اور بچوں کو گود میں لے کر پیار کیا اور انہیں آئس کریم کھلائی۔ بچے ایک طرف بہت خوش بھی تھے کہ ان کی مجھ سے اڑھائی ماہ بعد ملاقات ہوئی تھی۔ دوسری طرف حیران ہو کر مجھ سے پوچھ رہے تھے... کہ... ابو آپ یہاں جنگل میں کیوں رہتے ہیں۔ گھر پر کیوں نہیں آتے؟ ہم روزانہ آپ کا انتظار کرتے ہیں؟ امی ہر روز ہمیں کہتی ہے تمہارے ابو جلدی گھر آئیں گے وغیرہ وغیرہ! لیکن میرے پاس ان معصوم سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا اور نہ آج ہے۔ میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ مجھے کس ناکردہ جرم کی سزاء میں دربدر ہونا پڑ رہا ہے یا آج میں ایک عرصہ سے کن گناہوں کی سزا جھیل رہا ہوں۔ اور نامعلوم کب تک یہ سزائیں اور یہ دوریاں میرا مقدر رہیں! اب ساڑھے تین سال بعد بچے سمجھ دار ہو چکے ہیں اور وہ کسی حد تک جان گئے ہیں کہ ہمارے ابو ایک مشن کے لئے گولیوں، بموں اور زخموں سے چور ہو کر قید و بند کی راہوں سے گذر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں جب کئی ماہ بعد چھوٹے بچوں کو اپنی والدہ کے ہمراہ اٹک جیل میں ملاقات کی اجازت ملی تو خود بچوں نے ہی بتایا۔ "ابو چھوٹا بھائی انس صبح و شام یہ شعر پڑھتا ہے۔

دن اوکھے سوکھے آندے رہندن کجھ حوصلہ یار رکھیندا

پھر کہتا ہے۔ "ابو پکے ہیں ابو پکے ہیں"۔ جب میں نے اس چار سالہ بچے سے کہا بیٹا ذرا مجھے بھی یہ شعر سناؤ تو کچھ دیر تک وہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا اور پھر شاید اس سے صبر نہ ہو سکا اور وہ ابو ابو کہتے ہوئے رونے لگ گیا۔

ابھی چند روز قبل جون کے دوسرے عشرے میں جب چھوٹے بچے اڑھائی ماہ بعد پھر ملاقات پر آئے تو انہوں نے بتایا کہ ابو انس روزانہ ای کو کہتا ہے۔ امی اب تو چھتری بھی جیت گئی ہے۔ ابو کیوں نہیں آئے۔ (یعنی بلدیاتی الیکشن میں جھنگوی گروپ کامیاب ہو گیا ہے۔ جس کا انتخابی نشان چھتری تھی۔) لیکن میں ایسے موقعوں پر ان بچوں سے یہی کہتا ہوں۔ پیارے بچو! بہت جلد میں گھر آنے والا ہوں دیکھو اللہ ہمارے ساتھ ہے اور وہ اللہ ہمیں ضرور کامیاب کرے گا۔

کمالیہ میں بچوں کے ساتھ پانچ روز قیام

رجانہ کے جنگل میں بچوں سے کی جانے والی ملاقات نے پدری محبت کی آگ کو اور بھڑکا دیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ اب بچوں کے ہمراہ کچھ زیادہ وقت گذارنا چاہیے چنانچہ عید الاضحیٰ کے چار روز بعد کمالیہ شہر میں ایک عزیز کے خالی مکان میں بچوں کو منگوالیا اور پانچ دن بچوں کے ہمراہ گذار کر اپنی جدائی کے زخموں پر مرہم رکھا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جس محلہ میں میں نے پانچ روز گذارے وہ سپاہ صحابہؓ کا گڑھ تھا لیکن کانوں کان کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ ہمارے محلہ ہی میں ہمارا لیڈر اپنے بچوں کے ہمراہ موجود ہے۔

اپنے آبائی گاؤں میں اعزہ واقرباء سے ملاقات

کمالیہ میں بچوں کے ساتھ وقت گذار کر اب ارادہ کیا کہ آبائی گاؤں میں جا کر اپنی ہمشیرگان اور رشتہ داروں سے ملاقات کی جائے کیونکہ میری روپوشی کے باعث نہ صرف گاؤں میں رہائش پذیر برادر مکرم مولانا محمد عالم طارق کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تھی بلکہ ہمارے گھروں پر پولیس کے چھاپے پڑتے رہے اور رشتہ داروں کو ہراساں کیا گیا۔

(اس وقت بھی صورت حال یہ ہے کہ مولانا عالم طارق صاحب اور ان کے بچے

عرصہ ڈیڑھ سال سے گھر سے بے گھر ہیں اور روپوشی کی زندگی گذار رہے ہیں کیونکہ مولانا عالم طارق کو گرفتار کر کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنا کر حکومت مجھ سے مزید انتقام لینے کی خواہش مند ہے۔ لیکن میرا ایمان ہے کہ اب اللہ کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آنے والی ہے۔)

چنانچہ مغرب کے بعد کمالیہ سے چل کر راستہ میں دو پولیس چوکیوں کو عبور کرتے ہوئے عشاء کے بعد بچوں سمیت گاؤں پہنچ گیا۔ اور اپنے تایا زاد بھائی محمد صدیق کے گھر میں قیام کر کے تمام رشتہ داروں کو وہاں بلوالیا۔ رات دیر تک خاندان کے افراد سے باتیں ہوتی رہیں اور انہیں اطمینان دلایا کہ انشاء اللہ العزیز ہماری حق و صداقت کی جدوجہد جاری رہے گی اور میں جلد ہی روپوشی ختم کرنے کا اعلان کر کے اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات حاصل کرلونگا۔

آبائی گاؤں سے بذریعہ بس جہانیاں کا دوبارہ سفر

باتوں ہی باتوں میں جب رات کا کافی حصہ بیت گیا تو میں نے یہ مناسب سمجھا کہ اب اس گاؤں سے نکلوں کیونکہ گاؤں میں بھی ہر طرح کے موافق و مخالف لوگ ہیں اور ممکن ہے صبح خاندان کے بچے یہ بات کسی غیر کے سامنے کر بیٹھیں۔ میں نے فوراً نامعلوم منزل کی طرف سفر کرنے کا فیصلہ سنا کر تمام اعزہ کو ایک لمحہ کے لئے حیران کر دیا لیکن وہ جانتے تھے کہ میں جو کہہ رہا ہوں اس میں بہتری ہے۔ چنانچہ عزیزم رانا غلام مصطفٰی کی سوزوکی کار پر سوار ہو کر چیچہ وطنی شہر سے ہوتے ہوئے ملتان روڈ پر اقبال نگر تک سفر کیا اور پھر وہاں سے بس میں سوار ہو گیا۔ میرے بار بار روکنے کے باوجود بس میں میرے ہمراہ عزیزم محبوب احمد بھی سوار ہو گیا کہ میں آپ کو آپ کی منزل تک چھوڑ کر واپس پلٹوں گا۔ مگر اپنی منزل کا پتہ کسی کو بتانا میرے اصول کے خلاف تھا۔ میں نے اسے سمجھا بجھا کر خانیوال میں اتار دیا اور خود اسی بس پر سوار رہا اور جہانیاں کے اڈہ پر اتر کر موٹر رکشہ کے ذریعے مولانا وجیہ الرحمٰن کے

گھر اس وقت پہنچ گیا۔ جب وہ نماز فجر کے بعد درس قرآن سے فارغ ہو کر مسجد کے متصل اپنے گھر میں پہنچے ہی تھے۔ میرے اچانک تن تنہا اس طرح بس کے ذریعہ سفر کر کے پہنچ جانے پر وہ بار بار حیرت زدہ انداز میں کہہ رہے تھے کہ "ہمیں یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ ایسا بھی کر سکتے ہیں" میں نے کہا اب آپ کے سامنے ہوں لہٰذا یقین تو کرنا ہی ہو گا۔

جہانیاں میں سیر و تفریح اور سپیکر قومی اسمبلی کی تقریب میں شرکت

جہانیاں میں مولانا وجیہ الرحمٰن اور ان کے چھوٹے برادران نے جس طرح میری خدمت کی میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا ہوں۔ ہم لوگ اکثر مغرب کے بعد موٹر سائیکلوں پر باہر دیہاتوں کی طرف نکل جاتے۔ نہر کے کنارے کنارے سیر و تفریح کرتے رہتے اور کئی کئی میل تک جا کر واپس آتے۔ ایک روز معلوم ہوا کہ جہانیاں کے بلدیہ گراؤنڈ میں والی بال کا ٹورنامنٹ ہے۔ جس کے مہمان خصوصی سپیکر قومی اسمبلی سید یوسف رضا گیلانی ہیں۔ میں نے سوچا کہ آج سپیکر سے مل لیا جائے۔ چنانچہ ہم لوگ سر شام اس ٹورنامنٹ میں جا پہنچے۔ لیکن کافی دیر تک کھیل دیکھنے کے بعد محسوس کیا کہ موجودہ صورت حال میں ملاقات کرنا نقصان دہ ہو سکتا ہے تو ہم واپس آ گئے۔ یہ ایام عید الاضحیٰ کی چھٹیوں کے تھے۔ اس لئے مولانا وجیہ الرحمٰن کے عظیم مدرسہ جامعہ رحمانیہ میں سارا سارا دن مطالعہ کرنے بیڈمنٹن کھیلنے اور آرام کرنے میں گذر جاتا۔

ایک عاشق صادق کے گھر میں شب بسری اور میزبان کی بے خبری

شہر کی فضاء میں رہتے رہتے کچھ گھٹن سی محسوس ہونے لگی تو میں نے مولانا وجیہ الرحمان کو کہا کہ کہیں کھلے ماحول میں دور کسی گاؤں میں چلنا چاہیے تاکہ پر فضا مقام پر کچھ وقت گذارا جا سکے۔ انہوں نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا ٹھیک ہے۔ میں آپ کو آپ

کے ایک عاشق صادق کے گاؤں میں لیئے چلتا ہوں۔ چنانچہ صبح ہی کے وقت ایک ساتھی کے ذریعے اس نوجوان کے پاس پیغام بھیج دیا کہ شام کو آپ کے پاس مولانا وجیہ الرحمن کے ہمراہ کچھ علماء آئیں گے۔ ادھر عصر کے بعد موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر دو کوٹہ کے بس اڈہ سے ہوتے ہوئے قریباً تیس کلومیٹر کا سفر کر کے عشاء کے وقت ہم اس نوجوان کے ڈیرہ پر پہنچے تو نماز عشاء پڑھ کر کھانا کھایا اور مکانوں کی چھت پر ٹھنڈی ٹھنڈی رات میں آرام کرنے کے لئے چارپائیوں پر دراز ہو گئے۔ میرا تعارف وہاں پر صوابی کے مولانا عبداللہ کے نام سے کرایا گیا تھا۔ اب ادھر میزبان نوجوان کی حالت یہ ہے کہ وہ بار بار سوال کرتا ہے کہ مجھے مولانا اعظم طارق کے بارے میں بتائیں کہ ان کا کیا حال ہے؟ وہ آج کل کہاں ہیں؟

ہم نے اس سے پوچھا کہ تو نے مولانا اعظم طارق کو دیکھا ہے تو اس نے کہا ہاں میں نے تین چار جلسوں میں دور کھڑے ہو کر ان کی تقریر سنی ہے اور مجھے ان کی تقریر کا وہ سٹائل بہت پسند ہے جب وہ ایک پاؤں کرسی پر رکھ کر پرجوش تقریر کرتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ اپنی ران پر مارتے ہیں۔ غرضیکہ وہ نوجوان طرح طرح کے حوالوں سے اپنی عقیدت کا بے ساختہ اظہار کر رہا تھا ہم گنگ ہونے کے باوجود اسے بتا نہیں سکتے تھے کہ تمہارا محبوب تمہارے پاس ہی تو ہے۔

جہانیاں منڈی سے ٹوبہ ٹیک سنگھ منتقلی

جہانیاں میں روپوشی کا وقت بہت خوب رہا۔ سیر و تفریح کے علاوہ پرامن شہر کے اچھے ماحول میں وقت گزر رہا تھا کہ ایک روز معلوم ہوا کہ جہانیاں شہر کے تمام ٹیلی فون ڈیجیٹل سسٹم سے منسلک ہو رہے ہیں۔ یہ خبر شہر کے لوگوں کے لئے خوشی کا باعث تھی مگر مجھے اس خبر کے باعث شہر چھوڑنا پڑا کیونکہ ڈیجیٹل سسٹم ٹیلی فون کا روپوشی کی حالت میں استعمال "آ بیل مجھے مار" کے مترادف ہے۔ مجھے ہر وقت حضرت قائد محترم فاروقی اور مولانا ضیاء

القاسمی صاحب، حکام بالا اور جماعت کے اہم عہدیداران و اخبارات سے رابطہ کرنا ہوتا تھا۔ اس سسٹم کو استعمال کرتے ہی میری گرفتاری کا راستہ ہموار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ کافی سوچ بچار کے بعد ٹوبہ ٹیک سنگھ میں رہائش رکھنے کا پروگرام بنا اور یہاں پر مولانا محمد اویس صاحب جیسے مجاہد اور مخلص ساتھی کافی عرصہ سے میری انتظار میں تھے۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق جہانیاں سے کار پر سرشام ہی سفر شروع کر کے رات دس بجے ٹوبہ پہنچ گئے۔ جہاں مولانا اویس صاحب شہر سے باہر انتظار کر رہے تھے اور ان کی معیت میں ایک مخلص ساتھی کی رہائش گاہ پر جا پہنچے۔ یہاں ہمیں ٹیلیفون کی سہولت بھی حاصل تھی اور جھنگ کے پڑوس کے باعث خیر خیریت معلوم کرنے میں بھی آسانی تھی۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں قیام کے دوران مصروفیات

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں قیام کے دنوں میں ہی کمالیہ کی جامعہ مسجد فاروقیہ میں منعقدہ عظیم الشان کانفرنس اور کبیروالہ میں 19 جون کو شہداء لیہ کانفرنس کے علاوہ فیصل آباد میں منعقدہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکاء سے فون پر خطاب کا موقع ملا۔ یہاں ٹوبہ میں فجر سے قبل میں اور راشد صبح کی سیر کے لئے باہر کھیتوں میں نکل جاتے اور رات کو مکان کی چھت پر آرام کرتے۔ سارا دن مطالعہ یا اخبارات کے لئے خبریں فیکس کرنے یا قائد محترم حضرت فاروقی سے بات چیت کرنے میں گذر جاتا۔ یہ ایک حیرت کی بات تھی کہ ابھی تک حضرت فاروقی و مولانا ضیاء القاسمی صاحب اور جماعت کے کسی ذمہ دار کو یہ علم تک نہ تھا کہ میں پنجاب ہی میں ہوں بلکہ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ میں افغانستان کے کسی سرحدی مقام پر ہوں اور جھنگ کے S.S.P پولیس و پنجاب کے اعلیٰ حکام بھی اسی گمان میں مبتلا تھے۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ جس شہر میں جس ایک ساتھی کا مہمان بنوں میرا علم اس

کے سوا کسی دوسرے کو نہ ہونا چاہیے خواہ اس شہر میں سپاہ صحابہؓ کا کتنا ہی بڑا لیڈر کیوں نہ رہائش پذیر ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جہانیاں میں رہائش کے باوجود سپاہ صحابہؓ کے اہم راہنما ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں تک کو لاعلم رکھا گیا۔

ٹوبہ سے فیصل آباد تک موٹر سائیکل پر سفر کے دوران پولیس سے آمنا سامنا، اور ایک شخص کا پہچان کر سلام کرنا

ٹوبہ میں رہائش کے دنوں میں ہی معلوم ہوا کہ کراچی سے بڑے بھائی مولانا محمد احمد مدنی اور ان کی اہلیہ فیصل آباد آئے ہوئے ہیں اور وہ ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ٹوبہ سے اپنے میزبان کے ہمراہ فیصل آباد کے قریب گاؤں چک 89 رتن میں موٹر سائیکل پر جانے کا پروگرام بنا لیا۔ صبح آٹھ بجے ابھی ہم فیصل آباد روڈ پر شہر سے چار پانچ کلومیٹر دور پٹرول پمپ پر پہنچ کر رکے ہی تھے کہ پولیس کی ایک گاڑی وہاں آدھمکی۔ میں نے پولیس والوں کو مخاطب کرکے کہا "چودھریو! کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خیریت ہے۔ اس اثناء میں ایک شخص میرے قریب آتے ہی کہنے لگا حضرت کیا حال ہے؟ آج کل آپ کہاں ہوتے ہیں؟ اب پولیس کی موجودگی میں اس کا سوال سن کر میں ایک لمحہ پریشان تو ہوا لیکن فوراً ہی میں نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں آج کل ساتھ والے گاؤں میں ہوتا ہوں۔ اس نے اگلا سوال داغ دیا کہ مولانا اویس صاحب کو آپ کا علم نہیں ہے۔ میں انہیں بتا دوں؟ تو میں نے کہا انہیں علم ہے بلکہ انہوں نے ہی تو وہاں رکھوایا ہے۔ یوں ہم یہاں سے بال بال سلامت رہ کر اگلے سفر پر روانہ ہوئے۔ چک 89 رتن میں دو دن قیام کے بعد پھر بذریعہ موٹر سائیکل واپس ٹوبہ آگئے۔

وقت تحریر صبح 9 بجے 6 جولائی 98ء 11 ربیع الاول ۱۴۱۹ھ پیر

وزیر اعظم پر حکومت پنجاب کے آڈروں سے پولیس افسران معطل

22 فروری 95ء کی شب چونکہ D.S.P سٹی لیاقت بودلہ اور اسسٹنٹ کمشنر باجوہ صاحب میرے گھر پہنچ کر مجھ سے ملاقات کر کے گرفتاری کا آڈر سنا چکے تھے اور مجھے قائل کر رہے تھے کہ میں گرفتاری پیش کروں۔ اس بات چیت کے دوران آدھا گھنٹہ صرف ہو گیا اور ماتحت اہلکاران نے بالا افسران کو اور انکی وساطت سے صوبائی و مرکزی حکومت تک اطلاعات پہنچا دیں کہ مولانا کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور اپریشن مڈنائٹ کامیاب ہو گیا ہے۔ لیکن جیسے ہی میں نے روپوشی اختیار کر لی تو افسران اور ان کے حکام بالا کے ہوش اڑ گئے کہ یہ کیا ہو گیا؟ وزیر اعظم بے نظیر صاحبہ نے برملا طور پر آپے سے باہر ہوتے ہوئے اسے جھنگ کے افسران کی ملی بھگت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے صوبائی حکومت کو ہدایت کی کہ وہ فی الفور دونوں افسران کو معطل کر کے ان کے خلاف انکوائری شروع کرے۔

اس راز سے اس وقت پردہ اٹھا جب D.S.P لیاقت بودلہ کی بحالی کی سفارش کے لئے کبیر والہ کے ایم۔ این۔ اے سردار اقبال ہراج نے خود بے نظیر سے ملاقات کی۔ کئی ماہ کے بعد بھی محترمہ کا غصہ نہیں اتر رہا تھا۔

جھنگ پولیس کا تشدد

میری گرفتاری میں ناکام ہو کر جھنگ پولیس نے اندھا دھند گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور سٹی باڈی کے جنرل سیکرٹری عبدالحفیظ شاہ، مولانا محمد الیاس بالاکوٹی، جھنگ ضلع کے صدر مولانا عبدالغفور صاحب اور کئی بچوں تک کو گرفتار کر لیا، پھر بھی اسے

اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ آخر میری گاڑی کے ڈرائیور محمد حنیف کے گھر چھاپہ مار کر اس کی بوڑھی والدہ کو گھسیٹتے ہوئے تھانہ لے آئے۔ جس پر محمد حنیف نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا اور میرے سیکرٹری محمد یوسف فاروقی کو گرفتار کر لیا۔ ان دونوں پر کئی روز تک بھیانک تشدد کیا جاتا رہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مولانا کہاں روپوش ہیں۔ ہمیں فوراً مولانا گرفتار کراؤ ورنہ ہم تمہارا حلیہ بگاڑ دیں گے۔

اسی طرح روپوشی کی شب اولاً جس گھر میں پہنچا اس گھر کے "رانا برادران" کو گرفتار کر کے بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ راؤ لیاقت جو وہاں سے مجھے موٹر سائیکل پر لے کر دوسری جگہ چھوڑنے گئے تھے۔ ان کے گھر پر چھاپہ مارا گیا۔ آخر یہ دونوں "راؤ برادران" اپنے بچوں سمیت جھنگ چھوڑ کر دوسرے شہروں میں منتقل ہو گئے۔ نامعلوم اس ملک میں کب تک پولیس گردی کا یہ کھیل کھیلا جاتا رہے گا، بے گناہ معصوم لوگوں کی عزت و آبرو ریاستی بھیڑیوں کی درندگی کا شکار ہوتی رہے گی۔

چوہدری سلطان محمود سے ملاقات اور ان کا مشورہ

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں رہائش کے دوران میں ایک روز محمد حنیف سے فون پر بات ہوئی تو اس نے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور بتایا کہ چوہدری سلطان محمود صاحب (سابق چیئرمین بلدیہ جھنگ) بھی ملاقات کے خواہشمند ہیں۔ میں نے انہیں شام مغرب کا وقت ملاقات کے لئے دیا اور ملاقات کی جگہ ٹوبہ سے رجانہ کی طرف جاتے ہوئے پل ناگرہ سے مشرقی سمت دو کلومیٹر کے فاصلہ پر (جہاں بڑی نہر سے دو نہریں تقسیم ہوتی ہیں) طے کی۔ ادھر یہ حضرات جھنگ سے چلے ادھر میں اور میزبان ساتھی دیہاتوں سے ہوتے ہوئے موٹر سائیکل کے ذریعہ وہاں پہنچے۔ وہاں گھاس پر کپڑا بچھا کر کافی دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ چوہدری صاحب کا موقف تھا کہ ہمیں دینی سیاسی لیڈران سے رابطہ کر کے

انہیں سفارشی بنا کر حکومت سے صلح کر لینی چاہیے۔ میرا موقف یہ تھا کہ ہم جو بھی قدم اٹھائیں گے اپنی جماعتی حیثیت سے فیصلہ کر کے اٹھائیں گے۔ ہمیں کسی کا دست نگر نہیں بننا چاہیے۔ کیونکہ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ ہونے والے ظلم پر ہمیشہ دل میں خوشی اور زبان سے خاموشی کے ذریعے حکومت کے سامنے اس ظلم کی تائید کا انداز اپنا رکھا ہے۔ ہمیں ان سے کوئی نیک توقع نہیں رکھنا چاہیے۔

قائد سپاہ صحابہؓ کا روپوشی کی پالیسی سے اختلاف اور بعد ازاں تائید

جس دن میں نے روپوشی اختیار کی تھی اسی دن کو لندن میں قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی پر قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا اور وہ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ میری روپوشی کی خبر سے انہیں اور زیادہ دکھ ہوا چنانچہ جب میں نے روپوشی کے تیسرے روز سمندری میں ان کے گھر رابطہ کیا تو مجھے پیغام ملا کہ حضرت نے روپوشی کو پسند نہیں کیا ہے بلکہ فرمایا ہے کہ گرفتاری دے دینا چاہیے تھی۔ میں نے یہ پیغام سن کر جواب دیا کہ میری طرف سے حضرت کو عرض کر دیں کہ چونکہ آپ چند روز قبل ہی ملک سے باہر جماعتی دورے پر چلے گئے تھے اور میں نے اخبارات اور قومی اسمبلی میں گرفتاری کی مزاحمت کرنے کی پالیسی بیان کی تھی۔ اس لئے گرفتاری نہ دی۔ تاکہ جماعت کا کام پس پردہ رہ کر چلایا جائے۔ اب آپ کی اجازت ہو تو میں عیدالفطر کے موقعہ پر نماز عید کے بعد گرفتاری پیش کر دیتا ہوں۔

اس کے جواب میں اگلے روز قائد محترم کا پیغام مل گیا کہ اب میری وطن واپسی کا انتظار کریں اور گرفتاری نہ دیں۔

ملی یکجہتی کونسل کے قیام کا سبب

روپوشی کے ایام میں چونکہ اخبارات ہی ایک ذریعہ تھے کہ جس کی وساطت سے

میرا مئوقف حامی و مخالف حکمران و عوام کے سامنے آ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے حکومت کی طرف سے 22 فروری 95ء کو صوبہ بھر میں سپاہ صحابہؓ کے خلاف خصوصاً اور چند شیعہ لیڈروں کے خلاف عموماً گرفتاریوں کے اپریشن کو بلاجواز اور غیر ضروری قرار دیتے ہوئے بیان دیا کہ حکومت فرقہ وارانہ کشیدگی کی آڑ میں انتقامی کاروائیوں میں معروف ہے۔ جبکہ سپاہ صحابہؓ فرقہ واریت پر یقین نہیں رکھتی ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں جو طبقہ اور گروہ اسلام کی مقدس شخصیات کی توہین و تضحیک اور بنیادی ارکان اسلام کا انکار کر کے مسلمانوں میں اشتعال انگیزی پیدا کرنے اور ان کے جذبات مجروح کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ اس کو پابند کیا جائے کہ وہ اس گھناؤنے کھیل سے باز آئے۔

چنانچہ میں اپنی طرف سے ملک کے تین نامور دینی سیاسی اور عسکری حلقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ثالث تجویز کرتا ہوں کہ وہ ہمارا موقف بھی سنیں اور شیعہ کا موقف بھی سنیں۔ پھر فرقہ واریت کا سبب بننے والے عوامل کا خاتمہ تجویز کریں۔ ان کا ہر فیصلہ ہمیں قبول ہو گا۔ یہ تین شخصیات قاضی حسین احمد، نواب زادہ نصراللہ اور ریٹائرڈ جنرل حمید گل ہیں۔ میرے اس اخباری بیان کو تمام طبقوں میں سراہا گیا اور قاضی حسین احمد نے ثالثی قبول کرتے ہوئے کہا کہ تحریک جعفریہ کو بھی اس تجویز کو قبول کر لینا چاہیے۔ لیکن تحریک جعفریہ کے لیڈر ساجد نقوی نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ جس کے باعث ان کی ملکی سطح پر مذمت کی گئی۔ چنانچہ قاضی حسین احمد نے اس مقصد کے لئے مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقات کی۔ پھر مولانا سمیع الحق صاحب خود متحرک ہو گئے اور انہوں نے تمام دینی و مذہبی جماعتوں کے سربراہان کا ایک اجلاس اسلام آباد میں طلب کر لیا۔ اب اجلاس میں تحریک جعفریہ اور سپاہ صحابہؓ کو بھی مدعو کیا گیا۔ سپاہ صحابہؓ کی طرف سے مولانا علی شیر حیدری صاحب، مولانا ضیاء القاسمی صاحب، محمد یوسف مجاہد، شیخ محمد اشفاق صاحب سمیت کئی مرکزی راہنما اسلام آباد پہنچ گئے۔ میرا بیر محل سے ٹیلی فون ان سے رابطہ ہوا، میں نے ان

حضرات کو اپنی تجاویز نوٹ کرائیں کہ وہ دینی و مذہبی جماعتوں کے اجلاس کو ثالثی کمیٹی قائم کر کے شیعہ سنی فسادات کا باعث بننے والی وجوہات کے سدباب کے لئے تیار کریں۔ چنانچہ اس اجلاس میں مولانا ضیاء القاسمی صاحب کی درد بھری تقریر نے سپاہ صحابہؓ کے موقف کو اجاگر کیا۔ ادھر حکومت وقت نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے تحت اس اجلاس کو بہت اہمیت دی اور سرکاری ذرائع ابلاغ سے اس کی خوب تشہیر کی، حالانکہ بے نظیر کی دین دشمنی اور مدارس کی عربیہ سے بغض و کینہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ چنانچہ اس اجلاس میں اہل سنت کے تمام مکاتب فکر اور شیعہ کی بھرپور نمائندگی ہوئی اور اجلاس کے آخر میں تمام جماعتوں نے اسے "ملی یکجہتی کونسل" کا نام دے کر اس کے مقاصد میں اس قدر توسیع پیدا کر دی کہ یہ ایک نیا سیاسی محاذ بن کر سامنے آ گئی۔

قائد سپاہ صحابہ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی ملک سے باہر تھے۔ تقریباً ایک ماہ بعد وہ بھی پہنچ گئے اور اس کونسل کے اجلاس میں شریک ہو کر اسے اصل مقصد یعنی "شیعہ سنی فسادات کے خاتمہ" کی طرف لانے کی کوششیں کرتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں ایک ذیلی کمیٹی تشکیل پائی جو دونوں اطراف کے موقف کو سن کر فیصلہ کرے گی لیکن "کونسل" کی لیڈر شپ اسے سیاسی مفادات کے لئے استعمال کرنے کی راہ پر گامزن ہو گئی۔ ہم اس پر احتجاج کرتے رہے کہ آپ اصل مقصد سے ہٹ رہے ہیں۔ ادھر دوبارہ 20 نومبر کو سپاہ صحابہؓ کے قائد علامہ فاروقی اور مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ کونسل کا رویہ ہماری سراسر ناجائز اور یکطرفہ گرفتاری پر بھی خاموش تماشائی کا رہا۔ اور سیاسی میدان میں زور آزمائی کا شوق بڑھتا رہا۔ جس کے نتیجے میں ہم نے اس "کونسل" سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ سپاہ صحابہؓ کے الگ ہوتے ہی اس کونسل سے جمعیت علماء پاکستان نیازی گروپ اور جمعیت اہلحدیث ساجد میر گروپ بھی یہ کہتے ہوئے الگ ہو گئے کہ کونسل اپنے اصل مقصد سے ہٹ گئی ہے۔

"کونسل" کے بکھرتے ہوئے شیرازہ نے بعض دینی و مذہبی سیاسی راہنماؤں کے

ارمانوں پر پانی ڈال دیا۔ تو وہ راہنما پھر جیلوں میں ہم سے ملاقاتیں کرنے کے لئے اور منانے کے لئے آنے لگے۔ چنانچہ ایسی ہی ایک ملاقات قاضی حسین احمد صاحب نے لیاقت بلوچ صاحب کے ہمراہ کوٹ لکھپت جیل میں ہمارے ساتھ کی)۔ ہم نے انہیں بتایا کہ "کونسل" کے قیام کا مقصد تو فرقہ وارانہ فسادات کے اسباب کا خاتمہ تھا۔ آپ نے اسے ایک سیاسی پلیٹ فارم بنا دیا تو فرمانے لگے کہ اس میں حرج والی بات کیا ہے کہ دینی و مذہبی جماعتیں مل کر ملک وملت کے لئے کام کریں۔ ہم نے کہا کہ ہم شیعہ کو جب مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتے ہیں تو ان کے ساتھ سیاسی یا مذہبی اتحاد کیسے کر سکتے ہیں۔ اس پر قاضی حسین احمد صاحب سخت غصہ میں آگئے اور فرمانے لگے کہ "ملی کونسل" میں سب مسلمان شریک ہیں۔ میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا اگر آپ اب تک اندھیرے میں ہیں تو پھر آپ کو جان لینا چاہیے کہ ہم قادیانیوں سے بھی سو گنہ بڑا کافر شیعہ کو سمجھتے ہیں۔ یوں قاضی حسین احمد صاحب جس مقصد کے لئے آئے تھے وہ اسے ادھورا چھوڑ کر تشریف لے گئے اور کئی مواقع پر انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ مولانا اعظم طارق کا موقف بہت سخت ہے اور لہجہ بھی پر تشدد ہے۔ میں نے جواب بھجوایا کہ میں آپ سے روا رکھے جانے والے اپنے لہجہ پر تو ضرور غور کر سکتا ہوں۔ لیکن شیعہ کے بارہ میں ہمارا موقف تبدیل نہیں ہو سکتا ہے۔

ملی یکجہتی کونسل کیا کھویا کیا پایا

ملی یکجہتی کونسل کے قیام کے اسباب و وجوہات کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد میں اس بات کو دیانتاً بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس کونسل سے کیا ملا ہے اور ہم نے کیا کھویا ہے۔ اس کونسل کے قیام کے بعد کونسل میں جو متفقہ طور پر تمام لیڈران کے دستخطوں سے "ضابطہ اخلاق" مرتب ہوا ہے اس میں سپاہ صحابہؓ کے موقف کو فتح حاصل

ہوئی ہے کہ اس میں یہ بات تسلیم کی گئی کہ خلفاء راشدین کی توہین کا ارتکاب کفر ہے۔

لیکن کونسل کی طرف سے ملک میں سیاسی طور پر مختلف مقامات پر قوت کا اظہار کیا گیا اور پھر مشترکہ جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے۔ اس سے سپاہ صحابہؓ کے اس طرز عمل اور سخت موقف کو نقصان پہنچا ہے۔ جو شیعہ کے خلاف نفرت کے عنوان سے سپاہ صحابہؓ کی شناخت تھا۔

اب جبکہ سپاہ صحابہؓ نے اس کونسل سے اعلان لاتعلقی کر کے اپنے مشن و موقف پر گامزن رہتے ہوئے پھر سے قید و قفس اور تشدد و بربریت کا کٹھن راستہ تن تنہا اختیار کر کے دکھوں، مصیبتوں، ٹارچر سیلوں کا سامنا کیا ہے تو بہت حد تک اس نقصان کی تلافی ہو چکی ہے۔ دوسری طرف خود "ملی یکجہتی کونسل" بھی ایک مردہ گھوڑا اور چلا ہوا کارتوس بن کر قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ ورنہ اگر سپاہ صحابہؓ اس سے بروقت اپنا راستہ الگ نہ کرتی تو 1997ء فروری کے الیکشن میں یہ "کونسل ایک موثر سیاسی قوت کی شکل میں سامنے آ کر آج اسمبلیوں کے اندر اور باہر اپنا وجود تسلیم کرا چکی ہوتی۔

ملی یکجہتی کونسل اور بے نظیر حکومت

ملی یکجہتی کونسل کی تشکیل کے وقت میں روپوش تھا اور پھر پشاور کی گرفتاری اور دوبارہ گرفتاری کے واقعات پیش آ گئے۔ اس لئے میں کونسل کے ایک اجلاس میں بھی شرکت نہیں کر سکا۔ ورنہ اس کونسل کے اجلاس میں ضرور اس کی اصل غرض و غایت اور بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالتا۔ پشاور سے رہائی کے بعد جب پنجاب میں وٹو حکومت کے خاتمہ کے بعد نکئی صاحب بلامقابلہ وزیر اعلیٰ بن کر سامنے آئے اور سپاہ صحابہؓ نے صوبائی سطح پر وزارت حاصل کر کے حکومت کا حصہ بننا قبول کر لیا تو انہی دنوں میں ایک روز سابق مسلم لیگی راہنما اور سابق ڈپٹی سپیکر نواز کھوکھر مجھے ہمراہ لے کر آصف زرداری کے

پاس چلے گئے اور مجھے بتایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملی یکجہتی کونسل کے آپ جنرل سیکرٹری بن جائیں اور قاضی حسین احمد صاحب اس کے سربراہ بن جائیں۔ سرکاری ذرائع ابلاغ سے ہم اس کونسل کو خوب متعارف کرائیں گے۔ اس موقع پر آئی بی پنجاب کے ڈائریکٹر طارق ودمی بھی موجود تھے۔ اس واقعہ کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ بے نظیر حکومت نواز شریف کے ووٹ توڑنے کے لئے کسی دینی سیاسی اتحاد کی شدید خواہش مند ہے۔ چونکہ اس خواہش کے مطابق نہ صرف کونسل کو آگے بڑھایا نہیں جا رہا ہے بلکہ کونسل سے سپاہ صحابہؓ کی علیحدگی کی صورت میں کونسل کی موت کا یقین ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب قاضی صاحب کی فعال قیادت اور سپاہ صحابہؓ کی متحرک قوت کو آگے لا... ... ام ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب ہر قیمت پر اس کونسل کا وجود ہمارے لئے نا قابل برداشت ہو گا۔

چنانچہ 20 نومبر کو سپاہ صحابہؓ کی قیادت کی گرفتاری کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ ملی یکجہتی کونسل کی ذمہ داریاں قبول کیوں نہیں کی گئیں۔

روپوشی کے ایام میں ٹوبہ ٹیک سنگھ سے گوجرانوالہ کا سفر

گوجرانوالہ میں ایک اہلحدیث نوجوان شیخ محمد عرفان سے تین چار سال پرانا ذاتی دوستی کا تعلق ہے۔ موصوف میری تقاریر کی کیسٹیں سن کر پھر میری تلاش میں گھر سے نکلے اور جھنگ آ پہنچے۔ اس طرح یہ تعلق بڑھتا رہا۔ اکتوبر 96ء میں میرے ہمراہ عمرہ کا سفر بھی کیا۔ چنانچہ روپوشی کے ایام میں ان کا جھنگ میں بار بار پیغام آ رہا تھا کہ میں ان سے رابطہ کروں۔ جب فون پر رابطہ کیا تو انہوں نے اصرار کیا کہ روپوشی کے ان ایام سے انہیں ضرور حصہ دیا جائے۔ کیونکہ یہ وہ دن ہیں کہ وہ جی بھر کر میزبانی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ٹوبہ سے انہیں فون کیا کہ وہ رات دو بجے فلاں مقام پر پہنچ جائیں۔ چنانچہ میں خود اور راشد س کے ہمراہ گوجرانوالہ روانہ ہو گئے۔ جہاں قریباً ایک ہفتہ عرفان صاحب کے پاس قیام

کیا۔ اس عرصہ میں روزانہ نہر کے کنارے پر سیر و تفریح کا مشغلہ اور شہر کے نواحی علاقوں میں گھومنے پھرنے کا سلسلہ جاری رہا اور ایکسرسائز بھی ہوتی رہی۔ ان دنوں شیخ عرفان صاحب کے پاس گھر میں صرف ایک ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ ادھر سخت گرمی کے ایام جون کا دوسرا عشرہ جاری تھا۔ تو تقسیم کار اس طرح ہوئی کہ رات کو اے۔ سی والا کمرہ وہ اور ان کے بچے استعمال کرتے اور دن کو ہمارے استعمال کی باری آتی۔

گوجرانوالہ ہی سے فاروق اعظم سیکرٹریٹ لاہور میں منعقدہ جلسہ اور حضرو جہلم کے تربیتی پروگرام میں کارکنوں کے اجلاس سے فون پر خطاب کیا۔

یہیں پر یہ فیصلہ ہوا کہ اب گرفتاری پیش کر دینی چاہیے۔ شیخ عرفان صاحب کی میزبانی کے بعد گرفتاری کے اتفاقات کی ایک عجیب داستان ہے۔ آگے کسی مرحلہ پر بیان کروں گا۔ شیخ عرفان صاحب کی خدمت اور کھانے پینے میں ان کا پہلوانی ذوق اور میری ذات سے ان کی دیوانہ وار محبت مثالی ہے۔ اس محبت کا انہیں مزہ بھی چکھنا پڑا جس کا ذکر آگے کسی مقام پر ہوگا۔

مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس اور روپوشی ختم کرنے کا فیصلہ

ٹوبہ ٹیک سنگھ ہی سے مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصل آباد میں منعقدہ اجلاس میں فون پر اپنی تجاویز دے چکا تھا اور اس رائے کا اظہار کر چکا تھا کہ اب روپوشی ختم کر کے منظر عام پر آجانے کے بارے میں آپ حضرات اگر کوئی صورت طے کرلیں تو بڑی خوشی ہوگی۔ چنانچہ مجلس شوریٰ کی طرف سے ایک رابطہ کمیٹی قائد محترم حضرت فاروقی صاحب اور مولانا ضیاء القاسمی صاحب کی سرپرستی میں بنادی گئی جس نے حکمران طبقہ سے بالواسطہ رابطہ قائم کر کے روپوشی کے خاتمہ کی بہتر صورت نکالنی تھی۔ چنانچہ ان حضرات نے کئی سیاستدانوں اور مذہبی جماعتوں کے زعماء و ہم خیال ممبران اسمبلی سے رابطہ کر کے بات

حکمرانوں تک پہنچائی اور پنجاب حکومت کے سربراہ میاں منظور احمد وٹو اور گورنر پنجاب سے بھی ملاقاتیں کیں۔ لیکن ہر طرف سے یہ بات سامنے آئی کہ وزیر اعظم پاکستان بے نظیر بھٹو صاحبہ ہر صورت میں گرفتاری پر بضد ہیں اور وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر صاحب بھی نرمی کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ادھر پنجاب کے ہوم سیکرٹری و چیف سیکرٹری حضرات ایک سال قبل کے ناخوش گوار واقعہ میں اپنی ہونے والی بے عزتی کا بدلہ لینے پر بہر صورت تلے ہوئے تھے۔ کافی رابطوں کے بعد بالآخر حکومت اس بات پر آمادہ ہو گئی کہ مولانا روپوشی ختم کر کے گرفتاری دے دیں۔ ہم تفتیش کریں گے اگر وہ بے گناہ ہوئے تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔

حکومت کی طرف سے بیگناہی کی صوت میں رہاء کرنے کی موہوم سی یقین دہانی کے بعد قائدین نے مجھے مطلع کر دیا کہ اب آپ روپوشی ختم کرنے کی صورت نکالیں۔

چنانچہ میں نے ان سے تین چار روز کی مہلت مانگی تاکہ اپنے بچوں سے مل کر انہیں تسلی دے لوں پھر گرفتاری پیش کر دوں گا۔

گوجرانوالہ سے واپسی اور اہل خانہ کے ہمراہ دو روز ٹوبہ میں قیام

گوجرانوالہ سے مولانا اویس صاحب کو فون پر روپوشی ختم کرنے کے فیصلہ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ ٹوبہ میں ایک مکان کا دو روز کے لئے بندوبست کر دیں۔ جہاں میں اہل خانہ کے ساتھ قیام کر سکوں۔ ادھر جھنگ میں بچوں کے ٹوبہ پہنچنے کا پیغام دیا اور دو روز بچوں کے ہمراہ گذار رہے۔ انہیں اطمینان دلایا کہ اب میں گرفتاری پیش کر دوں گا۔ پھر جلد ہی بے گناہ ہو کر گھر آ جاؤں گا۔ اگرچہ میں پہلے ہی چار ماہ سے روپوش تھا لیکن روزانہ گھر میں فون پر بات چیت ہو جاتی۔ بچوں کی اس سے کافی ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ اب گرفتاری کا سن کر انہیں ایک مرتبہ پھر پریشانی لاحق ہو گئی تاہم میرے سمجھانے سے کافی حد تک ان کا ذہن مطمئن ہو گیا۔

ٹوبہ سے اسلام آباد روانگی اور جہلم میں روپوشی کا خاتمہ

قائدین سپاہ صحابہؓ اور رابطہ کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق اب روپوشی ختم کرنے کا وقت آ چکا تھا۔ چنانچہ میں نے قائد سپاہ صحابہ علامہ فاروقی اور چیئرمین سپریم کونسل مولانا ضیاء القاسمی صاحب، علامہ شعیب ندیم صاحب سے طے کیا کہ میں انہیں اسلام آباد میں ملوں گا۔ لہٰذا وہ 24 جون کو اسلام آباد پہنچیں۔ ادھر میں نے رات ایک بجے جھنگ سے اپنی گاڑی کے ہمراہ محمد حنیف کو بلوا کر ٹوبہ سے راشد کی معیت میں اسلام آباد کی طرف سفر شروع کر دیا۔ صبح چھ بجے کے قریب جہلم میں حافظ خالد صاحب اندلس ہوٹل والوں کے پاس جا کر قیام کیا۔ گاڑی خفیہ جگہ کھڑی کر کے ناشتہ کر کے ہم سو گئے اور حافظ صاحب کو پابند کیا وہ صحافی حضرات کو بلوا لیں۔ نیند سے بیدار ہو کر میں نے پریس کانفرنس کی اور اپنی روپوشی کے خاتمہ اور اگلے روز قومی اسمبلی کے اجلاس میں پہنچ کر وہاں سے گرفتاری پیش کرنے کا اعلان کر دیا۔ یوں ٹھیک چار ماہ بعد 23 جون 1995ء کو روپوشی کا دور اپنے اختتام کو پہنچا۔ یہ ایک بہت بڑا کامیاب قدم تھا کہ حکومت تمام تر کوششوں اور بلند و بانگ دعووں کے باوجود میری گرفتاری میں ناکام ہو چکی تھی۔

روپوشی کے خاتمے کے اعلان پر جہلم کے سیکورٹی کے افسران معطل

24 جون کو اخبارات میں نمایاں طور پر میری روپوشی کے خاتمہ کے اعلان اور قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے بعد گرفتاری پیش کرنے کی خبروں نے حکومتی حلقوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ وفاقی وزیر داخلہ نے فی الفور جہلم کی سیکورٹی برانچ کے ضلعی افسر کو معطل کر دیا کہ مولانا اعظم طارق نے پریس کانفرنس کی اور تمہیں خبر تک نہ ہوئی۔ جہلم کی ضلعی انتظامیہ کے افسران نے حافظ خالد صاحب اور صحافیوں کو دباؤ کے ذریعہ یہ بیان دینے

پر تیار کرنے کی ہر طرح کوشش کی کہ مولانا اعظم طارق کی پریس کانفرنس کے حوالہ سے شائع شدہ خبر غلط ہے۔ لیکن یہ حضرات اس بیان کی تردید کرنے سے انکاری رہے اور صحافی حضرات نے میری پریس کانفرنس کے ریکارڈ شدہ بیان کو افسران کے سامنے پیش کر دیا اور حلفاً اس بات کا اقرار کیا کہ مولانا اعظم طارق نے ہماری موجودگی میں روپوشی ختم کرنے کا اعلان کیا تھا اور پھر اسلام آباد روانہ ہو گئے۔

قومی اسمبلی میں داخلہ بندی اور پولیس کی تعیناتی

24 جون کو میں نے قومی اسمبلی کے گیٹ کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے ایک ساتھی کو روانہ کیا تو اس نے آکر بتایا کہ پولیس کی ایک بڑی تعداد نے اسمبلی کو گھیر رکھا ہے اور اسمبلی کی طرف جانے والی گاڑیوں کی ڈگیاں تک کھول کر چیکنگ کی جارہی ہے اور ہر ممبر اسمبلی کی گاڑی میں بیٹھے افراد کو چیک کرتے ہوئے پوچھا جا رہا ہے کہ "مولانا اعظم طارق تو آپ کے ہمراہ نہیں ہیں؟" چنانچہ میں نے اس صورت حال کی خبر پاکر سپیکر قومی اسمبلی سید یوسف رضا گیلانی سے فون پر رابطہ کیا کہ وہ مجھے اسمبلی میں داخل ہو کر اجلاس میں شریک ہونے کا موقع دیں اور پولیس کا پہرہ ختم کرائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ "میں ابھی وزیر داخلہ سے بات کر کے آپ کو بتاؤں گا۔ میں نے دوبارہ فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ وزیر داخلہ جنرل نصیر اللہ بابر صاحب میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ وہ بضد ہیں کہ آپ کو اسمبلی سے باہر ہی گرفتار کیا جائے گا۔ اجلاس میں شریک ہونے نہیں دیا جائے گا۔

میں نے ان کی وساطت سے وزیر داخلہ سے کہا کہ جب میں خود گرفتاری پیش کرنے کو تیار ہوں تو آپ مجھے اسمبلی میں آنے کا موقع کیوں نہیں دیتے ہیں؟ میری صرف اتنی خواہش ہے کہ گرفتاری سے قبل اسمبلی کے اندر اور پریس کانفرنس میں اپنا موقف پیش کر سکوں اور اپنے اوپر لگائے جانے والے الزامات کی صفائی اور روپوشی کی وجوہات

بیان کردوں۔ لیکن حکومت کے لئے یہ بات کسی طور پر بھی گوارہ نہ تھی۔

ادھر قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی اور مولانا ضیاء القاسمی صاحب بھی اسلام آباد آچکے تھے۔ اور ان سے فون پر رابطہ تھا۔ یہ حضرات خود اس صورت حال سے پریشان تھے۔ کیونکہ اسلام آباد کی پولیس اور ایجنسیاں میری گرفتاری کے لئے سرگرم ہو چکی تھیں۔ یہ حضرات بعض دیگر حکومتی ذرائع اور سیاسی حضرات سے مشورہ کرتے رہے کہ اب کیا کیا جائے۔

گرفتاری کی اجازت استخارہ اور پشاور میں پریس کانفرنس کے بعد گرفتاری

ادھر قائدین سپاہ صحابہؓ کے مشورے اور ملاقاتیں جاری تھیں۔ ادھر میں نے 24 جون کی شام کو فیصلہ کیا کہ اس مرحلہ پر کسی قدم اٹھانے سے قبل استخارہ کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بہتر صورت کا طلبگار ہونا چاہیے۔ چنانچہ بعد عشاء استخارہ کی دعا پڑھ کر سو گیا تو تہجد کے وقت صاف طور پر گرفتاری دینے کا خواب میں اشارہ ہو گیا۔ اس شب میرے ہمراہ علامہ شعیب ندیم بھی تھے۔ صبح کو میں نے انہیں اور قائدین کو مطلع کر دیا کہ میں گرفتاری پیش کرنے کے لئے ذہنی طور پر بالکل تیار ہوں۔ مگر بات وہی پریس کانفرنس کی ہے۔ تاکہ گرفتاری سے قبل اپنا موقف واضح کیا جا سکے۔ ان حضرات نے بھی بخوشی اس کی اجازت دے دی اور اسلام آباد میں ہی باہم ملنے کا پروگرام طے کیا۔ دن کو دس بجے چار ماہ کے بعد میری قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی اور چیئرمین سپریم کونسل سے ملاقات ہوئی۔ پھر وہاں سے چند احباب کے ہمراہ پشاور روانہ ہو گیا اور پشاور کے جماعتی ساتھیوں کو پابند کر دیا کہ پریس کلب میں ہنگامی پریس کانفرنس کا اہتمام کریں۔ اور صحافی حضرات کو بتائیں کہ قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمان فاروقی اہم اعلان کرنے والے ہیں۔ دن دو بجے کے قریب ہم جب پریس کلب میں پہنچے تو وہاں صحافی حضرات کی ایک بڑی

تعداد مجھے اپنے درمیان دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی۔ میں نے تفصیل سے اپنا موقف ان کے سامنے پیش کیا۔ ان کے سوالات کے جوابات دیئے اور انہیں بتایا کہ میں خود آئی جی پولیس سرحد کے دفتر میں گرفتاری دینے کے لئے جارہا ہوں۔ چنانچہ صحافی حضرات کا پورا قافلہ اور فوٹو گرافر میرے ہمراہ چل پڑے اور ہم سہ پہر ساڑھے تین بجے آئی جی صاحب کے دفتر میں پہنچ گئے لیکن دفتر بند تھا۔ معلوم ہوا کہ آئی جی صاحب تو چھٹی پر ہیں۔ چنانچہ ہم ساتھ ہی ایڈیشنل آئی جی صاحب کے دفتر پہنچ گئے۔

صحافی حضرات ایڈیشنل آئی جی صاحب سے سوالات کرنے لگے کہ اب آپ کیا کریں گے تو انہوں نے کہا میں اب اچانک کیا بتا سکتا ہوں۔ میں گورنمنٹ سے بات کرتا ہوں۔ جس طرح ہدایات ملیں گی اس پر عمل ہو گا۔ آپ حضرات مولانا کو چھوڑ جائیں اب آگے ہم کوئی صورت نکالیں گے۔

سات روزہ ریمانڈ اور تفتیشی ٹیموں کی طرف سے پوچھ گچھ کا آغاز

اکثر لوگ تو مجھے چھوڑ کر واپس جا چکے تھے۔ تاہم بعض اخباری نمائندے اور سپاہ صحابہؓ پشاور کے چند عہدیداران باہر کھڑے اگلے قدم کا انتظار کر رہے تھے کہ تقریباً ایک گھنٹہ بعد ایک فلائنگ کوچ اور پولیس موبائل گاڑیاں پہنچ گئیں۔ مجھے فلائنگ کوچ میں بٹھا کر شہر کے مختلف راستوں سے گھومتے ہوئے گورنر ہاؤس کے سامنے پولیس گیسٹ ہاؤس میں لا کر اتار دیا۔ میں نے عصر کی نماز پڑھی اور پھر مغرب پڑھ کر کچھ آرام کیا کھانا کھایا عشاء کے بعد ابھی لیٹا ہی تھا کہ تفتیشی ٹیمیں پہنچ گئیں۔ بس پھر تو مسلسل ڈیڑھ ماہ تک خود بخود ہی ریمانڈ میں توسیع کرالی جاتی اور تفتیش کا سلسلہ جاری رہتا۔ مجھے ایک روز بھی کسی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا لیکن اخبارات میں ہر سات روز بعد عدالت میں پیش کر کے سات روزہ ریمانڈ لینے کی خبر شائع ہوتی رہتی۔ تین D.S.P حضرات کی سرپرستی میں الگ الگ تین

ٹیمیں ہر چھ گھنٹے بعد بدل بدل کر آتیں اور تفتیش کرتی رہتیں۔

تفتیشی ٹیموں کے اہم سوالات اور میرے جوابات

تفتیشی ٹیموں کی طرف سے اگرچہ پیدائش سے گرفتاری کے روز تک زندگی کے مکمل حالات بلکہ آباؤ اجداد، ننہال، سسرال تک کے رشتوں کی تفصیلات اور تعلیمی تدریسی، سیاسی مذہبی سرگرمیوں کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی گئیں اور سپاہ صحابہ ؓ کی بنیاد اغراض و مقاصد قائدین کی شہادت ملک میں اس وقت تک ہونے والے شیعہ سنی فسادات کے بارہ میں معلومات حتیٰ کہ گھریلو اخراجات و آمدن تک کی تفصیلات قلم بند کی گئیں اور پھر مختلف انداز میں پہلے سے دی ہوئی معلومات کے بارہ میں ہی سوالات کیے جاتے تاکہ ان بیانات کو باہم ملا کر دیکھا جائے کہ کہیں بیانات میں باہم تضاد تو نہیں ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص غلط بیانی سے کام لے رہا ہو وہ لازماً کسی نہ کسی جگہ ضرور غلطی کر جاتا ہے۔ کیونکہ جو بات بیس روز پہلے بتائی ہے ٹھیک ٹھیک وہی بات بیس تیس روز بعد بھی حرف بہ حرف اس طرح تب ہی بیان کی جا سکتی ہے۔ جب وہ حقیقت پر مبنی ہو۔ ورنہ سابقہ بات اگر غلط تھی تو اب دوبارہ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ضرور گڑبڑ ہو گی۔

یہاں پر میں اس حقیقت کو بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سرحد کی پولیس اور ایجنسیوں کے افراد میں ابھی بھی دینداری، احترام آدمیت اور دیانت کا مادہ دوسرے صوبوں کی نسبت زیادہ ہے۔ شروع شروع میں ان تفتیشی ٹیموں نے مجھے بے آرام کیا اور جگانے کے عمل سے گزارا۔ بعض ایک نے تلخ انداز بھی اختیار کیا اور کچھ P سطح کے افسران نے خوف زدہ کرنے کی بھی کوشش کی لیکن جلد ان ٹیموں کا رویہ درست ہو گیا اور وہ تسلیم کرنے لگ گئے کہ آپ کو محض سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اگر آپ آج بے نظیر کی حمایت کا اعلان کر دیں تو پھر کسی تفتیش کی ضرورت نہ ہو گی۔

لیکن پھر بھی ان تمام ٹیموں کی طرف سے مندرجہ ذیل تین سوالات پر بہت زیادہ زور دیا جاتا۔

نمبر1 جماعت کے پاس پیسہ کہاں سے آتا ہے؟

نمبر2 اسلحہ کہاں سے آتا ہے؟

نمبر3 کونسا ملک آپ کی پشت پناہی کرتا ہے؟

سپاہ صحابہؓ کو پیسہ کہاں سے آتا ہے؟اہم سوال اور اس کا جواب

میری طرف سے اس پہلے سوال کا جواب یہ تھا کہ اول تو حکومت اور مخالفین اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ انہیں سپاہ صحابہؓ کے پاس پیسہ نظر کہاں آ رہا ہے؟ کیونکہ نہ تو سپاہ صحابہؓ کے پاس کوئی عالیشان سیکرٹریٹ ہے، جس پر لاکھوں روپے لگائے گئے ہوں یا سپاہ صحابہؓ کے کسی اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے کی رقم موجود ہو یا کسی لیڈر کے اکاؤنٹ میں بھاری رقم پائی جاتی ہو تو پھر مجھ سے یہ سوال کیا جانا درست بھی معلوم ہوتا ہے کہ اتنی بڑی بھاری رقم کہاں سے آئی ہے۔

اصل صورت حال تو یہ ہے کہ سپاہ صحابہؓ کے پاس کارکنوں کے سالانہ امدادی فنڈز کی محدود رقم اور سپاہ صحابہؓ ویلفیئر ٹرسٹ کے اکاؤنٹ میں چرم قربانی اور زکوۃ و صدقات سے حاصل ہونے والی رقم بمشکل اسقدر رہوتی ہے کہ جس سے جماعت کے امور چلانے بیوگان شہداء کو وظائف جاری کرنے اور جیلوں میں ناکردہ جرموں میں بند کیے جانے والے اسیران ناموس صحابہؓ کی پیروی کا کام جس مشکل انداز سے چلایا جا رہا ہے اس کا ہمیں خوب علم ہے۔ ہمارے جماعتی اکاؤنٹ اول روز سے آج تک اور ذاتی اکاؤنٹ ہر

حکومت بار بار چیک کرا چکی ہے۔ اس میں کوئی ایک روپیہ بھی کسی مشکوک جانب سے آیا ہوا نظر آئے تو ہم سے باز پرس کی جائے۔ تفتیشی افسران کی لے دے کر تان اس بات پر آکر ٹوٹتی کہ آپ کے پاس گاڑیاں کہاں سے آئی ہیں اور پجارو و لینڈ کروزر پر بیسیوں لاکھ کہاں سے خرچ ہوئے ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا کہ ہماری پجارو اور لینڈ کروزر گاڑیاں کل دو ہیں جو دونوں جماعت کے قائدین کے پاس ہیں اور جماعت کی امانت ہیں۔ اگر کسی وقت بھی ہم سے کوئی شخص جماعت سے الگ ہو جائے یا عہدے سے برطرف ہو جائے تو یہ گاڑیاں جماعت کو واپس چلی جائیں گی تاکہ وہ دوسرے قائد کے سپرد کر دے۔ جہاں تک ان گاڑیوں کی قیمت کے بیسوں لاکھ تک ہونے کی بات ہے تو آپ کسی خریدار کو لائیں ہم دونوں گاڑیاں صرف چھ لاکھ میں دینے کو تیار ہیں۔

میری اس بات سے تفتیشی افسران حیرت زدہ ہو کر میرا منہ تکنے لگتے تو میں انہیں مسکراتے ہوئے کہتا کہ اس میں حیرت کی بات نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ ان گاڑیوں کا نام اب بھی پجارو اور لینڈ کروزر ہے لیکن آپ یہ نہیں جانتے ہیں کہ یہ کس قدر پرانی ہیں اور کس طرح ہر تیسرے روز ورکشاپ کی مہمان ہوتی ہیں۔ میں نے جو گاڑی لینڈ کروزر نائی رکھی ہوئی ہے۔ اسے چند ماہ قبل صرف ساڑھے تین لاکھ میں قسطوں پر خریدا گیا ہے۔ جس شخص کو قسطیں ادا کر رہے ہیں۔ اس کا ایڈریس آپ کو لکھوا دیتا ہوں۔ آپ خود معلوم کر لیں اور یہی صورت حال حضرت قائد کی گاڑی کی ہے۔ کہ ان کی سابقہ پجارو ادھار میں کل پونے تین لاکھ میں فروخت ہوئی ہے اور جو لینڈ کروزر ہے وہ چار لاکھ میں قسطوں پر حاصل کی ہے۔ ان دو گاڑیوں کے علاوہ ہمارا حکومت کو چیلنج ہے کہ وہ اگر کوئی قیمتی گاڑی کسی جگہ دیکھے بے شک اسے اپنے قبضہ میں لے لے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس جماعت کے کارکن پچاس روپے سالانہ فنڈز ہر صورت میں دیتے ہوں۔ اگر فنڈز دینے والے صرف پچاس ہزار بھی ہوں تو رقم

25,00000 لاکھ بنتی ہے۔ تو کیا پچیس لاکھ سے چھ سات لاکھ کی دو گاڑیاں اگر قائدین کو جماعت نہ لے دے تو کون سے عجوبہ کی بات ہے۔

اس جواب سے مطمئن ہو کر پھر ایک ضمنی سوال وہ یہ کرتے کہ آپ کے ہر روز ملک کے کسی نہ کسی شہر میں کم از کم دو جلسے یا کانفرنسیں ضرور ہوتی ہیں۔ ان پروگراموں پر روزانہ ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں یہ فنڈز کہاں سے آتے ہیں؟

میں نے جواب دیا کہ آپ سپاہ صحابہؓ کو کسی ایسی جماعت پر قیاس مت کریں جو اپنے یونٹوں کو مرکز سے فنڈز دے کر اپنی پبلسٹی کے لئے جلسے اور کانفرنسوں کا اہتمام کرتی ہو۔ بلکہ سپاہ صحابہؓ کے مقامی علاقوں کے لوگ صرف جلسوں اور کانفرنسوں کا ہی خرچہ خود برداشت نہیں کرتے بلکہ وہ جلسہ میں خطاب کرنے والے علماء و خطباء اور قائدین کو آمدورفت تک کے اخراجات بھی اپنی جیبوں سے ادا کرتے ہیں اور مال و دولت تو معمولی چیز ہے وہ مشن کے لئے گھربار اور جان تک قربان کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔

سپاہ صحابہؓ کو اسلحہ کہاں سے ملتا ہے؟

تفتیشی ٹیموں کا دوسرا اہم سوال اسلحہ کے بارہ میں ہوتا تھا کہ آپ کے پاس اس قدر اسلحہ کہاں سے آیا؟

تو میں جواب میں کہتا کہ آپ کی حکومت نے مجھے اور حضرت قائد سپاہ صحابہؓ فاروقی صاحب کو چار چار کلاشنکوفوں کے لائسنس دیئے ہوئے ہیں اور پھر اپنے اپنے اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں سے ہم نے رائفلوں، بندوقوں اور پسٹلوں کے لائسنس لیے ہوئے ہیں۔ آخر ہمارے پاس غیر لائسنسی اسلحہ جسے ناجائز کہا جاتا ہے۔ آپ کو نظر کب آیا ہے؟ بارہا پنجاب حکومت اور سرحد و سندھ حکومت نے ہمیں دوران سفر پولیس کے ذریعہ

چیک کرایا لیکن ایک گولی بھی ہم سے کبھی ناجائز اور غیر قانونی برآمد نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ 23 فروری کی صبح جب میں روپوش ہو چکا تھا تو لیڈی سے اور مردانہ پولیس نے میرے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا اور اماریوں بریف کیس تک کھول کر تلاشی لی لیکن اس وقت بھی سوائے لائسنسی اسلحہ کے کوئی ایک چیز بھی غیر قانونی برآمد نہیں ہوئی۔ اس لئے جو اسلحہ بھی ہے وہ قانونی ہے غیر قانونی ایک گولی بھی نہیں ہے!

اس جواب سے پوری طرح مطمئن نہ ہوتے ہوئے وہ کہتے کہ ہم جب آپ کے جلسوں جلوسوں کو دیکھتے ہیں تو ہر طرف اسلحہ ہی اسلحہ نظر آتا ہے جبکہ آپ کے پاس لائسنسی اسلحہ تو محدود ہے۔ اس وقت اتنا اسلحہ کہاں سے آجاتا ہے۔

اس کا جواب میں نے یہ دیا کہ دراصل ہماری قیادت اور کارکن و عہدیداران اتنی بڑی تعداد میں دشمنی کی تخریب کاری کا نشانہ بن چکے ہیں کہ شہداء کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی ہے۔ اور ادھر خود مجھ پر جو قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں وہ ایک درجن کے قریب ہیں۔ اس لئے جب کوئی جلسہ ہوتا ہے تو کارکن اپنا اپنا لائسنسی اسلحہ لے آتے ہیں اور پروگرام کی سیکورٹی کا بندوبست کرتے ہیں۔ آپ کوئی ایک مثال پیش کریں کہ حکومت نے کسی موقعہ پر اسلحہ بردار کارکنوں کو چیک کرنے کی بات کی ہو اور ہم نے انکار کیا ہو۔ بلکہ اکثر مواقع پر انتظامیہ نے کارکنوں کو اسلحہ سمیت گرفتار کیا تو اسلحہ لائسنسی ثابت ہوا۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ چونکہ میرے ساتھ اور حضرت فاروقی کے ساتھ چار چار پولیس کے سرکاری گن مین بھی سول کپڑوں میں خود حکومت کے مہیا کردہ ہوتے ہیں۔ اس لئے عام جلسہ اور جلوس میں جب ہم صرف دونوں قائدین جمع ہوتے ہیں تو پولیس کے سول کپڑوں میں ملبوس اہلکار اور پرائیویٹ گن مینوں کی مشترکہ تعداد 30,25 تک پہنچ جاتی ہے۔ اس تعداد کو عام دیکھنے والا یقیناً سینکڑوں کی تعداد محسوس کر سکتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

کون سا ملک سپاہ صحابہؓ کی پشت پناہی کرتا ہے؟

اہم سوال اور اس کا جواب

سپاہ صحابہؓ کی جدوجہد کے نتیجے میں جب شیعیت کے چہرے سے نقاب اٹھنے لگا اور ایران کے نام نہاد اسلامی انقلاب کی قلعی کھلنے لگی تو مخالفین نے فوراً یہ الزامات لگانا شروع کر دیئے کہ سپاہ صحابہؓ کی سعودی عرب، عراق حتیٰ کہ امریکہ حمایت کر رہا ہے۔ اس کی دلیل یہ دی جانے لگی کہ چونکہ ایران امریکہ کا مخالف ہے لہٰذا امریکہ اور اس کے حامی اسلامی ممالک ایران کی مخالفت کے لئے سپاہ صحابہؓ کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ ایران اور اس کے حواریوں کے پاس دلائل اور ثبوت صرف اس حد تک ہیں کہ ہم امریکہ مخالف ہیں اور ہمیں امریکہ اپنی سازشوں کے ذریعہ سپاہ صحابہؓ جیسی جماعتوں کے ہاتھوں پریشان کر رہا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ سپاہ صحابہؓ امریکہ اور اس کی پالیسیوں سے نفرت کرتی ہے۔ اور ہم ایران اور اس کے حواریوں سے ہزار گنا بڑھ کر امریکہ پر لعنت بھیجتے ہیں اور امریکہ مردہ باد کے نعرے لگاتے ہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایران منافقت کے لبادہ میں اور امریکہ کفر کی صورت میں عالم اسلام کے شدید دشمن اور بدترین مخالف ہیں۔ ایک نے حرمین شریفین کا تقدس پامال کر کے وہاں خمینی زندہ باد ایران زندہ باد کے نعرے لگا کر اپنی منافقت کا اظہار کیا ہے۔ دوسرے نے اسلامی ممالک کے وسائل پر قبضہ کر کے جزیرہ عرب میں یہود و نصاریٰ پر مشتمل اپنی فوجوں کو اتارا ہے۔ ایک ملک نے اپنے پڑوسی ملک عراق کے خلاف اسرائیل کا اسلحہ خرید کر استعمال کیا ہے اور دوسرے ملک نے عراق کی عوام پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم ایران کی امریکہ سے دشمنی

کے باعث ایران کے مخالف ہوئے ہیں تو پھر لیبیا' کیوبا' روس اور اب عراق امریکہ کے بدترین دشمنوں میں شامل ہیں۔ سپاہ صحابہؓ نے کبھی ان ممالک کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایران کی موجودہ نام نہاد اسلامی حکومت کے بانی مسٹر خمینی کی تصنیفات۔ کشف الاسرار۔ ولایت فقیہ۔ تحریر الوسیلہ اور صحیفہ انقلاب عقائد کے اعتبار سے دنیا بھر کے مسلمانوں پر ظلم کی شاہد ہیں اور پھر عملاً مسٹر خمینی نے ایرانی آئین میں جس طرح ترمیم کرکے ایران کو شیعہ اثنا عشری اسٹیٹ قرار دے کر اس کے تمام عہدوں پر صرف شیعہ اثنا عشری کی تقرری کو ضروری قرار دیا ہے اور ایران کی 35% فیصد سنی آبادی کو بنیادی مذہبی اور جمہوری حقوق سے محروم کیا ہے۔ اسے ہر شخص وہاں جا کر چشم خود وہاں دیکھ سکتا ہے۔ جب ایران کی حکومت پاکستان میں شیعہ کے حقوق کے لئے آواز بلند کرتے ہوئے اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ پاکستانی حکمرانوں کو واجب القتل قرار دیتے اور پاکستان میں شیعہ کو مسلح کرکے اسلام آباد کا گھیراؤ تک کرا لیتی ہے تو اگر ایران کے سنی مسلمانوں کے حق میں سپاہ صحابہؓ بھی آواز بلند کرتے ہوئے ایرانی حکمرانوں کو اسلام اور جمہوریت و انسانیت کا دشمن قرار دیتی ہے تو اس میں امریکہ یا کسی اسلامی ملک کا کیا دخل ہے۔

جہاں تک بات ہے کسی اسلامی ملک سے تعاون حاصل کرنے کی تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اسلامی ممالک بھی ایران کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور ایران میں جا کر اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کرتے ہیں اور سپاہ صحابہؓ کی قیادت کو عمرے تک کا ویزہ دیتے ہوئے بھی تردد کا شکار ہو جاتے ہیں وہ ایران کی مخالفت کے لئے کیونکر سپاہ صحابہ کی حمایت کر سکتے ہیں۔

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ کبھی کسی اسلامی ملک کے کسی سفیر نے سپاہ صحابہؓ کے پروگراموں میں اس طرح شرکت نہیں کی جس طرح شیعہ کی چھوٹی چھوٹی مجلسوں میں

ایرانی سفیر تک پہنچ جاتے ہیں اور سپاہ صحابہؓ کا کوئی لیڈر کبھی ان سفارتخانوں میں نہیں گیا۔ ہم نے اسمبلی کے اندر اور باہر بار بار چیلنج کیا ہے اور آج بھی ہمارا چیلنج موجود ہے کہ اگر کسی اسلامی یا غیر اسلامی ملک کی امداد کا ایک پیسہ بھی سپاہ صحابہ پر ثابت ہو جائے تو ہم پر غداری کا مقدمہ چلا کر ہمیں سزائے موت دے دی جائے۔

اس سے بڑھ کر اس الزام کے جھوٹے ہونے کا کیا ثبوت ہے کہ حکومت ہماری لیڈر شپ کو بار بار گرفتار کر لیتی ہے لیکن وہ خود بتائے کہ کبھی کسی ملک نے حکومت سے ہماری رہائی کے لئے سفارش کی ہے؟ کبھی کسی ملک نے ہماری گرفتاری پر احتجاج کیا ہے۔ اگر واقعی سپاہ صحابہؓ کو غیر ملکی سرپرستی حاصل ہوتی تو آج حکومت پاکستان ہم پر بھی ہاتھ ڈالتے ہوئے اس طرح ہزار مرتبہ سوچتی جس طرح ایرانی ایجنٹوں پر ہاتھ ڈالتے ہوئے سوچتی ہے اور آج ہم جیلوں کے مہمان نہ ہوتے۔

آخری بات یہ ہے کہ جو جماعت یا لیڈر کسی ملک کی خوشنودی کے لئے دولت یا عہدہ کی غرض سے کام کرتا ہے وہ اپنی جان کی قربانی نہیں دیتا ہے۔ اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ عوام بے شک مرجائیں لیکن مجھ پر آنچ نہ آئے۔ جبکہ سپاہ صحابہؓ کی قیادت نے ہمیشہ پہلے اپنے آپ کو گولیوں، بم کے دھماکوں اور راکٹ لانچروں کے سامنے پیش کیا ہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کے پرچم کو بلند کرتے ہوئے شرک و کفر کے خلاف آقاء نامدارﷺ کی ختم نبوت و ناموس کا تحفظ کرتے ہوئے گستاخان رسول کے خلاف اور اصحاب رسول و ازواج مطہرات کے تقدس و شرافت کا پھریرا لہراتے ہوئے منافقت اور رافضیت کے خلاف آواز بلند کرنا جہاد سمجھتے ہیں اور اس راہ میں مرجانا شہادت و سعادت یقین کرتے ہیں۔ جو جماعت خوشنودی رب کی طلبگار ہو اور شوق شہادت سے سرشار ہو وہ کسی ملک کی ایجنٹی کر کے اپنی محنت کو ضائع نہیں کیا کرتی۔

دوران ریمانڈ مولانا ضیاء القاسمی صاحب کی ملاقات

تمام تفتیشی ایجنسیاں صبح و شام اوپر کے حکام سے نئے نئے سوالات لے کر آجاتیں اور سارا سارا دن حتیٰ کہ رات کے بڑے حصے تک مغزماری کرتی رہتیں اور سوال و جواب کی شکل میں دفتروں کے دفتر مرتب کرتی رہتیں۔ انہی دنوں میں ایک روز مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ تشریف لے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ آپ سے ملاقات کی اجازت سوائے وزیر اعلیٰ سرحد آفتاب شیرپاؤ کے اور کوئی نہیں دے سکتا ہے۔ میں نے شیرپاؤ سے ملاقات کی ہے اور اسے بتایا کہ چونکہ ہمیں پنجاب کی افسر شاہی سے انصاف کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے مولانا اعظم طارق کو ہم نے پشاور سے گرفتاری دینے کے لئے تیار کیا اور انہوں نے گرفتاری دیدی ہے۔ آپ سے ہماری یہ اپیل ہے کہ آپ جیسے چاہیں تفتیش وانکوائری کرالیں لیکن ایک بات کی ضمانت دیں۔ اگر وہ بے گناہ ثابت ہو جائیں تو پھر انہیں آپ باعزت رہا کردیں گے۔ وزیر اعلیٰ نے جواب دیا ہے کہ چونکہ مولانا رکن قومی اسمبلی بھی ہیں اور ایک جماعت کے سربراہ و ملک کے ممتاز سیاستدان بھی ہیں۔ اس لئے ہم ایک تو ان کے ساتھ ان کے مقام کے باعث ان کی عزت کا خیال بھی رکھیں گے دوسرے یہ کہ اگر تفتیش میں وہ بے گناہ ثابت ہو جاتے ہیں تو ہمارا آپ سے وعدہ ہے کہ ہم صرف ایک ماہ کے اندر اندر انہیں رہا بھی کردیں گے اور مرکزی حکومت کو بھی ان کی بے گناہی سے آگاہ کریں گے۔

میں نے کہا حضرت! اب جبکہ پنجابی کے مشہور مقولہ کے مطابق۔ اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے تو پھر جو بھی ہو برداشت ہے کے مصداق میں ذہنی طور پر تیار ہو کر یہاں آیا ہوں۔ آپ حضرات کی دعائیں اور کوششیں ضرور رنگ لائینگی۔ میں قطعی طور پر بے گناہ ہوں۔ جو اصل جرم ہے وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ اس کا آج بھی اقراری ہوں کہ نسوانی

حکومت کو غیر شرعی کہتا ہوں اور اس کی حمایت نہیں کرتا ہوں باقی سب باتیں محض بہانہ بازی اور الزامات ہیں اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ ایک ماہ میں حل ہو جائے گا تو بہت خوشی کی بات ہے ویسے مجھے ان لوگوں سے خیر کی توقع زیادہ نہیں ہے۔ آپ کی اس پیرانہ سالی اور تکلیف کی حالت میں میرے لئے بھاگ دوڑ قابل قدر ہے۔ اس پر تہہ دل سے مشکور رہوں۔

حکومت سرحد کی وعدہ خلافی، پنجاب حکومت کے حوالے کرنے کی سازش

حضرت قاسمی صاحب مدظلہ کی واپسی کے بعد تفتیش کا سلسلہ جاری رہا بلکہ دو تین روز تک حضرت قاسمی صاحب مدظلہ ہی کی ذات کے حوالہ سے تفتیش ہوتی رہی۔ وقت گذرتا رہا۔ تفتیشی ٹیمیں اب نہ صرف برملا طور پر مجھے بے گناہ قرار دینے لگیں بلکہ وہ میرے ساتھ نمازیں بھی پڑھنے لگ گئیں اور اب ان کا آنا جانا محض میرے ساتھ وقت گذار کر ڈیوٹی پورا کرنے تک محدود ہو کر رہ گیا تھا کیونکہ ایک ماہ کی مدت بہت بڑی مدت ہوتی ہے۔ اب ان کے پاس مزید کچھ پوچھنے کے لئے بات نہیں تھی۔ ادھر حکومت سرحد نے پنجاب حکومت کو خطوط لکھے کہ وہ مجھ پر پنجاب میں قائم تمام مقدمات کے ریکارڈ بھجوا دے جس کے جواب میں پنجاب کے درجنوں مقدمات بھی پہنچ گئے تو پھر ایک مرتبہ تفتیش کا نیا دور شروع ہو گیا۔ چند روز تک یہ سلسلہ جاری رہا تو ایک روز معلوم ہوا کہ پنجاب حکومت کی افسر شاہی نے زور دے کر وفاقی حکومت کے ذریعہ مجھے پنجاب طلب کر لیا ہے اور سرحد حکومت بھی اس کے لئے آمادہ ہو گئی ہے۔ حضرت قاسمی صاحب کی ملاقات کو بھی ایک ماہ گذر چکا تھا اور اس کے بعد کوئی ملاقات تک نہیں ہوئی تھی۔ اخبارات سے حضرت قائد محترم فاروقی صاحب کے جلسوں میں کیے جانے والے خطابات سے اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ معاملہ گڑبڑ ہے اور سرحد حکومت اپنے وعدوں اور یقین دھانیوں سے گریز

کرنے لگی ہے۔ وفاقی حکومت تمام تر بے گناہی کے ثبوت سامنے آجانے کے بعد بھی اپنی انتقامی آگ کو ٹھنڈا کرنے اور پنجاب کی افسر شاہی کی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل کے لئے قدم اٹھانے کی تیاریاں کرنے لگ گئی۔

روزانہ اخبارات میں پنجاب کے ہوم سیکرٹری کے بیانات شائع ہونے لگے کہ ہم مولانا اعظم طارق کو پنجاب لا رہے ہیں اور ان پر قائم مقدمات کی تفتیش یہاں ہوگی۔

اسلام آباد میں B.B.C کے دفتر پر حملہ اور قائد محترم کی گرفتاری

ان ہی دنوں یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی کہ اسلام آباد میں B.B.C کے دفتر پر حملہ ہو گیا ہے اور دفتر میں موجود اہلکاروں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور توڑ پھوڑ کی گئی ہے۔ چونکہ B.B.C ٹی وی چینل گذشتہ پانچ ماہ سے مسلسل میری وہ فلم نشر کر رہا تھا جس میں ایک طرف تو سپاہ صحابہؓ کو ایک تشدد پسند اور فرقہ پرست جماعت کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا حالانکہ میری تقریر کی جھلکیاں اور اس میں میرا دلائل کے ساتھ خمینی اور شیعہ کی اشتعال انگیز کتب کے حوالہ جات کو بیان کرنا اور اپنی حفاظت کے لئے لائسنسی اسلحہ استعمال کرنے اور عوامی خدمات سرانجام دینے کی باتیں موجود تھیں مگر ان تمام حقائق کے باوجود خود ساختہ کہانی کے ذریعے سپاہ صحابہؓ کی تحریک کو انتہا پسند ثابت کرنے کی بھی کوشش کی جا رہی تھی۔ قائد سپاہ صحابہؓ بڑی بڑی کانفرنسوں اور پروگراموں میں B.B.C ٹی وی کے ذمہ داروں کو وارننگ دے رہے تھے کہ وہ حقائق کو نظر انداز کر کے سپاہ صحابہؓ کو بدنام کرنے کا سلسلہ ترک کریں ورنہ سپاہ صحابہؓ سخت احتجاج کرے گی۔ ادھر اسلام آباد کے چند نوجوان جا کر از خود B.B.C کے دفتر میں توڑ پھوڑ کر آئے۔ حالانکہ بات صرف جماعتی سطح پر باضابطہ احتجاج کی تھی۔ توڑ پھوڑ کی پالیسی کی نہ جماعت حامی ہے اور نہ اسے پسند کرتی ہے۔ اس واقعہ کی آڑ میں ۲۵ اگست کو فیصل آباد سے قائد سپاہ صحابہؓ کو گرفتار کر کے اسلام

آباد پہنچادیا گیا اور ان کے خلاف باقاعدہ مقدمہ درج کرلیا گیا۔

اس صورت حال نے حالات کو مزید پیچیدہ بنادیا اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مرکزی حکومت اور پنجاب حکومت کس حد تک انتقامی اور جانبدارانہ پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں۔ حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ 28 ستمبر 1992ء میں ساجد نقوی نے مینار پاکستان پر جلسہ کے دوران اعلان کیا تھا کہ ہم سابق گورنر سرحد فضل حق کا سر لیں گے اور اس کے چند دن بعد ہی جنرل فضل حق کے قتل کا واقعہ پیش آگیا۔ اس کے بیٹوں نے تحریک جعفریہ کو اس قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا لیکن ساجد نقوی کو گرفتار نہ کیا گیا۔ ادھر B.B.C کے دفتر پر چند مشتعل نوجوان اگر از خود حملہ کرتے ہیں تو تین سو کلومیٹر دور بیٹھے ہوئے قائد سپاہ صحابہؓ کی گرفتاری کا کیا جواز ہے؟ مگر یہاں تمام ضابطے اور قانون صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو امن پسند اور محب وطن ہیں اور کسی ملک کے ایجنٹ نہیں۔ غیر ملکی ایجنٹوں اور بااثر لوگوں کے لئے ملک کا قانون اور وقت کے حکمران چپ سادھ لیتے ہیں۔

قائد سپاہ صحابہؓ کی رہائی اور وزیر اعلیٰ پنجاب کے خلاف حکومت کی سازش

یہ وقت پوری جماعت کے لئے سخت بے چینی اور پریشانی کا تھا کہ ایک طرف قائد سپاہ صحابہؓ گرفتار ہیں۔ دوسری طرف مجھے مسلسل ریمانڈ پر رکھ کر تفتیش کی جارہی تھی اور رہائی کے کوئی آثار نہ تھے۔ جن لوگوں نے یقین دلایا تھا کہ صرف ایک ماہ بعد ہی بے گناہی ثابت ہونے کی صورت میں مولانا اعظم طارق کی رہائی ہو جائے گی وہ لوگ ملنے سے کترا رہے تھے اور اپنی بے بسی کا رونا رو رہے تھے۔ چنانچہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد قائد سپاہ صحابہؓ کی رہائی عمل میں آگئی اور پھر خدا کی قدرت کا ایک کرشمہ ظاہر ہوا کہ مرکزی حکومت پنجاب میں وٹو حکومت کی تبدیلی کے منصوبے بنانے میں مصروف ہوگئی۔ پیپلز پارٹی کے لئے خالص اپنے جماعتی شخص یعنی مخدوم الطاف حسین کو وزیر اعلیٰ منتخب کرانا بہت ہی مشکل مرحلہ

اس کے لئے اسے بہت لمبے جوڑے جوڑ توڑ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ یہ کام بے نظیر صاحبہ نے وزیر اعلیٰ سرحد کے سپرد کر دیا کہ وہ خفیہ طور پر ممبران پنجاب اسمبلی سے ملاقاتیں کریں۔

وزیر اعلیٰ سرحد کا مجھ سے رابطہ اور خواہش کا اظہار

پنجاب میں وٹو حکومت کے خلاف سازش کی ہانڈیاں ابھی ہلکی ہلکی سازش کی آگ پر پک رہی تھیں اور خود وٹو صاحب اس سے بے خبر تھے اور بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم تھا۔ ایک روز میرے پاس سپیشل برانچ کے S.S.P صاحب آئے اور بتایا کہ وزیر اعلیٰ صاحب خود آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں لیکن کسی مصروفیت کے باعث نہیں پہنچ سکے ہیں۔ ان کا پیغام یہ ہے کہ آپ شیخ حاکم علی صاحب اور میاں ریاض حشمت جنجوعہ کو یہاں بلوائیں تاکہ آپ کی رہائی کے لئے بات چیت کی جا سکے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے ٹیلی فون مہیا کریں میں اپنی قیادت سے بات کرتا ہوں۔ چنانچہ ٹیلی فون پر اولاً گھر رابطہ کر کے خیریت دریافت کی پھر قائدین سے بات چیت ہوئی اور طے پایا کہ اس ملاقات میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ ان ہر دو ممبران پنجاب اسمبلی شیخ حاکم علی اور میاں ریاض حشمت صاحب کو سرحد آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات سرحد پہنچ گئے اور انکی آمد سے قبل میرے ساتھ دو حجرے کمروں میں جہاں انہیں ٹھہرانا تھا وہاں خفیہ آلات نصب کر دیئے گئے تاکہ تمام باتیں ریکارڈ ہو سکیں۔ خدا کی قدرت کہ ایک ملازم نے مجھے اس سازش سے آگاہ کر دیا۔ جس پر میں نے ان حضرات کے کانوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ نہایت محتاط گفتگو کریں چونکہ آپ لوگ اس وقت سرکاری مہمان ہیں۔ اس لئے اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے پنجاب حکومت کے خلاف ان لوگوں کے پاس کوئی مواد جمع ہو جائے۔ ان حضرات نے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی۔ تو انہوں نے محض

اسے خیر سگالی کی ملاقات کا نام دیا اور کسی قسم کی بات نہ کی بلکہ جب انہوں نے پنجاب کی وٹو حکومت کے بارے میں دریافت کیا کہ کیسی چل رہی ہے تو ان حضرات نے بتایا کہ ٹھیک چل رہی ہے۔

ان حضرات کی آمد اور واپسی سے بظاہر کوئی بات سمجھ نہ آئی کہ ان حضرات کو بلوانے کا کیا مقصد تھا لیکن اس کا مقصد یہ جاننا تھا کہ آیا سپاہ صحابہؓ کے دونوں ممبران مولانا اعظم طارق کے ساتھ بھی ہیں یا نہیں!

پنجاب حکومت کی تبدیلی کا عمل اور میری رہائی

مجھے مسلسل ریمانڈ پر تفتیش کے مراحل سے گزرتے ہوئے اڑھائی ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن رہائی کی صورت نزدیک نزدیک نظر نہیں آ رہی تھی۔ شیخ حاکم علی اور میاں ریاض حشمت صاحب ملاقات کر کے جا چکے تھے۔

ایک روز اچانک اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں کہ پنجاب حکومت میں شریک پیپلز پارٹی کے وزراء نے وزیر اعلیٰ منظور وٹو پر عدم اعتماد کرتے ہوئے استعفے دے دیئے ہیں۔ اس خبر کا معنی یہ تھا کہ پیپلز پارٹی جس خفیہ سازش میں مصروف تھی اب اسے عملی جامہ پہنانے کا وقت آ پہنچا ہے۔

اگلے ہی روز وزیر اعلیٰ سرحد کی طرف سے مٹھائی کی ٹوکری میرے پاس پہنچ گئی اور مجھے کہا گیا کہ ہمارے ٹیلی فون کے ذریعے آپ اپنے ممبران اسمبلی کو یہاں بلوائیں۔ میں نے ان سے کہا کہ جب تک گرفتار ہوں کسی قسم کا کردار ادا کرنے یا فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ آپ پہلے مجھے باعزت رہا کریں بعد میں جماعت کے مشورہ کے مطابق جو پالیسی طے ہوگی اس پر عمل ہوگا۔ ادھر میں نے قائدین سپاہ صحابہؓ کو بھی اس ساری صورت حال سے مطلع کر دیا کہ وہ اس وقت تک کوئی بات نہ کریں جب تک

حکومت مجھے رہا نہیں کرتی ہے۔ آخر مجبوراً مجھے وزیر اعلیٰ شیرپاؤ کے حکم پر پشاور سے اسلام آباد 10 ستمبر 1995ء کو منتقل کر دیا گیا۔ جہاں سرحد ہاؤس میں شیخ حاکم علی صاحب میرے منتظر تھے۔

اگلے ہی روز شیخ حاکم علی کے ہمراہ بذریعہ کار لاہور پہنچے اور میاں ریاض حشمت صاحب سے ملاقات کی۔ پھر مجھے بذریعہ کار اسلام آباد لایا گیا اور شیخ حاکم علی صاحب و میاں ریاض حشمت صاحب بذریعہ جہاز اسلام آباد آ گئے۔ میرے سرحد ہاؤس پہنچتے ہی ان ہر دو حضرات نے مجھے بتایا کہ ہمیں بے نظیر صاحبہ سے ملوانے کے لئے لے جایا گیا اور ٹی وی کیمرہ کے ذریعے ہماری فلم بنائی جانے لگی تو ہم نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم پنجاب میں اس وقت تک آپ کی حمایت یا مخالفت کے بارہ میں کچھ نہیں کر سکتے ہیں جب تک سپاہ صحابہؓ کی مجلس شوریٰ کوئی فیصلہ نہ کرے اور مجلس شوریٰ کا اجلاس کل ہی 12 ستمبر کو لاہور میں طلب کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ نو بجے کے خبرنامہ میں ہو بہو انہی لفظوں کے ساتھ خبر نشر ہو گئی کہ سپاہ صحابہؓ کل اپنے لاہور کے اجلاس میں فیصلہ کرے گی۔

لاہور ایئر پورٹ پر استقبال اور کارکنوں سے خطاب

12 ستمبر کو دوپہر کے وقت جب میں اسلام آباد ایئر پورٹ سے لاہور روانہ ہوا تو قائد سپاہ صحابہؓ اور چیئرمین سپریم کونسل کے علاوہ مرکزی و صوبائی عہدیداران و کارکنوں کی بڑی تعداد استقبال کے لئے موجود تھی۔ وی۔ آئی۔ پی لاؤنج میں جیسے ہی قائد سپاہ صحابہؓ سے میری ملاقات ہوئی تو وہ مجھے ایک طرف لے گئے اور بتایا کہ کارکن اور راہنما سخت اشتعال میں ہیں کہ آپ نے بے نظیر سے سودے بازی میں خود کو رہا کرایا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ محض الزام ہے۔ میں نے اور ہمارے دونوں ممبران نے واضح طور پر حکومت کو بتایا ہے کہ پنجاب کے بارے میں ہماری پالیسی کا فیصلہ جماعت کرے گی۔ اس لئے آپ جو فیصلہ

کریں گے میں خود اور دونوں ایم۔ پی۔ اے حضرات اس کی پابندی کریں گے اور جہاں تک کارکنوں کی بات ہے۔ میں ابھی دفتر میں چل کر تمام حقائق ان کے سامنے لاتا ہوں۔ اس پر یہ حضرات مطمئن ہو گئے۔ V.I.P لاؤنج سے باہر نکل کر میں نے کارکنوں سے صرف اتنا کہا کہ آپ لوگ کسی غلط پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہوں۔ نسوانی حکومت کے خلاف میرے نظریہ میں رتی بھر بھی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ تفصیلات دفتر چل کر بیان کروں گا۔ اتنی بات سننا تھی کہ کارکن خوشی سے جھوم اٹھے اور بے نظیر کی نسوانی حکومت اور شیعہ کے خلاف نعرے بازی میں مصروف ہو گئے۔

بے نظیر سے ملاقات کی جھوٹی خبر کارکنوں میں اشتعال

ایئرپورٹ سے استقبال کرنے والے کارکن جلوس کی شکل میں لٹن روڈ پر پہنچے تو وہاں دفتر سپاہ صحابہؓ کے سامنے دوسری منزل کے وسیع صحن میں ٹینٹ و قناتیں لگا کر خوبصورت استقبالیہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ جہاں پر حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ نے خطاب کے بعد میں نے روپوشی کی وجوہات و اسباب سے لے کر رہائی کی موجودہ صورت حال تک تمام تفصیلات بیان کیں اور بتایا کہ جو موقف 22 فروری 95ء سے قبل تھا۔ آج بھی اس موقف پر ہم قائم ہیں۔ اس وقت مسئلہ صرف پنجاب حکومت کی تبدیلی میں سپاہ صحابہؓ کے کردار کا ہے۔ تو میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آج کے بعض اخبارات میں جو خبر شائع ہوئی ہے کہ میں نے بے نظیر سے ملاقات کر کے اسے اپنی حمایت کا یقین دلایا قطعی طور پر یہ خبر غلط ہے۔ بے نظیر سے ملاقات تو درکنار میرا صرف وزیراعظم ہاؤس میں جانا ثابت ہو جائے تو میں قومی اسمبلی کی رکنیت اور سپاہ صحابہؓ کے عہدے سے استعفیٰ دینے کو تیار ہوں۔ اس وقت بھی میں نے رہائی کے بعد گھر جانے کی بجائے خود کو جماعت کے فیصلہ کا پابند کیا ہوا ہے۔ جماعت جو فیصلہ کرے گی آپ دیکھیں گے کہ اس پر عمل ہو گا۔

اخبارات کی جھوٹی خبروں کی پر زور تردید اور حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد کارکنوں کا جوش و جذبہ قابل دید تھا اور وہ بے اختیار میرے ہاتھوں کو چومنے لگے۔

اس اثنا میں انجمن تاجران لاہور کے صدر اور مسلم لیگی راہنما حاجی مقصود احمد ایم۔ پی۔ اے صاحب مسلم لیگ کے وفد کے ہمراہ دفتر پہنچ گئے کہ سپاہ صحابہؓ مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کرے۔

چنانچہ سپاہ صحابہؓ کی شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا تو یہ بات سامنے آئی کہ ہنگامی اجلاس کے باعث شوریٰ کے ارکان کی بڑی تعداد غیر حاضر ہے۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ دو دن بعد 14 ستمبر کو جھنگ مرکزی دفتر میں مجلس شوریٰ کا دوبارہ اجلاس طلب کر لیا جائے اور اس میں تمام حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔

جھنگ آمد پر فقید المثال استقبال

12 ستمبر کو مجلس شوریٰ کے اجلاس سے فراغت کے بعد جامعہ اشرفیہ کے طلبہ و اساتذہ کی دعوت پر بعد مغرب جامعہ اشرفیہ پہنچا۔ حضرت مولانا محمد موسیٰ خان صاحب مدظلہ اور کئی دیگر اساتذہ کرام سے ملاقات کی۔ پھر طلبہ کی خواہش پر ان سے خطاب کر کے رات ہی کو سفر کر کے چیچہ وطنی اپنے آبائی گاؤں پہنچا۔ وہاں سے براستہ کمالیہ جھنگ جانے کا پروگرام اس لئے کینسل ہو گیا کہ دریائے راوی میں بڑے سیلاب کے باعث یہ راستہ بند ہو چکا تھا۔ ہیڈ سدھنائی سے ہوتے ہوئے پیر محل پہنچا۔ جہاں مقامی کارکنوں نے بڑی تعداد میں استقبال کیا اور وہ نوجوان بھی آ کر ملے جو دو ماہ تک روپوشی کے وقت مسلسل میرے ہمراہ ہوتے تھے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ جاتے ہوئے رجانہ اور پل ناگرہ پر استقبالیہ پروگراموں سے خطاب کرتے ہوئے ٹوبہ میں صدر بازار کے سامنے مجمع عام سے خطاب کیا۔ ادھر جھنگ سے استقبال کے لئے نکلنے والے پر جوش کارکنوں کی گاڑیاں ٹوبہ پہنچ چکی تھیں۔ ٹوبہ سے جھنگ

تیس کلومیٹر کے اس ایریے میں پورے روڈ پر سپاہ صحابہؓ کے پرچم لہرا رہے تھے۔ موٹر سائیکلوں، کاروں، ویگنوں، ٹریکٹروں پر جھنگ کے عوام کا ایک سیلاب آمد آیا تھا۔ جیسے ہی اپنے انتخابی حلقہ کی حدود میں داخل ہوا تو دیہاتوں کے لوگ روڈ پر استقبال کرنے کے لئے نکلے ہوئے تھے اور آگے بڑھ بڑھ کر ہاتھ ملانے کے لئے کوشاں تھے۔ موضع باغ میں ہزاروں لوگوں سے خطاب اور پھر جھنگ میں جگہ جگہ خطاب کرتے ہوئے جب حق نواز شہید چوک کے قریب پہنچا تو کارکنوں نے کندھوں پر اٹھالیا۔ یوں رات نو بجے بارہ گھنٹے میں یہ سفر طے کر کے مسجد حق نواز شہید میں تقریر کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ استقبال کے دوران تمام مقامات پر میرے خطاب کا مرکزی نقطہ یہی رہا کہ میں بے نظیر کی نسوانی حکومت کو آج بھی غیر شرعی کہتا ہوں اور اپنے موقف اور مشن پر قائم ہوں۔ آج میں اس بات پر خوش ہوں کہ مجھے اڑھائی ماہ تک کئی تفتیشی ٹیموں نے پوری تفتیش کے بعد تمام الزامات سے بری قرار دیا ہے۔ سپاہ صحابہؓ کی جدوجہد اپنے مشن کی تکمیل تک جاری رہے گی"۔

سپاہ صحابہؓ کی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس

16 ستمبر کو مرکزی دفتر جھنگ میں سپاہ صحابہؓ کی مجلس شوریٰ کا ایک نہایت اہم اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں چاروں صوبوں کے ارکان کی موثر نمائندگی تھی۔ شوریٰ کے اس اجلاس میں میں نے تفصیل کے ساتھ روپوشی سے لے کر اس وقت تک کے تمام حالات کو بیان کیا بعد ازاں پنجاب حکومت کی نئی تشکیل کے موقعہ پر جماعت کے ممبران اسمبلی کو آزاد کردار ادا کرنے کی تجویز پیش کی۔ باقی شرکاء اجلاس نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور میرے بارے میں جن خدشات کا وہ شکار ہو گئے تھے۔ اس کی وضاحت طلب کی جس پر میری طرف سے تمام حالات کو من و عن بیان کرنے پر ان سب

حضرات نے اطمینان کا اظہار کیا۔ چنانچہ اجلاس میں تین آراء سامنے آئیں۔

1۔ اول یہ کہ پیپلز پارٹی کے امیدوار کا ساتھ دیا جائے۔

2۔ مسلم لیگ کے امیدوار کا ساتھ دیا جائے۔

3۔ آزاد حیثیت میں رہا جائے کسی کا بھی ساتھ نہ دیا جائے۔

رائے شماری کے وقت اکثریت نے آزاد حیثیت اختیار کرنے کے حق میں رائے دی چنانچہ اسی وقت یہ فیصلہ تحریر کر کے سب شرکاء اجلاس کو سنایا گیا اور پھر میرے ذمہ لگایا گیا کہ میں اسلام آباد میں مقیم شیخ حاکم علی صاحب اور میاں ریاض حشمت کو اس فیصلہ سے آگاہ کروں چنانچہ میں نے شرکاء اجلاس کی موجودگی ہی میں ان حضرات سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا انہیں بتایا کہ جماعت نے یہ فیصلہ کیا ہے اس پر شیخ حاکم علی صاحب نے سخت تشویش کا اظہار کیا۔ تاہم میں نے اسے کہا کہ ہماری عزت و بقاء جماعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے آپ کل جب لاہور اسمبلی میں وزیر اعلیٰ کے انتخاب کے لئے پہنچیں گے تو اس فیصلہ پر عمل کر کے آپ نے ثابت کرنا ہے کہ آپ جماعت کے فیصلوں کے پابند ہیں۔

وزیر اعلیٰ پنجاب کا بلا مقابلہ انتخاب

ملک بھر میں جماعت کے اس فیصلے کو سراہا گیا اور دوسرے روز اخبارات نے نمایاں شائع کیا۔ ادھر پنجاب اسمبلی میں صورت حال یہ سامنے آگئی کہ وزارت علیہ کے مسلم لیگی امیدوار اور پیپلز پارٹی کے امیدوار مسلم لیگ چٹھہ گروپ کے عارف نکئی کے مقابلہ میں دست بردار ہو گئے۔ اب یہ ایسی صورت حال تھی کہ جس کا چند گھنٹے پیشتر کسی ذہن میں تصور بھی نہیں تھا اور پھر جماعت کے فیصلہ میں بھی اس بات کی وضاحت نہ تھی کہ اگر چٹھہ گروپ مسلم لیگ (جس نے الگ انتخابی نشان پر الیکشن لڑ کر اٹھارہ سیٹیں حاصل کی تھیں) کا امیدوار سامنے آجائے تو کیا کرنا ہو گا۔ لہٰذا ہمارے دو ممبران حضرات

نے بھی نکئی کی حمایت کردی۔ اس حمایت کو اکثر احباب نے سراہا۔ جبکہ کچھ حضرات نے اختلاف بھی کیا لیکن قائدین سپاہ صحابہؓ کا یہی خیال تھا کہ چونکہ پیپلز پارٹی کا تمام منصوبہ ناکام ہو چکا ہے اور ایک مرتبہ پھر پنجاب کا وزیر اعلیٰ چٹھہ گروپ کا منتخب ہو چکا ہے۔ اور وہ اس صورت میں کہ مسلم لیگ نواز شریف گروپ نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی ہے۔ لہٰذا اگر نکئی صاحب کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں تو وہ پیپلز پارٹی کے لئے وٹو سے بھی بڑھ کر نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

پنجاب حکومت میں شمولیت اور شیخ حاکم علی کی وزارت

پنجاب کے وزیر اعلیٰ عارف نکئی کے ہاتھ مضبوط کر کے پنجاب حکومت میں حصہ لے کر مسائل حل کرانے اور وفاقی حکومت کی انتقامی کاروائیوں سے پیدا ہونے والے مسائل کو ختم کرانے کے لئے باضابطہ طور پر پنجاب کابینہ میں شیخ حاکم علی کو شامل کرایا گیا۔ اگرچہ شیخ حاکم علی صاحب نے وزارت کے اثر و رسوخ سے جھنگ میں بہت سے ترقیاتی کام بھی کروائے اور کئی مقدمات کے بھی احسن فیصلے سامنے آئے۔ لیکن عارف نکئی سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ نہ صرف پوری نہ ہو سکیں بلکہ نکئی کے دور حکومت میں جماعت کی قیادت کے ساتھ جو بدترسلوک کیا گیا اس کی مثال سابقہ ادوار میں بھی نہیں ملتی ہے۔

ادھر جماعت کے صدر شیخ حاکم علی صوبائی وزیر بن کر کابینہ میں بیٹھے نظر آتے تھے۔ دوسری طرف جماعت کے سربراہ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی اور نائب سربراہ (راقم) تھانوں اور جیلوں میں حکومتی انتقام کا نشانہ بن رہے ہوتے تھے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس موقع پر بعض حضرات نے جماعتی عزت و آبرو کی بجائے چند دیگر مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومت کے ساتھ چپکے رہنے کا انداز آخر تک اختیار کیے رکھا۔ جس سے

جماعت کی ساکھ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اگر صوبائی وزارت کو جماعت کے فیصلہ کے مطابق لات مار کابینہ سے باہر آجاتے تو آج نہ صرف جماعت اور عوام کی نظروں میں ایسے لوگوں کو اعلیٰ مقام حاصل ہوتا بلکہ اس وقت جبکہ جماعت کی قیادت ظلم سہ رہی تھی۔ یقیناً ان حالات کا شکار نہ ہوتی جس کا بعد میں شکار ہونا پڑا۔

میری عمرہ پر روانگی اور حرمین شریفین میں تربیتی نشستوں سے خطاب

ستمبر کے دوسرے عشرے میں پنجاب کی حکومت تبدیل ہو جانے اور شیخ حاکم علی صاحب کے وزارت کا حلف اٹھا لینے کے بعد میں نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ عمرہ پر جانے کا پروگرام بنایا۔ کراچی سے احرام باندھ کر جب ہم جہاز میں سوار ہوئے تو میں نے اپنی اہلیہ سے کہا تمہارا حرمین شریفین کا یہ پہلا سفر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پریشانیوں اور دکھوں کو برداشت کرنے کا صلہ ہے جو گذشتہ ساڑھے چھ ماہ میں تم نے برداشت کی ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایت پر شکر ادا کرنے لگے کہ کہاں روپوشی کے دنوں میں در در کی ٹھوکریں پھر پشاور میں مسلسل تفتیشوں کے مراحل اور ملاقاتوں پر پابندی اور کہاں آج سوئے حرم احرام پہن کر جانے کی یہ ادائیں

بے شک ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

جدہ میں بڑی تعداد میں احباب نے استقبال کیا اور کئی گاڑیاں لے کر ایئرپورٹ پہنچے ہوئے تھے۔

سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتے ہی بارگاہ ایزدی میں بے ساختہ اپنے لئے اور جماعت کے مشن کی کامیابی، شہداء کے درجات کی بلندی، اسیران کی رہائی، بیوگان و یتیموں کی دنیاوی ضرورتوں کی تکمیل اور

اخروی کامیابیوں کے لئے زبان پر دعائیں جاری ہوگئیں۔ عمرہ کی تکمیل کے بعد قصر نسیم میں آکر آرام کیا۔ نیند سے بیدار ہوئے تو مکہ مکرمہ شہر میں بکھرے ہوئے سپاہ صحابہؓ کے کارکن اور بہی خواہ پروانوں کی طرح جمع ہونے لگے اور ہر دن میں دو دو تین تین مقامات پر تربیتی پروگراموں اور کئی کئی دعوتوں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

چند روز بعد بارگاہ رحمت اللعالمین میں حاضری دینے کا شرف حاصل ہوا تو مواجہہ شریف کے سامنے آتے ہی ایسے محسوس ہوا جیسے نالائق بیٹا تھوڑی سی محنت کر کے رحیم و کریم والد کے سامنے آکھڑا ہو۔ حضرات شیخین پہ سلام پڑھتے اور جنت البقیع میں ازواج مطہرات و بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان ذوالنورین کی قبر مبارک پر حاضری دیتے وقت جن کیفیات سے دوچار ہوا اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ سرزمین مدینہ منورہ میں جماعتی احباب نے بہت ہی کامیاب پروگراموں کا انعقاد کیا اور ہماری خدمت و مدارت میں تو ان حضرات نے انصار مدینہ کی یاد تازہ کر دی۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپسی پر سپاہ صحابہؓ اور مسلم لیگ کی طرف سے مقامی ہوٹل میں ایک شاندار استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا جس میں بڑی تعداد میں پاکستانی احباب نے شرکت کی۔ اس اجتماع سے میں نے کھل کر پاکستان کی سیاسی صورت حال پر اظہار خیال کیا۔ دوسری جانب واپسی پر جدہ میں مقامی جماعت نے ایسا زبردست پروگرام ترتیب دیا کہ اس میں شریک ہو کر ایسے لگ رہا تھا جیسے جھنگ کے کسی پر جوش اجتماع سے خطاب کر رہا ہوں۔

اس اجتماع کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے ایسے حضرات بھی بڑی تعداد میں موجود تھے جو سپاہ صحابہؓ کے کاز و مشن سے پوری طرح آگاہ نہیں تھے۔ چنانچہ یہاں سپاہ صحابہؓ کا موقف کھل کر بیان کیا گیا اور پاکستان میں نسوانی حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے کی پالیسی کا تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ یہ

تقریر ایسی تھی کہ جس کی اسی شام کو اسلام آباد میں رپورٹ پہنچ گئی اور پھر جو حالات پاکستان پہنچ کر پیش آئے ان کے پس منظر میں ایک اہم وجہ یہ تقریر بھی تھی۔

کراچی آمد اور اسیران کراچی سے خفیہ ملاقات

ہفتہ 11 نومبر 95ء کو جدہ ایئرپورٹ پر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف ابہاء، جدہ کی سپاہ صحابہؓ کے عہدیداران و کارکنوں کی بڑی تعداد نے الوداع کہا یوں یہ مقدس سفر بخیروخوبی انجام کو پہنچا۔ 12 نومبر اتوار کے دن علی الصبح کراچی ایئرپورٹ پر پہنچے تو سپاہ صحابہؓ کے بیسیوں احباب نے خوش آمدید کہا۔ ان کے ہمراہ ایئرپورٹ سے سیدھے جامعہ محمودیہ مدنیہ بفرزون نارتھ کراچی پہنچے اور احباب سے اگلا پروگرام معلوم کیا تو پتہ چلا کہ بعد الظہر جامع مسجد صدیقؓ اکبر مرکز سپاہ صحابہؓ میں تربیتی کونشن ہے اور ابھی چند گھنٹوں بعد کراچی کی خصوصی عدالت میں سپاہ صحابہؓ کے قانونی مشیر و صوبائی جنرل سیکرٹری حافظ احمد بخش صاحب مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن و کراچی ڈویژن کے راہنما منصور علی بابر اور ان کے رفقاء کی پیشی ہے۔ یہ بہترین موقع ہے کہ ان حضرات سے ملاقات کر لی جائے۔ ورنہ جیل میں ملاقات کرنا کافی مشکل ہوگا۔ چنانچہ میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور سر پر سادہ سا رومال باندھ کر ایک عام سی سوزوکی پر پولیس کے کڑے پہرے کو کراس کرتے ہوئے اسیران کے پاس جا پہنچا۔ جو اپنے درمیان اس انوکھے انداز میں اچانک دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے۔ کافی دیر تک اسیران اور ان کے لواحقین سے بات چیت ہوتی رہی۔ ڈیوٹی پر پولیس کی بھاری تعداد اور خفیہ حساس ایجنسیوں کے اہلکار بھی اس بات کا ادراک نہ کر سکے کہ کون کس سے محو گفتگو ہے۔ چونکہ عرصہ ڈیڑھ سال سے مسلسل داخلہ پر پابندی کے باعث کراچی کے احباب سے ملاقات نہ ہو پائی تھی۔ بعد میں حالات اور بھی کشیدہ ہوتے چلے گئے اور اہم ساتھی جھوٹے مقدمات میں الجھا کر تشدد و بربریت کا نشانہ بنانے کے بعد حوالۂ

زنداں کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے اسیران سے ملاقات کے لئے دو کارکنوں سے تربیتی کونشن کے عنوان سے ملاقات کا پروگرام اول تا آخر خفیہ رکھا گیا۔

خصوصی عدالت میں پیشی کے موقع پر احباب نے مجھے بتایا کہ حکومت سندھ مرکزی حکومت کی ہدایت پر اس عدالت سے سزائے موت کا فیصلہ کرانے کا منصوبہ بنا چکی ہے اور خصوصی عدالت کے جج صاحب کی حالت یہ ہے کہ وہ برملا اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ آپ کے وکلاء خواہ مخواہ بحث کو طویل کر رہے ہیں فیصلہ تو لکھا پڑا ہے۔ آپ کی صفائی کے گواہوں یا وکلاء کے دلائل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان حضرات نے مزید بتایا کہ ہمارے وکلاء حضرات کا کہنا ہے کہ ہماری اس محنت کا مقصد ہائی کورٹ سے انصاف حاصل کرنے کے لئے بنیادیں مضبوط کرنا ہے ورنہ اس عدالت سے کسی انصاف کی ہرگز توقع نہیں ہے۔ چنانچہ یہی ہوا، تھوڑے ہی دنوں بعد مذکورہ عدالت نے اسیروں کو سزائے موت سنادی۔ ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہمیں جن خصوصی عدالتوں سے واسطہ پڑا ہے۔ وہ پہلے سے لکھے ہوئے فیصلے لئے بیٹھی ہیں۔ برائے نام کارروائی کے بعد وہ فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔ ہم چیخ و پکار بھی نہیں کر سکتے توہین عدالت کا دیو اپنا خوفناک منہ کھولے ہمارے راستے پر کھڑا ہے۔

شیخ حاکم علی صاحب کی وزیر اعلیٰ سندھ سے ملاقات کی کوششیں

عمرہ پر روانگی سے قبل میں نے اور شیخ حاکم علی صاحب صوبائی وزیر پنجاب نے قائدین کی معیت میں وزیر داخلہ سندھ سے اس وقت ملاقات کا پروگرام بنایا تھا۔ جب وہ سرحد میں جشن شندور کی تقریب میں آئے ہوئے تھے۔ پشاور ایئرپورٹ پر ہماری مختصر ملاقات ہوئی۔ جس میں ہم نے انہیں بتایا کہ کراچی کی خصوصی عدالت ہمارے ساتھیوں کو انصاف مہیا کرنے کی بجائے یکطرفہ طور پر سزا سنانے والی ہے۔ آپ تفصیل سے ہمارا موقف

سن لیں اور ہمارے اسیروں کو اپنی صفائی کا موقع دیں تاکہ حق وانصاف کا بول بالا ہو۔ انہوں نے کہا آپ لوگ کراچی آجائیں اور میں ابھی جج کو فون کر کے کہتا ہوں کہ وہ ابھی کوئی فیصلہ نہ سنائے چنانچہ وزیر اعلیٰ سندھ سید عبداللہ شاہ نے ایئرپورٹ سے ہی جج کے نام پیغام دیا کہ جب میں کراچی پہنچوں تو مجھ سے بات کرے اور طے یہ پایا کہ میں عمرہ سے واپسی پر کراچی آجاؤں اور شیخ حاکم علی صاحب بھی وہاں پہنچ جائیں ملاقات ہو جائے گی۔ اب کراچی آمد پر ان سے رابطہ کیا گیا تو وہ ملاقات کا وقت ہی طے نہیں کر رہے تھے۔ شیخ حاکم علی صاحب بھی کراچی پہنچ گئے مگر انہیں سرکاری پروٹوکول نہ دیا گیا۔ جس پر ہم دونوں نے ہوم سیکرٹری سندھ کے دفتر جا کر ان کی تھوڑی سی خبر لی۔ جس پر انہوں نے فوراً پروٹوکول دینے کا حکم دیا۔ وہاں سے سیدھے ہم سینٹرل جیل پہنچے۔ جہاں پر مولانا عبدالغفور ندیم صاحب اور بھائی الیاس زبیر صاحب سے ملاقات کی۔

واپسی پر مرکز سپاہ صحابہؓ میں ہزاروں کارکنوں کے اس کنونشن سے خطاب کیا اور ملاقاتیں کیں۔ جو محض خفیہ طور پر پیغامات کے ذریعہ اطلاع دے کر منعقد کیا گیا تھا۔

ادھر وزیر اعلیٰ کے دفتر میں مسلسل رابطہ جاری رہا۔ دوسرے روز شام کے وقت معلوم ہوا کہ سندھ حکومت کو اس بات پر اعتراض ہے کہ مولانا اعظم طارق کراچی کیوں آئے ہیں۔ اس لئے ملاقات کا وقت نہیں دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ 14 نومبر منگل کے روز شیخ حاکم علی صاحب کو کراچی چھوڑ کر جھنگ چلا آیا۔

پیپلز پارٹی کے رکن اسمبلی ریاض پیرزادہ کے والد شاہ نواز ڈبہ کا قتل

اگلے دن 14 نومبر 1995ء بروز منگل فیصل آباد ایئرپورٹ پر اترا تو جھنگ سے آئے ہوئے احباب نے استقبال کیا اور گاڑیوں پر سوار ہو کر جھنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں اخبار کے ذریعے سپاہ صحابہؓ پنجاب کے صدر مولانا محمد احمد لدھیانوی کے

والد ماجد کی وفات کی خبر معلوم ہوئی۔ چنانچہ اسی وقت ارادہ کیا کہ پہلی فرصت میں تعزیت کے لئے کمالیہ جاؤنگا۔

اگلے روز 15 نومبر کو صبح ہی کمالیہ کے لئے روانہ ہوا اور جامعہ فاروقیہ میں دس بجے مولانا احمد لدھیانوی صاحب سے تعزیت کی اور پریس کانفرنس سے خطاب کرنے کے بعد کبیر والہ کے نزدیک ایک مدرسہ کے جلسہ میں شرکت کے لئے براستہ عبدالحکیم روانہ ہوا۔ اس جلسہ سے فارغ ہو کر مغرب کے وقت دارالعلوم کبیر والہ پہنچا اور وہاں سے لودھراں فون کرکے مولانا محمد میاں صاحب کو اطلاع دی کہ میں دو گھنٹے بعد لودھراں منعقد ہونے والی کانفرنس میں پہنچ جاؤں گا۔ مولانا محمد میاں صاحب نے مجھے بتایا کہ ادھر خیرپور ٹامیوالی کے قریب بستی شیخ واہن میں مقامی ایم۔ این۔ اے پیرزادہ ریاض حسین کے والد میاں شاہ نواز ڈبہ اور ان کے کئی ساتھیوں کو دن دہاڑے ڈیرے میں گھس کر قتل کر دیا گیا ہے۔ جس کے باعث اس پورے علاقے کے حالات سخت کشیدہ ہیں۔ کچھ مشکوک مسلح افراد سے بھری گاڑیاں چکر لگا رہی ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ آپ اس علاقے کا سفر بھی نہ کریں اور اپنے کارکنوں و عہدیداران خصوصاً میرے عزیز میاں جمیل کو پابند کریں کہ وہ اب کانفرنس کو ملتوی کر دیں۔ جب میں نے میاں جمیل اور دیگر عہدیداران سے بات کی وہ تو اس بات پر زبردست اصرار کرنے لگے کہ آپ ضرور اس کانفرنس میں شرکت کے لئے آئیں ہم ہر طرح کی سیکورٹی کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ کافی سمجھا بجھا کر انہیں مطمئن کیا اور اس بات پر آمادہ کیا کہ چند تقاریر کے بعد کانفرنس کو اختتام پذیر کر دیں۔ کہیں ردعمل کے طور پر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آجائے۔

ایک طرف میری اس واقعہ سے لاعلمی اور لاتعلقی اس حد تک نمایاں تھی کہ میں ابھی جھنگ میں صرف ایک روز قبل پہنچا تھا اور اسی روز لودھراں میں خطاب کے لئے جا رہا تھا۔ لیکن یہ معلوم کرکے حیرت کی انتہا نہ رہی کہ شاہ نواز ڈبہ کے قتل کی ایف۔ آئی۔

آر میں میرا اور حضرت فاروقی کا نام لکھوا دیا گیا۔ حالانکہ جیسا کہ آگے ذکر ہوگا کہ حضرت فاروقی سے میری ملاقات اور بات چیت عمرہ سے قبل ہوئی یا پھر اس واقعہ سے تین دن بعد رائے ونڈ میں ہوئی اور مزے کی بات یہ ہے کہ میاں شاہ نواز ڈبہ کے بارے میں میری معلومات بالکل ہی صفر تھیں اور اب تک مجھے اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ یہ "حضرت صاحب کیا چیز ہیں۔"

جھنگ میں یوم صدیق اکبرؓ کے جلوس اور ساہیوال میں کانفرنس سے خطاب

16 نومبر 1995ء جمعرات کے دن جمادی الثانی کی بائیس تاریخ تھی۔ یوم وفات سیدنا صدیق اکبرؓ کی مناسبت سے اس روز سپاہ صحابہؓ ملک بھر میں مدح صحابہؓ کے جلوس نکالتی ہے تاکہ حکومت خلفاء راشدین کے ایام کو سرکاری سطح پر اسی طرح تزک و احترام سے منانے کا اعلان اور سرکاری تعطیل کرے جس طرح وہ 9 اور 10 محرم کو سرکاری [illegible] کرتی ہے اور محرم کے دس ایام کو سرکاری طور پر ایک مخصوص مکتب فکر کے لوگوں کے لئے وقف کردیتی ہے نیز جس طرح پاکستان میں قائداعظم، علامہ اقبال، شکاگو کے مزدوروں کا یوم، آزادی کا یوم اور 12 ربیع الاول کا دن، سرکاری طور پر منایا جاتا ہے۔

ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ یا تمام سرکاری تعطیلات ختم کر کے ملک کو چھٹیوں کی روایت سے ہی نجات دلا دی جائے یا اگر تعطیلات کرنا ضروری ہیں تو خلفاء راشدین کے ایام ہائے شہادت و وفات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس مطالبہ کے لئے سپاہ صحابہؓ اپنے طور پر مدح صحابہؓ کے جلوس کا ان ایام پر اہتمام کرتی ہے۔ یہ جلوس محض مطالباتی اور حکمرانوں کے جانبدارانہ رویہ پر احتجاج کرنے کے لئے نکالے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی دینی حیثیت نہیں ہے اور جیسے ہی مطالبہ تسلیم کرلیا جائے گا یا تمام تعطیلات ہی ختم کر

دی جائیں گی۔ تو یہ جلوس بھی ختم کر دیا جائے گا۔ اس وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ ان جلوسوں کو شیعہ کے ماتمی جلوسوں یا 12 ربیع الاول پر بعض حضرات کی طرف سے نکالے جانے والے جلوسوں کی طرح بدعت نہ کہا جائے۔ مطالباتی اور احتجاجی جلوس بدعت کے زمرہ میں نہیں آتے ہیں۔

چنانچہ حسب پروگرام 22 جمادی الثانی کو مسجد حق نواز شہید سے ایک بڑا جلوس شروع ہو کر ریل بازار پہنچا۔ جہاں پر میں نے سپاہ صحابہؓ کے مطالبات پر روشنی ڈالی اور جلوس کی غرض وغایت کو بیان کیا اور دعا پر یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ جمعہ کے روز جھنگ میں خطبہ جمعہ دے کر بعد نماز عشاء بلدیہ ٹاؤن ساہیوال منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لئے اپنے آبائی گاؤں چیچہ وطنی سے ہوتا ہوا ساہیوال پہنچا۔ جہاں سابق ممبر قومی اسمبلی میاں انوار الحق رامے کی صدارت میں عظمت صدیق اکبرؓ کانفرنس اپنے جوبن پر تھی۔ (واضح رہے کہ میاں انوار الحق رامے 93ء کے الیکشن میں ہار گئے تھے اور اب 97ء کے الیکشن میں ایم۔ این۔ اے منتخب ہو کر آج کل وزارت اطلاعات ونشریات کے پارلیمانی سیکرٹری کے عہدہ پر متمکن ہیں۔ اس وقت چونکہ میری تقاریر میں بے نظیر بھٹو کی نسوانی حکومت کا خوب اپریشن ہوتا تھا اور وقت کے جابروں کے خلاف صداء حق گونجتی تھی تو یہ لوگ ایسے جلسوں کی صدارت کر کے خوشی محسوس کرتے تھے۔ آج کل یہی لوگ جب برسر اقتدار آچکے ہیں تو اب وہی صدائے حق انہیں بری لگتی ہے اور جلسوں کی صدارت کر کے فخر محسوس کرنے والے ہمیں جیلوں میں ڈال کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کس نے اپنی عادت بدلی ہے اور کون آج بھی اپنے اس مقام پر کھڑا ہے۔ وقت اور تاریخ اسے خوب پہچان رہے ہیں۔) ساہیوال کی کانفرنس سے خطاب کر کے دوسرے روز رائے ونڈ روانہ ہو گیا۔

رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں قائد سپاہ صحابہؓ سے ملاقات

18 نومبر کو رائے ونڈ اجتماع کے پنڈال میں پہنچا تو عوام کا جم غفیر مجھے دیکھتے ہی والہانہ انداز میں ملنے کے لئے لپکا، ہاتھ ملانے کے لئے لوگوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر مجھے شدت سے احساس ہوا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو اس عظیم تبلیغی اجتماع کے نظم و نسق میں گڑبڑ پیدا ہوگی اور بزرگ ناراض ہونگے۔ اس لئے اجتماع گاہ میں بیٹھ کر بیان سننے کی بجائے جھنگ کنٹین میں چلا گیا۔ جہاں احباب نے الگ رہائش کا انتظام کردیا۔ شام کے وقت معلوم ہوا کہ قائد سپاہ صحابہؓ بھی تشریف لا چکے ہیں اور ادارہ اشاعت المعارف کے بک سٹال کے متصل قناتوں سے بنائے گئے رہائشی مقام پر موجود ہیں۔ چنانچہ بعد المغرب قائد محترم کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ دیکھ کر ٹھٹھکا کہ ان کے پاؤں پر پلستر لپٹا ہوا ہے اور وہ چلنے پھرنے سے کافی حد تک معذور ہیں۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ پاؤں میں شدید قسم کی موچ آگئی ہے۔

یہ رات میں نے رائے ونڈ شہر میں پیر طریقت میاں جمیل احمد نقشبندی رحمتہ اللہ کے فرزند ارجمند کی خواہش پر ان کی رہائش گاہ پر گذاری۔ وہاں پر میری ملاقات عظیم فقیہ و شیخ الحدیث مولانا مفتی نظام الدین صاحب شامزئی استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے ہوئی۔ حضرت سے کراچی کے دورے شناسائی اور ارادت مندی کا تعلق ہی نہیں بلکہ تمام اہم جماعتی امور میں مشاورت کا سلسلہ قائم تھا۔ حضرت رات گئے تک بے نظیر حکومت کے اسلامی اداروں اور دینی جماعتوں و علماء کرام کے بارہ میں ناپاک عزائم پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پر سخت دکھ کا اظہار فرماتے رہے کہ اہل حق کے قافلہ کے لوگ بے نظیر کی غیر شرعی اور اسلام دشمن حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے اور اس کی بھیانک سازشوں کا راستہ روکنے کے لئے منظم ہو کر آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔

میں نے حضرت کو شاہ نواز ڈبہ کے قتل کیس میں اپنے اور قائد سپاہ صحابہؓ کے نامزد کیے جانے سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے حکومت کے عزائم بہت بھیانک نظر آتے ہیں"

مولانا عارف چشتی کی شہادت کا حادثہ اور ان کی تدفین

19 نومبر کی صبح جب دوبارہ تبلیغی اجتماع میں پہنچا اور حضرت فاروقی سے ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ گذشتہ شب مولانا عارف چشتی صاحب کو شاہدرہ لاہور کے علاقہ میں شہید کر دیا گیا ہے۔ مولانا عارف چشتی بریلوی مکتب فکر کے وہ باصلاحیت اور ابھرتے ہوئے نوجوان خطیب تھے۔ جنہوں نے سپاہ صحابہؓ کے ساتھ نہ صرف خود تعاون کا ہاتھ بڑھایا بلکہ حضرت فاروقی کو اپنے ایک سو کے لگ بھگ علماء کرام و آئمہ مساجد و مدرسین سے ملوا کر انہیں یقین دلایا کہ وہ سنی علماء فورم کے پلیٹ فارم سے سپاہ صحابہؓ کے موقف کی تائید میں آواز بلند کرتے رہیں گے۔ پھر کچھ ہی روز بعد علامہ عارف چشتی اپنے اخلاص اور جذبہ صادقہ کے باعث سپاہ صحابہؓ کے جلسوں کی رونق بننے لگے۔ میرے ہمراہ پشاور، میاں چنوں، فاروق آباد وغیرہ کے علاقوں میں ان کے خطابات ہوئے۔ وہ اپنے مخصوص انداز خطابت اور تلاوت قرآن مجید کی منفرد لَے کے باعث عوام میں پذیرائی حاصل کرتے چلے جا رہے تھے اور پھر بریلوی مکتب فکر کے ذمہ دار عالم ہونے کے باعث سپاہ صحابہؓ کے نوجوان ان کی دل سے نہ صرف قدر کرتے بلکہ دل کھول کر ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ شہادت سے صرف تین یوم قبل حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی یاد میں سنی علماء کونسل کے پلیٹ فارم سے لاہور میں عظیم الشان سیمینار منعقد کرنے کے باعث دشمنان صحابہؓ کے لئے ناقابل برداشت ہو گئے تو انہیں راستے سے ہٹانے کے لئے رافضیوں نے شہید کر دیا۔

اس روز چونکہ قائد محترم کے پاؤں میں تکلیف تھی لہٰذا مجھے پابند فرمایا کہ اجتماع

کے اختتام پر فوری لاہور پہنچ کر مولانا عارف چشتی کی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کروں۔ چنانچہ ٹھیک چار بجے میں ان کے گاؤں پہنچا جہاں انہیں غسل دلوایا۔ ان کے والد صاحب اور ان کی بیوگان کے مابین مقام تدفین کے اختلاف کو ختم کرا کر بعد نماز مغرب جنازہ کی نماز سے فارغ ہو کر مولانا کے زیر تعمیر مدرسہ میں قبر کھدوانا شروع کی اور خود بھی قبر کی کھدائی میں حصہ لیا۔ رات گیارہ بجے شہید کی تدفین سے فارغ ہو کر وہاں سے پلٹا...

رات گئے گوجرانوالہ روانگی اور اگلے روز لاہور آمد

چند روز پہلے جھنگ سے رائے ونڈ روانگی سے قبل ہی گوجرانوالہ کے دوست شیخ عرفان صاحب (جن کا تذکرہ روپوشی کے حالات میں بھی آچکا ہے اور آئندہ صفحات میں بھی آرہا ہے) سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ مجھے دعا کے بعد رائے ونڈ سے لے جائیں گے اور رات قیام ان کے پاس ہوگا۔ لیکن مولانا عارف چشتی کی شہادت کے باعث نصف رات تک تدفین میں شریک رہا۔ پھر اپنے باڈی گارڈز سمیت رات کو گوجرانوالہ پہنچے تو ان کا گھر بڑی ہی مشکل سے تلاش کیا اور انہیں خواب خرگوش سے جگایا کہ ہمیں بھوک لگی ہے لہٰذا طعام و قیام کا بندوبست کرو۔ ایسی تکلیف بروقت یا بے وقت اسے دی جائے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ رات وہاں گذار کر صبح لاہور روانہ ہوئے۔

سپاہ صحابہؓ پنجاب کے کنونشن میں شرکت اور اسیران لاہور سے ملاقات

20 نومبر کو گوجرانوالہ سے لاہور پہنچ کر قصر فاروق اعظم شاہدرہ میں سپاہ صحابہؓ پنجاب کے کنونشن میں شریک ہو کر خطاب کیا اور بعد ظہر شیخ حاکم علی صاحب کے ہمراہ کیمپ جیل میں قید صوبہ پنجاب کے جنرل سیکرٹری محمود اقبال صاحب سیکرٹری اطلاعات مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی اور ڈپٹی سیکرٹری پنجاب ڈاکٹر احمد نثار اور ان کے رفقاء سے جیل کی

پارک کے اندر جا کر ملاقات کی۔ واپس اجلاس میں شریک ہوئے اور رات گئے مولانا طاہر محمود اشرفی کی دعوت طعام سے فارغ ہو کر حضرت قائد سپاہ صحابہؓ کے ہمراہ آرام کے لئے چمبہ ہاؤس لاہور چلے گئے۔

یہاں سے ہماری (علامہ فاروقی شہید اور میں) زندگی میں قید و قفس کے اس باب کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کا انجام اور اختتام ۱۴ ماہ کے دوران پنجاب کی مختلف جیلوں کے حسین اور سنگین شب و روز اور حکمرانوں کے مظالم کے بعد ۱۸ جنوری ۹۷ء کو سیشن کورٹ لاہور کے احاطے میں ریموٹ کنٹرول بم دھماکے کے نتیجے میں قائد سپاہ صحابہ کی دردناک شہادت اور میرے جسم پر اسی سے زائد گہرے زخموں پر ہوا۔

چنبہ ہاؤس لاہور سے گرفتاری

رات گئے چنبہ ہاؤس پہنچ کر پہلی مرتبہ میں اور فاروقی صاحب اپنے اپنے باڈی گارڈز کے ہمراہ الگ الگ کمرے میں سو گئے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ بوٹوں کی دھمک، اکھڑی سانسوں اور سرگوشیوں کی آوازیں سن کر میں بیدار ہوا تو ایک بجے رات پولیس کی بھاری نفری ہمارے کمروں کے سامنے آ پہنچی۔ میں نے بیدار ہوتے ہی پولیس کو ساتھ چلنے کا اصرار کرتے ہوئے پایا میں نے کہا کہ ٹھہرو مجھے وضو کر لینے دو۔ چنانچہ وضو کر کے چار رکعت ادا کیں اور قائد محترم فاروقی صاحب (جو پاؤں کی سخت تکلیف میں مبتلا تھے) کے ہمراہ پولیس کے لشکر کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر موقع پر موجود تمام ساتھیوں کو سلام کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے۔ ہمیں سیدھا تھانہ سول لائن لے جایا گیا۔

تھانہ سول لائن میں کچھ دیر قیام

تھانہ سول لائن میں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تین بجے تک میں اور فاروقی صاحب کرسیوں پر بیٹھے رہے اور باہر ٹیلی فون اور وائرلس پر افسران آپریشن کی کامیابی کے پیغامات نشر کرنے اور اگلی ہدایات لینے میں مصروف رہے۔

چونکہ تین روز قبل فاروقی صاحب کے دائیں پاؤں میں موچ آجانے کی وجہ سے پلستر چڑھا ہوا تھا اور وہ بار بار کرسی پر بیٹھے ہوئے پاؤں کو ہاتھوں سے اٹھا رہے تھے تو مجھے ان کی اس حالت، پولیس ایکشن اور موجودہ کیفیت کو دیکھ کر خوب ہنسی آرہی تھی اور میں فاروقی صاحب کو بھی بار بار چھیڑ رہا تھا کہ اگر ہمیں یہاں سے فرار بھی ہونا پڑے تو آپ سے تو چلا بھی نہیں جاسکے گا اور وہ بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہاں لاکر بٹھادیا گیا ہے اور خود تمام افسران باہر چلے گئے ہیں۔ آخر ان کا پروگرام کیا ہے کچھ معلوم بھی تو ہونا چاہیے۔ اسی دوران ان کی نظر دفتر کے ایک کونے میں رکھی ہوئی چارپائی پر پڑی چنانچہ وہاں سے اٹھ کر چارپائی پر جالیٹے۔ میں نے کہا آپ وہاں آرام کریں میں کرسی پر تھوڑی دیر سولیتا ہوں۔

تھانہ سول لائن لاہور سے بہاولپور روانگی

میں کرسی پر ہی بیٹھے بیٹھے آرام کے موڈ میں تھا اور آنکھیں موند کر سو جانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر آرام ہماری قسمت میں کہاں۔ سوا تین بجے افسران دفتر میں وارد ہوئے اور ہمیں اس طرح مطمئن اور آرام کے موڈ میں دیکھ کر دنگ رہ گئے، اور پھر گویا ہوئے کہ "آؤ جی چلیں۔" ہم اٹھ کھڑے ہوئے جب ہم دفتر سے باہر آئے تو تمام لاؤ لشکر قریباً قریباً چلا گیا تھا۔ صرف چار عدد 4x4 ڈبل کیبن پولیس اسکواڈ کے ڈالے کھڑے ہوئے

تھے۔ جن میں ہمیں الگ الگ بٹھا دیا گیا اور نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ گاڑیاں جب لاہور نہر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے رائے ونڈ روڈ پر فرائٹے بھرنے لگیں تو مجھے احساس ہو گیا کہ اب اگلی منزل بہاولپور ہی ہو گی۔ کیونکہ وہاں پر چند روز قبل پیرزادہ شاہنواز ڈبہ جو کہ ایک جاگیردار ایم۔ این۔ اے ریاض پیرزادہ کے والد ہیں۔ ان کے قتل کا حادثہ پیش آچکا تھا اور ہمارا نام F.I.R میں بطور ایماء کے درج کرایا گیا تھا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ واقعی پاکستان کے جاگیرداروں کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ ان کے ساتھ حادثہ پیش آجانے کی صورت میں صدر مملکت اور وزیر اعظم ان کے جنازہ میں شرکت اور تعزیت کرنے اور جاگیردار مدعیوں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے ہر ایک بے گناہ شخص کو چاہے وہ کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو اور کسی بڑی سے بڑی جماعت کا سربراہ یا رکن اسمبلی کیوں نہ ہو گرفتار کیا جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف گذشتہ شب ہی جس نامور عالم دین مولانا عارف چشتی شہید کے جنازہ میں میں شریک ہوا تو کوئی پولیس افسر وہاں نہ صرف یہ کہ موجود نہیں تھا بلکہ مولانا کے بوڑھے والدین کو قاتلوں کو گرفتار کرنے کی یقین دہانی کرا کر ان کے دکھ درد کو کم کرنے والا A.S.I تک حاضر نہ تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ کل تک جس گورے انگریز کے خلاف ہمارے اکابر ڈیڑھ سو سال تک لڑتے لڑتے قبروں میں چلے گئے۔ آج اسی انگریز کی خدمات کی مرہون منت جاگیریں حاصل کرنے والوں کی غلامی سے قوم کو نکالنے کے جرم میں کالے انگریزوں کے ظالمانہ قوانین کا یک طرفہ طور پر ہم نشانہ بن رہے ہیں۔ لاہور جیسے شہر میں چار سال کے عرصہ میں ہمارے سو کے قریب علماء، خطباء، آئمہ مساجد اور نمازی شہید ہو جائیں تو ایک بھی نامزد ملزم گرفتار نہ ہو۔ خود میرے جیسے ممبر اسمبلی اور ایک عالمی جماعت کے ذمہ دار پر راکٹ لانچروں سے حملہ ہو تو قاتل دندناتے پھریں۔ لیکن جھنگ سے تین سو کلو میٹر کے فاصلہ پر ایک جاگیردار قتل ہو جائے تو ہمیں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک گھڑی پر نظر پڑی تو چھ بج رہے تھے اور باہر دیکھا تو ہم بھائی پھیرو کے قریب پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ میں نے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پولیس افسر سے کہا کہ نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ کسی جگہ سٹاپ کریں۔ اس نے وائرلیس سیٹ پر اگلی گاڑی میں تشریف فرما D.S.P صاحب کو مطلع کیا۔ چنانچہ ایک پٹرول پمپ کے پاس بریک لگائی گئی اور چاروں گاڑیوں سے اتر کر پولیس نے وہاں پر موجود چھوٹی سی مسجد کا یوں محاصرہ کر لیا جیسے اسے مسجد کی گرفتاری کا مشن سونپا گیا ہو۔

نماز سے فراغت کے فوراً بعد ہم دوبارہ سوار ہوئے۔ اوکاڑہ، ساہیوال، چیچہ وطنی، میاں چنوں، خانیوال سے ہوتے ہم بہاولپور کی طرف رواں دواں تھے۔ اب دن کے نو دس بج رہے تھے۔ مسلسل سفر سے ہمارا تو کیا خود پولیس والوں اور خاص طور پر ڈرائیوروں کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ بار بار پیشاب کے بہانہ وائرلیس پر صاحب سے رکنے کی اجازت مانگتے رہے لیکن ادھر سے ایک ہی جواب تھا "بس چلتے چلو۔" پولیس سپاہیوں کے سگریٹ ختم ہو چکے تھے اور ہماری طرح ان کے پیٹ بھی خالی تھے اور وہ حکم کے غلام بنے افسران بالا کو کوسنے اور ان کے ظلم و ستم کے شکوے شکایات کا دفتر کھولے ہوئے تھے۔ ہم دونوں اپنی اپنی گاڑی میں ان بیچاروں کو تسلیاں دینے اور ان کا حوصلہ بڑھانے میں مصروف تھے۔ اسی اثناء میں خانیوال سے قبل وہاڑی موڑ کے قریب وائرلیس پر ایک آواز سنائی دی کہ صاحب! اب تو پیشاب کی شدت کی وجہ سے ہمارے مثانے پھٹنے کو ہیں۔ خدارا مہربانی کر کے کچھ دیر اسٹاپ کریں۔ چنانچہ ایک جھونپڑا نما ہوٹل پر گاڑیاں کھڑی کر دی گئیں اور ہر ایک جلدی جلدی فارغ ہونے چلا گیا۔ کچھ سپاہیوں نے جلدی سے چائے بنوا کر ابھی پیالیوں سے منہ ہی لگایا تھا کہ آرڈر ہو گیا فوراً چلو چنانچہ گرم گرم چائے اپنے اپنے حلق میں انڈیلتے ہوئے اور منہ میں بڑبڑاتے ہوئے یہ لوگ پھر گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ مجھے چائے کی پیش کش ہوئی لیکن میں نے اس انداز میں چائے نگلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ

آگے چل کر پی لیں گے۔

اس حالت میں سوا بارہ بجے کے قریب بہاولپور کچہریوں میں گاڑیاں جاکر رکیں اور وہاں پر ڈیڑھ گھنٹہ تک افسران دفاتر میں گھومتے رہے اور ہم لوگ گاڑیوں میں بیٹھے رہے پھر وہاں سے گاڑیاں چلکر تھانہ پہنچیں جہاں ہمیں باضابطہ بہاولپور پولیس کے D.S.P صدر چوہدری دلدار کی تحویل میں دے کر لاہور کی ٹیم اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئی۔

پولیس کی طرف سے کڑاہی مرغ کی تواضع کا مذاق

یہاں پر چوہدری دلدار D.S.P کے آفس میں ہمیں بٹھایا گیا۔ میں نے فوراً باتھ روم میں جاکر وضو کیا اور اپنی وضع قطع درست کی کہ اسی اثناء میں وہ ہمیں لے کر تھانہ بغدادی کی طرف چل پڑے وہاں الگ ایک کمرہ میں بٹھا دیا گیا اور فاروقی صاحب نے بھی وضو کر لیا اور ہم نے باجماعت ظہر کی نماز ادا کی۔ اسی اثناء میں تفتیشی ٹیم کے ایک رکن D.S.P چوہدری شوکت مرتضیٰ بھی پہنچ گئے۔ جنہوں نے کھانے وغیرہ کا پوچھا تو ہم نے کہا رات سے سفر کر کے یہاں پہنچ چکے ہیں۔ اب کم از کم کھانا تو ہمارا حق بنتا ہے۔ انہوں نے کہا ابھی کڑاہی مرغ سے آپ کی تواضع کرتے ہیں اور یہ کہہ کر آواز لگائی او فلانے ادھر آؤ۔ جاؤ جلدی سے روٹی اور کڑاہی مرغہ بنوا کر لاؤ۔ ہم نے بہت کہا چوہدری صاحب آپ تکلف نہ فرمائیں۔ جو سالن تیار ہو منگوالیں۔ مگر وہ باز آنے والے نہ تھے۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ کڑاہی مرغہ تو نہ آیا البتہ ہمیں کہا گیا کہ چلو جناب آگے چلنا ہے۔ چنانچہ جب ہم گاڑی میں بیٹھنے لگے تو چوہدری صاحب پھر ہمیں نظر آئے جو اپنی مخصوص طرز سے مسکرا رہے تھے۔ تو میں نے کہا چوہدری صاحب آپ پریشان نہ ہوں۔ اب ہمیں سمجھ آئی کہ کڑاہی مرغہ کا معنیٰ کیا ہے؟

خطرناک سفر اور خالی پیٹ چند لقمے

اب اگلی منزل حاصل پور تھی اور راستہ میں مقتول پیرزادہ صاحب کا ڈیرہ بھی برلب سڑک واقع تھا۔ اسی وجہ سے پولیس افسران پر گھبراہٹ اور پریشانی نمایاں تھی۔ افسران سپاہیوں کو گنیں لوڈ کرنے، بلٹ مار لینے اور چوکس ہو کر بیٹھے، دائیں بائیں نظر رکھنے کی ہدایات دے رہے تھے۔ جوں توں کر کے ہم دونوں کو D.S.P صدر چوہدری دیندار احمد کی گاڑی میں بٹھا کر آگے پیچھے پولیس کی بھری ہوئی دو بسوں کے درمیان میں تین بجے بہاولپور سے نکالا گیا۔ شہر سے نکل کر D.S.P صاحب کو اپنا پرہیزی کھانا جو تین چپاتیوں چار آلوؤں دو بوٹیوں کے سالن پر مشتمل تھا یاد آگیا۔ ان کے اصرار پر ہم بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ بھوک کی وجہ سے ہم نے بھی سر تو ہلا دیا لیکن جب ٹفن سے اتنا قلیل کھانا برآمد ہوا تو ہمیں شریک ہوتے ہوئے بہت شرم آئی۔ تاہم ان کے خلوص اور ہماری بھوک میں چونکہ کمی نہ تھی اس لئے دو دو سرے گن مینوں کو بھی شامل کر کے آدھی آدھی چپاتی اور ایک ایک آلو سے لنچ کیا گیا۔

شام کو سوا پانچ بجے حاصل پور میں اے سی صاحب کی عدالت میں داخل ہوئے اور جاتے ہی عدالت کے بغلی کمرے میں وضو کر کے نماز عصر ادا کی اور پھر بے وقت لگائی گئی عدالت میں پیش کر کے ہمارا سات روز کے لئے ریمانڈ حاصل کیا گیا۔ جب ہم بیس پچیس منٹ کے بعد عدالت سے باہر آئے تو دیکھا کہ چاروں طرف پولیس کی ناکہ بندی اور رکاوٹیں ہونے کے باوجود حاصل پور کے شہری اور سپاہ صحابہ کے کارکن ہزاروں کی تعداد میں اس تاریخی منظر کو اس طرح تعجب سے دیکھ رہے تھے جیسے یہ ان کے لئے کوئی عجوبہ ہو۔

طویل سفر اور تھکی سواری

یہاں سے واپسی پر ہمیں پولیس کی قیدیوں کی اس بس میں سوار کیا گیا جس میں بیٹھنے کے لئے دونوں طرف لکڑی کے ایک ایک بالشت چوڑے پھٹے سیٹوں کی جگہ پر لگے ہوئے تھے اور پاؤں رکھنے کی جگہ پر گاڑی کا نچلہ حصہ جگہ جگہ سے بڑے سوراخوں کی شکل میں اپنی بدحالی کا ماتم کر رہا تھا۔

حاصل پور سے چل کر قائم پور کے قریب ہی گاڑیاں مغرب کے وقت دائیں ہاتھ کو مڑ گئیں اور کچے رستوں، ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر مٹی اڑاتیں اور دھواں چھوڑتی ہوئی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھیں۔ ہم نے بار بار کہا کہ نماز کے لئے کسی جگہ سٹاپ کریں لیکن اب ہماری بات سننے کے لئے نہ کوئی افسر موجود تھا اور نہ ہی کوئی بااختیار آدمی۔ ہمارے دائیں بائیں جو لمبی لمبی رائفلوں والے سپاہی گاڑی کے ہچکولوں اور جمپوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے جا رہے تھے۔ وہ کئی مرتبہ باہم دست و گریباں ہوتے ہوتے رہ گئے۔ تاہم ایک دوسرے کی تواضع گالیوں سے اور ڈرائیور و افسران بالا کو صلواتیں سنا کر رہے تھے چونکہ میں اور فاروقی صاحب ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ مجھے ان کے پاؤں کی تکلیف کا بھی احساس تھا۔ اس لئے ایک طرف تو ہر جمپ اور رکاوٹ پر کوشش کرتا کہ ان پر بوجھ نہ پڑنے پائے اور دوسری طرف لائن میں بیٹھی ہوئی پولیس کا تمام زور روکتا۔ اس سے زیادہ اذیت ناک وہ ٹھنڈی ہوا تھی جو جالیوں اور پاؤں کی طرف سے اندر آ رہی تھی۔ لیکن اس موقعہ پر ہماری شگفتہ مزاجی کام آتی رہی۔ حضرت فاروقی صاحب وقفہ وقفہ سے لطائف کی پھلجھڑیاں چھوڑتے رہے مگران کی آواز صرف میں ہی سنتا اور خوب داد دیتا تھا۔ رات آٹھ بجے ہم نے جب چلتی گاڑی کی جالیوں سے اوپر ہو کر جھانکا تو پتہ چلا کہ ہم کہروڑ پکا سے گزر رہے ہیں۔ خدا خدا کر کے رات ساڑھے نو بجے تھانہ مسافر خانہ (جو کہ احمد پور

شرقیہ سے اٹھارہ میل پہلے ہے۔) ہمیں اتار اگیا۔

اس وقت ہماری حالت یہ تھی کہ مسلسل ۲۰ گھنٹے گاڑیوں اور خصوصاً ٹوٹی باڈی والی بس کے ذریعہ قریباً ۵۰۰ کلومیٹر کا سفر کرنے کی وجہ سے ایک طرف تو پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور دوسری طرف کپڑوں کی حالت یہ تھی کہ دھول اور مٹی سے اٹ چکے تھے۔

۳۶ گھنٹے بعد کھانے اور تفتیشی افسران کا سامنا

تھانہ میں تفتیشی افسران پہلے ہی سے ہمارے منتظر تھے۔ چنانچہ ہمیں S.H.O کے دفتر میں لے جایا گیا۔ قبل اس کے کہ ہم سے کوئی تفتیشی افسربات کرتا۔ میں نے خود ہی پہل کر کے کہا جناب پہلے نماز پھر طعام اور بعد میں کلام ہو گی تو ہمیں نماز کے لئے مٹکے کے ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے جماعت کی نماز سے مغرب قضاء اور عشاء ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ ادھر نماز سے فارغ ہوئے ادھر ۳۶ گھنٹے بعد کھانا بھی ہمارے انتظار میں موجود تھا۔ کھانے کے بعد مجھے فوری طور پر سمہ سٹہ لے جایا گیا جبکہ قائد محترم کو تھانہ مسافر خانہ میں رکھا تھا۔

تھانہ مسافر خانہ میں قائد سپاہ صحابہؓ کی تفتیش

تھانہ مسافر خانہ میں تفتیشی ٹیم ایس پی۔ سی آئی اے چوہدری مسعود اقبال کی سربراہی میں ڈی ایس پی بہاولپور چوہدری شوکت مرتضیٰ ڈی ایس پی احمد پور شرقیہ ملک ضیاء نیروز ڈی۔ ایس۔ پی حاصل پور ملک قادر بخش اور انسپکٹر نوید اکرم کے ہمراہ پہنچ چکی تھی۔ مجھے تھانہ سمہ سٹہ میں روانہ کرتے ہی تفتیشی ٹیم کے یہ ارکان قائد محترم حضرت علامہ فاروقی صاحب کے گرد جمع ہو گئے تھے اور سوالات کی بھرمار کردی۔ سوالات اس نوعیت

کے تھے کہ جناب ان تمام ملزمان کے فوری نام لکھوائیں جنہیں آپ نے آرڈر دیکر بھیجا اور میاں شاہنواز پیرزادہ کو قتل کرایا۔ وہ تمام اسلحہ برآمد کروائیں جو اس حملہ میں استعمال ہوا۔ وہ گاڑی برآمد کرائیں جو اس وقوعہ میں استعمال ہوئی اس میٹنگ کی تفصیلات بتائیں جو ارشد ہمدانی کی شادی کے موقع پر آپ کی سابق وزیر تسنیم نواز گردیزی سے ہوئی۔ اس سازش میں اور کون کون شریک ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرما رہے تھے کہ ہمیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ گردیزی صاحب نے ہر چیز بتادی ہے وہ تھانہ نوشہرہ جدید میں اس وقت زیر تفتیش ہیں۔

مجھے فاروقی صاحب نے بتایا کہ میں نے جواباً انہیں کہا کہ نہ تو ہم نے کسی قسم کا کوئی منصوبہ تیار کیا ہے اور نہ ہی ارشد ہمدانی کی شادی پر گردیزی صاحب سے ہماری کوئی میٹنگ ہوئی ہے۔ اگر صرف ہماری میٹنگ ثابت ہو جائے تو ہمیں مجرم سمجھ لیا جائے۔ باقی حملہ آور کون ہیں۔ ہمارے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہیں نہ ہم قتل و غارتگری پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہم نے ایسا کوئی قدم اٹھایا ہے۔ آپ کے پاس جو ثبوت ہے۔ آپ سامنے لائیں اگر ہماری بے گناہی ثابت نہ ہوئی تو بے شک آپ ہمیں گنہگار لکھیں۔ جب تفتیشی ٹیم کا کوئی داؤ اور حربہ نہ چل سکا تو کہنے لگے کہ آپ نے حافظ یحیٰی شہید کے جنازہ پر اعلان کیا تھا کہ ہم بہت جلد پیرزادہ سے بدلہ لیں گے۔ کیسٹ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ لہٰذا آپ کی دھمکی کے مطابق پیرزادہ قتل ہو گیا ہے تو قائد محترم کا جواب تھا کہ یہ بات غلط ہے کہ میں نے یحیٰی شہید کے جنازہ پر تقریر کی ہے بلکہ مجھے تو وہاڑی کے متعصب ایس پی نے گرفتار کروا کر جیل بھجوا دیا تھا اور جنازہ میں شریک ہی نہیں ہونے دیا رہائی کے بعد اگر میں نے تعزیتی پروگراموں پر تقا ر کی ہیں تو ان میں واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ پیرزادہ شاہ نواز حافظ یحیٰی کو پولیس تشدد سے قتل کرانے میں ملوث ہے۔ ہم قانونی طریقہ سے پیرزادہ اور ں اہلکاروں سے انتقام لیں گے اور اس سلسلہ میں ہم نے ہائی کورٹ میں رٹ دائر کر

رکھی ہے اور آئی جی پولیس کو مل کر دی آئی جی کی سربراہی میں دو ایس پی حضرات پر مشتمل تفتیشی ٹیم کا تقرر کرالیا ہے۔ (تازہ ترین اطلاع کے مطابق یہ ٹیم ایس پی وہاڑی کو گناہ گار لکھ چکی ہے) آپ اگر میری کسی تقریر میں خود انتقام لینے یا پیرزادہ کو قتل کروانے کا لفظ پیش کر دیں تو ہم الزام قبول کر لیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس چیلنج کا تفتیشی ٹیم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

تھانہ سمہ سٹہ میں میری تفتیش

رات تین بجے تک جب حضرت فاروقی صاحب سے سر کھپا کر یہ ٹیم فارغ ہوئی تو تھانہ سمہ سٹہ آدھمکی۔

مجھے تھانہ سمہ سٹہ میں لے جا کر حوالات میں بند کر دیا گیا تھا سخت سردی میں چھوٹی چھوٹی چار دیواری میں گھری ہوئی پرانی عمارت پر مشتمل اس عجوبہ روزگار تھانہ میں داخل ہوتے ہی مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میرے ساتھ حکومت کی نوازشات کا انداز منفرد اور انوکھا ہو گا۔ کیونکہ اصل قصوروار تو میں ہوں کہ جس نے ایوان کے اندر اور باہر حکمرانوں کو رگڑ رگڑ کر نیلا پیلا کر رکھا ہے اور پشاور سے رہائی کے بعد عورت کی سربراہی کے خلاف مستقل تقاریر کے ذریعہ دین حق کے موقف کی ترجمانی کا فرض ادا کیا ہے۔ چنانچہ توقع کے عین مطابق اس حوالات میں ایک پھٹے ہوئے ٹاٹ پر بستر لگا دیا گیا۔ قریب ہی پانی کے دو گھڑے بھر کر رکھ دیئے گئے جو استنجا اور وضو کے لئے کام آ سکتے تھے۔ بیس گھنٹے کے سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند کے مزے لینے لگا اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر حوالات کی سلاخوں سے پرواز کر کے ذہن خواب کی دنیا میں سیر کرنے چلا گیا۔ شاید ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اچانک حوالات کا تالہ کھلنے کی آواز نے واپس بلا لیا۔ آنکھ کھلی تو گھڑی پر نظر ڈالی رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے اور دروازہ کھولے ہوئے دربان

کہہ رہا تھا کہ انھیں جی افسران بلا رہے ہیں۔ جلدی سے مٹکوں کے ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور ایس ایچ او کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تفتیشی ٹیم سے آمنا سامنا ہوا۔

تفتیشی افسران نے غیر رسمی طور پر حال و احوال پوچھنے کے بعد وہی سوالات جو حضرت فاروقی صاحب سے کر آئے تھے۔ مجھ سے کرنے شروع کر دیئے لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ میں نے نہ تو ارشد ہمدانی صاحب کی شادی میں شرکت کی تھی اور نہ ہی اس علاقہ میں کوئی جلسہ کیا تھا بلکہ میرا ایک جلسہ حاصل پور شہر کی جامع مسجد میں ہوا تھا۔ اس میں میں نے اس عنوان پر سرے سے کوئی گفتگو ہی نہیں کی تھی اور پھر پیرزادہ کا قتل جس رات ہوا ہے میں اس سے ایک روز قبل عمرہ کے سفر سے واپس جھنگ پہنچا ہوں۔ اگر میں نے منصوبہ بندی کرائی ہوتی تو مجھے ایک دو دن اور ملک سے باہر رہنا چاہیے تھا، تاکہ میری ملک میں موجودگی ہی ثابت نہ ہو اور ویسے بھی میرا اس علاقہ کے سیاسی لیڈروں سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب سے نواز شریف کی حکومت ختم ہوئی ہے میری ملاقات تسنیم نواز گردیزی صاحب سے نہیں ہوئی۔ ہمدانی خاندان سے میری شناسائی تک نہیں ہے اور جس علاقہ کے سپاہ صحابہ کے نوجوانوں کی تفصیلات آپ مجھ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ میں سرے سے ان کو جانتا تک نہیں۔ میں نے تفتیشی ٹیم کو کہا کہ آپ بلاوجہ بال کی کھال اتارنے میں مصروف ہیں کیا خیال ہے؟ اگر میں ابھی یہاں سے مرکزی حکومت کو پیغام پہنچاؤں کہ میں آپ کی حمایت کرنے کو تیار ہوں تو پھر یہ ساری کاروائیاں ٹھپ ہو کر نہیں رہ جائیں گی؟ اور میں نہ صرف رہا ہو کر گھر چلا جاؤں گا بلکہ کوئی مرکزی عہدہ حاصل کر کے فوائد بھی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاؤں گا۔ افسران نے بیک زبان کہا۔ یہ بات تو ہے۔ میں نے کہا پھر تفتیش کس بات کی آپ لوگ کرنا چاہتے ہیں؟ نماز فجر تک تفتیش کرتے کرتے گوشت پوست کے ان انسانوں پر بھی نیند کا غلبہ شروع ہونے لگا تو میں نے کہا آیئے نماز پڑھ لیں۔ باقی سوالات بعد میں کر لینا تو نماز کا سن کر انہوں

نے مجھے اجازت دی کہ میں حوالات میں بند ہو کر نماز پڑھوں ادھر میں نے نیت باندھی ادھر پوری ٹیم رفو چکر ہو گئی۔ دوسری اور تیسری رات بھی اسی طرح نئے نئے تفتیشی اشکالات پرانی رپورٹوں پر مبنی سوالات اور جماعتی فنڈز کی تفصیلات ہمارے محافظوں کے کوائف لائسنسی اسلحہ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے مغز ماری کی جاتی رہی۔

مزید ریمانڈ دینے پر مجسٹریٹ کی منظوری

آٹھویں روز علی الصبح ایک مرتبہ پھر آڈر ملا کہ تیار ہو جائیں چلنا ہے میں نے کہا خدا خیر۔ اب کہاں کا سفر ہے۔ چنانچہ ایک ڈی ایس پی صاحب کی گاڑی میں بیٹھ گیا آگے پیچھے پولیس نفری کی بھری بسوں کے جلوس میں یہ قافلہ بہاولپور کی ضلع کچہری میں جا رکا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ریمانڈ لینے کے لئے حاصل پور کا طویل سفر کرنے سے سرکاری اہلکاروں نے شدید خطرات کے پیش نظر جواب دے دیا تھا۔ اب یہیں ڈی سی ریمانڈ دے دیں گے۔ لیکن اتنی صبح صبح ڈی سی دفتر میں آ بھی جائیں گے تو پتہ چلا کہ وہ تیار ہو رہے ہیں لیکن ایک گھنٹہ بعد ان کی بجائے میاں عبدالستار مجسٹریٹ درجہ اول تشریف لے آئے اور عدالت کھلوا کر مجھے گاڑی سے اتارا۔ اسی اثناء میں میری نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک دوسری پولیس گاڑی سے حضرت فاروقی صاحب آہستہ آہستہ دستی چھڑی کے سہارے اتر رہے ہیں اور ان کے پاؤں پر بدستور پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا اور پوچھا کہ طبیعت کیسی ہے۔ ان ظالموں نے کوئی بد تمیزی تو نہیں کی اور پاؤں کا کیا حال ہے۔ لیکن میرے سوالات کا ابھی وہ جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ پولیس افسران نے چاروں طرف سے گھیرا ڈالتے ہوئے کہنا شروع کر دیا "چلیں جی چلیں مجسٹریٹ صاحب آ گئے ہیں۔ میں نے چلتے چلتے حضرت فاروقی صاحب سے پوچھا کہ یہ لوگ مزید ریمانڈ لینا چاہتے ہیں اور بلا وجہ ہمیں تنگ کرنے کے خواہاں ہیں۔ ہمیں عدالت میں کیا

موقف اختیار کرنا چاہیے کیونکہ یہاں پر تو ہمارا کوئی وکیل موجود ہے اور نہ ہی کسی ساتھی کو خبر ہے اور نہ ہی کسی سے ملاقات کرائی گئی ہے کہ کم از کم باہر کے حالات سے تو ہمیں آگاہی ہوتی تو قائد محترم نے بتایا کہ وہ ایک تحریری بیان لکھ کر لائے ہیں جو عدالت میں پیش کریں گے۔ چنانچہ عدالت میں پیش ہوئے۔ مجسٹریٹ صاحب اچھے اخلاق سے پیش آئے۔ حضرت فاروقی صاحب کے پاؤں میں تکلیف دیکھ کر عدالت سے اٹھ کر ہمارے قریب آئے اور کرسیاں منگوا کر خود بھی بیٹھ گئے اور ہمیں بھی بٹھایا اور بتایا کہ پولیس مزید ریمانڈ چاہتی ہے ہم نے تحریری بیان بھی ان کو دیا اور بار بار بتایا کہ ریمانڈ میں توسیع کا کوئی جواز نہیں ہے۔ آپ ہمیں جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیں۔ لیکن انہوں نے مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے ریمانڈ دے دیا۔ صبح کے قریباً ساڑھے سات بجے ہوں گے کہ ہم واپسی کے لئے روانہ ہو گئے اور حسب سابق الگ الگ تھانوں کی حوالاتوں کے مہمان بنا دیئے گئے۔

تھانہ سمہ سٹہ کا مجبور تھانیدار اور چھ ہمدرد نوجوان سپاہی

تھانہ سمہ سٹہ کے ایس ایچ او چوہدری محمد رمضان صاحب بیچارے بہت ہی شریف النفس آدمی تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ حوالات کے اندر والی لیٹرین اتنی تنگ ہے کہ یہاں پر غسل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی وضو ہو سکتا ہے۔ قضاء حاجت کے موقع پر باہر کے پہریداروں سے پردہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ لیٹرین کی دیوار صرف ایک فٹ اونچی ہے۔ مہربانی کر کے اسے اونچا کرا دیں اور غسل کے لئے تھوڑی دیر مجھے باہر نکال لیا کریں مگر وہ اپنی بے بسی کا اظہار کر کے رہ جاتے۔ آخر کار میں نے ڈی ایس پی صاحب کے آنے پر ان کو شکایت کی تو لیٹرین کی دیوار ایک فٹ مزید اونچی کر دی گئی لیکن باہر غسل کرنے کی سہولت میسر نہ آ سکی۔

ایک طرف پولیس کی طرف سے عدم تعاون کا یہ حال تھا تو دوسری طرف بہاد

پنجاب کانسٹیبلری کے آنے والے نوجوانوں میں سے بعض ایسے ہمدرد، مخلص اور سپاہ صحابہ سے محبت رکھنے والے ساتھی بھی میسر آئے جو اپنی اپنی ڈیوٹیوں کے اوقات میں میرے ساتھ بات چیت کر کے میرے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرتے یا فروٹ وغیرہ خرید کر لے آتے۔ میری جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ اس لئے چند روز تک بڑی پریشانی رہی خود کسی سے کوئی چیز مانگنا تو درکنار کسی کی لائی ہوئی چیز قبول کرنا بھی مشکل ہوتا تھا پھر شیخ حاکم علی صاحب ملاقات پر آئے تو میں نے بے تکلفی سے ان سے کچھ رقم مانگ لی جو بعد میں کام آتی رہی۔ میں یقیناً ان نوجوانوں کو نہیں بھول سکتا جو اس تھانہ میں صرف تحفظی ڈیوٹی سرانجام دیتے تھے۔ بے بس اور مجبور ہونے کے باوجود وہ میری قید تنہائی اور حکومتی انتقامی کاروائی پر خون کے آنسو روتے تھے۔ میں نے ان سے بارہا کہا کہ میری وجہ سے آپ لوگ فکرمند نہ ہوں، کیونکہ میں ایسے ہتھکنڈوں سے ہرگز پریشان نہیں ہوں اور میرا دل مطمئن ہے میرے ضمیر پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہے، مگر وہ ہر وقت ایک ہی بات کہتے کہ آپ ہماری کوئی ڈیوٹی لگائیں ہمیں آزما کر تو دیکھیں۔ ہم آپ کی آزمائش پر پورا اتریں گے۔ ایسے جوانوں کو دیکھ کر میرے جذبہ میں اور تازگی پیدا ہو جاتی۔ حوالات ہی میں ایس ایچ او صاحب کی معرفت مجھے حیاۃ الصحابہ کی پہلی جلد مؤلفہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب" بھجوادی گئی جس میں صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کے واقعات ان کی عزیمتوں اور بے مثال عظمتوں کے شاہکار کارناموں کو پڑھ پڑھ کر میرا دل باغ باغ ہو جاتا اور مجھے خوشی اور مسرت ہونے لگتی کہ میں انہی مقدس شخصیات کا ایک ادنیٰ سا سپاہی بن کر ان کی عظمت و تقدس کی جنگ لڑتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہوں۔ یہ کتاب اگرچہ اردو زبان میں اصحاب رسول کے حالات و واقعات قربانیوں اور کارناموں کی تفصیلات کا ایسا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ تاہم اس میں موجود چند روایات اور مندرجات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

ریمانڈ کے ان آخری سات ایام میں میرے پاس صرف ایک مرتبہ تفتیشی ٹیم کا آنا ہوا بعض باتوں میں تلخی بھی ہوئی تاہم انہیں بادل نخواستہ اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ واقعی آپ کا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم نے رپورٹ اوپر بھیج دی ہے اب جو فیصلہ ہو گا اوپر ہی سے ہو گا۔

بہاولپور جیل میں سیاسی راہنماؤں اور جماعتی کارکنوں سے ملاقات

غالباً آٹھ دسمبر کو ہمیں حوالاتوں سے نکال کر پولیس کی کئی گاڑیاں بہاولپور کی خصوصی عدالت میں لے آئیں۔ جج صاحب کی عدالت میں پیش کرنے سے قبل کئی اضلاع کی پولیس اپنے اپنے علاقوں کے کیس لے کر آئی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی کاغذی کاروائیاں مکمل کر کے ہماری گرفتاری ڈالی اور چلتے بنے۔ عدالت میں پیشی کے موقع پر جج صاحب نے تفتیشی افسر سے رپورٹ طلب کی۔ جس پر پولیس حکام نے نامکمل چالان پیش کر کے کچھ مزید مہلت طلب کرلی تو جج صاحب نے سترہ دسمبر کو ریکارڈ پیش کرنے کا حکم دے کر ہمیں جیل بھیجنے کا آرڈر جاری فرمادیا۔

جیل کا آرڈر ہمارے لئے ایسا تھا گویا ہمیں رہائی مل گئی ہو کیونکہ حوالات میں جسم اکڑ گیا تھا اور پولیس کی طرف سے کرائے گئے رتجگے، بیداری، تفتیش میں بے تکے سوالات اور خواہ مخواہ کی فضول باتوں سے ذہن پر دباؤ کی جو کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیل میں جانے سے ان تمام مصائب سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ خصوصی عدالت سے گاڑیوں میں سوار کر کے ہمیں بہاولپور ڈسٹرکٹ جیل لایا گیا جہاں ڈیوڑھی ہی میں ہماری ملاقات مسلم لیگی راہنما شیخ رشید احمد صاحب سے ہوئی جو ایک سال سے حکومتی انتقام کا نشانہ بن کر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ آپ بی کلاس میں اپنی گنتی ڈلوالیں یعنی بی کلاس آجائیں۔ باہم گپ شپ لگائیں گے لیکن ہم نے کہا جیل میں ہمارے

ساتھی مولانا عبداللہ صاحب اور بہت سے علماء نظر بند ہیں اور کئی گرفتار شدہ کارکن موجود ہیں۔ ہم انہی کے ساتھ رہنا پسند کریں گے چنانچہ ہمیں بارک نمبر ۲۲ میں بھیج دیا گیا۔

بارک نمبر ۲۲ میں ہمارا پرجوش استقبال کرنے کے لئے تقریباً تیس کے لگ بھگ علماء، قراء اور جماعتی عہدیدار و اراکین موجود تھے۔ خصوصاً لودھراں کی مذہبی و سیاسی شخصیت مولانا محمد میاں صاحب اور ملک مرید صاحب اس طرح اوچ شریف کے قاری عبدالشکور صاحب، قاری محمد اسحاق صاحب خیرپور ٹامے والی سے قاری بشیر احمد، مولانا عبداللہ صاحب کے علاوہ خود حضرت فاروقی صاحب کے سابقہ محافظ محمد عمران اور بہاولنگر ضلع میں تھانہ میکلوڈ گنج کیس میں گرفتار کئے ہوئے مولانا محمد شفیع عطار، قاری اعجاز حیدر راو اور انکے ساتھی بھی رفقاء جن میں شامل تھے اور مرکزی نائب صدر سپاہ صحابہؓ مولانا عبداللہ خان بھی موجود تھے۔ اسی طرح وہاڑی والے کیس کے ایک اور ملزم عبدالستار ہمدانی صاحب بھی یہاں موجود تھے۔ ان حضرات نے بتایا کہ ہمارے ہاں معمول یہ ہے کہ رات بعد عشاء بیرک کے اندر کسی نہ کسی عنوان پر خطاب ہوتا ہے اور صبح بعد فجر درس قرآن مجید مولانا محمد میاں صاحب دیتے ہیں۔ اس لئے احباب کا تقاضا ہے کہ آپ رات کو کسی بھی عنوان پر روزانہ تقریر کیا کریں اور حضرت فاروقی صاحب بعد از فجر درس قرآن مجید دیں۔

چنانچہ اسی شب بعد العشاء قاری عبدالشکور صاحب کی تلاوت و نعت کے بعد میں نے اخلاص اور مقصد اسیری کے عنوان پر گفتگو کی۔ جس سے تمام ساتھیوں کے عزائم اور حوصلوں میں مزید پختگی پیدا ہوئی اور خوب نعرے بھی لگائے گئے۔ بعد الفجر مولانا محمد میاں صاحب مدظلہ کا درس قرآن مجید ہوا تاکہ سابقہ مضمون کو مکمل کرلیں۔ ہمارے پاس چونکہ بستر وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ساتھیوں نے اپنے بستروں سے ایک ایک چادر نکال کر ہمارے لئے بستر تیار کردیے۔ دوسرے روز گنتی کھلنے کے بعد ہم صحن میں دھوپ سینکنے کے

لئے جمع ہوئے اور حضرت فاروقی صاحب نے الگ کرسی منگوا کر تصنیف و تالیف کے کام کا آغاز کر دیا تو دوپہر کے وقت ملازم نے آکر کہا کہ آپ دونوں حضرات کو سپرنٹنڈنٹ صاحب بلا رہے ہیں۔ جب ڈیوڑھی میں پہنچے تو شیخ رشید صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے پھر آمادہ کرنا چاہا کہ ہم بی کلاس میں آجائیں مگر ہم ساتھیوں سے جدائی پر تیار نہ تھے۔ جب سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ چونکہ ۲۳ نمبر بارک کوٹ موقع یعنی جیل کی بیرونی چار دیواری کے ساتھ ہے۔ اس لئے ہمیں اوپر سے سختی سے ہدایت ملی ہے کہ آپ کو بی کلاس میں رکھا جائے چنانچہ ہم نے شرط لگائی کہ ہمارے ساتھ ایک ایک کمرہ میں دیگر چار چار ساتھی بھی ہوں گے اور روزانہ صبح آٹھ بجے سے شام چار بجے تک ہم بیرک نمبر ۲۳ میں اپنے ساتھیوں کے پاس رہا کریں گے جسے منظور کر لیا گیا خود ہمیں اور ساتھیوں کو بادل نخواستہ یہ فیصلہ ماننا پڑا۔

شیخ رشید احمد صاحب سے ملاقاتیں

بے نظیر حکومت کی ستم کاریوں اور انتقامی کاروائیوں کا نشانہ بننے والے سیاستدانوں میں سرفہرست شیخ رشید احمد صاحب ان دنوں بہاولپور میں سات سال قید کی سزا کاٹ رہے تھے۔ انہیں ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو ان کی لال حویلی راولپنڈی سے کلاشنکوف برآمد کیے جانے کے جرم میں گرفتار کر کے ٹھیک چار ماہ بعد ۹ فروری کو راولپنڈی کے سپیڈی کورٹ کے جج لطف علی ملک سے سات سال کی سزاء قید سنائی گئی تھی۔ یہ مقدمہ سراسر من گھڑت اور ایک سازش تھی جو محض شیخ رشید صاحب کو جیل بھجوانے کا بہانہ تھا۔ مسلم لیگ کے باقی تمام اسیروں سے زیادہ عرصہ جیل کاٹنے اور حوصلہ مندی کے ساتھ وقت گذارنے اور بے نظیر حکومت سے جیل میں بیٹھ کر بھی آنکھیں چار کرنے کے اعتبار سے شیخ صاحب کو الگ مقام حاصل ہے۔

جب ہم بہاولپور جیل پہنچے تو شیخ صاحب کی خواہش پر B کلاس میں تو آگئے مگر یہاں بھی یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ہماری بی کلاس کے احاطہ اور شیخ صاحب کی B کلاس کے احاطہ کے درمیان دیوار حائل تھی۔ پہلے یہ احاطہ ایک ہی تھا۔ شیخ صاحب کی آمد پر اسے تقسیم کردیا گیا۔ اب دن میں ایک آدھ مرتبہ شیخ صاحب ہمارے پاس آجاتے تھے۔ شام کے وقت ان سے وعدہ ہوا تھا کہ ہم اخبارات کے لئے پریس ریلیز تیار کرکے آپ کو دیں گے تو شیخ صاحب نے دیوار کے قریب آکر آواز دی ادھر سے میں نے جواب دیا۔ انہوں نے کہا خبر تیار کرلی ہے۔ میں نے کہا تیار کرلی ہے۔ انہوں نے کہا آپ ایک ٹھیکری کے ساتھ خبر کو لپیٹ کر دیوار کے اوپر سے پھینک دیں۔ یوں ہمارا یہ ایک نیا چینل کھل گیا۔ شیخ صاحب نے اخبارات سے رابطہ کے لئے اپنا ایک نیٹ ورک بنا رکھا تھا۔ جس کے ذریعہ باہر روزانہ خبریں بھجواتے تھے اور اخبارات لاہور، راولپنڈی سے منگواتے تھے۔ اگرچہ اخبارات میں ہم بھی پڑھتے تھے کہ شیخ صاحب کو تنگ کیا جارہا ہے اور جیل کے اندر ستایا جا رہا ہے لیکن جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے اپنے B کلاس کے کمروں کو خوب دلہن کی طرح سجایا ہوا ہے۔ ہر آسائش کا سامان موجود ہے۔ تاہم قید تنہائی کاٹنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں پاکستان میں شاید مجھ سے زیادہ کسی سیاسی و مذہبی راہنما نے قید تنہائی نہ کاٹی ہو۔ چوہنگ کے ساڑھے تین ماہ اور اٹک جیل کے اب تک دس ماہ جس طرح کاٹے ہیں یہ میں ہی جانتا ہوں مگر تلاوت قرآن، ذکرواذکار اور روزہ تنہائی کا بہت بڑا علاج ہیں۔ شیخ صاحب دن کو تو جیل میں گھوم لیتے تھے لیکن رات کی تنہائی سے بہت آزردہ تھے۔ تمام آسائشیں اپنی جگہ لیکن جیل جیل ہے۔

آسائش لاکھ میسر ہوں اسیری پھر اسیری ہے
قفس میں آ ہی جاتا ہے خیال آشیاں اکثر

شیخ صاحب ان دنوں بعض مسلم لیگی راہنماؤں کے رویہ سے سخت دلبرداشتہ تھے

اور اپنی قید پر پریشان بھی تھے لیکن ہائی کورٹ سے انصاف کی انہیں توقع تھی اور ان کا دعویٰ تھا: کہ بے نظیر حکومت بس مہینہ دو مہینہ کی مہمان ہے۔ قریباً چودہ ماہ بعد ہائی کورٹ سے بری ہو کر وہ رہا ہوئے۔ ادھر ان کی رہائی کے آٹھ دس ماہ بعد ۵ نومبر ۹۶ء کو بے نظیر حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

بہاولپور جیل میں سید تسنیم نواز گردیزی سے ملاقات

سید تسنیم نواز گردیزی ضلع بہاولپور کے ممتاز سیاستدان اور جاگیردار خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ طبعاً خاموش اور شریف انسان ہیں۔ میرا تعارف ان سے میاں نواز شریف کے ۱۹۹۰ء کے دور میں اس وقت ہوا جب میں ضمنی الیکشن میں کامیاب ہو کر اسمبلی پہنچا تو وہ وفاقی وزیر صحت تھے۔ ۱۹۹۳ء کے الیکشن میں وہ ریاض پیرزادہ کے مقابلہ میں ہار گئے تھے اور ریاض پیرزادہ کے والد شاہ نواز ڈبہ کے قتل میں ان کا نام بھی لکھوا دیا گیا۔ کیونکہ وہ مقتول کے سیاسی حریف تھے۔ ادھر ہمارا نام بھی اس مقدمہ میں موجود تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ گردیزی صاحب نے پندرہ روز حوالات میں تفتیش کاٹی اور اب جیل پہنچے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ محض معمولی معمولی باتوں پر وہ اب تک چار پانچ لاکھ روپیہ خرچ کر چکے تھے۔ جیل میں سخت پریشان تھے۔ بڑی حسرت سے کہتے "مجھے بچے بہت یاد آتے ہیں، گھر سے کھانا فروٹ وغیرہ آتا تو اسے دیکھ کر افسردہ ہو جاتے۔"

مقدمہ کے سلسلہ میں ہم سے بات کرتے تو اتنی خاموشی اور رازداری سے جیسے کوئی خفیہ آلات نصب ہیں۔ بہاولپور جیل سے ملتان سینٹرل جیل کے دروازے تک وہ ہمارے ساتھ تھے۔ راستہ میں ہم نے پولیس گاڑیاں رکوا کر نماز مغرب ادا کی تو آہستہ سے پوچھنے لگے۔ "ہن ایہہ اسانکوں کتھاں لے ویسن" یعنی اب یہ لوگ ہمیں کہاں لے جائیں گے۔ ہمیں سینٹرل جیل، پہنچا... ڈسٹرکٹ جیل لے جایا گیا۔ جہاں سے پھر پیپلز پارٹی کے

راہنما سپیکر قومی اسمبلی سید یوسف رضا گیلانی (جو ان کے قریبی رشتہ دار ہیں) کی طرف سے بے نظیر صاحبہ سے خصوصی سفارش پر لاہور میں اپنے بنگلہ پر بھجوا دیئے گئے اور ان کے گھر کو سب جیل قرار دے دیا گیا۔

عجیب بات ہے کہ ایک طرف ایک جماعت کا سربراہ اور دوسرا قومی اسمبلی کارکن جیل میں وقت گذار رہے تھے۔ دوسری طرف اس مقدمہ قتل کا ایک ملزم مسلم لیگی ہونے کے باوجود جیل اپنے بیوی بچوں میں کاٹ رہا تھا۔ ہر دور کے حکمرانوں نے اس طرح کے امتیازی اصول اپنا کر عدل و انصاف کا خون کیا ہے۔ ۱۹۹۷ء کے بعد میاں نواز شریف کے دور میں بھی یہی ہوا کہ حکومت مخالف ممبران اسمبلی کے لئے تو ملاقات کی اجازت بھی نہیں۔ جبکہ سندھ میں جام معشوق کو بامر مجبوری گرفتار کرنا پڑا تو گھر کو سب جیل قرار دے دیا گیا۔

نومبر 95ء میں گرفتاری کے بعد حکومتی مظالم، انتقامی ہتھکنڈوں اور عدالتی ناانصافی کی مکمل داستان حضرت قائد محترم علامہ فاروقی شہیدؒ نے اپنی مشہور کتاب "پھر وہی قید قفس" میں تفصیل سے لکھی ہے۔ یہ کتاب انتہائی دلچسپ، عبرت آموز ہے اور شائع ہو کر عوام الناس کے حوصلوں اور ولولوں کو جلا بخش رہی ہے۔ میں نے مناسب جانا ہے کہ جو واقعات اور حقائق قائد شہیدؒ تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ انہیں دوبارہ درج کرنے کی بجائے صرف انہی تفصیلات کو سپرد قلم کروں۔ جن سے قائد شہیدؒ نے بغرض اختصار صرف نظر کیا، شائقین، قائد شہید کی مذکورہ کتاب کا ضرور مطالعہ کریں تاکہ ان کے قلوب کی تشنگی باقی نہ رہے۔ اور ہماری مظلومیت کی داستان سے بھی کماحقہ آگاہ ہو سکیں۔

ہماری ملتان جیل آمد اور درجنوں کارکنوں کی رہائی کا دلچسپ منظر

بہاولپور جیل کی B کلاس میں ابھی ایک رات ہی گزری تھی کہ دوسرے روز شام کے وقت ہمیں اسی وارڈ میں رہائش پذیر سید تسنیم نواز گردیزی نے بتایا کہ تھوڑی دیر بعد ہمیں ملتان لے جایا جائے گا۔ کچھ ہی دیر بعد شیخ رشید صاحب بھی ہمارے وارڈ میں چلے آئے۔ انہوں نے بھی افسردہ لہجے میں یہی خبر سنائی۔ ہم نے جلدی سے اپنی کتب اور کپڑے سنبھالے اور تیار ہو گئے۔ ساتھیوں سے ملاقات کر کے ڈیوڑھی میں آئے تو ایک مرتبہ پھر اسی تفتیشی ٹیم کے ایس پی صاحب اور ڈی ایس پی حضرات کی تین چھوٹی گاڑیاں اور ایک بڑی پولیس بس ہماری منتظر تھیں۔ اس دفعہ سید تسنیم نواز گردیزی بھی تھے۔ ہم تینوں کو الگ الگ گاڑیوں میں بٹھا کر ملتان کی جانب روانگی ہوئی۔ راستہ میں نماز مغرب ایک پانی کے کھالے کے کنارے کچی مسجد میں ادا کی اور عشاء سے قبل سینٹرل جیل ملتان کے گیٹ کے سامنے گاڑیاں پہنچ کر رکیں۔ حسن اتفاق سے ہماری گاڑیوں کے آگے آگے ایک سفید کار بھی جیل کے دروازہ پر رکی۔ جس سے مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس اور سید خورشید عباس گردیزی کے علاوہ سپاہ صحابہ ملتان کے رہنما سید انور شاہ اترنے لگے۔ ادھر مجھے اور قائد محترم کو اتارا گیا تو اچانک ملاقات سے خوشگوار حیرت سے چہرے مسکرا اٹھے۔ سید تسنیم نواز گردیزی کو اس جیل کی بجائے ڈسٹرکٹ جیل لے جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس لئے انہیں گاڑی ہی میں بٹھائے رکھا گیا۔ جیل کی ڈیوڑھی میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ غلام دستگیر صاحب سے معلوم ہوا کہ ملتان کے سپاہ صحابہؓ کے رہنما مولانا سلطان محمود ضیاء، مولانا صادق انور اور کئی دیگر ساتھیوں کی رہائی کی روبکار پہنچ گئی ہے۔ ہم جیل میں داخل ہوئے اور سپاہ صحابہ کے ساتھیوں کے لئے مختص بیرک نمبر ۱۳ میں پہنچے۔ ادھر ملتان اور وہاڑی کے ساتھی رہائی پا کر باہر آ رہے تھے۔ پرتپاک انداز سے ایک

دوسرے سے گلے ملے۔ تمام ساتھی حسرت کا اظہار کرتے ہوئے بار بار کہہ رہے تھے کہ کاش ہمیں ایک رات اور یہاں رہنا پڑ جاتا تاکہ آپ کے ساتھ کچھ وقت گزر جاتا۔ یہاں ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ نظربند ساتھی اس بیرک کے کمرہ نمبرا میں) گنجی کیس کے لاہور والے ساتھی مولانا زکی اللہ اور مولانا محمد حنیف کمرہ نمبر ۳ میں، اور چیچہ وطنی کے ساتھی نجم الثاقب، محمد زاہد، مقصود احمد وہاڑی کے ساتھی محمد رفیع، حافظ محمد اطہر کمرہ نمبر ۴ میں بند تھے۔ ہمیں بھی کمرہ نمبر ۴ میں بند کر دیا گیا۔

جیل یا خالہ کا گھر

"محاورہ مشہور ہے کہ جیل جیل ہے کوئی خالہ کا گھر نہیں ہے" لیکن سپاہ صحابہؓ کے لئے جیل واقعتاً خالہ کا گھر بن چکی ہے۔ ایک جماعت ہتھکڑیاں پہنے داخل ہو رہی ہوتی ہے تو دوسری جماعت اپنا بستر اٹھائے باہر جا رہی ہوتی ہے اور پھر پنجاب کی جیلیں اب سپاہ صحابہؓ کے لئے اس حد تک اپنا دامن کشادہ اور چہرہ دلکش بنا چکی ہیں کہ ان جیلوں میں آنے والے گھبراہٹ کا شکار ہوتے ہیں اور نہ خوف میں مبتلا۔ جیلوں میں بھی مشن حق بیان کیا جاتا ہے اور نعروں سے بارکیں گونجتی رہتی ہیں۔ ہر ساتھی اس بات پر نازاں ہوتا ہے کہ وہ دین کی خاطر جیل میں آیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سپاہ صحابہؓ کا جس طرح ہر دو ماہ بعد جیل سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ تو اس کا سبب یہی ہے کہ ایک طرف حکمران ضد پر قائم ہیں اور بار بار ظلم و ستم کا بازار گرم کرتے ہیں۔ دوسری طرف سپاہ صحابہؓ اپنے مشن پر قائم ہے اور ہر بار نئے عزم کے ساتھ آزمائش و ابتلاء کے دور سے گذرتی ہے۔

مگر مجال ہے کہ کسی ایک نوجوان کے بھی پایہ استقلال میں لغزش پیدا ہو یا جیلوں کے خوف سے مشن سے وابستگی ختم کرنے کی سوچ پیدا ہوئی ہو۔

میں جمعہ پڑھا کر گرفتار ہوئے اور ہمارے پاس پہنچ گئے۔

اخبارات میں ہماری ملتان آمد کی خبریں شائع ہو جانے کی وجہ سے اتوار کے روز ملاقات کرنے والوں کا ہجوم جیل کے گیٹ پر جمع ہو گیا اور جیل انتظامیہ پر گھبراہٹ اور پریشانی طاری ہو گئی۔ چنانچہ ہم نے ان کے ساتھ تعاون کر کے ایسی صورت نکالی کہ پر امن طریقہ سے تمام ساتھیوں سے ملاقات بھی ہو جائے اور جیل کے اصولوں کی پاسداری بھی رہے۔

ملتان کے ساتھیوں شجاع آباد، جلہ آرائیں اور قریبی قصبات کے پر جوش کارکنوں نے ان ایام میں اتنی خدمت کی کہ ہم حیران رہ گئے روزانہ گھروں سے ساگ، مکھن، گوشت اور طرح طرح کے کھانے پکوا کر لے آتے۔ ہم بار بار منع کرتے کہ وہ ایسا نہ کریں پھر قاری محمد طیب قاسمی، مرزا محمد لقمان صاحب نے روزانہ جیل آکر تازہ حالات سے آگاہی اور جماعتی کام کے لئے ہدایات لینے کی ڈیوٹی اس طرح سرانجام دی کہ ہماری پہلی تاریخ پیشی کے موقع پر عدالت کے سامنے ہمیں پیش نہ کئے جانے کے خلاف زبردست احتجاجی جلوس و جلسہ کا اہتمام کر کے حکمرانوں کے رویہ کی پر زور مذمت کی اور دوسری تاریخ پیشی پر اپنے آٹھ ساتھیوں کے ہمراہ گرفتار ہو کر یہ حضرات بھی ہمارے پاس چلے آئے ان حضرات کی معیت میں چار روز چار راتیں اس طرح گزریں کہ ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات کا سا سماں محسوس ہوتا تھا۔ رات گئے تک تلاوت، نعت، شعرو شاعری لطائف علمیہ کی مجالس گرم رہتیں اور دن کو کھیل کا میدان خوب گرم ہوتا۔

چوتھے روز شیخ حاکم علی صاحب ملاقات پر آئے تو ان ساتھیوں کی ضمانتیں بھی ہو گئیں اور یہ ساتھی خوشگوار یادیں لے کر رات کو رہا ہو گئے اور جاتے ہی اگلی صبح جمعہ کے موقع پر نئے عزم و ولولے کے ساتھ ملتان میں کفن پوش جلوس نکالا جس کی خبریں بمع تصاویر اخبارات میں ہفتہ کے روز ہم نے بھی ہوئی دیکھیں۔

جیل میں شب و روز گذارنے والے اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ یہاں پر فارغ بیٹھ کر وقت گزارنا نہایت مشکل ہوتا ہے بلکہ ایسے شخص پر جیل سوار ہو جاتی ہے اور وہ روتا دھوتا ہائے وائے کرتا اور حسرت ویاس بھری نگاہوں سے پرندوں کو آزادانہ اڑتے دیکھ کر خود کو کوسنے دیتا اور ہر شخص کو اپنی رام کہانی سنا کر فوری رہائی کے منصوبے بنانے کی ناکام کوشش کرتا ہوا پوری بیرک کے مذاق کا نشانہ بنتے بنتے آخر کار اپنی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس لئے جیل میں آتے ہی خود کو مصروف رکھنے کا پروگرام ترتیب دینے والے بڑی آسانی میں رہتے ہیں۔ چنانچہ اس فارمولہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت فاروقی صاحب نے تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار فرمالیا اور میں نے تلاوت کلام مجید اور تاریخی کتب کے مطالعہ کے شوق کی تکمیل شروع کردی جس سے روحانی تسکین کے ساتھ ساتھ معلومات میں اضافہ ولولوں میں تازگی اور عزائم میں پختگی کا احساس بڑھتا چلا جاتا ہے۔

قریباً ایک ایک ماہ کا عرصہ گزار کر مولانا زبیر احمد صدیقی، غازی امان اللہ طارق معاویہ، فیاض خان، حاجی محمد یوسف صاحب رہا ہو کر چلے گئے اور رمضان المبارک کی آمد سے ایک روز قبل مولانا احمد یار اور قاری محمد اختر صاحب بھی دو ماہ کی نظربندی مکمل کر کے رہا ہو گئے۔

رمضان المبارک کی آمد پر معمولات

رمضان المبارک کی آمد پر ہم نے سپرنٹنڈنٹ صاحب سے تراویح کے لئے مولانا غلام عباس نوری اور مولانا عبدالخالق صاحب رحمانی کی خصوصی اجازت حاصل کرلی کہ وہ ہمارے ساتھ روزانہ تراویح پڑھا کریں گے۔ ملتان میں گیارہ روز تک قرآن پاک کے گیارہ پارے تراویح میں ایک ایک پارہ کر کے سنائے اور مولانا عبدالخالق رحمانی قائد محترم

حضرت فاروقی صاحب حافظ نجم الثاقب اور حافظ محمد اطہر نے سامع کے طور پر خوب توجہ سے ساعت کئے۔

رمضان المبارک کی پر کیف اور وجد آفرین مبارک ساعتوں میں دن کو مولانا ذکی اللہ سے جو ماشاء اللہ جیل میں آکر بیس پارے حفظ کر چکے تھے اور بعد میں پورا قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت بھی حاصل کی کمرہ نمبر۳ میں تراویح پڑھا رہے تھے ایک پارہ کا دور ہوتا۔ پھر ایک مرتبہ عبدالخالق رحمانی صاحب اور حافظ محمد اطہر کو منزل سنانا اور سحری میں تلاوت کرنے کی صورت میں روزانہ پندرہ پارے کی آسانی سے تلاوت کی سعادت ملتی رہی ان ہی ایام میں حافظ یحییٰ شہید کے والد حاجی غلام مرتضیٰ صاحب بھی بہاولپور جیل سے ہمارے پاس منتقل کر دیئے گئے کیونکہ پیرزادہ خاندان نے پولیس کے ذریعہ زبردستی انہیں بھی ہمارا مقدمہ وار بنا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ کبیر والا سپاہ صحابہ کے صدر ملک محمد اشرف تمیم بھی گرفتاری پیش کر کے ہمارے کمرہ نمبر۴ کے مہمان بن گئے۔

یوں رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں ہمارا کمرہ تیرہ افراد کی نماز باجماعت اور تراویح میں قرآن مجید کی ساعت اور ایک دسترخوان پر سحری و افطاری کے خوشگوار اوقات میں گہما گہمی کا ایسا جنت نظیر منظر پیش کرنے لگا کہ ہر ساتھی اپنی بساط کے مطابق اس سے لطف اندوز ہونے اور دریاء رحمت سے حصہ وافر لینے میں سرگرم نظر آتا تھا۔

لاہور جانے کے احکامات اور اسیر ساتھیوں کی افسردگی

رمضان المبارک کی گیارہویں تاریخ کو جمعرات کے روز ہمارے آبائی گاؤں سے برادر عزیز مولانا محمد عالم کے ہمراہ عزیز و اقرباء اور گاؤں کے بہت سارے دوست ملاقات کے لئے آئے تھے۔ ان سے ملاقات کے بعد ہم ڈیوڑھی سے واپس آکر نماز عصر سے فارغ ہو کر حسب عادت ہلکی پھلکی ورزش کرنے کی نیت سے والی بال کھیلنے میں معروف تھے۔

اچانک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب ہماری بیرک میں داخل ہوئے ان کی اس غیر متوقع آمد نے تمام ساتھیوں کو حیرت میں ڈال دیا اور سب کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ اللہ خیر کرے کوئی نئی بات تو نہیں ہو گئی" ڈپٹی صاحب قائد محترم کے پاس جاکر کچھ دیر ان سے باتیں کرتے رہے پھر قائد محترم نے مجھے آواز دے کر بلا لیا تو ہم سب نے یہ سمجھا کہ شاید وہ چاہتے ہیں کہ آج جلدی گنتی بند کرالیں (یعنی کمروں میں بند ہو جائیں۔) لیکن قائد محترم نے بتایا کہ ڈپٹی صاحب یہ پیغام لائے ہیں کہ "اوپر سے آڈر آیا ہے" کہ ان قائدین کو لاہور بھیجا جائے۔ چنانچہ ٹھیک ابھی شام چھ بجے جہاز کی روانگی ہے۔ صرف آدھا گھنٹہ ہے۔ آپ فوری تیار ہو جائیں۔ یہ خبر ہم سب کے لئے ایک قیامت کی خبر تھی۔ ابھی ابھی ہم مسکرا رہے تھے اور ابھی ابھی ایک دوسرے سے گلے مل کر جدا ہونے لگے۔ بہت سے ساتھیوں کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ رونے لگے ان کا کہنا تھا کہ ہماری تو تمام رونق اور رمضان و تراویح کا مسئلہ ہی آپ کے جانے سے ختم ہو جائے گا۔ تاہم وہ اس بات پر قدرے مطمئن تھے کہ لاہور میں بلانے کا مقصد شاید مذاکرات کے ذریعے رہائی کی صورت نکالنا ہو گا۔ چلو اس میں ہی بھلا ہے۔

ملتان سے کوٹ لکھپت جیل لاہور آمد

جلدی سے چند کتابیں اور چادریں پیک کرکے اور اکثر کتب وہیں چھوڑتے ہوئے ہم ڈیوڑھی میں آئے۔ جیل کے باہر گیٹ پر پولیس گاڑیاں چاق و چوبند انداز میں ہماری منتظر تھیں لیکن جب ہمیں سوار کرنے کی باری آئی تو قیدیوں والی بند بس میں پچھلی جانب سے ہمیں بٹھایا گیا۔ پولیس کے اس انداز و سلوک کو دیکھ کر ہمیں تشویش ہوئی کہ شاید حکومت کے ارادے کچھ اور ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ حفاظتی اقدامات کے پیش نظر ایسا کیا گیا۔ ٹھیک پانچ بج کر چالیس منٹ پر ہم ایئرپورٹ کے V.I.P لاؤنج میں پہنچ چکے تھے۔

جہاں پر روزہ افطار کیا اور جہاز میں سوار ہو گئے۔ جہاز میں کئی سیاستدان اور ممبران اسمبلی نے ہمیں جیسے ہی دیکھا تو اٹھ کر سلام کرنے لگے اور پوچھا کہ کیا آپ رہا ہو گئے ہیں؟ ہم نے جواب دیا کہ نہیں ایک جیل سے دوسری جیل کی طرف سفر کر رہے ہیں اور سادہ کپڑوں میں پولیس ہمارے ہمراہ ہے۔ لاہور ایئرپورٹ پر پولیس کی بڑی تعداد نے ہمارا استقبال کیا اور V.I.P لاؤنج میں کئی وفاقی وزراء اور سیاستدانوں سے ملاقات ہوئی۔

بعد ازاں ہمیں پولیس گاڑیوں پر سوار کر کے رات پونے آٹھ بجے کوٹ لکھپت جیل کے گیٹ پر اتار اگیا۔ جیل ڈیوڑھی میں سپرنٹنڈنٹ چوہدری محمد افضال و ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ شیخ اعجاز صاحب و دیگر عملہ موجود تھا۔ جن سے ہم نے کہا کہ ہمارے صوبائی عہدیداران وسپاہ صحابہؓ کے ساتھی چونکہ ڈسٹرکٹ جیل لاہور میں ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی وہیں بھیجا جائے تو انہوں نے بتایا کہ تھوڑی دیر قبل آپ کے ساتھیوں کو یہاں لایا گیا ہے جو کل سے آپ کے ساتھ ہوں گے۔ لیکن ٹھیک آدھ گھنٹہ بعد ہی چار ساتھی ہمارے کمرے میں پہنچ گئے۔ یہ سپاہ صحابہؓ پنجاب کے جنرل سیکرٹری محمود اقبال صاحب، ڈپٹی سیکرٹری پنجاب، ڈاکٹر منظور احمد شاکر سیکرٹری اطلاعات پنجاب مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی اور ان کا مشقتی محمد امتیاز تھے۔

رات بھر خوب حال و احوال پوچھے جاتے رہے۔ پھر ہم نے نماز عشاء ادا کی اور تراویح پڑھیں۔ یہاں برادرم مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی کی خواہش تھی کہ وہ تراویح میں قرآن مجید سنائیں۔ میں چاہتا تھا کہ میں تراویح میں سناؤں کیونکہ سیاست کے بازار میں آنے کے باعث گذشتہ چار سالوں سے میں قرآن مجید نہیں سنا سکا تھا پھر وہ میرے حق میں دستبردار ہو گئے اور یوں پہلی مرتبہ جیل میں اپنے قائد اور دیگر ساتھیوں کو تراویح میں قرآن پاک سنانے کا موقع ملا۔

لاہور جیل میں مذہبی فضا سپاہ صحابہ کے حق میں بہت سازگار تھی کیونکہ سپاہ صحابہ کے

شاہین صفت راہنما اور کارکن غازی حق نواز جھنگوی سمیت یہاں رہ کر گئے تھے اور انہوں نے یہاں پر شیعیت کے خلاف اور سپاہ صحابہ کے حق میں ماحول سازگار بنایا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے قیدی عقائد و نظریات اور افکار جھنگوی کی روشنی میں فکری خوشبو حاصل کرتے ہوئے شیعہ کے کفر کی وضاحت اور اپنے ایمان کو مزید مضبوط اور پختہ کرنے میں مصروف تھے۔

قائد محترم مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی جیل میں مختلف کتابوں کی تالیف و تصنیف اور تحقیق میں مصروف ہو گئے۔ میں نے جیل میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے بھی خطاب شروع کر دیا۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے حوالہ سے فضیلت اعتکاف کے موضوع پر جب میں نے جمعہ پڑھایا تو سنٹرل جیل لاہور کی تاریخ میں پہلی بار میری ترغیب پر ایک سو کے قریب سزا یافتہ قیدی اعتکاف میں بیٹھ گئے۔

اسی دوران لاہور میں سپاہ صحابہؓ کے بزرگ راہنما رائے مشتاق حسین کے پراسرار اغوا اور سپاہ صحابہ لاہور کے سالار قاسم چوہدری کو اغوا کے بعد بیمانہ انداز میں قتل کے خلاف بلال مسجد سبزہ زار سکیم ملتان روڈ سے ایک بھرپور احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ پولیس نے سپاہ صحابہ کے مظاہرین پر لاٹھی چارج اور وحشیانہ تشدد کے بعد قاری محمد احمد مجاہد سمیت کئی درجن کارکنوں کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دیا جس کی وجہ سے جیل کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا اور کارکن دن رات تربیت لیتے ہوئے نظر آنے لگے۔ اسی دوران ۱۷ رمضان المبارک ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یوم وفات اور یوم غزوہ بدر کے موقع پر ۲۱ رمضان المبارک خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کے یوم شہادت پر سنٹرل جیل میں پروگرام ہوئے جس میں قائد سپاہ صحابہ اور کارکنوں کے علاوہ عام قیدیوں نے بھی شرکت کی۔

سیاسی و مذہبی راہنماؤں اور مختلف تنظیموں کے عہدیداران کی ملاقاتیں

ملک کے مختلف شہروں سے آنے والے سپاہ صحابہ کے رہنماؤں اور کارکنوں سمیت تمام مکاتب فکر کے رہنما ملاقات کے لئے آنے لگے۔ سپاہ صحابہ کی سپریم کونسل کے چیئرمین اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن حضرت مولانا ضیاء القاسمی، خیر المدارس ملتان کے مہتمم اور ممتاز عالم دین مولانا محمد حنیف جالندھری جامعہ اشرفیہ لاہور سے مولانا خالد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی مولانا یٰسین عثمانی متین خالد، مولانا حق نواز قاسمی، مولانا غلام کبریا شاہ کی قیادت میں رانا سرور، قاری محمد یوسف قصوری، پر مشتمل گوجرانوالہ کا ایک وفد اسی طرح لاہور کے سینکڑوں علماء مشائخ مولانا فاروق صاحبزادہ، حضرت پیر سیف اللہ خالد، قاری خدا بخش اور مرید کے، کامونکی، بھائی پھیرو، اوکاڑہ، ساہیوال چیچہ وطنی، رائے ونڈ، قصور، حویلی لکھا، بصیرپور دیپالپور، کے سینکڑوں کارکن ملاقات کرنے والوں میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ملک بھر سے علماء و مشائخ اور سپاہ صحابہ کے راہنماؤں اور کارکنوں کے خطوط اور دعائیں جیل میں ملتی رہیں۔ ولی وقت جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاد الحدیث مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی سمیت دیگر مشائخ کی طرف سے خطوط اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔

۲۲ فروری کو بانی سپاہ صحابہ امیر عزیمت حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کے یوم شہادت کے حوالہ سے ایک تقریب سنٹرل جیل لاہور میں ہوئی۔ جس سے قائد سپاہ صحابہ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی اور میں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مشن جھنگوی حکمرانوں کے محلات سمیت پوری دنیا میں پہنچ چکا ہے۔ امریکہ اور حکمرانوں کے بس میں نہیں کہ وہ اس کے راستہ میں رکاوٹ بن سکیں۔ جس مقدس مشن کے لئے مولانا حق نواز جھنگوی، مولانا ایثار القاسمی سمیت دیگر سینکڑوں شہداء اپنے مقدس خون کا نذرانہ پیش کر

چکے ہیں۔ وہ تحریک ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ حکمران اور لادین قوتیں ظلم و تشدد اور اوچھے ہتھکنڈوں، بلاجواز گرفتاریوں اور ناجائز مقدمات کے ذریعہ ہمیں مشن جھنگوی سے نہ ہی ہٹا سکتے ہیں اور نہ ہی جھکا سکتے ہیں۔ ہم تختہ دار پر لٹک سکتے ہیں لیکن شیعہ کے کفر کو اسلام نہیں کہہ سکتے۔ حکمرانوں نے سپاہ صحابہ کے خلاف انتقامی کاروائی کرتے ہوئے اس کو کچلنے کی کوشش کر کے خود ہی اپنے اقتدار کے زوال کی بنیاد رکھ دی ہے اور اپنے لئے تباہی کے راستہ کو اختیار کر لیا ہے۔ اس تقریب سے سپاہ صحابہ پنجاب کے سیکرٹری جنرل محمود اقبال، ڈپٹی سیکرٹری پنجاب ڈاکٹر منظور احمد شاکر اور سیکرٹری اطلاعات مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی نے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکمران ہمیں قتل کے جھوٹے مقدمات میں پھنسانے کی مذموم ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن مشن جھنگوی سے نہیں ہٹا سکتے۔ شیعہ کو ہمیں ناجائز مقدمہ میں ملوث کرنے کی سازش کے نتیجہ میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سپاہ صحابہ افغانستان کے مرکزی نائب صدر مولانا عبدالوہاب حقانی کی قیادت میں سپاہ صحابہ افغانستان کے ایک نمائندہ وفد نے بھی ملاقات کی۔

انہوں نے بتایا کہ افغانستان میں مولانا حق نواز جھنگوی شہید کا مقدس مشن بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ "جہاد افغانستان" میں سپاہ صحابہ کے مجاہدانہ کردار سے لوگ بہت متاثر ہیں۔ افغانستان میں سپاہ صحابہ کو مجاہدین کی تمام تنظیموں اور گروپوں کی حمایت حاصل ہے اور لوگ بڑی تیزی کے ساتھ سپاہ صحابہ سے وابستہ ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ خوست شہر کے وسط میں سپاہ صحابہ کے لٹریچر اور مولانا حق نواز جھنگوی شہید کی کیسٹوں کا بہت بڑا سنٹر کھل گیا ہے۔ جہاں سے افغانستان کے دیگر صوبوں اور شہروں سے بھی لوگ بڑی تعداد میں کیسٹ اور لٹریچر لے کر جا رہے ہیں اور یوں افغانستان کی فضاؤں میں بھی مولانا حق نواز جھنگوی شہید کے مشن کی خوشبو بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ جس

سے ایران اور دیگر باطل قوتیں پریشان دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شیعہ کا کفر بے نقاب ہو چکا ہے۔ قائد محترم علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی اور میں نے سپاہ صحابہؓ افغانستان کے نائب صدر مولانا عبدالوہاب اور وفد کے دیگر ارکان سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجاہدین کے تمام گروپوں کے ساتھ مل کر پرامن طریقہ سے اپنے مشن کو جاری رکھیں۔ واضح رہے کہ افغانستان میں ابھی طالبان انقلاب برپا نہیں ہوا تھا بلکہ صرف قندھار تک محدود تھے۔

طالبان کے وفد کی ملاقات

دریں اثناء تحریک اسلامی طالبان افغانستان کے امیر ملا عمر مجاہد کے نمائندے آغا مجاہد کی قیادت میں طالبان افغانستان کے ایک وفد نے جیل میں ملاقات کر کے امیر المومنین ملا عمر مجاہد کا خصوصی پیغام پہنچایا۔ اس کے علاوہ محمد طارق کی قیادت میں سپاہ صحابہ جامعہ المنظور الاسلامیہ لاہور کینٹ، مولانا خادم حسین کی قیادت میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے طلباء، بابو معاویہ کی قیادت میں سپاہ صحابہ پشاور کے کارکنوں قاری نور الامین اور قاری محمد شفیع کی قیادت میں مدرسہ عبداللہ بن عمر رشید آباد فیصل آباد کے طلباء حاجی احمد بخش کی قیادت میں تحصیل نور پور تھل خوشاب تبلیغی جماعت جھنگ کا ایک وفد بھی ملاقات پر آیا۔

عید کے موقع پر پوری دنیا سے عید کارڈ اور خطوط ہزاروں کی تعداد میں جیل میں موصول ہوئے۔ سپاہ صحابہ کے راہنماؤں اور کارکنوں مختلف سیاسی و مذہبی رہنماؤں سمیت حکمرانوں کی طرف سے بھی بڑی تعداد میں عید کارڈ موصول ہوئے۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے میرے نام ایک عید کارڈ سپاہ صحابہ کے مرکزی دفتر جھنگ روانہ کیا۔ جہاں مرکزی دفتر کے سیکرٹری نے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے عید کارڈ کو اس احتجاجی تحریر کے ساتھ واپس بھیج دیا "مولانا اعظم طارق جھنگ میں نہیں جیل میں آپ کے زیر عتاب ہیں۔ اس لئے

شکریہ کے ساتھ احتجاجاً عید کارڈ واپس کیا جاتا ہے"

اس کے علاوہ صدر پاکستان فاروق احمد خان لغاری، سینٹ کے چیئرمین وسیم سجاد چاروں صوبوں کے گورنرز اور وزراء اعلیٰ سپیکر قومی اسمبلی سید یوسف رضا گیلانی، ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی سید ظفر علی شاہ، آزاد کشمیر کے صدر سردار سکندر حیات خان، آزاد کشمیر کے وزیر اعظم سردار عبدالقیوم خان سمیت مرکزی و صوبائی وزراء اور اراکین قومی و صوبائی اسمبلی کے عید کارڈ بھی بڑی تعداد میں موصول ہوئے۔

ملک بھر سے مشائخ و علماء اور بزرگان دین کی طرف سے بھی دعاؤں اور محبتوں کے پیغامات موصول ہوتے رہے۔

جمعیت اہل حدیث کے امیر پروفیسر ساجد میر ملاقات پر آئے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت سپاہ صحابہ کے خلاف ظلم و تشدد اور انتقام کے جس راستہ پر چل پڑی ہے۔ وہ اس کے لئے تباہی کا باعث ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ہر فورم پر آپ کے حق میں آواز بلند کی ہے۔ قائد محترم مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور میں نے پروفیسر ساجد میر سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں کفر کا راستہ روکنے اسمبلی میں حکمرانوں کی سیاہ کاریوں کو بے نقاب کرنے کی سزا دی جارہی ہے۔ ہم کسی قیمت پر اپنے مشن سے نہیں ہٹ سکتے۔

جماعت اہل حدیث کے مرکزی رہنما قائد جانباز فورس اور ملی یکجہتی کونسل کے مرکزی رہنما مولانا اختر محمدی اور خالد علوی نے بھی ملاقات کی انہوں نے بھی ہماری بلاجواز گرفتاری کو ظالم حکمرانوں کی انتقامی کاروائی قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکمرانوں نے سپاہ صحابہ کے خلاف اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر کے خود اپنے لئے تباہی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ مولانا اختر محمدی نے افسوس کا اظہار کیا کہ ملی یکجہتی کونسل آپ پر سرکاری ظلم و تشدد پر موثر آواز نہیں اٹھا سکی۔ انہوں نے اپنی جماعت کی طرف سے تمام تر تعاون کی یقین دہانی کروائی۔ ہم نے مولانا اختر محمدی کو بتایا کہ سپاہ صحابہ نے ملی

یکجہتی کونسل کے نامناسب رویہ کی وجہ سے ہی کونسل کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ جس کے بارے میں ہم جماعت اسلامی کے سربراہ قاضی حسین احمد، لیاقت بلوچ اور کونسل کے دیگر ارکان کو تحریری طور پر اپنی شکایات ارسال کر چکے ہیں۔ قاضی حسین احمد صاحب کے ہمراہ جیل میں کونسل کے اجلاس کے فیصلہ کے مطابق ملاقات کے لئے آئے تھے تو ہم نے انہیں بھی اپنی شکایات سے آگاہ کر دیا تھا۔

ملک کے ممتاز صحافی اور روزنامہ "خبریں" کے چیف ایڈیٹر ضیاء شاہد بھی جیل میں ملاقات کے لئے آئے ان کے ہمراہ خبریں کے چیف رپورٹر میاں غفار، عبدالقیوم، شیخ رشید اور مسلم لیگی رہنما باؤ وارث بھی تھے۔ ضیاء شاہد نے قائدین سپاہ صحابہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کی بلاجواز گرفتاری سے عوام اور مذہبی حلقوں میں شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان مشکل حالات میں "خبریں" آپ کے ساتھ ہے۔

ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ ان کے خبریں اخبار نے جیل میں ہمارے ساتھ ظالمانہ سلوک اور ہمارے مقدمہ وار مسلم لیگی رہنما و قومی اسمبلی کے سپیکر یوسف رضا گیلانی کے عزیز سید تنسیم نواز گردیزی کو اس کے گھر میں تمام تر سہولتوں کی ساتھ رکھنے کو جس انداز میں بے نقاب کیا ہے اس سے عوام میں "خبریں" کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوا ہے۔

مرکز الدعوۃ والارشاد کے مرکزی رہنما اور ماہنامہ "الدعوۃ" کے مدیر محترم امیر حمزہ کی قیادت میں ایک وفد نے بھی جیل میں ملاقات کی۔ امیر حمزہ نے قائدین سپاہ صحابہ پر حکمرانوں کی طرف سے جہادی قوتوں کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے اور امریکہ اور دیگر لادین قوتوں کے اشارے پر جہادی قوتوں اور دینی و مذہبی جماعتوں کو مختلف بہانوں سے کچلنے اور لادین قوتوں کو مضبوط کرنے کے بارے میں آگاہ کیا۔ انہوں نے قائدین سپاہ صحابہ کی بلاجواز گرفتاری پر شدید غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قرآن و حدیث کے علمبردار توحید کے دیوانے آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم نے لشکر طیبہ کی جہادی سرگرمیوں اور

لادین قوتوں کے خلاف "الدعوہ" میں آواز حق بلند کرنے پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ بے نظیر حکمرانوں سے خیر کی توقع رکھنا انتہائی حماقت ہے۔ سپاہ صحابہ کفر اور لادین قوتوں کے خلاف اپنے جہاد کو جاری رکھے گی۔

تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کے مرکزی نائب امیر ڈاکٹر عبدالخالق صاحب اور مرکزی ناظم اعلیٰ عبدالرزاق صاحب بھی ملاقات پر تشریف لائے اور امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف سے نیک تمناؤں اور خواہشات کا پیغام پہنچایا۔ ان رہنماؤں نے ملک کی موجودہ سیاسی و مذہبی صورت حال، ایران، پاکستان، وسط ایشیاء کی مسلمان آزاد ریاستوں مسلمانوں کے خلاف امریکہ اور اقوام متحدہ کے منصوبے اور عالمی حالات کے بارے میں گفتگو کی اور پاکستان میں شیعہ سنی فسادات، غیر ملکی مداخلت کا راستہ روکنے کے بارے میں بھی تبادلہ خیال کیا۔

ملک کے ممتاز عالم دین اور مولانا ضیاء القاسمی کے بھائی حضرت مولانا قاری عابد نقشبندی اور صاحبزادہ طلحہ عابد نے بھی ملاقات کی اور اپنی دعاؤں اور ارشادات سے نوازتے ہوئے کہا کہ علماء و مشائخ کے حلقوں میں بھی آپ لوگوں کی بلاجواز گرفتاری پر شدید تشویش پائی جارہی ہے اور خانقاہوں میں آپ لوگوں کی کامیابی، حکمرانوں اور صحابہ دشمن فرقہ کی تباہی کے لئے دعائیں کی جارہی ہیں۔

حضرت مولانا عبداللہ درخواستی کے نواسے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن درخواستی اور اشاعت القرآن راجہ بازار راولپنڈی کے مہتمم مولانا اشرف علی کی قیادت میں بھی علماء و مشائخ کے ایک وفد نے ملاقات کی اور علماء و مشائخ کی طرف سے ہر قسم کی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ سپاہ صحابہ نے ظالم حکمرانوں اور کفر کے خلاف آواز حق بلند کرکے اسلاف کی یاد تازہ کردی ہے۔ جامعہ خیر المدارس ملتان کے مہتمم صاحبزادہ مولانا حنیف جالندھری، مولانا عبدالقوی اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے صاحبزادہ خالد حسن نے دوسری

مرتبہ پھر ملاقات کی اور مختلف علماء اور بزرگوں کے پیغامات پہنچائے۔

جماعت اہل حدیث اور ملی کونسل کے مرکزی راہنما صاحبزادہ عارف سلیمان روپڑی نے ملاقات کی۔ اس میں عارف سلیمان روپڑی کے ہمراہ ملی یکجہتی کی مصالحتی کمیٹی کے چیئرمین وسابق ایم این اے لیاقت بلوچ بھی تھے۔ صاحبزادہ عارف سلیمان نے ہماری بلاجواز گرفتاری اور مقدمات میں ملوث کرنے کی حکمرانوں کی طرف سے مذموم کوشش پر شدید غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کی گرفتاری امریکہ کے اشارے پر بنیاد پرستی کا راستہ روکنے کی کوشش کا حصہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ اور امریکہ نواز حکمرانوں کو سپاہ صحابہ کے خلاف انتقامی کاروائیوں میں ذلت ورسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس موقعہ پر لیاقت بلوچ اور عارف سلیمان روپڑی نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ملی یکجہتی کونسل کے سٹیج سے سپاہ صحابہؓ کے حق میں اور حکمرانوں کی انتقامی کاروائیوں کے خلاف بھرپور آواز بلند کریں گے۔

جمعیت علماء اسلام کے مرکزی رہنما واسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مولانا سید امیر حسین گیلانی نے بھی جیل میں ملاقات کی اس موقعہ پر ان کے ہمراہ جمعیت علماء اسلام کے معاون سیکرٹری اطلاعات صاحبزادہ مولانا محمد امجد خان اور صاحبزادہ سید احسان گیلانی بھی تھے۔ مولانا سید امیر حسین گیلانی اور صاحبزادہ امجد خان نے ہم سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ دینی ومذہبی حلقوں میں آپ کی گرفتاری پر شدید تشویش پائی جارہی ہے۔ جمعیت علماء اسلام حکمرانوں کی طرف سے صحابہ دشمن فرقہ کو خوش کرنے کی آڑ میں سپاہ صحابہ کو انتقام کا نشانہ بنانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ انہوں نے کہا کہ جمعیت علماء اسلام اور سپاہ صحابہ میں غلط فہمیاں پیدا کرنے والوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ ہم علماء حق کی طاقت کو بکھرنے نہیں دیں گے۔

اس موقعہ پر صاحبزادہ مولانا محمد امجد خان نے جمعیت علماء اسلام (ف) گروپ کے

مرکزی سرپرست مولانا محمد اجمل خان کی طرف سے قائدین سپاہ صحابہ کو سلام دعا اور "خصوصی پیغام" بھی پہنچایا۔

صحافتی تنظیم کے سربراہ اور ہفت روزہ زندگی اور ماہنامہ قومی ڈائجسٹ کے ایڈیٹر جناب مجیب الرحمٰن شامی نے بھی جیل آ کر ہم سے ملاقات کی۔ اس موقعہ پر ان کے ہمراہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے مہتمم مولانا صاحبزادہ قاری محمد حنیف جالندھری، مفتی عبدالقوی اور صاحبزادہ خالد حسن بھی تھے۔ مجیب الرحمٰن شامی نے ملک کی سیاسی و مذہبی صورت حال شیعہ و سنی فسادات کے علاوہ ہمارے کیسوں کے بارے میں تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔

مجیب الرحمٰن شامی نے ہمیں جیل میں قانونی سہولتیں نہ دینے اور ناجائز طور پر مقدمات میں ملوث کرنے کی کوشش پر افسوس کا اظہار کیا اور مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کے گن مین سیف الرحمٰن پر پولیس تشدد کے ذریعہ شاہ نواز قتل کیس میں ملوث کرنے کی کوشش کی بھی شدید مذمت کی قائد سپاہ صحابہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی نے شامی صاحب کو حکمرانوں کی طرف سے شاہنواز پیرزادہ قتل کیس میں پھنسانے کے لئے ڈراموں اور اوچھے ہتھکنڈوں سے بھی آگاہ کیا۔

جمعیت علماء اسلام (س) گروپ کے مرکزی رہنما مولانا میاں محمد اجمل قادری نے بھی سنٹرل جیل کوٹ لکھپت لاہور میں ملاقات کی۔ اس موقعہ پر میاں محمد اجمل قادری نے ملک کی سیاسی و مذہبی صورت حال محرم الحرام کے حالات کے علاوہ ہمارے کیسوں کے بارے میں بھی تفصیلی بات چیت کی۔ میاں محمد اجمل قادری نے کہا کہ علماء حق کی ہمدردیاں اور حمایت سپاہ صحابہ کے ساتھ ہے۔ حکمرانوں کو سپاہ صحابہ کے ساتھ انتقامی کاروائیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس موقع پر مولانا محمد اجمل قادری نے قائدین و کارکنوں کی رہائی کے لئے خصوصی دعا بھی کی اور فرمایا کہ آئندہ ملاقات جلد ہوگی اور جیل

سے باہر ہوگی۔

سپاہ صحابہ پاکستان کے مرکزی صدر وصوبائی وزیر شیخ حاکم علی، سپریم کونسل سپاہ صحابہ پاکسان کے چیئرمین مولانا محمد ضیاء القاسمی اور سپاہ صحابہ پنجاب کے صدر علامہ محمد احمد لدھیانوی نے بھی بارہا ملاقات کی۔ ایک مرتبہ ان کے ہمراہ صاحبزادہ زاہد محمود قاسمی، مولانا الیاس بالاکوٹی اور انجینئر طاہر محمود بھی تھے۔ ملاقات میں مولانا ضیاء القاسمی اور مولانا محمد احمد لدھیانوی نے ملک بھر میں دوروں کی رپورٹ، قائدین کی رہائی کے لئے کی گئی کوششوں اور ان کی گرفتاری سے پیدا ہونے والی صورت حال اور کارکنوں کے جذبات سے آگاہ کیا۔ ہم نے شیخ حاکم علی کو حج کی مبارک باد دی۔ اس موقعہ پر شیخ حاکم علی نے ہمیں جھنگ کے ترقیاتی کاموں اور دیگر امور کے بارے میں آگاہ کیا۔

سابق ایم این اے اور مسلم لیگ (ج) گروپ کے رہنما اسلم کھیلانے بھی ملاقات کی اور ہماری بلاجواز گرفتاری پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ہر قسم کی ہمدردی وحمایت کا یقین دلایا۔

جمعیت علماء اہل حدیث کے سیکرٹری جنرل اور یکجہتی کونسل کے مرکزی رہنما قاضی عبدالقدیر خاموش نے بھی ہم سے ملاقات کی۔ قاضی عبدالقدیر خاموش نے قائدین سپاہ صحابہ کی بلاجواز گرفتاری اور سپاہ صحابہ کے نامزد قاتلوں اور شیعہ لیڈروں کی عدم گرفتاری پر افسوس اور حیرانگی کا اظہار کیا۔

جامعہ المنظور الاسلامیہ لاہور کے مہتمم اور ممتاز عالم دین پیر سیف اللہ خالد نقشبندی نے جیل میں ملاقات کی اور علماء، مشائخ کی طرف سے نیک تمناؤں اور حمایت وہمدردی کا پیغام پہنچایا۔

جمعیت علماء اسلام کے مرکزی سیکرٹری جنرل اور ملی یکجہتی کونسل کے رہنما سینیٹر مولانا سمیع الحق بھی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اس موقعہ پر مولانا سمیع

الحق کے ہمراہ سپریم کونسل سپاہ صحابہ پاکستان کے چیئرمین مولانا محمد ضیاء القاسمی اور ملی یکجہتی کونسل کی مصالحتی کمیٹی کے چیئرمین لیاقت بلوچ بھی تھے۔ مولانا سمیع الحق نے ملی یکجہتی کونسل میں ہماری رہائی کے سلسلہ میں کی گئی کوششوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کی گرفتاری سے تمام مذہبی ودینی حلقوں میں شدید تشویش پائی جاتی ہے۔ مولانا سمیع الحق نے کہا کہ حکمران مولانا اعظم طارق ایم این اے کی شیعت اور حکومت کے خلاف یلغار اور مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کی طرف سے پاکستان سمیت دیگر ملکوں میں سپاہ صحابہ کو منظم و مضبوط کرنے سے خوفزدہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سپاہ صحابہ کی ناموس صحابہ اہل بیت کے تحفظ اور ازواج مطہرات کے تقدس کے دفاع کے لئے ناقابل فراموش خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی اور روشن کردار آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

مولانا سمیع الحق نے کہا کہ نئے سال کے آغاز اور حضرت عمر فاروقؓ کے یوم شہادت پر پنجاب میں سرکاری تعطیل سپاہ صحابہ کا تاریخی روشن کارنامہ ہے کہ جس نے اسلامی قوتوں کا سر فخر سے بلند اور رلادین و صحابہؓ دشمن عناصر کی کمر توڑ دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ قائدین سپاہ صحابہ کی بلاجواز گرفتاری پر تمام دینی قوتوں کو متفقہ طور پر سپاہ صحابہ کے حق میں آواز بلند کرنی چاہیے۔ مولانا سمیع الحق نے بتایا کہ آپ کی بلاجواز گرفتاری و ناجائز مقدمات میں ملوث کرنے کی مزموم کوشش پر ملی یکجہتی کونسل کے سربراہی اجلاس میں شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے متفقہ طور پر کونسل کی طرف سے ایک قرارداد کے ذریعہ آپ کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔

اس موقعہ پر سپاہ صحابہ کے سیکرٹری اطلاعات مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی، سیکرٹری جنرل محمود اقبال اور ڈپٹی سیکرٹری ڈاکٹر منظور احمد شاکر موجود تھے۔

پنجاب میں گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی حضرت عمر فاروق ﷜ کے یوم شہادت پر سرکاری تعطیل کی گئی۔ (یاد رہے کہ یہ تعطیل دو سال قبل سپاہ صحابہ اور وٹو حکومت کے درمیان معاہدہ کے تحت عمل میں آئی)۔

آزاد کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم کے صاحبزادے اور مسلم کانفرنس کے رہنما سردار عتیق احمد خان اور مسلم لیگ یوتھ ونگ کے مرکزی رہنما خواجہ سعد رفیق اور دیگر ساتھیوں نے بھی جیل میں ملاقات کرتے ہوئے حکومت کی طرف سے سپاہ صحابہ کے خلاف انتقامی کاروائیوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حکمرانوں نے دینی و مذہبی جماعتوں کو کچلنے اور لادین قوتوں کو مضبوط کرنے کی کوشش میں اپنے آپ کو اقتدار سے ہمیشہ کے لئے محرومی کی بنیاد رکھی ہے۔ اس موقعہ پر ہمارے اور مسلم لیگی رہنماؤں کے درمیان کشمیر کے انتخابات، شمالی علاقہ جات کو شیعہ سٹیٹ بنانے کی مذموم کوشش کے بارے میں بھی تفصیلی بات چیت ہوئی۔ مسلم لیگی رہنماؤں اور سردار عتیق نے بتایا کہ وہ کسی اسلام دشمن قوت اور لادین عناصر کی طرف سے ایسی کسی مزموم کوشش کو کسی صورت میں بھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ اس موقعہ پر سپاہ صحابہ کی طرف سے آزاد کشمیر میں الیکشن کے موقعہ پر "مسلم کانفرنس" کی مکمل حمایت کا بھی اعلان کیا گیا۔

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے مرکزی راہنما و سابق ایم پی اے مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مولانا عبدالوارث چنیوٹی نے بھی جیل میں ملاقات کی۔ اس موقعہ پر مولانا منظور احمد چنیوٹی نے قائدین سپاہ صحابہ کو شیعہ کے کفر اور نسوانی حکومت کے خلاف "جہاد" اور عزم و استقلال پر زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ سپاہ صحابہ کا جرات مندانہ کردار اور لازوال قربانیاں تاریخ کا سنہری حصہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سپاہ صحابہ نے اکابر کے راستہ پر چلتے ہوئے اسلاف کی یاد تازہ اور دینی قوتوں کے وقار کو بلند کر دیا ہے۔

جمعیت اشاعت التوحید والسنت' لاہور کے نائب صدر مولانا عبدالتین کی قیادت میں بھی ایک وفد نے جیل میں ملاقات کر کے حمایت کا یقین دلایا۔

مولانا چنیوٹی نے کہا کہ اگر حکمرانوں نے قائدین سپاہ صحابہ کے خلاف انتقامی رویہ کو ختم کرتے ہوئے رہا نہ کیا تو پھر حکمرانوں کو دینی و مذہبی قوتوں کی طرف سے زبردست رد عمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں ان اسلام اور ملک دشمن حکمرانوں کو نشان عبرت بنا دیا جائے گا۔

ہم نے مولانا منظور احمد چنیوٹی سے اس موقعہ پر بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ظالم حکمران ظلم و تشدد ناجائز مقدمات، جیلوں اور ہتھکڑیوں کے ذریعہ ہمیں نہیں جھکا سکتے۔

"پاکستان سنی علماء فورم" کے صدر مولانا رجیع اللہ خان اور مولانا احسان اللہ نوری نے بھی جیل میں آ کر ملاقات کی۔ اس موقعہ پر مولانا رجیع اللہ نے قائدین سپاہ صحابہ کی گرفتاری کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حکمران سپاہ صحابہ کے قائدین کو ملک سے فرقہ واریت کو جڑ سے ختم کرنے اور اتحاد بین المسلمین کی عملی کوشش کرنے کی سزا دے رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکمران شیعہ سنی فسادات کے خاتمہ میں مخلص نہیں ہیں اور سپاہ صحابہ کے خلاف یکطرفہ اور انتقامی کاروائی حکمرانوں کی طرف سے ملک میں فسادات کروانے اور ملک کے حالات خراب کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ جس کو سپاہ صحابہ نے "پرامن پالیسی" کے نتیجہ میں ناکام کر دیا ہے۔

مولانا رجیع اللہ نے کہا کہ اہل سنت کے تمام مشائخ و علماء کی ہمدردیاں سپاہ صحابہ کے ساتھ ہیں۔

پاکستان علماء کونسل کے چیئرمین مولانا طاہر محمود اشرفی نے بھی ملاقات کرتے ہوئے ہر قسم کی حمایت و تائید کی یقین دہانی کروائی۔

پاکستان کی معروف دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے نائب مہتمم مولانا فضل

الرحیم جامعہ اشرفیہ کے ناظم مولانا ارشد عبید مولانا محمد اکرم کاشمیری اور صاحبزادہ خالد حسن نے بھی جیل میں ملاقات کی اس موقعہ پر مولانا فضل الرحیم نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی بلاجواز گرفتاری سے تمام دینی مدارس کے علماء و مشائخ اور طلباء میں شدید تشویش پائی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایم این اے کے والد اور ظالم جاگیردار کے قتل کی آڑ میں قائدین سپاہ صحابہ کی گرفتاری انتہائی افسوسناک اور حکمرانوں کی طرف سے صحابہ دشمن فرقہ کو خوش کرنے کی مزموم کوشش ہے۔ جس کی جتنی مذمت کی جائے اتنی کم ہے۔ انہوں نے قائدین کی طرف سے آئین و قانون اور "امن پسندی کا راستہ اختیار کرنے پر ان کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

مناظر اسلام اور ممتاز محقق و عالم دین علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے بھی جیل میں تفصیلی ملاقات کی۔ سپاہ صحابہ پاکستان کے مرکزی نائب صدر علامہ علی شیر حیدری، سپاہ صحابہ سندھ کے سیکرٹری اطلاعات طارق محمود مدنی اور سپریم کونسل سپاہ صحابہ کے رہنما صاجزادہ زاہد محمود قاسمی نے بھی قائدین سپاہ صحابہ سے جیل میں ملاقات کرتے ہوئے سندھ اور بالخصوص کراچی کے حالات سپاہ صحابہ کراچی کے رہنماؤں اور کارکنوں کی بلاجواز گرفتاریوں اور ناجائز مقدمات کی آڑ میں حکومت سندھ کی طرف سے سنگین و ظالمانہ سزاؤں اور ان کے مسائل کے بارے میں بھی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے سپاہ صحابہ کے عارضی سزائے موت کے قیدی حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ، منصور بابر اور دیگر اسیران ناموس صحابہ کی طرف سے خصوصی پیغام پہنچایا۔

انہوں نے بتایا کہ کراچی جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند اسیران سپاہ صحابہؓ کے عزائم بلند ہیں اور ان کا صبر و استقامت عزم و استقلال اور حوصلہ قابل تحسین ہے۔

سابق صوبائی وزیر تعلیم ریاض فتیانہ نے بھی جیل میں قائدین سپاہ صحابہ سے ملاقات کی اور ان کی بلاجواز گرفتاری کی مذمت کی۔ ریاض فتیانہ نے ملک کی موجودہ سیاسی

وفد نے صورت حال پر بات چیت کرتے ہوئے پنجاب میں عدالت کے ذریعہ وٹو حکومت کی متوقع بحالی کی صورت میں پنجاب اسمبلی میں سپاہ صحابہ کے دو نمائندوں کی حمایت کے بارے میں بھی بات چیت کی جس کے جواب میں ہم نے ریاض فیبانہ سے کہا کہ اس کے بارے میں فیصلہ سپاہ صحابہ کی مجلس شوریٰ کے اختیار میں ہے۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں غور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ پشاور، اسلام آباد، کراچی، کوئٹہ، ملتان، پارہ چنار سمیت سپاہ صحابہ کے رہنماؤں اور کارکنوں کے وفود نے بڑی تعداد میں سنٹرل جیل کوٹ لکھپت لاہور میں قائدین سپاہ صحابہ سے ملاقات کی۔

بے نظیر کو آموں کی پیٹیاں بھیجنے کی خبر

سپاہ صحابہ کے سربراہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور راقم کے [illegible] میں یہ افواہ اڑا دی گئی کہ ہم نے جیل سے بے نظیر بھٹو کو آموں کی پیٹیاں بھیجی ہیں۔ ہم نے روزنامہ خبریں لاہور میں شائع ہونے والی اس خبر کی پرزور تردید کی جس میں کہا گیا تھا کہ قائدین سپاہ صحابہؓ کوٹ لکھپت جیل کے جس وارڈ میں ہیں وہاں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے سزائے موت سے قبل ۹ ماہ گزارے تھے اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے آم کے چار درخت لگائے تھے اور قائدین نے ان آموں کی دو پیٹیاں بے نظیر کو حصہ میں بھیجی ہیں۔

لاہور سے سنٹرل جیل ملتان منتقلی

ہفتہ ۲۹ جون کو جب ہمیں لاہور کوٹ لکھپت جیل سے ملتان منتقلی کا آرڈر ملا تو جیل میں غم و غصہ اور رنج و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ سینکڑوں قیدی زار و قطار رونے لگے۔ سپاہ صحابہ لاہور کے جنرل سیکرٹری قاری عبدالقیوم جو ۶ ماہ سے قتل کے ایک جھوٹے مقدمہ میں کوٹ لکھپت جیل میں ہمارے ساتھ تھے، دھاڑیں مار مار کر رونے

لگے۔ جیل میں سزائے موت کے وارڈ نمبر ا اور وارڈ نمبر ۲ سمیت تمام بارکوں اور بلاکوں سے ہزاروں حوالاتی اور قیدی اس جدائی پر بخت پریشان تھے۔ جیل کے عملہ سمیت تمام ساتھیوں نے بالاخر اس جدائی کا غم نہایت صبر سے برداشت کیا۔ سینکڑوں قیدی اور حوالاتی جیل کے صدر دروازے پر چھوڑنے آئے۔

سپاہ صحابہ پنجاب کے سیکرٹری محمود اقبال، ڈاکٹر منظور احمد شاکر مولانا مجیب الرحمان انقلابی جو ڈیڑھ سال سے قتل کے ایک جھوٹے مقدمہ میں یہاں موجود تھے وہ غمگین اور پریشان تھے دیگر تمام احباب میں قاری عبدالقیوم، قاری عطاء الرحمٰن، طارق بلو، امیر علی، ماسٹر افضل سعید، ہارون رشید بھٹی، نوید، شہباز، شفیق، رفیق خان، راؤ شمس دین، فیاض احمد، راشد اور تمام ساتھی بے بس تھے۔ انہوں نے دل پر ہاتھ رکھ کر ہمیں الوادع کہا۔ ہم صبح نو بجے جیل سے پولیس کی چار گاڑیوں کے ہمراہ ایئرپورٹ روانہ ہوئے ملتان کا موسم خراب ہونے کے باعث دس گھنٹے تک لاہور ایئرپورٹ پر قیام کرنا پڑا۔ اس دوران ایئرپورٹ پر کئی سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ شام آٹھ بجے لاہور سے جہاز روانہ ہوا۔ ساڑھے نو بجے سنٹرل جیل ملتان پہنچے۔ سنٹرل جیل ملتان کے سپاہ صحابہ کے ساتھیوں کو قبل از وقت اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے وہ تمام احباب چشم براہ تھے۔ یہاں حافظ محمد اطہر، مولوی محمد حنیف، ذکی اللہ، ملک عبداللہ، زاہد مقصود احمد اور حافظ محمد عمر، محمد رفیع نجم الثاقب سمیت تمام احباب نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

اگلے روز ۳۰ جون کو تمام قومی اخبارات میں قائدین کی ملتان آنے کی خبریں شائع ہو چکی تھیں۔ اس لئے اسی روز سے ملاقاتیوں کا ہجوم جیل کے دروازے پر موجود تھا۔

خیرالمدارس کے اساتذہ اور شیخ الحدیث کی جیل آمد

۱۴۔ جولائی کو حضرت قاری محمد حنیف جالندھری کی قیادت میں خیرالمدارس کے

اساتذہ اور علماء کرام سے ملاقات کی۔ حضرت مفتی عبد الستار صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب، قاری عبد السنان اور اسلم شاہ صاحب سمیت کئی علماء جیل تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر حضرت مفتی عبد الستار نے ایک اثر انگیز دعا فرمائی۔ جامعہ کے اساتذہ نے کہا۔ ملک کا بچہ بچہ اور مدارس عربیہ کے لاکھوں طلبہ مدارس میں آپ کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا آپ کا جیل میں ایک ایک دن عبادت میں گزر رہا ہے۔

آٹھ ماہ بعد پہلی مرتبہ عدالت میں پیشی

یکم جولائی کو پولیس کی گاڑیوں کے جلوس میں ہمیں قریباً ۸ ماہ میں پہلی مرتبہ خصوصی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ہماری عدالت میں پیشی کے موقعہ پر سینکڑوں کارکن صبح ہی سے عدالت کے اطراف میں پہنچ چکے تھے۔ پولیس نے حفاظتی انتظام کے تحت وکلاء کے ساتھ کسی کو احاطہ عدالت میں نہ آنے دیا۔ خصوصی عدالت کے جج آصف خان کی عدالت میں بیان دیتے ہوئے قائد سپاہ صحابہ نے فرمایا۔

> "ہمارے ساتھ ۸ ماہ سے مسلسل زیادتی ہو رہی ہے۔ آپ خود ہمارے مقدمہ سے واقف ہیں۔ مقدمہ کے تمام ارکان ہماری بے گناہی کے گواہ ہیں لیکن اگر آپ کو بے گناہ قیدیوں کو بھی چھوڑنے کا اختیار نہیں تو پھر اس عدالت کا کیا فائدہ ہے۔"

تاریخ پیشی کے موقعہ پر دیگر ملزمان مسلم لیگ کے سابق وفاقی وزیر سید تسنیم نواز گردیزی اور شیخ عبد الرحیم بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ اس مقدمہ کے تین ملزمان مولانا حاجی غلام مرتضیٰ، حاجی عبد الحمید اور سیف الرحمان کو بھی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان تینوں ملزمان کو بھی بہاولپور سے ملتان جیل منتقل کرنے کے آرڈر عدالت سے جاری کرائے گئے۔

یکم جولائی سے ۱۶ جولائی تک ملاقاتیوں کی آمد

ان سولہ ایام میں ہم سے ۱۰۰ کے قریب وفود نے ملاقاتیں کیں۔

چند قابل ذکر حضرات کے نام یہ ہیں۔

شجاع آباد سے مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی، ان کے بھائی حافظ عطاء اللہ، ابوبکر صدیق اور حافظ سیف اللہ خالد۔ (منچن آباد سے) عبداللہ انور، عبدالرحمن حقانی، (فیصل آباد سے) محمد اشرف علی ناصر، محمد اسماعیل، منیر احمد، محمد ظفر، (کوٹ ادو سے) محمد ارشد صدیق، حافظ غلام شبیر، قاری تاج محمد، اللہ نواز، حافظ بشیر و دیگر کارکنان، (یونٹ صدیق اکبر جلہ آرائیں سے) عبدالمالک سرپرست، منظور احمد، سعید احمد، قاری محمد اشرف، لعل خاں، عبدالرحمان وغیرہ (کبیر والا سے) سعید الرحمان، خالد محمود، عبدالشکور، آفتاب احمد، غلام مصطفیٰ اللہ دتہ وغیرہ۔ (حاصل پور سے) میاں مشتاق احمد سرپرست، محمد اسلم چوہان وغیرہ (لاہور سے) عبدالحمید، (خیرپور ٹامیوالی سے) حاجی عبدالرحیم، حسین احمد مدنی، محمد تنی (کوٹ اعظم سے) محمد عبداللہ، محمد راشد، منظور احمد، (ترنڈہ محمد پناہ سے) حاجی محمد اسماعیل، عبدالرحیم، اللہ وتہ عبدالقدوس، ماسٹر عبدالستار و دیگر کارکنان، (کوٹلہ شیخاں سے) قاری محمد اسحاق، مشتاق احمد، اللہ وسایا، غلام حیدر، منظور احمد، منیر احمد و دیگر (احمد پور شرقیہ سے) صدر علی، فیاض احمد، محمد اکرم، محمد طارق (اوچ شریف سے) محمد حسین معاویہ، محمد ابراہیم، رفیق احمد فاروقی، محمد شاہد، صفدر علی معاویہ (جھنگ سے) حاجی محمد افضل، ڈاکٹر نور احمد، راناشوکت علی، چوہدری لیاقت علی، سرفراز، باجی شمیم (کوٹ ادو سے) قاری تاج محمد، ضیاء الرحمان فاروقی وغیرہ (ملتان سے) صوفی محمد شفیع، محمد عارف، محمد عامر، محمد صدیق، غلام اکبر، محمد عمر، محمد اسماعیل، نواز شاہ وغیرہ۔ (موضع لوٹھر سے) حاجی عبدالواحد، حاجی غلام قادر، حاجی مقبول احمد، حاجی محمد، رب نواز، احسان اللہ، امان اللہ، (تونسہ شریف

سے) حافظ محمد حنیف، محمد اسماعیل، حافظ رفیق احمد، محمد ریاض (بہاولپور سے) چوہدری رحمت اللہ، ندیم وغیرہ (بہاولنگر سے) احمد دین (کہروڑپکا سے) رانا اللہ یار، محمد عثمان، رانا اللہ دتہ، منظور احمد وغیرہ (شجاع آباد سے) خواجہ عطاء الرحمان، خالد محمود، ملک نور محمد، قاری غلام یٰسین وغیرہ۔ (اٹک سے) مشتاق محمد، حفیظ الرحمان، (رحیم یار خان سے) مولانا غلام کبریا، سرپرست سپاہ صحابہ پنجاب (میاں چنوں سے) مولانا رب نواز ہراج، مولانا اللہ بخش فانی، عبدالحمید رحمانی، سلمان احمد وغیرہ۔

ان کے علاوہ انجنیئر طاہر محمود، قاری شبیر احمد، مولانا یحیٰی عباسی، اقبال فاروقی و دیگر علاقہ جات سے وفود ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ بستی ملوک، وبھیانوالہ، لیہ، اسلام آباد، میلسی، نوشہرہ جدید، خان گڑھ، مظفرگڑھ، خانیوال، وہاڑی، عبدالحکیم، عنایت پور، جتوئی، ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان، راجن پور، حافظ والا، چیچہ وطنی، (حاصل پور سے) ندیم اقبال اعوان ایڈووکیٹ، مولانا گلزار احمد گل، ظفر اقبال، عبدالرشید تبسم، حافظ احمد حسن و دیگر ساتھی ملاقات کے لئے آئے۔

کوٹ موقع کے ساتھ سیروتفریح

بہاولپور جیل سے پہلی مرتبہ ملتان جیل آئے تھے، تو سینٹرل جیل ملتان کے حکام نے ڈیوڑھی میں ہمارے سامان کی خوب تلاشی لی جیسے بہاولپور جیل کی بجائے ہم انڈیا کے محاذ سے آرہے ہوں اور شاید ہمارے سامان میں کوئی دس پندرہ گرنیڈ بم وغیرہ یا پسٹل بندھے ہوئے ہوں۔ خیر ہم خاموش رہے کہ چلو ان کی جو مرضی کرلیں۔ ادھر حکام نے ہمیں باقی ساتھیوں کے ہمراہ بارک نمبر ۱۴ میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دی اور ساتھ پابند کردیا کہ اس بارک سے آپ لوگ باہر بالکل نہ آئیں۔ ہم نے یہ پابندی بھی قبول کرلی تھی۔ اب جب ملتان جیل سے ہم لاہور کوٹ لکھپت جیل گئے تو وہاں ایسی کوئی پابندی ہی نہ

تھی ہم ساری جیل میں گھومتے تھے اور شام کو کوٹ موقع (یعنی جیل کی بیرونی دیوار) کے ساتھ ساتھ چہل قدمی کیا کرتے تھے۔ اسی طرح وہاں جمعہ بھی پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ ہر جمعہ جیل کے چکر میں (جو جیل کا مرکز ہوتا) لاؤڈ سپیکر پر خوب تقریر ہوتی اور نعرے تک لگتے۔ سینکڑوں اسیران اور سرکاری ملازم بھی شریک ہوتے۔ لاہور جیل سے مورخہ ۲۹ جون کو بعد نماز مغرب سینٹرل جیل ملتان پھر واپس پہنچے اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ چوہدری غلام دستگیر کے دفتر میں کرسیوں پر جا بیٹھے تو حسب سابق اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ چوہدری نذیر احمد میرے پاس آیا کہ بریف کیس کی چابی دیں۔ اس کی تلاشی لینی ہے۔ میں نے غصہ سے چوہدری نذیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا... اب پرانی باتیں بھول جاؤ۔ ہم لاہور جیل سے ہو کر آگئے ہیں۔ کوئی تلاشی وغیرہ نہیں ہوگی۔ ہم جیل سے پولیس کے ہمراہ آئے ہیں۔ کوئی پکنک سے تو نہیں آئے اور اب یہ بات بھی سن لو! ہم پہلے کی طرح بارک نمبر ۱۳ میں بند نہیں رہا کریں گے، بلکہ کوٹ موقعہ کے ساتھ ساتھ اب سیر بھی کریں گے۔ میری یہ بات سن کر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور چوہدری نذیر ہکے بکے رہ گئے۔ کہنے لگے ٹھیک ہے۔ ہم تلاشی نہیں لیتے ہیں لیکن یہ سیر والی بات آپ کی سیکورٹی کے خلاف ہے۔ ہماری مجبوری ہے۔ میں نے کہا اس کا جواب صبح دیں گے۔

صبح نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر میں چند ساتھیوں کو ہمراہ لے کر بارک سے باہر آگیا اور کوٹ موقع کے ساتھ چلنا شروع کر دیا اور کچھ دیر بعد حضرت قائد محترم بھی باہر آگئے۔ اب جیل کا عملہ ہمیں حیرانی سے دیکھنے لگا کہ یہ کیا کرنے لگے ہیں؟ عملہ بھی خاموشی سے ہمارے پیچھے پیچھے چل پڑا کافی دور تک چل کر ہم واپس آگئے۔

دوپہر کو جب ڈیوڑھی میں ملاقات پر گئے تو سپرنٹنڈنٹ چوہدری عبدالمجید صاحب اور ڈپٹی صاحب ہم سے پوچھنے لگے کہ آپ نے کیا کام شروع کر دیا ہے؟ ہم نے کہا جیلیں سارے پنجاب کی ایک جیسی ہیں۔ ہمیں صبح و شام کے وقت چہل قدمی کی ضرورت ہے۔

لہٰذا آپ ہمیں نہ روکیں۔ کافی بحث و مباحثہ کے بعد جیل حکام نے کہا اچھا آپ پوری جیل کے گرد چکر نہ لگایا کریں۔ بارک نمبر ۱۳ سے فیکٹری تک جو آدھی جیل کے گرد کوٹ موقع ہے اس کی سیر کر لیا کریں۔ اور پھر یہ سیر ہوتی رہی۔

ملتان جیل میں جمعہ کی اجازت کیسے ملی؟

سینٹرل جیل ملتان کے حکام نے سپاہ صحابہؓ کے اسیروں کو بارک نمبر ۱۳ تک محدود کر دیا تھا۔ وہ عرصہ سے چکر میں جا کر عام اسیروں کے ہمراہ جمعہ تک ادا کرنے سے محروم تھے۔ بہاولپور جیل سے جب ہم آئے تو بھی یہ پابندی جاری رہی۔ اب جب لاہور سے ہماری واپسی ہوئی تو فیصلہ کیا کہ اب اس پابندی کو بھی توڑنا چاہیے۔ لیکن حضرت قائد محترم کا فرمان تھا کہ "ٹھنڈا کر کے کھایا جائے" یک لخت ساری پابندیاں توڑنا شروع کر دیں تو کہیں پہلی سہولتیں بھی نہ جاتی رہیں۔ چنانچہ مشورہ ہوا کہ جیل حکام سے بات کرتے ہیں۔ مگر جیل حکام تو جمعہ کی اجازت کے بارے میں بات تک سننے کو تیار نہ تھے۔ آخر ایک دن ان سے ہم نے کہہ دیا کہ اگر اس طرح آپ لوگ نہیں مانیں گے تو پھر ہم اپنا راستہ بنالیں گے۔ انہوں نے اس بات کو ہنس کر ٹال دیا۔

مورخہ ۲۶ جولائی ۹۶ء کو دوپہر کے وقت جیسے ہی چکر سے خطیب صاحب کی آواز سنائی دی۔ میں ڈیڑھ بجے آٹھ ساتھیوں کو لے کر بارک نمبر ۱۳ سے باہر آ گیا اور چکر کی طرف چل پڑا۔ موقع پر موجود افسران بھاگے بھاگے آ گئے کہ حضرت! آپ کدھر جا رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا مسلمان ہیں جمعہ پڑھنے جا رہے ہیں اگر باقی اسیر جمعہ پڑھ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہ پڑھیں۔ اب وہ نہ ہمیں روکنے کی کوشش کر سکے اور نہ ہی ہمارے جانے پر راضی تھے۔ وہ دیکھتے رہے اور ہم چلتے رہے۔ چکر کی مسجد میں (جس کی صرف ایک فٹ بنیادیں زمین پر ہیں اور جمعہ کے دن ٹینٹ لگائے جاتے ہیں) پہنچ کر ہم نے قائد محترم کو پیغام

بھیجا کہ آپ بھی آجائیں تو وہ بھی تشریف لے آئے۔ کچھ دیر بعد سپرنٹنڈنٹ صاحب بھی آگئے۔ اس دفعہ نماز ابدالی مسجد ملتان سے آئے ہوئے ایک ساتھی نے پڑھائی اور تقریر بھی کی، مگر آئندہ کے لئے یہ ذمہ داری بھی میں نے سنبھال لی اور یوں جمعہ کا سلسلہ شروع ہونے سے اسیران جیل سے ملنے جلنے اور انہیں اپنا پیغام سنانے کا موقع مل گیا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ آج جب دو سال بعد اٹک جیل کی قید تنہائی میں بیٹھا یہ واقعہ اپنی ڈائری سے نقل کر رہا ہوں تو آج بھی ۲۶ جولائی اتوار کا دن ہے۔

چاچو! میں تمہیں اور ابو کو چھڑانے کے لئے دس روپے لایا ہوں

ملتان جیل میں حضرت قائد سپاہ صحابہؓ کے بچے ملاقات پر آئے تو میں نے حضرت کے چھوٹے بچے "سلمان" سے کہا کہ تمہیں ہم اپنے پاس رکھ لیں گے۔ اب تم واپس نہ جاؤ۔ ادھر ہمارے پاس رہو خوب فروٹ بھی ملے گا اور رل کر کھیلیں گے۔ تو اس نے آگے سے جواب دیا نہیں چاچو میں نے جیل میں نہیں رہنا ہے یہ اچھی جگہ نہیں ہے اور پھر اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر کہنے لگا۔ چاچو! میں تمہیں اور ابو کو جیل سے چھڑانے کے لئے "آپاں" (حضرت فاروقی صاحب کی اہلیہ جنہیں ہر خاص و عام حتیٰ کہ ان کے اپنے بچے بھی "آپاجی" کے نام سے پکارتے ہیں۔) سے دس روپے لایا ہوں وہ جو پولیس والا گیٹ پر کھڑا ہے نا میں نے اس کو یہ پیسے دینے ہیں اور کہنا ہے کہ وہ یہ پیسے لے لے اور آپ دونوں کو باہر جانے دے۔ میں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا بیٹے! فکر نہ کرو اب ہم بغیر پیسوں کے ہی باہر آجائیں گے۔ لیکن وہ بار بار ضد کرتا رہا کہ چاچو! میں پیسے آپ دونوں کے لئے لایا ہوں۔ آپ ابھی چلیں۔

آج جب وہ منظر میرے سامنے آتا ہے تو آنکھیں چھلکنے لگ جاتی ہیں اور دل پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر حیران رہ جاتا ہوں کہ ہمیں کیا

معلوم تھا کہ اب اس معصوم بچے کی خواہش کبھی پوری نہ ہوگی اور اس کے ابو کا جنازہ ہی جیل سے اٹھے گا۔

زیادہ سے زیادہ میرے ابو کو سزائے موت ہی ہو جائے گی

حضرت قائد فاروقی کے بڑے دو بیٹے ساہیوال میں میٹرک کر رہے تھے اور ہر ہفتے ان کا خط پابندی سے آتا اور اپنے خطوط میں وہ ہمیں راہ حق پر ڈٹ جانے کی تلقین کرتے اور اسلاف کے واقعات، صحابہؓ کرام کی قربانیوں کے واقعات تحریر کرتے۔ حضرت قائد خط پڑھ کر فرماتے یار اپنے بچوں کو کیا ہو گیا ہے!! یہ تو ہم سے بھی آگے نکل گئے ہیں اور ہماری تقریریں ہمیں ہی لکھ کر نصیحتیں کر رہے ہیں۔ میں جواب دیتا در اصل ہمای تقاریر سے اور مشن سے وابستگی کے باعث صرف ان کے ہی نہیں اب تو سب نوجوانوں کے ایسے ہی جذبات بن گئے ہیں اور یہ بات بہت خوش آئند ہے ورنہ اگر ہمارے بچے ہمیں رو رو کر شکوے شکایات بھرے خط لکھتے اور ہمیں آوازیں دیتے کہ ابو جلدی باہر آجاؤ۔ ہمارا دل نہیں لگتا ہے۔ ہم پریشان ہیں۔ ہمیں نیند نہیں آتی ہے۔ تو پھر بھلا ہم پر کیا گذرتی؟ ایک دن حضرت قائد کے یہ دونوں بیٹے اپنے سکول کے پرنسپل طارق صاحب کے ہمراہ ملاقات پر آئے تو بات ان کے خطوط کے حوالہ سے چل پڑی۔ پرنسپل نے بتایا کہ یہ تو معمولی باتیں ہیں۔ ایک دن ایک لڑکے نے عثمان سے کہا کہ تمہارے ابو پر اتنے مقدمات ہیں اب کیا ہو گا۔ تو اس نے جواب دیا کہ پھر کیا ہوا؟ میرے ابو کونسا کوئی جرم کر کے یا برائی کر کے جیل گئے ہیں وہ دین کے لئے جیل گئے ہیں۔ باقی رہی بات مقدمات کی تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ حکومت میرے ابو کو سزائے موت ہی سنا دے گی۔ ہم اس بات سے گھبرانے والے نہیں ہیں۔ یہ واقعہ پھر قائد محترم نے کئی مرتبہ لوگوں کو سنایا کہ اب تو ہمارے بچوں کے بھی یہ جذبات ہیں اس لئے ہمیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

آج جب میں اس واقعہ کو سوچتا ہوں تو بے اختیار میری زبان پر یہ الفاظ آ جاتے ہیں۔

"میرے قائد! چونکہ تیری شہادت کا فیصلہ ہو چکا تھا اس لئے قدرت نے تیرے بیٹوں کو پہلے ہی سے حوصلہ مند بنا دیا تھا"

میری دعا ہے کہ اللہ میرے قائد کے بچوں کو دین حق کا داعی اور اسلام کا سپاہی بنائے۔ آمین!

بیٹے کا باپ کو روزانہ ایک خط تحریر کرنا

قائد سپاہ صحابہؓ حضرت فاروقی جس طرح اپنے بچوں کو پیار کرتے تھے اور پھر جس طرح بچے ان سے بے تکلف ہو کر گھل مل جاتے۔ ایسا میں نے بہت کم دیکھا ہے۔ خود میرے بچے بھی مجھ سے اتنے مانوس نہیں ہیں۔

دراصل حضرت فاروقی شہید کی طبیعت ہی ایسی تھی کہ ہمارے بچے بھی ان سے بہت جلد مانوس ہو گئے اور عام بچوں، طالبعلموں، نوجوانوں سے بھی ان کی محبت کا والہانہ انداز ایسا ہی ہوتا کہ بس ایک ہی مجلس کی چند ساعتیں ہمیشہ کے لئے ان کا گرویدہ کر دیتیں۔

ایک طرف تو بچوں کے جذبات کا یہ عالم کہ ہمیں خطوط کے ذریعہ ڈٹ جانے کی تلقین کرتے دوسری طرف محبت کی یہ حالت کہ فاروقی صاحب کے بڑے بیٹے ریحان محمود ضیاء نے ساہیوال سے روزانہ ایک خط تحریر کرنا شروع کر دیا اور اس کا تقاضا تھا کہ مجھے آپ بھی روزانہ ایک خط لکھا کریں تاکہ میں ہر روز آپ کے خط سے آدھی ملاقات کر لیا کروں۔ ریحان کے خطوط پر "تلاش منزل" کا مونوگرام ضرور ہوتا تھا۔

اب حضرت کی جب ڈاک آتی تو دیکھ کر فوراً کہتے "تلاش منزل آگیا"

ایک دن مجھے فرمانے لگے کہ "جرنیل صاحب! ریحان کو تم سمجھاؤ کہ ایسا نہ کرے کیونکہ مجھے اور بہت کچھ لکھنا ہوتا ہے میں روزانہ ڈاک کا جواب نہیں لکھ سکتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ خود کیوں نہیں اسے روک دیتے تو فرمایا "میں یہ بات نہیں لکھ سکتا ہوں" چنانچہ میں نے ریحان کو خط لکھ کر سمجھایا کہ تمہاری محبت اپنی جگہ بجا ہے لیکن حضرت قائد جو کام آج کل کر رہے ہیں۔ اس کے باعث انہیں روزانہ خط کا جواب دینا مشکل ہے لہٰذا تم روزانہ خط کی روٹین تبدیل کر لو۔ چنانچہ ریحان محمود نے معمول بدل لیا۔

۱۲ ربیع الاول کے پروگرام میں شرکت اور جیل حکام کی بدحواسیاں

۲۹ جولائی ۹۶ء ۱۲ ربیع الاول کا دن تھا۔ جیل حکام نے حسب روایت جیل کے چکر میں ایک خوبصورت تقریب کے انعقاد کا اہتمام کرنے اور ڈپٹی کمشنر ملتان کو بلوانے کا پروگرام ترتیب دیا ہوا تھا۔ ایک روز قبل ہم نے اعلان کر دیا کہ ہم بھی اس پروگرام میں شریک ہوں گے۔ جیل حکام کو اس اعلان سے "پسو پڑ گئے" ۱۲ ربیع الاول صبح ساڑھے سات بجے اسسٹنٹ چوہدری نذیر احمد نے ہماری بارک میں آکر کارکنوں سے کہا کہ آج تقریب اجتماعی نہیں ہو گی۔ اپنی اپنی بارکوں میں ہر کوئی تقریب منعقد کرنے کا اہتمام کر رہا ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اس بارک میں تقریب کر لیں۔ مجھے ساتھیوں نے جس وقت یہ خبر دی تو میں صرف چادر و بنیان میں ملبوس بیٹھا ہوا تھا۔ میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے باہر آکر چوہدری نذیر کو کہا کہ اپنے صاحب کو بتادو کہ اس تقریب کو ملتوی نہ کرے ورنہ پھر ہم خود جا کر انتظام کریں گے اور لڑکوں سے اس کے سامنے کہا کہ تیاری کرو! ابھی آٹھ بجے ہم خود جا کر انتظامات کریں گے۔ چوہدری نذیر احمد بھاگا بھاگا باہر گیا اور آدھ گھنٹہ سے قبل

ہی آکر کہنے لگا کہ جناب! آپ ابھی نہ جائیں انتظام ہو رہا ہے۔ آپ دس بجے چلے جانا۔ چنانچہ ہم دس بجے قائد سپاہ صحابہؓ کی قیادت میں جب چکر میں پہنچے تو وہاں سبزہ زار جھنڈیوں، ٹینٹوں، پھولوں کی پتیوں سے نہایت خوبصورت انداز میں جلسہ گاہ کو سجایا گیا تھا۔

جیل حکام نے اسٹیج سیکرٹری کو ہدایت دے رکھی تھی کہ وہ پانچ چھ قیدیوں سے نعتیں پڑھوا کر دعا کرا دے اور تقریب ختم کرنے کا اعلان کر دے۔ تاکہ سپاہ صحابہؓ والے گیارہ بجے واپس اپنی بارک نمبر ۱۴ چلے جائیں تو پھر دوبارہ تقریب کا اہتمام کریں گے کیونکہ ڈپٹی کمشنر نے ایک بجے کا وقت دے رکھا تھا۔ ہم اس منصوبہ سے لاعلم تھے۔ چنانچہ جب تقریب میں جا کر بیٹھ گئے اور جیل کے سینکڑوں اسیران بھی آ گئے اور اسٹیج سیکرٹری کا رویہ بھی مجھے عجیب سا نظر آنے لگا تو میں نے نعت خوان کی نعت شریف کے اختتام پر آگے بڑھ کر مائیکروفون اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بس پھر کس کی ہمت تھی کہ مجھ سے مائیک مانگتا۔ میں نے خود تلاوت کی پھر مختصر خطبہ پڑھ کر صرف دس منٹ سیرت پر خطاب کیا لیکن ان دس منٹوں میں ہی خطابت اتنے جوش کے ساتھ عروج تک چلی گئی کہ جب میں نے سانس روکا تو پورا مجمع کھڑے ہو کر نعرے لگا رہا تھا۔ ادھر سپرنٹنڈنٹ صاحب و دیگر عملہ میری جوشیلی تقریر کی آواز سنتے ہی جلسہ گاہ میں آ پہنچا۔ میں نے جب ان کی گھبراہٹ کو دیکھا تو ان پر بہت ترس آیا۔ خیر میں نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے قائد سپاہ صحابہ کو سیرت النبیؐ کے عنوان پر خطاب کی دعوت دے دی۔

قائد سپاہ صحابہؓ اٹھ کر مائیک کے سامنے آ گئے تو میں سامنے بیٹھ گیا۔ ادھر حضرت کا خطاب شروع ہوا ادھر سپرنٹنڈنٹ کے پسینے خشک ہونے شروع ہو گئے۔ اب سپرنٹنڈنٹ کی حالت یہ تھی کہ وہ کبھی میرے پاس آ کر بیٹھتا کبھی دائیں طرف "اکڑوں" حالت میں بیٹھتا اور جب حضرت فاروقی صاحب کی نظر اس کی طرف جاتی تو اپنی گھڑی کی طرف اشارہ کرتا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ہمیں اس کی حالت پر ترس آ رہا تھا لیکن اس کی گھبراہٹ کی

وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ آخر پونے ایک بجے قائد سپاہ صحابہؓ کا خطاب لاجواب ختم ہوا تو خود سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مائیک ہاتھ میں لیا اور دعا کرانا شروع کر دی۔

دعا کے بعد ہمیں اپنے ہمراہ لے کر بارک نمبر ۱۳ تک آیا اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا کہ آپ نے تو اتنی پر جوش تقریر کی ہے کہ میں سمجھا بس اب یہاں کوئی دھماکہ ہو جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس قدر جوشیلا خطاب کرتے ہیں۔ اگر آپ دس منٹ بعد خطاب ختم نہ کرتے اور صرف دس منٹ اور تقریر کرتے تو مجھے تو دل کا دورہ پڑ جانا تھا۔ میں نے کہا اسی لئے میں نے جلدی خطاب ختم کر دیا کہ ہمیں ابھی آپ کی ضرورت ہے۔ جب ہم بارک نمبر ۱۳ میں آ گئے تو دس منٹ بعد پھر "چکر" سے نعتوں اور تقاریر کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم نے کہا یہ کیا ماجرا ہے؟ ابھی تو تقریب ختم ہو گئی تھی معلوم ہوا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب آئے ہیں۔ تب ہمیں جیل حکام کی بد حواسیوں کی وجہ سمجھ میں آئی۔

جیل حکام کی غلط بیانی اور ہماری ملتان جیل سے راولپنڈی جیل منتقلی

۳ اگست ۹۶ء کا دن ملتان جیل کی انتظامیہ کے لئے خوشی کا دن ثابت ہوا۔ لیکن اس خوشی سے قبل بھی انہیں کافی پریشانی دیکھنا پڑی۔ ہوا یوں کہ ہم جب سے اس جیل میں آئے تھے۔ جیل حکام ہماری ملاقات سزائے موت کی کوٹھڑیوں میں موجود ان قیدیوں سے نہیں کرا رہے تھے جو ہم سے محبت رکھنے والے تھے۔ بڑی مشکل سے صرف ایک بزرگ قیدی "علامہ عبد الرحمٰن صاحب" کو ہم سے اس طرح ملوایا گیا کہ انہیں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا کر ہماری بارک میں لایا گیا تھا اور آدھ گھنٹہ بعد واپس لے گئے۔ جب بار بار ہمارے مطالبہ پر کان نہ دھرا گیا تو میں نے ۳ اگست ہفتہ کے دن بعد عصر آٹھ ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور بارک نمبر ۱۳ سے باہر نکل کر چکر کی طرف چل پڑا جب چکر میں پہنچ گیا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ چوہدری عبد الغنی نے آگے بڑھ کر پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا سزائے موت کے قیدیوں کو

ملنا ہے۔ اس نے بڑی منت سماجت شروع کر دی اور چکر میں کرسی پر بٹھا کر وعدہ کرنے لگا کہ کل جن قیدیوں سے آپ ملنا چاہیں گے انہیں ہم بارک نمبر ۱۳ لے آئیں گے۔

اس معرکہ کے بعد ہم نے بارک میں آکر قائد محترم کو خبر دی تو وہ حیران رہ گئے کہ تم یہ کام بھی کر آئے ہو!

تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب ہمارے پاس آگئے۔ ہم نے سمجھا کہ شاید ابھی ہمارے باہر جانے والی بات پہ قائد محترم سے شکایت کریں گے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ آپ دونوں حضرات تیاری کریں۔ آپ کو کل چیف جسٹس ہائی کورٹ لاہور نے طلب کر لیا ہے۔ افسران جانتے تھے کہ ہم لاہور جانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور لاہور کی سہولتوں کو یاد کرتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں ہم نہیں جائیں گے۔ کیونکہ چیف جسٹس کے بلانے والی بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ آپ کی سازش ہے۔ ہمیں یقیناً کسی اور جیل بھیجا جائے گا۔ مگر وہ قسمیں اٹھانے لگ گئے۔ میں بالکل انکاری ہو گیا۔ ادھر ہماری ساتھیوں کی حالت عجیب تھی کہ وہ ابھی ابھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے اب ہمارا جانا ان کے لئے کسی صدمہ سے کم نہ تھا۔ بالآخر حضرت قائد محترم نے انتظامیہ پر اعتماد کر کے تیاری کا حکم دیا اور یوں آناً فاناً ہم جیل سے باہر آکر پولیس گاڑیوں پہ سوار ہو کر ایئرپورٹ پہنچے۔ ایئرپورٹ پر V.I.P لاؤنج میں بھی ہم نے صحافیوں کو بتایا کہ ہمیں لاہور لے جایا جا رہا ہے۔ جب ہم طیارے میں بیٹھ گئے تو قائد سپاہ صحابہؓ نے جہاز کے عملہ سے لاہور کا اخبار مانگا تو انہوں نے کہا ہمارے پاس تو پنڈی کا اخبار ہے۔ اس پر میں نے کہا لیجئے حضرت! دھوکہ ہو گیا۔ یہ تو ہمیں پنڈی لے جا رہے ہیں۔ حضرتؒ نے کہا نہیں یہ لاہور سے ہو کر جائیں گے جب ہم نے عملہ سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جہاز سیدھا راولپنڈی جا رہا ہے۔ تب ہمیں بہت دکھ ہوا اور ہم جیل حکام کی غلط بیانی پر افسوس کرنے لگے۔

راولپنڈی، مری اور ٹیکسلا کے راہنماؤں کی گرفتاری اور جیل آمد

ملتان جیل سے اڈیالہ آئے ہوئے ابھی تیسرا روز ہوا تھا کہ کمشنر سرگودھا تجمل حسین کے قتل کے واقعہ کی وجہ سے پنجاب بھر میں ایک مرتبہ پھر سپاہ صحابہؓ کے راہنماؤں اور کارکنوں کو جیل کی مہمانی سے نوازنے کے فیصلہ پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ سات اگست بعد عصر معلوم ہوا کہ اسی جیل کے دوسرے کسی وارڈ میں سپاہ صحابہ راولپنڈی ڈویژن کے صدر مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی، مری کے ممتاز مذہبی و سماجی راہنما مولانا سیف اللہ سیفی، راولپنڈی کے ممتاز عالم دین و خطیب سپاہ صحابہؓ کے سرپرست مولانا حسین علی توحیدی اور راولپنڈی کے پرجوش نوجوان نعمان احمد نونی کو لا کر بند کر دیا گیا ہے۔ ہم نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو رقعہ بھیجا کہ ان حضرات کو ہمارے ساتھ رکھا جائے مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اگلے روز باہر سے آئے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات کے موقع پر سپرنٹنڈنٹ صاحب سے کہا کہ چاروں اسیران کو ہمارے ساتھ رکھیں تو وہ بھی نہ مانے، بلکہ عذر کیا کہ یہ چونکہ نظربند ہیں۔ آپ کے ساتھ قانوناً نہیں رہ سکتے ہیں۔ اس موقعہ پر تلخی بھی ہوئی۔ تیسرے دن دس اکتوبر کو ہمارے ساتھ سیکورٹی وارڈ میں سپاہ صحابہ کے علاوہ جتنے بھی کے لوگ تھے ان سب کو یہ بلاک خالی کرنے کا آڈر آ گیا۔ عزیز میمن صاحب ایم این اے اور دیگر ساتھیوں سے کافی طبیعت مانوس ہو چکی تھی لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات والی بات تھی۔ مجبوراً ان سب حضرات کو سامان باندھ کر جانا پڑا۔ ہم جیل حکام کے اس رویہ پر سخت چیں بجبیں تھے۔ لیکن سہ پہر چار بجے اس وقت ہماری پریشانی خوشی میں تبدیل ہو گئی جب اسیر چاروں علماء کرام ہمارے وارڈ میں پہنچ گئے۔ ان حضرات کی جیل آمد کے باعث ہماری رونقیں دوبالا ہو گئیں۔ دن بھر سیاسی، مذہبی، تنظیمی امور پہ باتیں ہوتیں۔ علمی و مزاحی لطائف چلتے، شعر و شاعری کے ساتھ ساتھ قہوہ اور چائے کے دور چلتے۔

۲۵ اگست کو ڈپٹی کمشنر کی طرف سے نظربندی کے آرڈر واپس لینے کے باعث مولانا حسین علی توحیدی صاحب رہا ہو گئے اور ۲۷ اگست کو نعمان عرف بنونی کی رہائی آ گئی۔

۲۹ اگست کو مولانا حبیب الرحمن صدیقی اور مولانا سیف اللہ سیفی کی رہائی کے آرڈر آ گئے۔ حالانکہ ان حضرات کی گرفتاری دو ماہ کی نظربندی کے لئے تھی۔ یوں یہ حضرات خوشگوار یادیں لے کر باہر چلے گئے اور ہم ایک مرتبہ پھر ان کی جدائی کے باعث مغموم ہو گئے۔

رکن قومی اسمبلی عزیز میمن اور مقصود فاروقی کے ساتھ یادگار لمحات

پیپلز پارٹی کے پرانے ورکر یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کی ورکرز یونین کے جنرل سیکرٹری بے نظیر اور آصف زرداری کی شادی پر تمام انتظامات و اخراجات کرنے والے اور ۱۹۹۳ء کے الیکشن میں کراچی سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہونے والے عزیز میمن صاحب ایک بھلے مانس اور شریف و کم گو انسان ہیں۔ نہایت وضعدار اور بھولی بھالی طبیعت کے مالک ہیں۔ میری تو ان سے قومی اسمبلی ہی سے شناسائی تھی۔ وہ حکومتی پارٹی کے ایم این اے ہو کر بھی صرف اس جرم میں حکومتی انتقام کا نشانہ بن کر کئی مقدمات لے کر جیل آ گئے تھے کہ انہوں نے آصف زرداری کی طرف سے ایک جعلی کمپنی کے نام پر یونائیٹڈ بینک خریدنے کی سازش کا نہ صرف پردہ چاک کر دیا بلکہ اس کے مقابل بینک ملازموں کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ انہیں اور ان کی یونین کے مرکزی صدر مقصود فاروقی صاحب اور راجہ سرفراز صاحب و حفیظ صاحب کو گرفتار کر کے پہلے کراچی میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا پھر پنجاب میں مقدمات بنا کر اڈیالہ میں جیل کا مہمان بنا دیا۔ اس جیل میں یہ حضرات سیکورٹی وارڈ میں سپاہ صحابہؓ کے ساتھیوں کے ساتھ بہت مانوس ہو چکے تھے۔ جب ہم یہاں پہنچے تو انہیں بڑی خوشی ہوئی۔ میمن صاحب نے صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا

ہمارے ساتھ ہی ایک دستر خوان پر کھانا شروع کر دیا۔ دن بھر ان سے سیاسی حالات حکمران جوڑے کی لوٹ مار اور دیگر قومی امور پر خوب باتیں ہوتیں۔ مقصود فاروقی صاحب نہایت ہوشیار و چالاک اور خوب باتیں کرنے والے ساتھی ہیں۔ ان کی طبیعت سے حضرت قائد سپاہ صحابہؓ کو بہت انس پیدا ہو گیا تھا۔

ابھی پانچ روز ہی اس انداز سے گذرے تھے کہ سپاہ صحابہؓ کے علاوہ باقی ایک درجن سے زائد اسیران اور ان ہر دو حضرات کو جیل انتظامیہ کا آڈر آگیا کہ وہ سامان باندھ کر دوسری جگہ چلیں۔ ہم نے میمن صاحب اور مقصود صاحب کے لئے کوشش کی کہ انہیں ہمارے ساتھ رہنے دیا جائے لیکن سپرنٹنڈنٹ صاحب نہ مانے۔ چنانچہ اس روز وارڈ میں مقیم داؤد شاہ اور عامر گروپ نے باہر سے کھانا منگوانے کا آڈر بھیجا ہوا تھا تاکہ ہماری دعوت کر سکیں۔ کھانا آیا تو عزیز میمن صاحب مقصود فاروقی اور دیگر ساتھیوں نے ہمارے ساتھ مل کر الوداعی کھانا کھایا۔ اس اثناء میں عزیز میمن کو ہسپتال شفٹ کرنے کے آڈر آگئے کیونکہ وہ بیمار بھی تھے اور حکومت سے ان کی بات چیت بھی چل رہی تھی چنانچہ وہ ہسپتال چلے گئے۔ جہاں پر بے نظیر کی سیکرٹری مس ناہید نے ان سے ملاقات کی۔ آصف زرداری نے ان سے فون پر بات کی۔ تو وہ ۲۳ اکتوبر کو رہا ہو گئے۔

رہائی کے بعد میمن صاحب کا پیغام ملا کہ اگر آپ چاہیں تو مذاکرات کے لئے کراچی کے پیپلز پارٹی کے ممبر قومی اسمبلی آفاق شاہد مذاکرات کے لئے آنے کو تیار ہیں۔ اگر آپ کا مطالبہ ہو تو آصف زرداری صاحب بھی ملنے کو تیار ہیں مگر ہم نے انکار کر دیا...

ادھر مقصود فاروقی اور ان کے دوسرے ساتھی راجہ صاحب کو ہم دوسرے تیسرے روز اپنے پاس بلواتے رہتے تھے تاکہ گپ شپ ہوتی رہے۔ بے نظیر حکومت کے آخری دنوں میں عزیز میمن صاحب آصف زرداری کی باتوں میں آکر ڈیڑھ دو کروڑ نقد روپے سے ہاتھ دھو بیٹھے کیونکہ زرداری صاحب لاہور گورنر ہاؤس میں بیٹھ کر ممبران

اسمبلی کی خرید و فروخت کر رہے تھے۔ انہوں نے تین کروڑ عزیز میمن سے ادھار مانگا تو اب انکار نہ کر سکے۔ آخر قریباً دس کروڑ کی رقم اس وقت بوریوں میں بند فوج نے وصول پائی جب ۵ نومبر کی رات کو بے نظیر کی حکومت کے خاتمہ پر گورنر ہاؤس پنجاب سے آصف زرداری کو گرفتار کیا گیا۔ ادھر حفیظ صاحب کی ضمانت ۱۵ نومبر کو ہو گئی تھی۔

کراچی میں سپاہ صحابہؓ کی ریلی پر فائرنگ

ملک بھر میں ۱۴ اگست کو یوم آزادی منا کر ان شہداء کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے وطن عزیز کے حصول کے لئے لازوال قربانیاں دیں۔ حقیقت میں ملک کی آزادی اور پاکستان کا حصول ایک طویل جدوجہد کا نتیجہ ہے جو اس روز شروع ہو گئی تھی جس روز دہلی کے تخت سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوا تھا۔ یہ جدوجہد صدیوں پر محیط ہے۔ اس میں شاہ ولی اللہ کے خاندان اور ٹیپو سلطان کا کردار تابناک ہے۔ بالاکوٹ کے شہیدوں اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے متوالوں کو فراموش کرنا ممکن نہیں ہے۔ کالاپانی اور مالٹا کی جیلوں کو آباد کرنے والے اس تحریک کے حقیقی روح رواں ہیں۔ آج جب ملک میں ۱۴ اگست منایا جاتا ہے تو صرف چند ایسے افراد کے نام لیے جاتے ہیں جن کی جدوجہد آخری ان چند سالوں پر محیط ہے۔ جب کہ انگریزی تخت و تاج کو تاراج کرنے میں اصل ہاتھ صدیوں تک قربانیاں پیش کرنے والوں کا تھا۔ بدقسمتی سے آزادی کا قیمتی تحفہ ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا۔ جنہوں نے اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکت اور آزاد ہونے والی قوم کو ایک مرتبہ پھر انگریزی نظام کے جال میں الجھا دیا۔

۱۴ اگست کو باہر کی طرح جیلوں میں بھی پروگرام منعقد ہوتے ہیں لیکن ہمیں ان میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی۔ شام کے وقت B.B.C کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سپاہ صحابہؓ کی طرف سے کراچی میں یوم آزادی کے موقع پر نکالی جانے والی ریلی پر دہشت گردوں

نے فائرنگ کر کے ۱۱ افراد کو شہید کر دیا ہے۔ اس وقت ہم دستر خوان پر کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ خبر سنتے ہی ہمارے ہاتھوں سے لقمے گر گئے۔

ساری رات سخت پریشانی میں گذری۔ ایک پل قرار نہیں آرہا تھا۔ لیکن جیل میں ہم اس قدر مجبور تھے کہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ نہ اپنے شہیدوں کے چہرے دیکھ سکتے تھے نہ ان کے جنازہ میں شریک ہو سکتے تھے۔ دو سال قبل بھی ۱۴ اگست ۹۴ء کو کراچی کی مسجد صدیق اکبرؓ میں آزادی کی ریلی کے اختتام پر رینجرز نے گولی چلا کر تین ساتھیوں کو شہید کر دیا تھا۔ اس طرح ۹۱ء میں بھی ۱۳ اور ۱۴ اگست کی درمیانی شب جھنگ میں میاں اقبال حسین کو شہید کیا گیا اور چودہ اگست کو ان کا جنازہ اٹھا۔

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ چونکہ ابھی ہماری قوم حقیقی آزادی سے ہمکنار نہیں ہوئی۔ شاید اس لئے ابھی تک ہمیں قربانیاں دینا پڑ رہی ہیں۔ اللہ کرے کہ ان قربانیوں کی بدولت یہ ملک اسلام کا گہوارہ بن جائے اور ہم انسانوں کے بنائے ہوئے کالے قوانین کے منحوس سائے سے باہر آجائیں۔

سپرنٹنڈنٹ جیل عبدالستار عاجز سے جھگڑا

اڈیالہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ عبدالستار عاجز صاحب ایک مسلمہ دیانتدار پابند شرع اور اعلیٰ منتظم کی خوبیوں سے مالا مال شخص ہیں۔ راسخ العقیدہ اور تبلیغی جماعت کے زبردست حامی ہیں۔ ان ساری خوبیوں کے ساتھ ساتھ متشدد مزاج۔ ضدی اور کانوں کے کچے بھی ہیں۔ سیلانی طبیعت کے مالک ہیں۔ جی میں آئے تو ڈاکوؤں، قاتلوں اور خطرناک مجرموں کی بیڑیاں کھولنے کا آڈر کر کے سینکڑوں لوگوں کی دعائیں حاصل کرنے کے مستحق ہو جائیں اور کبھی موڈ خراب ہو تو راہ چلتے ہوئے کسی قیدی کو دیکھتے ہی بیڑی لگا کر قصوری بسرہ میں بند کر دینے کا آڈر کر کے مہینوں پھر اس کی بددعاؤں کا نشانہ بنتے رہیں۔ مزاجاً خوشامد

پسند اور اپنی تعریف کرنے والے کو رعایات تک دینے کو تیار ہو جاتے ہیں اور تنقید کے دو حرف یا کسی قیدی کی طرف سے اپنے حق کا مطالبہ جرات سے کرنے کا انداز ان کے لئے ناقابل برداشت ہوتا ہے پھر تو وہ قانونی سہولتیں بھی چھین لینے کو چڑھ دوڑتے ہیں۔ چونکہ وہ خود کرپشن نہیں کرتے ہیں۔ جیل میں اسیروں کو دینی تعلیم دلانے کے لئے ایسے ایسے طریقے اپناتے ہیں کہ نشہ کے مریض قیدی نماز، کلمے سیکھ جاتے ہیں اور ملازم طبقہ بھی اگلی صفوں میں نماز باجماعت ادا کرنے لگ جاتا ہے۔ قیدیوں کو کھانا اچھا ملتا ہے اور جیل سے منشیات کا کاروبار ختم ہو جاتا ہے۔ قیدیوں کے پاس بچ جانے والے روٹی کے ٹکڑوں کو جمع کرا کر "ٹکڑا فنڈز" سے قیدیوں کی فلاح و بہبود کے لئے بڑے بڑے کام کرانے کا ڈھنگ جانتے ہیں۔ جس جیل میں جائیں وہاں مسجد کی تعمیر پانی کا وافر انتظام اور کئی بنیادی کام کرانے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اس لئے ان کا تلخ لہجہ اور سخت طبیعت بھی گوارہ ہوتی ہے اور یہ لہجہ ہر وقت نہیں ہوتا بلکہ جب طبیعت میں ٹھہراؤ ہو تو ان کی باتیں اتنی پیاری ہوتی ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ ان کا منہ چوم لیں۔

ہماری آمد سے قبل ہمارے احباب سے ان کا رویہ اچھا رہا۔ لیکن ہماری آمد پر انہوں نے ملاقاتوں پر پابندیاں اور نئے اسیروں کو ہمارے ساتھ رکھنے سے انکار۔ ہمارے ساتھ کے B کلاس وارڈ میں موجود ساتھیوں کو ہم سے جدا کرنا اور کئی مواقع پر جائز سہولتیں دینے سے انکار کرنا شروع کر دیا۔ جب ہم ان سے قانون کی پاسداری کی بات کرتے تو وہ اور برافروختہ ہو جاتے۔ چند واقعات کے ضمن میں آپ اندازہ بھی لگالیں گے کہ ایک دن ایک بات کو خلاف قانون کہتے دوسرے دن خود اس پر عمل کر لیتے۔ اب چند دنوں سے انہوں نے یہ انداز اپنا لیا تھا کہ جو علماء ملاقات پر آتے وہ انہیں گھنٹوں انتظار کراتے یا ملاقات سے انکار کر دیتے۔ موصوف کی ان حرکتوں سے مجبور ہو کر ۱۵ اگست کو میں نے ڈیوڑھی میں جیل کے عملہ اور ملاقاتیوں کی موجودگی میں ان پر زبردست چڑھائی کر دی اور

بہت کچھ کہا۔ ساتھ وارننگ دی کہ اب اگر آپ نے ہمارے علماء و مشائخ کو ذلیل کیا تو پھر میں ہاتھوں کی قوت سے بھی آپ سے نمٹوں گا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دفتر میں بیٹھے رہے۔ میں باہر کھڑا رہا۔ اگلے دنوں میں پھر ہماری صلح ہو گئی اور ہمارے معاملات کافی حد تک درست ہو گئے۔

بڑا مزہ ہے اس پیار میں صلح ہو جائے جو جنگ ہو کر

اڈیالہ جیل میں خفیہ آلات جاسوسی کی تنصیب پر ہمارا احتجاج

چونکہ اڈیالہ جیل میں آنے کے بعد ہمارے اخباری بیانات اب ہر صبح حکمرانوں کے ناشتہ کو بدمزہ کرنے لگ گئے تھے اور کارکنوں کی بڑی تعداد ملاقات پر بھی آنے لگی تھی۔ ادھر ہمارے خلاف جس قدر بھی جھوٹے مقدمات قائم تھے انہیں مضبوط کرنے کے لئے بھی حکومت پریشان تھی۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے یہ قدم اٹھایا گیا کہ "انٹیلی جینس بیورو" نے جیل حکام سے مل کر ہماری ملاقات کے لئے ایک مخصوص کمرہ میں مخصوص وقت (۲ دو بجے دوپہر سے ساڑھے تین بجے سہ پہر تک) کا پروگرام ترتیب دیا۔ جہاں آلات جاسوسی نصب کئے گئے تھے۔ جیل حکام نے اس پر عمل درآمد یقینی بنانے کے لئے ان کا تعاون کیا۔ ادھر ہمیں اس سارے منصوبہ کی خبر ہو گئی۔ ہم نے مخصوص کمرہ میں حکومت کے خلاف باتیں کرنے کا عمل خوب تیز کر دیا اور جو کوئی بات مقدمہ کی پیروی یا جماعت کی پالیسی کے بارے میں ہوتی وہ کمرے سے باہر نکل کر کر لیتے۔ اور ساتھ ساتھ ہم نے اخبارات میں ان آلات کی موجودگی کی خبر دے کر حکومت کو وارننگ دی کہ وہ اپنے آلات اتار لے ورنہ ہم خود اتاریں گے۔ وفاقی وزیر داخلہ نے ان آلات کی تنصیب کی تردید کر دی۔ تو ہم نے ملاقاتیوں کی وساطت سے اخبارات کے ذمہ دار صحافیوں خصوصاً نوائے وقت کے نمائندہ سلطان سکندر اور روزنامہ پاکستان کے زاہد جھنگوی کو بلوا کر انہیں دیواروں کے سوراخوں

سے خفیہ آلات نکال کر دکھائے اور انٹرویو دیئے۔ جو اگلے روز ۹ ستمبر ۹۶ء کو نمایاں طور پر چھپے اس سے حکومتی حلقوں میں ہلچل مچ گئی لیکن پھر بھی یہ آلات لگے ہی رہے۔ بلکہ اب ایک قدم اور آگے بڑھا کر "انٹیلی جینس بیورو" نے ہمارے رہائشی کمروں میں آلات نصب کرنے کا پروگرام بنا لیا لیکن سپرنٹنڈنٹ عاجز نے زبردست مخالفت کر کے یہ منصوبہ ناکام بنا دیا۔

روزنامہ پاکستان اسلام آباد میں شیعہ سنی مضامین کا سلسلہ

۲۳ اگست جمعہ کے روزنامہ پاکستان میں سپاہ محمد کے سالار اعلیٰ مرید عباس یزدانی کا ایک مضمون شائع ہوا۔ جس میں فرقہ وارانہ کشیدگی کے خاتمہ کے لئے چودہ نکات پر مبنی فارمولہ پیش کیا گیا۔

۲۷ اگست کو مولانا زاہد الرشدی صاحب مدظلہ کا ایک نہایت مفید مضمون شیعہ سنی فسادات کے عنوان سے شائع ہوا۔ ۲۸ اگست کو روزنامہ پاکستان میں یزدانی کے مضمون کے جواب میں لشکر جھنگوی کے سالار اعلیٰ ریاض بسرا کا زبردست مضمون شائع ہوا۔ ۲ ستمبر کو حضرت قائد سپاہ صحابہؓ کا روزنامہ پاکستان میں ایک ایسا مدلل مضمون شائع ہوا کہ جس میں خمینی کی کتب کی کفریہ عبارات اور سپاہ صحابہؓ کے تمام مطالبات من و عن شائع ہوئے۔ یہ مضمون دراصل ۳۰ ستمبر کو روزنامہ پاکستان میں شائع ہونے والے تحریک جعفریہ کے جنرل سیکرٹری افتخار نقوی کے مضمون کا جواب تھا۔ اس مضمون سے سپاہ صحابہؓ کے مشن سے لاکھوں لوگوں کو آگاہی ہوئی۔ کئی شہروں سے مضمون کو زبردست سراہا گیا اور ہمیں جیل کے ایڈریس پر درجنوں خطوط ملے۔ جن میں اس بات کا اعتراف تھا کہ واقعی سپاہ صحابہ کا مشن و کاز حق پر مبنی ہے اور اس کی اشاعت وقت کی ضرورت ہے۔

بے نظیر کی طرف سے رہائی کی پیش کش اور ہمارا سخت گیر موقف

۱۰ اگست کو پیپلز پارٹی کے ایم این اے عزیز میمن صاحب جیل سے ہسپتال شفٹ ہوئے تو تیسرے روز ہی ان کا تحریری پیغام لے کر مقصود فاروقی صاحب ہمارے پاس آئے۔ اس پیغام میں عزیز میمن صاحب نے لکھا تھا کہ مجھ سے مس ناہید کی ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے آپ لوگوں کی رہائی کی بات کی تو انہوں نے کہا اگر مولانا حضرات پسند کریں تو میں خود جیل میں ان سے ملاقات کر کے معاملات طے کرنے کو تیار ہوں۔ ان کی جو رائے ہو ہمیں بتائیں۔ ہم نے جواب میں میمن صاحب کا تحریری شکریہ ادا کیا اور ساتھ لکھا کہ چونکہ ہمارا معاملہ مذہبی و نظریاتی نوعیت کا ہے۔ ہم کسی قسم کی سودے بازی کے ذریعہ باہر آنے کو تیار نہیں ہیں۔ حکومت نے ہمیں یکطرفہ طور پر ظلم کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ اپنے اس انداز پر اگر ندامت کا اظہار کر کے ہمیں رہا کر دے تو اس کی مرضی ہے۔ ورنہ ہم نے اب معاملہ عدالتوں میں اٹھا لیا ہے۔ اس لئے کوئی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ہاں آپ کا معاملہ چونکہ سیاسی قسم کا ہے اور آپ کی یونین کا مسئلہ ہے آپ سوچ سمجھ کر اپنے لئے قدم اٹھائیں۔

اس طرح ۱۵ اکتوبر بدھ کے روز سپاہ صحابہؓ اٹک ضلع کے صدر مولانا محمد انور شاکر اور اسلام آباد سیکرٹریٹ کی مسجد کے امام و خطیب مولانا احمد الرحمٰن، وزیر مذہبی امور جہانگیر بدر اور چوہدری اسلم کا پیغام لائے کہ جہانگیر بدر خود بھی یہاں آنے کو تیار ہے۔ تاہم اس نے ہمیں بھیجا ہے کہ کوئی صلح کی شکل پیدا کریں۔ ہم نے کہا آپ ہی حضرات کا آنا کافی ہے ہمارا موقف یہ ہے کہ عورت کی سربراہی شرعی طور پر ناجائز ہے اور شیعہ کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ حکومت یا تو شیعہ اور سپاہ صحابہؓ سے برابر سلوک کرے ورنہ پھر ہمیں رہا کرے۔ جہاں تک جہانگیر بدر کی ملاقات کی بات ہے وہ بے شک یہاں آ جائیں یا پھر

پروڈکشن آرڈر سپیکر سے جاری کرا کر مجھے اسمبلی میں بلوالیں۔ میں وہاں آجاتا ہوں۔ مجھ سے بات کرلیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات جو قاصد کی حیثیت میں آئے تھے پیغام لے کر واپس چلے گئے۔ چونکہ بے نظیر حکومت کے خلاف عوامی رائے تیزی سے بدل رہی تھی۔ صدر مملکت کی طرف سے بھی سخت ریمارکس آرہے تھے اور قاضی حسین احمد نے بھی ۲۷ اکتوبر کا دھرنہ لگانے کا اعلان کیا ہوا تھا۔ اس لئے بے نظیر کی خواہش تھی کہ ہمارے ساتھ اب کوئی معاملہ طے پاجائے۔

چونکہ ہمارے خلاف اس کاروائی میں پنجاب آئی بی کے ڈائریکٹر طارق لودھی کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ اب اسے بھی حکومت ڈانواں ڈول نظر آرہی تھی۔ تو اس نے بھی صاحب زادہ سعید الرشید عباسی اور ان کے ہمراہ آئی بی کے ایک بڑے افسر کو بھجوایا کہ وہ ہم سے معاملات طے کرلیں۔ لیکن ہم نے کہا اب فیصلہ ہم نے اللہ کی عدالت پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر ہائی کورٹ سے مسئلہ حل ہوجائے تو ٹھیک ہے۔ اب ہم ایک سال قید کاٹ کر کسی سودے بازی سے باہر آنے کو ہرگز تیار نہیں ہیں۔

شیخ حاکم علی کی بے نظیر سے ملاقات اور ہمارا اظہار ناپسندیدگی

۲۹ اگست کو صوبائی وزیر پنجاب و صدر سپاہ صحابہؓ شیخ حاکم علی اڈیالہ جیل میں ملاقات پر پہنچے۔ جب ہم ڈیوڑھی میں گئے تو ہمیں پرجوش انداز میں مل کر بتایا کہ میں نے وزیراعظم بے نظیر سے ملاقات کرکے آپ کی رہائی کے لئے بات کی ہے۔

میں یہ بات سن کر حیران ہوگیا اور میں نے کہا:۔ شیخ صاحب آپ نے یہ قدم ہمارے مشورہ اور جماعت کی اجازت کے بغیر کیوں اٹھایا ہے؟ بے نظیر سے ملاقات کونسا مسئلہ ہے۔ بات تو موقف کی ہوتی ہے۔ ہمیں ساڑھے نو ماہ ہوچکے ہیں کہ ہم جیلوں میں خوار ہو رہے ہیں اگر ہم آج اپنے موقف میں لچک پیدا کرلیں تو کسی ملاقات کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ حاکم علی صاحب:- میں کیا کروں۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کہتا ہے کہ میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ آپ وزیر اعظم سے بات کریں۔ وزیر اعظم سے بات کرتا ہوں تو آپ لوگ ناراض ہوتے ہیں" آخر میں کدھر جاؤں؟"

میں:- آپ جماعت کے فیصلہ کے مطابق ۱۲ جولائی کے بعد وزارت سے استعفیٰ دینے کے پابند ہیں کیونکہ ۱۲ مئی ۹۶ء کو جامعہ محمودیہ جھنگ میں مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں آپ کو قائدین کی رہائی کے لئے کوشش کرنے کی خاطر دو ماہ دیئے گئے۔ اب دو ماہ کی بجائے ساڑھے تین ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ ہم جیل میں ہیں۔

شیخ حاکم علی:- جھنگ کے لوگوں کے کام کون کرائے گا۔ میں نے لوگوں کو ملازمتیں دلوانا ہے۔ کئی ترقیاتی کام شروع ہیں۔ وہ مکمل کرانے ہیں۔ آپ تو بادشاہوں والی باتیں کرتے ہیں۔ وزارت ہے تو کام ہوتے ہیں ورنہ ایم این اے کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے۔ اب بھی میں نے بے نظیر سے ملازمتوں کا کوٹہ لیا ہے جو آپ کو ملا تھا۔

میں:- یہ وزارتیں آنے جانے والی چیزیں ہیں اور ترقیاتی کام ہر دور میں ہوتے رہتے ہیں۔ جھنگ کے لوگوں نے مجھے اور آپ کو ووٹ مشن اور کاز کے لئے دیئے ہیں۔ ترقیاتی کام دوسرے درجے پر ہیں۔ آپ میری بات یاد رکھنا۔ اگر آپ آج جماعت کے کہنے پر استعفیٰ دے دیں تو آپ کا سیاسی قد بت اونچا ہو جائے گا اور جماعت ہمیشہ آپ کی قربانی کی قدر کرے گی۔ جھنگ کے لوگ مجھے تو مسترد کر دیں گے لیکن آپ جب تک زندہ رہیں گے ہمیشہ ایم پی اے بنتے رہیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں ملی یکجہتی کونسل والے اور اپوزیشن والے یہ طعنے دیتے ہیں کہ تم تو خود پنجاب حکومت میں ہو لہذا ہم تمہارا کیا تعاون کریں۔ ادھر قیادت جیل میں ہو ادھر آپ وزارت پر براجمان ہوں۔ یہ پالیسی غلط ہے۔

شیخ حاکم علی:- بے نظیر نے میرے مطالبہ پر آپ کو اسمبلی کے اجلاس میں بلوانے کا

وعدہ کیا ہے۔

میں:- یہ محض دھوکہ ہے وہ مجھے اسمبلی میں نہیں بلوائیں گے کیونکہ اسمبلی کی تقاریر سے خوف زدہ ہو کر تو جیل بھجوایا ہے۔ اب کیسے اسمبلی میں بلوا کر حکومت اپنی بے عزتی کرا سکتی ہے؟ ہاں اگر آپ کو یقین ہے تو اسی بات پر میرے ساتھ معاہدہ کرلو کہ اگر پندرہ دن کے اندر اندر یا اس اجلاس کے دوران مجھے حکومت نے اسمبلی میں نہ بلوایا تو آپ وزارت چھوڑ دیں گے۔

شیخ حاکم علی:- ٹھیک ہے یہ وعدہ رہا۔

مگر ۶ اکتوبر ۹۶ء کو چیف جسٹس ہائی کورٹ خلیل الرحمٰن صاحب کی طرف سے بھی مجھے قومی اسمبلی لے جانے کے لئے سپیکر کے پروڈکشن آڈر پر عمل کرنے کا حکومت کو پابند کیا گیا۔ مگر حکومت عدالت کے فیصلہ پر عمل درآمد کر کے بھی مجھے اسمبلی نہ لے کر گئی۔ ادھر شیخ صاحب آخری دم تک وزارت سے چمٹے رہے اور اپنا سیاسی تشخص و جماعتی مقام بھی تباہ کر بیٹھے اور پندرہ دن والا وعدہ بھی پورا نہ کیا۔

B کلاس کے ساتھیوں کی ہمارے وارڈ میں منتقلی اور پھر واپسی

۱۰ اگست کو B کلاس کے دیگر اسیران کو ہمارے وارڈ سے دوسری جگہ شفٹ کر کے چار علماء کرام کو ہمارے پاس بھیج دیا گیا تھا۔ تو کافی حد تک ساتھیوں کے جانے سے پیدا ہونے والا خلاء پر ہو گیا۔ اب جب اگست کے آخری ایام میں وہ حضرات چلے گئے تو ہم نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو پھر کہا کہ اتنے بڑے سیکورٹی وارڈ میں دس چکیوں اور دو کمروں میں ہم چند ساتھی ہیں آپ دوبارہ ان ساتھیوں کو ادھر بھیج دیں۔ کیونکہ وہ وہاں بھی تنگ ہیں تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے نہ صرف آٹھ ساتھیوں کو ہمارے پاس رہنے کی اجازت دے دی بلکہ باقیوں کو بھی جمعہ کے دن سیکورٹی وارڈ میں آکر بعد نماز ظہر تقریر سننے کی اجازت دے

دی۔ چنانچہ ۲ ستمبر کو ساتھی واپس آ گئے۔ تو خوب چہل پہل ہو گئی۔ اور چونکہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کا موڈ اچھا تھا انہوں نے ٹھنڈے پانی کا ائر کولر بھی ہمارے وارڈ میں نصب کرا دیا۔ یہ سب حضرت فاروقی صاحب کے مکھن کی برکتیں تھیں جو بوقت ملاقات انہوں نے سپرنٹنڈنٹ کو خوب لگایا تھا لیکن اٹھارہ روز بعد سپرنٹنڈنٹ صاحب کا موڈ پھر خراب ہو گیا اور ۲۰ ستمبر کو ان سب قیدیوں کو پھر دوسری جگہ شفٹ کرنے کے آڈر جاری کر دیئے۔ ہم نے اس پر سخت احتجاج کیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

شیعہ لیڈر کا قتل اور ایف آئی آر میں ہماری نامزدگی

۱۳ ستمبر کی صبح اخبارات پر نظر ڈالی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سپاہ محمد کے سالار اعلیٰ مرید عباس یزدانی کو گزشتہ رات قتل کر دیا گیا۔ قاتل ان کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ بوتلیں بھی چڑھائیں اور انہیں قتل کر کے دوڑ گئے۔ لیکن ایف آئی آر میں قائد سپاہ صحابہؓ علامہ فاروقی، مولانا ضیاء القاسمی میرا نام اور شیخ حاکم علی کا نام لکھا گیا کہ ان کے حکم سے مولانا عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد لال اور علامہ شعیب ندیم ڈپٹی سیکرٹری سپاہ صحابہؓ نے منصوبہ بنا کر عمر فاروق نامی نوجوان اور ایک نامعلوم شخص سے اسے قتل کرایا ہے۔ اگرچہ پولیس افسران کے مطابق یہ ساری F.I.R جھوٹ ہے مگر انہوں نے مجبوراً F.I.R درج کر لی ہے۔ اس وقعہ کے باعث مولانا عبداللہ صاحب اور علامہ شعیب ندیم روپوش ہو گئے پولیس ان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارنے لگ گئی۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ خود پولیس اس ایف۔ آئی۔ آر کو غلط بھی کہتی تھی لیکن چھاپے بھی مار رہی تھی۔ جبکہ ہماری طرف سے کسی ایسے واقعہ پر اول تو F.I.R درج ہی نہیں کی جاتی اگر F.I.R درج کر لی جائے تو نامزد شیعہ لیڈر کی گرفتاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ عمر فاروق مولانا عبداللہ صاحب کا نواسہ ہے۔ چند روز بعد اسے گرفتار کر لیا گیا اور ریمانڈ پر

تفتیش کے بعد جیل بھیج دیا گیا۔ یہ بڑا نیک اور بھولا بھالا نوجوان ہے۔ ادھر مولانا عبداللہ صاحب نے ضمانت قبل از گرفتاری کرالی۔ اللہ کا کرنا کہ پولیس نے چند دنوں میں ہی ٹھوکر نیاز بیگ لاہور سے موسیٰ نامی شیعہ نوجوان کو گرفتار کر لیا جس نے یزدانی کو قتل کرنے کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ میں نے یہ کام غلام رضا نقوی کے کہنے پر کیا ہے کیونکہ یزدانی ہماری پالیسیوں سے انحراف کر رہا تھا۔ چنانچہ سوا ماہ کے بعد عمر فاروق بھی بے گناہ قرار پا کر رہا ہو گیا۔ چوہنگ میں جن دنوں مجھے رکھا گیا ان دنوں میرے ساتھ والے سیل میں یہ موسیٰ موجود تھا۔ ایک دن اس نے مجھے رقعہ پر یہ لکھا کہ یزدانی خبیث آدمی تھا وہ تبرا کانفرنس کرنا چاہتا تھا اگرچہ میں نے اسے کسی اور وجہ سے قتل کیا ہے لیکن وہ بڑا متعصب شیعہ تھا۔ یزدانی کے قتل کے بعد سیکورٹی کے انتظامات سخت کر دیئے گئے اور ہمارے وارڈ میں ایمرجنسی کال بیل لگادی گئی۔

انتہائی سخت پریشانی کا دن

۲۰ ستمبر جمعہ کے روز رات سے پکائی ہوئی ٹھنڈی کھیر سے ناشتہ کر کے معمولات اور وظائف سے فارغ ہو کر سو گیا تو ساڑھے آٹھ بجے ایک ساتھی نے آکر جگایا کہ آج سے اٹھارہ یوم قبل جن ساتھیوں کو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے آپ کی سفارش پر اس وارڈ میں بھیجا تھا اب پھر انہیں سامان اٹھا کر دوسرے وارڈ میں تبدیل ہونے کا حکم آگیا ہے۔ اس پر میں نے یہ آرڈر لے کر آنے والے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ملک فیروز اور چیف چکر محمد خان کو خوب سخت سست کہا پھر ڈیوڑھی سے بلاوا آگیا وہاں بھی سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سے سخت کلامی ہوئی کہ آخر یہ کیا مذاق ہے ایک روز آپ لوگ ایک کام کرتے ہیں۔ دوسرے روز اس کا الٹ کرتے ہیں۔ آٹھ قیدی چند روز قبل ۲ ستمبر کو سامان لے کر ہمارے وارڈ میں آپ کی اجازت سے ہماری سفارش پر آئے آج پھر انہیں واپس بھیجا جا

رہا ہے۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ صاحب اپنے آڈروں پر بضد تھے۔

ان ساتھیوں کے شفٹ ہونے پر جدائی اور بے عزتی کا احساس تو تھا ہی اب جو روزنامہ جنگ پر نظر پڑی تو پہلے ہی صفحہ پر برادرم مولانا محمد عالم طارق کی طرف سے اپنے آپ کو دہاڑی پولیس کے سپرد کرنے کی خبر موجود تھی خبر میں اصل تشویش کا باعث یہ بات تھی کہ پولیس نے ہمارے آبائی گاؤں میں چھاپہ مار کر پہلے دو خواتین کو گرفتار کر لیا اور دہاڑی لیکھی پھر مولانا محمد عام طارق نے خود کو پیش کر دیا۔ اگرچہ میری وجہ سے حکومت نے میرے بھائی مولانا محمد عالم طارق کو بھی اپنی انتقامی کاروائیوں کا نشانہ بنانے کا سلسلہ پہلے دن ہی سے شروع کر رکھا تھا اور وہ کافی عرصہ سے گھر سے باہر روپوشی کی زندگی گذارنے پر مجبور تھے۔ اس وقت جبکہ آج ۲۸ جولائی ۱۹۹۸ء کو میں یہ حالات اپنی ڈائری سے نقل کر رہا ہوں اور خود اٹک جیل میں ہوں۔ مولانا محمد عالم طارق اب بھی روپوش ہیں۔ نہ سابقہ حکومت نے ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا ہے اور نہ موجودہ حکمرانوں کو شرم آئی ہے کہ ایک شخص کو محض بھائی ہونے کی سزا کس جرم میں دے رہے ہیں۔ بہرحال خواتین کی گرفتاری باعث تشویش تھی۔ اس لئے یہ سارا دن سخت پریشانی میں گذرا۔

ادھر شام کو ہم نے جیل حکام کے رویہ پر احتجاج کرتے ہوئے بند ہونے سے انکار کر دیا اور رات نو بجے تک باہر لان میں چارپائیاں اور کرسیاں ڈال کر بیٹھے رہے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ملک شوکت خود اس بات پر حیران تھا کہ جب عاجز صاحب سپرنٹنڈنٹ نیک آدمی بھی ہیں اور آپ کے ہم مسلک بھی ہیں پھر وہ کیوں ضد بازی کرتے ہیں۔ وہ ہمیں کہتا کہ میں کیا کروں۔ میرے لئے آپ بھی قابل احترام ہیں اور عاجز صاحب بھی۔ ایک پنجابی کی کہاوت وہ بہت دھراتا۔ "ماں نال لڑاں تے ہتھ کتھے پانواں" یعنی ماں سے لڑیں تو کیسے لڑیں۔ ادھر ہمیں بھی یہی بات پریشان کیے ہوئے تھی کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب ایک نیک انسان ہے اب اگر ہم اس سے لڑتے ہیں تو جیل کالا دین عملہ اور قیدی خوش ہونگے۔ غرض

کہ ہم نے اگلے روز تک احتجاج موخر کر کے رات سوا نو بجے گنتی بند کرائی۔ اور یوں سارا دن سخت ذہنی پریشانی میں گذرا۔ بعد میں مولانا محمد عالم طارق کی رہائی کی خبر تیسرے چوتھے روز مل گئی چونکہ وہ سراسر بے گناہ تھے پولیس نے تفتیش کر کے پانچ دن بعد انہیں رہا کر دیا۔

مرتضیٰ بھٹو کا قتل

۲۱ ستمبر کو وظائف و معمولات سے فارغ ہو کر ناشتہ کر کے سو گیا۔ اٹھ کر اخبارات پڑھے تو حیرت زدہ رہ گیا کہ وزیر اعظم پاکستان بے نظیر بھٹو کے بھائی ممتاز سیاستدان مرتضیٰ بھٹو کراچی میں پولیس کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ یقیناً یہ مکافات عمل اور خدائی انتقام تھا۔ جو بے نظیر کو کراچی میں ماورائے عدالت قتل و غارتگری کرانے مذہبی اداروں کو بند کرانے اور مذہبی راہنماؤں اور اپنے سیاسی مخالفین پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے عوض مل رہا تھا۔ اخبارات میں مرتضیٰ بھٹو کی بیوہ اور جماعت کی طرف سے اس قتل کی ذمہ داری آصف زرداری پر ڈالی جا رہی تھی۔ ادھر موقعہ واردات پر موجود تھانہ کلفٹن کا ایس ایچ او حق نواز سیال چوتھے پانچویں روز خودکشی کر گیا۔ کیونکہ اسے اب اپنے کیے کی سزا نظر آ رہی تھی۔ بے نظیر بھٹو اس صدمہ سے نڈھال ہو رہی تھیں کیونکہ ایک تو اس کی حکومت کے دوران اس کا اکلوتا بھائی قتل ہو گیا۔ دوسرے الزام قتل بے نظیر کے خاوند پر لگ رہا تھا۔ ادھر مرتضیٰ بھٹو کی بیوہ غنویٰ بھٹو کو مرتضیٰ کی پارٹی کا سربراہ بنا لیا گیا۔ جنازہ کے موقع پر لاڑکانہ میں پیپلز پارٹی اور مرتضیٰ بھٹو کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ ادھر صدر فاروق لغاری کی طرف سے بھی اب بے نظیر کے خلاف محاذ کھلتا چلا جا رہا تھا۔ ایسی صورت حال میں یہ بات نظر آ رہی تھی کہ اب بے نظیر نے صرف بھائی ہی نہیں کھویا حکومت بھی کھوئے گی۔

ایک اور صدمہ۔ مسجد الخیر ملتان میں ۲۸ نمازی و طلبہ شہید

۲۳ ستمبر کو دوپہر کے وقت دوسرے وارڈوں سے خبر آئی کہ ٹی وی پر ملتان میں ایک مسجد کے حادثہ کی خبر شائع ہوگئی ہے۔ فوراً ریڈیو پر خبریں سننے کے لئے لپکے تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی اور رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ہم میں سے ہر شخص یہ خبر نہ کر سکتے میں آگیا کہ آج صبح نماز فجر کے دوران مسجد الخیر ملتان میں نمازیوں اور طلبہ پر کلاشنکوفوں کے برسٹ مار مار کر ۲۸ جیتے جاگتے لوگ بارگاہ ایزدی میں حاضری دینے کی حالت میں شہید کر دیئے گئے۔ قاتلوں نے مسجد میں پناہ لینے کے لئے دوڑتے ہوئے نمازیوں کا پیچھا کر کے ان پر گولیاں برسائیں۔ یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ جس کی پاکستان میں اس سے قبل نظیر نہیں پائی جاتی ہے۔ رات کو B.B.C پر خبریں سنیں تو مولانا ضیاء القاسمی صاحب کی آواز میں ان کا انٹرویو سنوایا گیا۔ انہوں نے شیعہ لٹریچر پر بھی بات کی اور اس واقعہ کی مذمت کی۔ پھر وزیر اعلیٰ کا انٹرویو نشر کیا گیا۔ جس نے کہا کہ یہ واقعہ مذہبی نہیں ہے۔ مسجد الخیر کے امام قاری عبد الرحمٰن جو زخمی تھے ان کا بھی انٹرویو سنایا گیا۔

اس واقعہ میں اس مدرسہ کے مہتمم مولانا قاری ایوب بھی زخمی ہو گئے تھے جو بعد میں شہید ہو گئے۔ میں اس مسجد میں دو مرتبہ جلسوں سے خطاب بھی کر چکا تھا۔ قاری ایوب شہید اور ان کے بڑے بھائی قاری محمد یعقوب سے دوستی عمرہ کے پہلے سفر کے موقعہ پر بیت اللہ میں ہوئی تھی۔ یہ دونوں بھائی مولانا محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس کے بھانجے ہیں۔ ان کے والد مولانا محمد اسحٰق صاحب عالم دین اور چوٹی کے عامل جنات تھے۔ رحمھم اللہ تعالیٰ

اڈیالہ جیل کی مصروفیات

" اڈیالہ جیل میں ہمارے ایک ساتھی طاہر حمید کھاریاں فائرنگ کیس کے الزام میں بند تھے۔ انہوں نے ہمارے شب و روز کے معمولات لکھ کر ماہنامہ خلافت راشدہ کو بھیجنے کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی تھی۔ چنانچہ انہی کی مرتب کردہ رپورٹ ماہنامہ خلافت راشدہ کے شکریے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔"

اڈیالہ جیل آئے ہوئے دو ماہ ہو چکے ہیں۔ قائدین سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ہم تمام ساتھیوں کی قائدین سے ملاقات پہلی مرتبہ تھی۔ تمام ساتھی قائدین کی آمد سے قبل لیڈر شپ اور ایک عام کارکن کا وہ تصور لئے بیٹھے تھے۔ جن میں ایک عام کارکن اپنے قائد سے ہاتھ ملانا بھی مشکل سمجھتا ہے، مگر یہ تصور اس وقت غلط ثابت ہو گیا۔ جب ہمارے قائدین نے اپنے اسلاف کی یاد تازہ کرتے ہوئے جیل میں ملنے والی بہت سی مراعات کو مسترد کرتے ہوئے ہمارے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ میں سمجھتا ہوں یہی وہ بڑی خوبی ہے۔ جس کی بناء پر کارکنان سپاہ صحابہ اپنے قائدین کے ایک اشارے پر جانیں دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہاں قائدین کی دینی، مطالعاتی اور تصنیفی مصروفیات دن رات کے اکثر حصے کو محیط ہیں۔

اب جب میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں لاہور ہائی کورٹ فیصلہ دے چکی ہے کہ قائدین کے تمام کیس لاہور میں خصوصی عدالت کے پاس ٹرانسفر کر کے سماعت کی جائے اور قائدین کو بھی لاہور شفٹ کر دیا جائے۔ ممکن ہے اگلے ہفتہ تک اس پر عمل درآمد ہو جائے اور یہ بھی قیاس ہے کہ ہمیں بھی کھاریاں فائرنگ کیس کے لاہور ٹرانسفر ہونے کی بناء پر قائدین کے ساتھ لاہور شفٹ کر دیا جائے۔

ویسے الحمد للہ پنڈی میں قائدین کی صحت پر اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس

میں کچھ تو غالباً موسم کا دخل ہے مگران حکیموں، معجونوں، ایلو پیتھی، ہومیو پیتھک دوائیوں کا بھی کچھ حصہ ضرور ہے جس میں نظیر دواخانہ ٹیکسلا کی پھکی اور کینڈرل کی شمولیت نے بھی اپنا اثر دکھایا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں قائد محترم حضرت فاروقی صاحب استعمال کرتے ہیں۔

ہمارے ساتھی ناظم حسین کو قائد سپاہ صحابہ کی دوائیوں کو وقت پر دینے کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ کبھی کبھی حضرت قائد محترم کو دوپہر کو دینے والی پھکی شام کو شام والی صبح کو دے دیتا ہے اور جب ایسا ہو تو کافی کافی دیر تک حضرت قائد محترم کی زبان سے لطائف کے پھول جھڑتے رہتے ہیں۔

آپ یقین کریں قائدین کی شگفتہ شگفتہ باتیں جہاں ہمارے لئے دلچسپی اور مزاح کا عنصر رکھتی ہیں وہیں ان میں ہماری اصلاح کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔

ویسے تو اخبارات جیل میں آتے ہی ہیں لیکن تازہ ترین صورتحال سے باخبر رہنے کے لئے ریڈیو پر، بی بی سی، وائس آف امریکہ، ریڈیو پاکستان اور ریڈیو ایران وغیرہ سننا بھی شب و روز کے معمولات میں سے ہے۔ اور ان Station پر ریڈیو Time کرنا ہمارے ساتھی حافظ ممتاز کا کام ہے۔ اخبارات میں اہم خبروں کو محفوظ کرنا یہ ہمارے جھنگ سے آئے ہوئے ساتھی محمد عرفان کی ڈیوٹی ہے۔

لاہور کے ساتھی مقصود، مسلم اور عبدالمجید، قائدین کے ساتھ بی کلاس وارڈ سے ڈیوڑھی تک بطور محافظ جاتے ہیں چند ہی دن گزرے ہیں فیصل آباد سے ہمارے ساتھی عبدالرزاق تشریف لائے ہیں۔ وہ بھی قائد سپاہ صحابہ کی خدمت پر مصروف ہیں۔

جیل میں عصر تا مغرب فٹ بال کا میچ ہوتا ہے۔ جرنیل سپاہ صحابہ کی ٹیم میں عبدالمجید، مسلم، عبدالرزاق اور ناصر ہیں اور میرے ساتھ حافظ ممتاز ناظم، مقصود اور عرفان ہیں۔ یہ بات آپ کو قائد محترم بھی بتا دیں گے کہ اکثر ہماری ٹیم ہی جیت جاتی ہے۔ قائد سپاہ صحابہ گراؤنڈ کی ایک طرف اپنی علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس میچ کو بھی دلچسپی سے دیکھ

رہے ہوتے ہیں اور اکثر اپنے ماہرانہ ریمارکس بھی دے رہے ہوتے ہیں، لیکن یہ ان کا کھلا اعلان ہے کہ "جو ٹیم بھی گول کرے گی میں شاباش دوں گا۔ اس لئے کہ میرے لئے دونوں اپنے ہیں" ہر کھلاڑی قائد کی شاباش لینے کے لئے خوب محنت کرتا ہے۔

قائدین سے ملاقاتوں کے لئے جمعرات اور اتوار کا دن مخصوص ہے۔ صرف دو دن کی ملاقات کرانا عبدالستار عاجز (سپرنٹنڈنٹ) کی لال کتاب کا آرڈر ہے۔ وکلاء کے ہمراہ تیسرے دن بھی ملاقات ہو جاتی ہے اور قائدین لال کتاب کے آرڈر پر تو کب کے لات مار چکے ہوتے۔ لیکن سی افسران کا لحاظ کرنا بھی سپاہ صحابہ کی اولین پالیسی ہے۔ لیکن کئی عاقبت نااندیش افسران اس پالیسی کو سپاہ صحابہ کی کمزوری تصور کرتے ہیں۔

قائدین سے ملاقاتوں کے لئے آنے والے احباب، علماء، عہدیداران جماعت، کارکنان، صحافی برادری کے افراد ان دو دنوں میں بہت بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ چند احباب کے نام درج کر رہا ہوں۔ جن کے نام طوالت مضمون کی وجہ سے رہ گئے ہیں ان سے انتہائی معذرت ہے۔

مولانا عبدالوارث سرپرست سپاہ صحابہ ضلع جھنگ، سید عبدالحکیم شاہ جھنگ، مولانا غلام حسین جھنگ، طیب سپرا جھنگ، سید مصدوق حسین شاہ، شیخ مقبول احمد، ماسٹر سعید، ملک نور محمد اور جھنگ ہی سے انجمن تاجران جھنگ کے صدر حاجی محمد علی اپنے دیگر ارکان کے ہمراہ تشریف لائے جن میں حاجی دلدار حاجی اشتیاق، شیخ ثناء اللہ و دیگر حضرات شامل تھے۔ صدر سپاہ صحابہ و صوبائی وزیر شیخ حاکم علی نے بھی قائدین سے طویل ملاقات کی جس میں قائدین نے انہیں اپنے موقف سے آگاہ کیا اور موجودہ ملکی اور جماعتی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ مرکزی حکومت سے گذارش کرنے کی بجائے عدالتی انصاف کے ذریعہ رہائی کی کوشش جاری رہے گی۔

ممتاز عالم دین سابق صوبائی وزیر قاری سعید الرحمان حضرو ضلع اٹک کی معروف

شخصیت و عالم دین مولانا عبدالسلام شیخ الحدیث مولانا محمد صابر اور حضرو کے دیگر علماء کرام تشریف لائے۔ قائدین نے انہیں اپنے مقدمہ کی تفصیلات بتانے کے علاوہ قائد سپاہ صحابہ کی عظیم کاوش "تاریخی دستاویز" کا ایک سیٹ دیا جسے انہوں نے شاندار کارنامہ قرار دیا۔

خان پور کے مولانا مفتی حبیب الرحمن درخواستی، قاری محمد الیاس، مولانا حسین علی توحیدی، قاری شفیق الرحمان (لاہور) قاری صفدر جاوید (میاں چنوں) مولانا نواب الحسن نے ملاقات کی۔ (جنڈ) مولانا محمد عالم طارق (برادر جرنیل سپاہ صحابہ) نے ملاقات کے دوران اپنی گرفتاری و رہائی کے متعلق تفصیلات سے آگاہ کیا۔ مولانا غلام محمود (اسلام آباد) مولانا ظہور الٰہی، مولانا عبدالستار، قاری محمد ایوب و برادران نے بھی قائدین سے ملاقات کی۔ مولانا سراج الحق، قاری فضل ربی، عبداللہ جھنگوی، محمد عمران برادر نسبتی قاسمی شہید، مولانا اشرف علی (جانشین شیخ القرآن راولپنڈی) قاری امان اللہ جھنگوی، رانا عبدالرؤف غضنفر علی (چیچہ وطنی) حافظ خالد آف جہلم سہیل و رفیق (جہلم) جاوید اقبال (سرگودھا) محمد طیب، عبدالغنی (کراچی (طارق مدنی (سیکرٹری اطلاعات صوبہ سندھ سپاہ صحابہ) نے قائدین سے دوران ملاقات سندھ اور کراچی میں موجودہ تنظیمی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ قائدین نے انہیں اس ضمن میں ضروری ہدایات دیں۔ کراچی سے مولانا ہارون قاسمی صدر سپاہ صحابہ سٹوڈنٹس پاکستان اور مولانا فضل الرحمن ہزاروی صدر سپاہ صحابہ سٹوڈنٹس پنڈی نے میڈیکل کالج کے طلباء اور پنڈی اسلام آباد کے طلباء کے ایک وفد کے ہمراہ قائدین سے ملاقات کی اور سٹوڈنٹس کے متعلق معاملات و تفصیلات سے آگاہ کیا۔ قائدین نے انہیں موجودہ حالات میں اپنی تنظیمی سرگرمیوں کو مزید تیز کرنے کی ہدایات دیں۔

مظفر گڑھ کے مولانا یحییٰ عباسی مانسہرہ، ایبٹ آباد کے تنظیمی دورہ سے واپسی پر مانسہرہ کے کارکنان و طلباء کے ایک وفد کے ہمراہ آئے اور اپنے کامیاب دورہ کی تفصیلات

بیان کیں۔ان کے ہمراہ مدارس عربیہ کے طلباء کا وفد بھی تھا۔

مولانا حبیب الرحمان صدیقی صدر سپاہ صحابہ پنڈی ڈویژن ٹیکسلا اور راولپنڈی کے علماء کے ہمراہ تشریف لائے۔ ٹیکسلا کے حافظ محمد رمضان (صدر سپاہ صحابہ سٹوڈنٹس) ٹیکسلا کے طلباء کے ایک بڑے وفد کے ہمراہ قائدین سے ملاقات کے لئے آئے۔

مولانا سیف اللہ سیفی مری سے وفد کے ہمراہ اڈیالہ جیل میں قائدین سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لائے۔ان کے علاوہ منچن آباد سے عبدالوحید و حافظ شفیق حضرو سے مولانا عبدالخالق، جنڈ، اٹک سے قاری انور شاکر، پشاور سے اسلم فاروقی کی قیادت میں وفود تشریف لائے اور بھیرا، اٹک، براہمہ، گڑھی افغان، سرگودھا، بھلروان، دینہ، جہلم، منڈی بہاؤالدین، لاہور، ملتان اور ملک کے مختلف علاقوں کے علاوہ دیگر دنوں میں وکلاء کے ہمراہ راشد محمود (سیکرٹری جرنیل سپاہ صحابہؓ) انجنیئر طاہر محمود (برادر حضرت فاروقی صاحب) بھی قانونی مشوروں کی غرض سے تشریف لاتے رہتے ہیں۔

قائد سپاہ صحابہ حضرت مولانا ضیاء الرحمان فاروقی آج کل انتہائی تحقیق کے بعد ایک نئی کتاب بعنوان "دعوت و جہاد کی درخشندہ تاریخ" لکھ رہے ہیں۔ جس میں ان نامور ہستیوں کا ذکر آئے گا جو احیاء دین کے لئے کٹھن مراحل سے گزرے اور ثابت قدم رہے۔ حضرت مولانا حق نواز شہید کی جدوجہد اور استقامت تک یہ ایک مکمل کتاب ہوگی جو دعوت و جہاد کے راستہ پر چلنے والوں کے لئے ایک لائحہ عمل کی حیثیت رکھے گی۔ قائد سپاہ صحابہ یہ تاریخ لکھ کر گویا کوزے میں دریا بند کر رہے ہیں۔

افغانستان میں طالبان حکومت کے کنٹرول سنبھالنے اور افغانستان میں مکمل شرعی قوانین کے نفاذ کے بعد مذہبی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ قائدین سپاہ صحابہ نے مفتی عبدالرحمان کی قیادت میں ایک وفد افغانستان بھیجنے کا پروگرام بنایا ہے اور اسی ماہ میں یہ وفد حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں انشاءاللہ افغانستان کا دورہ کرے گا اور قائدین و علماء،

کارکنان سپاہ صحابہ کی طرف سے اپنے خوش آئند جذبات کا اظہار طالبان حکومت تک پہنچائے گا۔ قائد سپاہ صحابہ مولانا ضیاء الرحمن فاروقی اور جرنیل سپاہ صحابہ حضرت مولانا محمد اعظم طارق صاحب نے سپاہ صحابہ کی طرف سے طالبان حکومت کے نام ایک پیغام بھی بھیجا ہے۔

نومبر ۹۶ء قائدین کے شب و روز (از قلم طاہر حمید)

ملاقات کے لئے آنے والے ساتھی چونکہ الحمد للہ کافی تعداد میں ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ تقریباً ناممکن ہے کہ آنے والے تمام احباب و کارکنان سے قائدین تفصیلی گفتگو کر سکیں۔ اس وجہ سے اکثر ساتھی ہم سے قائدین کی جیل میں مصروفیات کے بارے میں پوچھتے ہیں اور یہ قدرتی امر ہے کہ جس سے لگاؤ ہو انسان اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا ہے۔ سپاہ صحابہ کے کارکنان اپنے قائدین سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ قائدین کے شب و روز سے متعلق "خلافت راشدہ" میں چھپنے والے اس مضمون کی بدولت کارکنان اپنے قائدین کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ قائد سپاہ صحابہ تو فجر کی اذان سے قبل ہی ذکر و فکر کے معمولات سمیت واک وغیرہ سے بھی فارغ ہو جاتے ہیں، تسبیح و اذکار کا یہ سلسلہ دن رات چلتا رہتا ہے.... تعلیم و تحقیق کے لحاظ سے قائدین سپاہ صحابہ کے یہ جیل کے ایام شاید بے مثال ہیں۔ باقی دن کے معمولات یہ ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد قائد سپاہ صحابہ قصص القرآن کے حوالے سے درس قرآن دیتے ہیں۔ ان دنوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر پر قرآن میں موجود واقعات کا درس دے رہے ہیں۔ ہم جیل میں موجود ساتھی بھی درس کے ان لمحات میں جو فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ ان قیمتی لمحات کا اندازہ ہمیں ہی ہے۔ گذشتہ دنوں ملاقات کے لئے آئے ہوئے چند ساتھیوں سے جب اس بات کا ذکر ہوا تو ساتھی کہنے لگے کہ کیا کوئی طریقہ ہے کہ ہم بھی کسی چھوٹے موٹے کیس میں

جیل آجائیں اور قائدین کے ساتھ لمحات گزار کر مستفید ہو سکیں۔ اس پر ہماری تو دعا ایسے ساتھیوں کے لئے یہی ہے کہ اللہ کرے قائدین جلد رہا ہو جائیں اور کارکنان اپنے قائدین کے پروگراموں میں شرکت کر کے خود کو محظوظ کر سکیں۔

درس قرآن کے بعد اشراق کی نماز تک قائدین و ساتھی اعمال میں مصروف رہتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ حضرت مولانا اعظم طارق صاحب تو ہمارے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ البتہ قائد سپاہ صحابہ انگریزی کے اس مقولہ پر عمل کرتے ہیں۔

An apple a day keeps the doctor away"

یعنی روزانہ ایک سیب کھاؤ ڈاکٹر سے خود کو بچاؤ۔

یہی ان کا ناشتہ ہے۔

رات کو نیند میں رہ جانے والی کمی ناشتہ کے بعد پوری کی جاتی ہے۔ تقریباً ۹:۰۰ بجے نوائے وقت، جنگ، خبریں اور روزنامہ پاکستان آچکے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان اخبارات کا مطالعہ شروع ہو جاتا ہے۔ جو ۱۱:۰۰ بجے تک جاری رہتا ہے۔ اس لئے کہ آنے والی خبروں پر اپنے اپنے تبصرے اور قائدین کی آراء کا جاننا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔ تازہ ترین صورت حال سے باخبر ہونے کے بعد قائدین اگلے روز کے اخبارات کے لئے بیانات ترتیب دیتے ہیں۔

ظہر کی نماز سے قبل کھانا ہوتا ہے۔ ظہر کے بعد قائدین عام طور پر اپنی علمی مصروفیات میں لگ جاتے ہیں۔ یہی وقت ہے جب قائدین تحریری پیغامات اور خطوط کے جوابات کے علاوہ کتب لکھنے میں مصروف رہتے ہیں۔ قائد سپاہ صحابہ آج کل پاکستان اور دیگر ممالک کے تمام مدیران جرائد و اخبارات، نامور اہل قلم اور صحافیوں کے نام ایک خصوصی یادداشت بعنوان "کیا جناب خمینی کو اسلام کا ہیرو قرار دیا جا سکتا ہے" تحریر کر رہے ہے

ہیں۔ یہ بات یقین سے انشاء اللہ کہی جا سکتی ہے کہ اس یادداشت کے پڑھ لینے کے بعد خمینی کو ہیرو تصور کرنے والے اپنا نظریہ ضرور تبدیل کر لیں گے۔

نماز عصر کے بعد فٹ بال، کھیلی جاتی ہے۔ ناچیز آج کل گھٹنے میں تکلیف کے باعث ریفری کے فرائض سنبھالے ہوئے ہے۔ اس وجہ سے حضرت جرنیل سپاہ صحابہ کی ٹیم کو آج کل مقابلہ کرنے کا سنہری موقع ہاتھ آیا ہوا ہے اور وہ اس کا بھرپور فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔

مغرب تا عشاء کھانا اور طنز و مزاح کا وقت ہے۔ اس میں قائد سپاہ صحابہ اور جرنیل سپاہ صحابہ اپنی زندگی کے خوشگوار لمحات کا ذکر کرنے کے علاوہ لطائف سے ہمیں محظوظ بھی کرتے ہیں اور اصلاحی باتیں بھی اس گپ شپ کا حصہ ہیں۔ عشاء کے بعد حضرت مولانا اعظم طارق صاحب فضائل اعمال کے کسی واقعہ سے ابتداء کر کے تنظیمی و اصلاحی عنوان پر مفید معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہفتہ وار درس ہر ہفتہ کے دن ظہر کے بعد قائد سپاہ صحابہ عقائد کے عنوان پر دے رہے ہیں۔

دو دن قبل ہمارے دو ساتھی بھائی محمد حسین کاکا اور بھائی ذکی اللہ کو جڑانوالہ جیل سے تشریف لا چکے ہیں۔ یہ دونوں ساتھی صادق گنجی کیس کے سلسلہ میں ۲۵ سال سزا سن چکے ہیں۔ ان کے علاوہ بھائی عمر فاروق جو مرید عباس یزدانی قتل کیس میں نامزد ہیں۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب خطیب لال مسجد اسلام آباد کے نواسے ہیں۔ ریمانڈ پورا ہونے کے بعد ہمارے ساتھ ہی ہیں اور آرام کے دن گزار رہے ہیں۔

قائدین سپاہ صحابہ سونے سے قبل مطالعہ کے عادی ہیں۔ قائد سپاہ صحابہ کو تو بغیر مطالعہ کے نیند محال ہے۔ کم از کم ۱۰۰ صفحات کا مطالعہ سونے سے قبل قائد سپاہ صحابہ کا معمول ہے۔ جرنیل سپاہ صحابہ ان دنوں "مقدمہ ابن خلدون" کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ قائدین کی مطالعہ کرنے کی یہ روٹین ہمارے لئے بھی قابل تقلید مثال ہے اور آپ

یقین کریں ہمیں بھی مطالعہ کا شوق پیدا ہو چکا ہے۔ یہاں قائد سپاہ صحابہ کا کمرہ ایک وسیع تحقیقی لائبریری اور مطالعاتی مرکز کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔

جرنیل سپاہ صحابہ و رکن قومی اسمبلی حضرت مولانا محمد اعظم طارق ایم این اے کی طرف سے ہائی کورٹ میں درخواست دی گئی تھی کہ بحیثیت ممبر قومی اسمبلی میرا حق ہے کہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے لے جایا جائے۔ اس پر ہائی کورٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ "اگر سپیکر مولانا اعظم طارق کو اسمبلی اجلاس میں شرکت کے لئے پروڈکشن آرڈر کے ذریعہ طلب کرتے ہیں تو وفاقی حکومت اس بات کی پابند ہے کہ وہ سپیکر کے حکم پر عمل درآمد میں رکاوٹیں پیدا نہ کرے" اس پر وفاقی و پنجاب حکومت کے [illegible] آفیسروں نے عدالت کو بتایا کہ وفاقی یا صوبائی حکومت کو مولانا اعظم طارق کے اسمبلی کے اجلاس میں شرکت پر کوئی اعتراض نہیں۔

ہائی کورٹ کے اس مستحسن فیصلہ کے بعد حضرت مولانا اعظم طارق نے ممبران قومی اسمبلی اسفندیار ولی صاحب مظفر ہاشمی صاحب، مولانا شہید احمد صاحب، افتخار گیلانی صاحب اور گوہر ایوب کے نام خطوط لکھے ہیں جن میں ان ممبران اسمبلی سے کہا گیا ہے کہ وہ سپیکر پر عدالت کے فیصلہ پر عمل درآمد کے لئے زور دیں اور ساتھ ہی ایک خط سپیکر قومی اسمبلی کو بھیجا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کو استعمال کریں۔ سپرنٹنڈنٹ جیل عبد الستار عاجز کا رویہ ملاقاتیوں کے ضمن میں ابھی تک معاندانہ ہے۔ ملاقات کے لئے آنے والے بزرگوں اور کارکنوں کے نام جو میں معلوم کر سکا ہوں وہ یہ ہیں۔ ان کے علاوہ جو حضرات تشریف لائے اور نام معلوم نہ ہو سکنے کی بناء پر لکھ نہیں رہا ان تمام بزرگوں اور ساتھیوں۔ معذرت کے ساتھ....

مولانا مفتی عبد الرحمان، صاحبزادہ مولانا محمد طٰہٰ، حضرت مولانا عبد الخالق، جناب [illegible] ظہور الٰہی مع جناب حافظ محمد طیب و حافظ محمد قاسم، جناب مولانا سراج الحق، مولانا

عبدالباسط، جناب مولانا انور شاکر، احمد الرحمان، مولانا محمد عالم، (برادر جرنیل سپاہ صحابہ) جناب ملک امجد، جناب مولانا محمد امین امیر حرکۃ الانصار اور ان کے صاحبزادے نعمان الحق، جھنگ سے جناب سید عبدالحفیظ شاہ، جناب قمرالزماں، جہلم سے جناب طاہر معید، محمد نعیم فاروقی، صغیر معاویہ، فیصل آباد سے حافظ شبیر احمد اور دیگر احباب ایک وفد کی شکل میں تشریف لائے اور جہلم کی سپاہ صحابہ کی موجودہ صورتحال پر قائدین کو آگاہ کیا اور ہدایات لیں۔

جناب ظفر اقبال قریشی، مولانا عبدالعزیز، دیگر احباب کے ساتھ اسلام آباد سے تشریف لائے۔ علاقہ چھچھ سے جناب مولانا محمد جان ایک بڑے وفد کے ساتھ آئے۔ ڈیرہ غازی خان ٹی قیصرانی سے حضرت شیخ الحدیث مولانا غلام فرید کے صاحبزادے مفتی عبدالرحمان نے بھی قائدین سے ملاقات کی ہے۔ ڈنگہ ضلع گجرات سے ایک وفد جس میں اور ساتھیوں کے علاوہ جناب عبدالستار، جناب جاوید اقبال اور جناب لیاقت عثمان بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ اٹک سے ۲۵ سے زائد کارکنان واحباب، جھنگ، راولپنڈی، لاہور سے بڑی تعداد میں سپاہ صحابہ کے عہدیداران و کارکنان کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔

جناب انجینئر طاہر محمود، راشد محمود (سیکرٹری حضرت مولانا اعظم طارق) نے راؤ خلیل احمد ایڈووکیٹ اور بشارت اللہ خان ایڈووکیٹ کے ہمراہ کیسز کی موجودہ نوعیت سے قائدین کو آگاہ کیا۔

قائدین سپاہ صحابہ کے تمام مقدمات کی ہائی کورٹ کے دو بنچوں میں ضمانتیں لگی ہوئی ہیں۔ خدا کے فضل اور رحمت سے خصوصی امید ہے کہ جلد رہائی ہو جائے گی۔ مذاکرات اور حکومت سے مصالحت کے لئے آنے والے تمام نمائندے مایوس ہو کر جا چکے ہیں..... پوری قوم کو موجودہ کرپٹ اور لادین حکمرانوں سے نجات کے لئے دعا کرنی چاہیے۔

"طالبان تحریک" مختصر پس منظر و تعارف

افغانستان میں روسی افواج اور ان کے حامی افغان ایجنٹوں کی سرکاری فوج کے خلاف مدارس عربیہ کے اساتذہ، علماء کرام اور طلباء نے جس جہاد کا آغاز کلہاڑیوں اور ڈنڈوں کے ساتھ کیا تھا۔ اب وہ بڑھتے بڑھتے جدید ہتھیاروں کے ساتھ باضابطہ ایک ملک گیر جنگ کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ محتاط اندازہ کے مطابق اس جہاد میں سولہ لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ روسیوں کے مظالم اور بربریت کے سامنے ہلاکو خان اور چنگیز خان کی تاریخ ماند پڑ جاتی ہے۔ بنتے بستے شہر اور بستیاں پل بھر میں ویران کر دی گئیں اور بموں سے اڑا دی گئیں۔ بمبار طیاروں نے ہری بھری فصلوں، باغات اور لہلہاتے کھیتوں کو نپام بموں سے جلا کر خاکستر کر دیا لیکن مجاہدین کا جذبہ جہاد لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا گیا۔ اسلامی ممالک نے کچھ عرصہ بعد مجاہدین افغانستان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی اور انہیں اسلحہ مہیا کیا۔ یہاں تک کہ روس کو خود اپنی بقا و سلامتی کے لالے پڑ گئے تو اس نے اقوام متحدہ کے ذریعہ باعزت افغانستان سے نکلنے میں عافیت جانی۔

ورنہ جس طرح روس افغانستان میں پھنس چکا تھا۔ اس کی واپسی اس قدر عبرتناک ہوتی کہ دنیا دیکھ لیتی کس طرح ماسکو تک مجاہدین اس کا پیچھا کرتے ہیں۔

روسی افواج کے انخلاء کے بعد کابل پر قبضہ کے لئے مجاہدین کے گروپ خود لڑائی کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کی وہ توپیں جو دشمن کے خلاف گولے اگلتی تھیں اب ایک دوسرے کے خلاف آگ اگلنے لگ گئیں۔ راہنماؤں کی آنکھوں پر مفادات کے پردے اس قدر پڑ گئے کہ وہ ۱۶ لاکھ انسانوں کی قربانیاں فراموش کر کے باہم دست و گریباں ہو کر تماشہ گاہ خاص و عام بن گئے۔ وہ بیت اللہ میں کھڑے ہو کر انسانوں کی قربانیاں فراموش کر دیتے۔ لوگ افغانستان کے جہاد کے نتیجے میں روس کے انخلاء کے بعد پیدا شدہ صورت

حال کو دیکھ کر اس بات پر تشویش کا اظہار کرنے لگے کہ کیا ہم جسے آج تک اسلام کی جنگ قرار دیتے رہے ہیں۔ وہ جہاد افغانستان اسلام کے لئے تھا بھی؟ اور مقبوضہ کشمیر سمیت باقی اسلامی مجاہدوں کی تحریکیں بھی لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار کھو بیٹھیں۔ لوگ ان تحریکوں کو بھی اقتدار کی جنگ سمجھنے پر مجبور ہونے لگے۔

بالآخر پاکستان کے شمال مغرب سے ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں چند مخلص "طالبعلموں" نے یہ عزم کیا کہ ہم شہداء افغانستان کی قربانیوں کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ انہوں نے اولاً افغان راہنماؤں کو وارننگ دی کہ وہ باہم اتحاد کر کے افغانستان میں اسلام کا نفاذ عمل میں لائیں۔ کیونکہ وہ تین چار سالوں سے اقتدار میں آ کر جو انداز حکمرانی اپنائے ہوئے ہیں وہ خالصتاً غیر اسلامی ہے اور یورپی رنگ غالب ہو رہا ہے۔ مگر ان راہنماؤں نے اس وارننگ کو کوئی اہمیت نہ دی تو یہ "طالبان" کا مختصر لشکر اللہ پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا اس نے باری باری صوبائی گورنروں کو گرفتار کر کے آگے بڑھنے اور طالبان حکومت کا قیام عمل میں لا کر اسلام کے فوری نفاذ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی صوبے ان کے قبضے میں آ گئے اور طالبان حکومت کے اقدامات سے ان صوبوں میں مکمل اسلام کے نفاذ کی برکت سے جرائم کا قلع قمع ہو گیا۔ عوام کو امن و سکون میسر آ گیا۔ لوگوں کے دلوں میں اسلامی محبت و اخوت کے جذبات پیدا ہونے اور کردار میں نورانیت نظر آنے لگی۔ چہروں پر سنت رسول چمکنے لگی اور بازاروں میں برکت اور خیر کے چشمے پھوٹنے لگے۔ رشوت بازاری۔ چوری چکاری دم توڑ گئی۔ قتل و غارت گری کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ حیا، دیانت، شرافت اور امن کے جگنو چمکنے لگے۔ بے حیائی۔ فحاشی بے دینی اور بے غیرتی کی عمارتیں زمین بوس ہونے لگیں۔ ان حالات کی خبر جب قریبی صوبوں اور افغان عوام تک پہنچی تو انہوں نے طالبان کو خود دعوت دینا شروع کر دی اور کابل کے حکمرانوں سے بغاوت کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔

ماہ ستمبر کے پہلے عشرہ سے طالبان نے اب پھر پیش قدمی شروع کی تو عالمی ذرائع ابلاغ نے ان کی فتوحات کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ کابل کے حکمران انڈیا اسرائیل سے ناطے جوڑ چکے تھے۔ اس لئے پاکستانی حکمران بھی طالبان کی پیش قدمی سے خوش تھے اور عوام بھی۔ ہم اڈیالہ جیل میں روزانہ B B C اور عالمی ریڈیو اسٹیشنوں سے دلچسپی کے ساتھ طالبان کی فتوحات کی خبریں سنتے اور دعائیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ طالبان کو جلد فتح سے ہمکنار فرمائے۔ طالبان۔ جلال آباد۔ کنڑ۔ سروبی تک پہنچ گئے تو اب سب کی نظریں کابل پر تھیں۔ خیال یہ تھا کہ کابل کی فتح میں مشکلات پیدا ہوں گی۔ مگر ہمت مرداں مدد خدا کا سلسلہ جاری تھا۔

طالبان نے کابل فتح کر لیا۔ جیل کا سیکورٹی وارڈ نعروں سے گونج اٹھا

کئی روز سے پاکستانی اور B B C کی خبروں سے افغانستان میں طالبان کی پیش قدمی کی خبریں سن رہے تھے اور ہر نماز کے بعد دعا کرتے تھے کہ رب العالمین طالبان کو جلد کابل پر فتح نصیب فرمائے۔ ۲۷ ستمبر جمعہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے دوپہر ریڈیو پاکستان نے خبر دی کہ طالبان نے کابل پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس خبر سے پورے سیکورٹی وارڈ میں خوشی سے نعرہ تکبیر اللہ اکبر۔ طالبان زندہ باد کے نعرے لگنے شروع ہو گئے۔ جیل حکام دوڑے دوڑے آئے اور دریافت کیا کہ کیا بات ہوئی ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ "طالبان" کی فتح پر خوشی کا اظہار ہو رہا ہے انہوں نے کہا آپ کو اس فتح سے کیا حاصل ہو گا؟ ہم نے کہا ہم تمام دنیا کے مجاہدین اسلام کو اپنے وجود کا حصہ اور اپنی تحریک کا حصہ سمجھتے ہیں۔ چونکہ سپاہ صحابہ کا مشن اور منزل غلبہ اسلام ہے۔ اس لئے اسلام کے غلبہ کے لئے جہاں بھی کوئی تحریک کامیابی سے مراحل طے کرے گی وہ ہماری خوشی کا باعث ہو گی۔ طالبان کی کابل پر فتح کی خبر سنتے ہی ہم رات گئے تک پاکستان ریڈیو کی خبریں سنتے رہے۔ رات کو وائس آف امریکہ سے اور B B C سنی۔ اگرچہ خبریں ایک جیسی تھیں لیکن۔ ہر خبر میں ایک نئی لذت اور نیا سرور تھا۔

دن تین بجے امیر المومنین ملا عمر مجاہد کی طرف سے ملا عمر ربانی کی قیادت میں چھ رکنی کابینہ کے قیام اور رات کو نجیب اللہ کے پھانسی دیئے جانے کی خبریں مسرت کا باعث ہوئیں۔ فوری طور پر طالبان کی فتح کا خیر مقدمی بیان اخبارات کے لئے لکھا اور ایک سو روپیہ خاص ملازم کو دے کر راولپنڈی بھجوایا کہ سب اخبارات میں بیان دے کر آئے۔ اگلے روز تمام اخبارات میں یہ بیان شائع ہو چکا تھا۔

بطور رکن اسمبلی اجلاس میں شرکت کا حق، سپیکر قومی اسمبلی و حکومت کا رویہ اور چیف جسٹس پنجاب کا تاریخی فیصلہ

قومی اسمبلی کے قواعد و ضوابط کی روشنی میں رول نمبر ۹۰ کے تحت سپیکر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی اسیر رکن اسمبلی کو اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے طلب کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس ضابطہ کے تحت میاں نواز شریف کے دور میں آصف علی زرداری کو قومی اسمبلی میں لایا جاتا رہا۔ پھر جب شیخ رشید اور ملتان کے ایم این اے طاہر رشید گرفتار ہوئے تو سپیکر اسمبلی پر زور دیا گیا کہ وہ پروڈکشن آرڈر جاری کر کے انہیں اجلاس میں بلوائیں۔ سپیکر صاحب نے پروڈکشن آڈر جاری کر دیا۔ لیکن حکومت نے اس پر عمل نہ کیا۔ اس طرح میری گرفتاری کے بعد کئی ممبران اسمبلی نے انہیں پروڈکشن جاری کرنے کا کہا تو انہوں نے آڈر جاری کر دیئے لیکن حکومت نے اس پر عمل نہ کیا۔ اس کی وجہ سے سپیکر اور حکومت کے مابین کافی تلخی پیدا ہو گئی۔ سپیکر قومی اسمبلی سید یوسف رضا گیلانی کافی عرصہ تک اخبارات میں تند و تیز بیانات بھی جاری کرتے رہے کہ میرے آرڈروں پر عمل کیوں نہیں کیا جا رہا۔ تاہم پھر ان کی حکومت سے انڈر سٹینڈنگ ہو گئی اور وہ خاموش ہو گئے۔ ادھر جب بھی ان سے مطالبہ کیا جاتا کہ مولانا اعظم طارق کو اسمبلی بلوائیں تو وہ کہہ

دیتے جو میرا کام تھا میں نے کر دیا ہے۔ آپ حکومت سے بات کریں۔ ہم نے اس جواب پر کہا اگر ہم نے حکومت ہی سے بات چیت اور مذاکرات کرنے ہوتے تو پھر صرف اسمبلی میں شرکت کی بجائے اپنی رہائی کی بات کیوں نہ کر لیتے۔

ادھر شیخ حاکم علی صاحب اپنی مرضی سے ۲۸ اگست کو بے نظیر سے ملاقات کر کے یہ پیغام ہمیں سنا گئے تھے کہ آپ کو سپیکر اسمبلی میں بلوانے والا ہے لیکن ایسا نہ ہو سکتا تھا نہ ہوا۔ ہم نے اس مسئلہ پر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس خلیل الرحمٰن صاحب کو درخواست دی کہ وہ سپیکر کے پروڈکشن آڈر پر عمل درآمد کرنے کے لئے حکومت کو پابند کریں۔ چنانچہ مورخہ ۶ اکتوبر انہوں نے فیصلہ سنایا۔ جسے ۷ اکتوبر کے تمام قومی اخبارات نے نمایاں شائع کیا۔ فیصلہ یہ تھا کہ حکومت سپیکر اسمبلی کے پروڈکشن آڈروں پر عمل درآمد کرانے کی پابند ہے اور اسے سپیکر کے آڈروں کے بعد متعلقہ رکن اسمبلی کو اسمبلی میں لے جانے کے انتظامات کرنا چاہئیں۔ اس فیصلہ کے بعد ہم نے سپیکر کو خطوط لکھے، اخبارات میں سپیکر کے نام خط شائع کرائے اور کئی ممبران اسمبلی کو سپیکر کے پاس بھیجا کہ وہ اب دوبارہ پروڈکشن آڈر جاری کریں تاکہ حکومت اس پر عمل کر کے ہائی کورٹ کے آڈروں کو تسلیم کرنے کا ثبوت دے۔ ۱۲ اکتوبر کے اخبارات میں سپیکر کا بیان شائع ہوا کہ میں ایوان میں جا کر مولانا اعظم طارق کو بلوانے کے آڈر جاری کراؤں گا۔ لیکن بعد میں سپیکر صاحب کا کہنا تھا کہ "میں مجبور ہوں" میں پروڈکشن آڈر جاری نہیں کر سکتا ہوں۔ اس وجہ سے ان کے خلاف عوام میں نفرت پیدا ہو گئی۔ جب وہ سانحہ الخیر کے شہداء کے جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچے تو ملتان کے عوام اور نوجوانوں نے ان پر پتھروں کی بارش کر کے یہ کہتے ہوئے انہیں بھگا دیا۔ کہ تم نے مولانا اعظم طارق کو قومی اسمبلی میں کیوں نہیں بلوایا ہے۔ عوام نے نفرت کا ایک مظاہرہ الیکشن کے موقع پر کیا کہ انہیں عبرتناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

احتجاج کے بغیر مسئلہ حل ہی نہیں ہوتا

۱۲ اکتوبر کو دوپہر کے وقت معلوم ہوا کہ گوجرانوالہ جیل سے محمد حسین کاکا اور حافظ ذکی اللہ کا چالان آیا ہے اور انہیں ہمارے ساتھ سیکورٹی وارڈ میں رکھنے کی بجائے قصوری سیلوں میں بند کر دیا گیا۔ یہ دونوں نوجوان صادق گنجی قتل کیس میں عمر قید کاٹ رہے ہیں۔ (نوٹ) حافظ ذکی اللہ ۲۶ دسمبر کو ڈیرہ غازی خان سے فرار ہو چکے ہیں) ہم نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو رقعہ بھجوایا کہ ان ساتھیوں کو ہمارے ساتھ رکھا جائے کیونکہ ملتان جیل میں بھی حافظ ذکی اللہ ہمارے ساتھ تھا۔ اور محمد حسین کاکا اس جیل میں پہلے باقی ساتھیوں کے ساتھ رہ کر گیا ہے۔ ہمارے اس رقعہ کا کوئی جواب نہ آیا بلکہ ان دونوں ساتھیوں کو لنگر خانہ میں مشقت کرنے کا حکم ملا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے مشقت نہ پہلے کی ہے نہ اب کریں گے" رات گذر گئی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ معمولات وظائف سے فارغ ہو کر میں سو گیا۔ کچھ شور کی آوازوں پر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ساتھی دیواروں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ میں نے انہیں ڈانٹ کر کہا یہ تم کیا کر رہے ہو تو جواب ملا حضرت قائد سے اجازت لے کر احتجاج کر رہے ہیں۔ بس کچھ دیر بعد ہی حافظ ذکی اللہ اور محمد حسین کاکا ہمارے پاس پہنچا دیئے گئے اور ہم نے بغل گیر ہو کر ان کا استقبال کیا۔ دو دن بعد سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ساتھیوں کے احتجاج پر ناگواری کا اظہار کیا۔ ہم نے وجہ بتائی تو کہنے لگے میں چھٹی پر تھا اس لئے ایسا ہوا ہے آج ان کا موڈ ٹھیک تھا تو ہسپتال سے دو کلو دودھ روزانہ بھجوانے اور ہمارے وارڈ میں جرنیٹر کا کنکشن دینے کچھ ساتھیوں کی بیڑیاں اتارنے کا آرڈر بھی کر دیا۔

پیارے بچوں کا جذبات سے لبریز خط حوصلے بلند کر گیا

۱۷ اکتوبر کو برادر م مولانا محمد عالم طارق ملاقات پر آئے ساتھ گھر سے خط لائے جو بڑی بیٹی نے اور اس کی بہنوں نے لکھے تھے۔ ان خطوط میں معصوم بچوں نے ہمیں دین کی خاطر ڈٹ کر کام کرنے کی تلقین کی تھی اور لکھا تھا کہ "ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے ابو دین کے لئے اور حضور ﷺ کی ختم نبوت و صحابہؓ کرام کی عزت کے لئے جیل میں ہیں۔" بچوں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریروں میں لکھا "ابو جی! آپ ہمارا فکر نہ کرنا بلکہ حق کی بات پہ ڈٹ جانا" یہ گھر سے پہلا خط تھا۔ اس خط سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں بار بار خط پڑھتا اور خوشی سے میرے آنسو نکل آتے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا کہ میرے بچوں کے حوصلے بلند ہیں۔ اب تو جب تک ہر ہفتے بچوں کا اس طرح کا خط نہ آئے تو طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے۔

جماعت اسلامی کے گرفتار شدگان کی دعوت

۲۷ اکتوبر کو جماعت اسلامی کا دھرنہ ناکام بنانے کے لئے تین روز قبل ہی بے نظیر حکومت نے ہر اس شخص کو گرفتار کر کے جیل بھجوانا شروع کر دیا جس پر ذرا سا بھی شک ہو تا کہ یہ دھرنا میں شرکت کر سکتا ہے۔ چنانچہ ۲۵ اکتوبر شام تک ۴۵ افراد گرفتار ہو کر جیل پہنچ چکے تھے۔ چونکہ انہیں الگ دوسرے وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ ہم نے انہیں پیغام بھجوایا کہ ہماری طرف سے آپ کو دو وقت کھانا مل جایا کرے گا۔ لیکن انہوں نے صرف ایک دن کے ناشتہ کی دعوت قبول کی۔ چنانچہ ۲۶ اکتوبر صبح تہجد کے وقت ہی سب ساتھی بیدار ہو چکے تھے او آٹا رات ہی کو گوندھ کر رکھ لیا گیا تھا۔ چونکہ اڈیالہ جیل میں سوئی گیس کی سہولت میسر ہے۔ اس لئے کھانا پکانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ فجر کی نماز تک ساتھی پچپن پر اٹھے

چولہے پر توا رکھ کر تیار کر چکے تھے اور ساتھ ہی آلو انڈے کا سالن بھی تیار کر لیا گیا۔ اچار پہلے سے اپنے پاس موجود تھا چنانچہ ناشتہ بھجوا دیا گیا۔ علی الصبح گرم گرم پراٹھوں اور سالن کے ہمراہ ناشتہ دیکھ کر جماعت اسلامی راولپنڈی کے ذمہ داران دنگ رہ گئے اور ناشتہ لے جانے والے ملازموں سے پوچھنے لگے کہ اتنی جلدی یہ ناشتہ انہوں نے کہاں سے منگوایا ہے۔ ملازموں نے جواب دیا باہر سے منگوانے کا یہاں کوئی انتظام نہیں ہے۔ یہ تو سپاہ صحابہؓ والوں نے خود یہاں تیار کیا ہے۔ یہ بات سن کر اور بھی حیرت ہوئی اور شکریہ کا پیغام بھیجا۔

حکومت کے خلاف ملک بھر میں کامیاب ہڑتال

ایک طرف قاضی حسین احمد صاحب دھرنہ کو کامیاب بنانے میں مصروف تھے۔ دوسری طرف حکومت مخالف جماعتوں نے ۲۶ اکتوبر ہفتہ کے دن کی ہڑتال کی اپیل کر دی۔ چنانچہ یہ ہڑتال ملک بھر میں کامیاب رہی۔ گویا کہ اب بے نظیر حکومت کے چل چلاؤ کی ساعتیں قریب آ پہنچی تھیں۔ عوام میں اضطراب اور بے چینی حد سے بڑھ رہی تھی۔ لوگ کاروبار بند کر کے سڑکوں پر آنے کے لئے تیار تھے۔ کیونکہ حکومت نے ملک میں لوٹ سیل لگا رکھی تھی۔ مہنگائی آسمانوں سے باتیں کر رہی تھی۔ ملک افراتفری کا شکار تھا مگر حکمران چین کی بانسری بجا رہے تھے خود وزیراعظم کا بھائی پولیس کے ہاتھوں جان گنوا بیٹھا تھا۔ قومی خزانہ لوٹ کر سوئٹزر لینڈ کے بینکوں میں جمع کرایا جا رہا تھا۔ تمام قومی منصوبوں اور بیرون ممالک سے سودوں میں کمیشن بنائے جا رہے تھے۔ جس کے نتیجہ میں ٹیکسوں کا بوجھ عوام پر پڑنے لگا تھا اور مخلوق خدا بلبلا اٹھی تھی۔ اب حالت یہ تھی کہ جو لیڈر بھی حکومت مخالف آواز لگاتا تو عوام اس پر لبیک کہنے کو تیار ہوتی کوئی ہڑتال کی اپیل کرے عوام ساتھ دیتی تھی۔ کوئی دھرنہ پر بلائے تو عوام ساتھ چلتی تھی۔

قاضی حسین احمد کا دھرنہ اور بے نظیر حکومت کی پریشانی

۱۹۹۴ء کی بات ہے کہ اسلام آباد سے میں اور دیگر کئی ممبران اسمبلی لاہور کی فلائٹ میں سفر کر رہے تھے۔ طیارہ کے اندر قاضی حسین احمد صاحب کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے کا بورڈنگ کارڈ ملا۔ چنانچہ قاضی صاحب اس وقت پشاور سے آ رہے تھے۔ موجودہ سیاسی صورت حال پر گفتگو شروع ہو گئی۔ سینٹ اور قومی اسمبلی کے مسلم لیگی ممبران اس بات پر مایوسی کا اظہار کر رہے تھے کہ چونکہ صدر فاروق لغاری پیپلز پارٹی کا آدمی ہے وہ بے نظیر کو نہیں ہٹائے گا۔ میں نے کہا میرے خیال میں اگر مسلم لیگ والے اور باقی جماعتوں کے قائدین صدر مملکت سے میل جول شروع کریں اور انہیں بے نظیر کی کرپشن سے آگاہ کریں تو اس کا اتنا فائدہ ضرور ہو گا کہ اخبارات میں صدر کی طرف سے ملاقات کے وقت ان الزامات پر اظہار افسوس کی خبر ضرور آ جائے گی۔ بے نظیر ایک متکبر اور جذباتی عورت ہے۔ وہ صدر سے اسی بات پر جھگڑنا شروع کر دے گی کہ تم نے اظہار افسوس کیوں کیا؟ اور اپوزیشن سے ملاقاتیں کیوں کرتے پھرتے ہو؟ یہ آغاز ہو گا اور پھر صدر خود بخود فطرتی طور پر بے نظیر سے متنفر ہوتے چلے جائیں گے۔ قاضی صاحب نے اس رائے کو بہت ہی پسند کیا اور مسلم لیگ والوں سے کہا کہ مولانا طارق کی رائے پر آپ لوگ غور کریں۔ پھر وقت نے ثابت کیا کہ خود قاضی صاحب کا صدر ہاؤس سے رابطہ بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ قاضی صاحب کے کراچی و راولپنڈی کے بڑے بڑے مظاہروں اور جلوسوں کے متعلق بھی یہ کہا گیا کہ وہ صدر کے اشارہ پر سب کچھ کر رہے ہیں۔ تاکہ صدر کو بے نظیر کی حکومت برطرف کرنے کا جواز مل سکے۔ بہرحال اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قاضی صاحب پورے جوش و خروش کے ساتھ دھرنہ کی تیاری کے وقت اس یقین کا اظہار کرتے تھے کہ یہ دھرنہ بے نظیر کے خاتمہ کا باعث ہو گا۔

حکومت نے دھرنے کو ناکام بنانے کے لئے تمام ریاستی جبر کے تمام ہتھکنڈے آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ روڈ بلاک کردیئے گئے۔ ٹرینیں روک دی گئیں۔ ۲۷ اکتوبر کو شام تک صرف اڈیالہ جیل میں ساڑھے آٹھ سو آدمی گرفتار کرکے بھیجے گئے۔

سپاہ صحابہؓ کی طرف سے اس دھرنے کی کھلی حمایت کا اعلان کردیا گیا تھا۔ مولانا نورانی خود اس میں شریک تھے۔ اور اعجاز الحق اور شیخ رشید بھی اس میں شامل ہوئے۔ یہ دھرنہ ایک لحاظ سے تمام حکومت مخالف جماعتوں کی طرف سے تھا۔ تاہم اس کا سارا کریڈٹ صرف اور صرف جماعت اسلامی اور قاضی حسین کو ہی جاتا ہے۔ جنہوں نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ راولپنڈی سے اسلام آباد جاتے ہوئے ان سیاسی رہنماؤں کی قیادت میں نکلنے والے جلوس پر بے پناہ آنسو گیس پھینکی گئی۔ اس سب کے باوجود لیاقت باغ راولپنڈی سے یہ جلوس اسلام آباد کی طرف چلتا رہا۔ اور قاضی صاحب تو اسمبلی کے سامنے پہنچنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔ اس موقعہ پر اعجاز الحق کی حالت غیر ہو گئی۔ تو انہیں ہسپتال لے جایا گیا جہاں سے انہیں گرفتار کرلیا گیا۔

قاضی حسین احمد صاحب گرفتار شدگان سے ملاقات کے لئے ۳۱ اکتوبر کو جیل آئے۔ سب سے ملاقاتیں کیں مگر جیل حکام نے ان کے بار بار اصرار پر بھی انہیں ہم سے ملانے پر معذرت کرلی۔ قاضی صاحب ہمارے نام خط دے کر واپس چلے گئے۔

اعجاز الحق سے اچانک ملاقات اور جیل حکام میں کھلبلی

جماعت اسلامی کے دھرنہ میں شرکت کے جرم میں سابق وزیر اعجاز الحق صاحب بھی گرفتار ہو کر رات گئے اڈیالہ جیل پہنچ گئے۔ ۲۸ اکتوبر صبح ہمیں جب معلوم ہوا کہ اعجاز الحق صاحب آگئے ہیں اور "اے کلاس" میں انہیں الگ رکھا گیا ہے تو مشورہ ہوا کہ ان

سے ملاقات کی جائے تاکہ تازہ ترین حالات بھی معلوم ہوں اور ان کی حوصلہ افزائی ہو، چونکہ ہمارے سیکورٹی وارڈ سے باہر جانے پر پابندی تھی اس لئے صورت یہ پیدا کی کہ ایک ساتھی نے سیکورٹی وارڈ کے گیٹ پر کھڑے سنتری کو اندر بلالیا۔ سنتری کے اندر آنے کی وجہ سے چونکہ گیٹ پر تالا کھلا رہ گیا تھا۔ میں نے فائدہ اٹھایا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ مجھے باہر اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر موجود عملہ دیکھتا رہ گیا، مگر کسی کو کچھ سمجھ نہ آئی کہ مسئلہ کیا ہے۔ میں سیدھا ڈیوڑھی کے سامنے سے گذرتا ہوا "اے کلاس" کے سامنے پہنچا تو وہاں موجود ملازم نے میرے اشارے پر گیٹ کھول دیا۔ جب میں اچانک اعجاز الحق صاحب کے سامنے جا پہنچا تو وہ حیران رہ گئے۔ کیونکہ رات سے وہ اکیلے تھے اور سخت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے کہنے لگے میں نے یہاں ملازموں سے آپ کا معلوم کیا تھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ آپ سخت پابندیوں میں ہیں ملاقات نہیں ہو سکتی۔

میں نے کہا اس میں کوئی شک نہیں کہ پابندیاں بہت ہیں لیکن پابندی توڑنے والے بھی ہوتے ہیں۔ پھر ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال پر بات چیت ہوتی رہی۔ انہوں نے "دھرنہ" کی کامیابی کا ذکر کیا اور بتایا کہ اب صدر فاروق لغاری اور فوج بے نظیر کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ نواز شریف صاحب سے متبادل نام مانگا گیا تھا۔ مگر انہوں نے نام دے کر واپس لے لیا ہے کیونکہ وہ اپنے سوا کسی دوسرے کو آگے نہیں لانا چاہتے۔ جنرل ضیاء الحق کے طیارے کے حادثے کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ اس کا ذمہ دار مرزا اسلم بیگ ہے جو اس حادثہ کے بعد چیف آف آرمی سٹاف بنا، اور اس سانحہ میں اکرم اعوان سے (جو اس جیل میں چودہ سال قید کاٹ رہا ہے) ایسے مواد سے بھری شیشی منگوا کر رکھی گئی، جس سے جہاز کے پائلٹ اور عملے کے اعصاب نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ جبکہ دوسری طرف اکرم اعوان سے بھی ہماری تفصیلی گفتگو ہوتی رہی ہے۔ اس کی طرف سے بھی ایسے مواد کے استعمال کیے جانے کا خدشہ ظاہر کیا گیا لیکن خود کو وہ اس الزام سے بری

قرار دینے میں درجنوں دلائل پیش کرتا رہتا تھا)

ادھر ہماری گفتگو جاری تھی کہ جیل کے ملازمین کا تانتا بندھ گیا۔ وہ التجائیں کر رہے تھے کہ آپ فوری واپس چلیں اگر اوپر پتہ چل گیا تو ساری جیل کا عملہ معطل ہو جائے گا۔ مگر میں کہہ رہا تھا کہ میں بھی ایم این اے ہوں۔ اعجاز الحق صاحب بھی ایم۔ این اے ہیں اب ہم دونوں اکٹھے رہیں گے۔ پھر حضرت فاروقی صاحب کے تحریری پیغامات آنے لگے کہ اب بہت ہو گئی۔ آپ واپس آ جائیں۔ ادھر اعجاز الحق صاحب نے کہا اب آپ چلیں میں آپ کے پاس آؤں گا۔ میں نے کہا اعجاز صاحب! یہ صرف اعظم طارق ہی ہے جو پابندیاں توڑ لیتا ہے آپ نہیں آئیں گے۔ انہوں نے کہا آپ دیکھ لینا۔ میں واپس آ گیا۔ اعجاز الحق صاحب دو روز تک کوشش کرتے رہے مگر کامیاب نہ ہو سکے آخر ۳۰ اکتوبر کو بعد نماز عصر ان کی طرف سے انگور اور سیبوں کے کریٹ کے ساتھ خط ملا کہ میں شرمندہ ہوں آپ کے پاس نہ آ سکا۔ اب میں رہا ہو کر جا رہا ہوں۔ جیل ملاقات کے لئے آؤنگا۔ مگر مشہور ہے کہ "جیل کی دوستی جیل کے گیٹ تک ہوتی ہے۔" لہٰذا اعجاز الحق صاحب نے پھر کبھی منہ تک نہ دکھایا۔

جرم بغاوت میں سزا یافتہ فوجی افسران سے ملاقاتیں

افواج پاکستان کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ ایک نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والی مملکت کی فوج ہیں اور ان کی اپنے پڑوسی ملک ہندوستان سے دو مرتبہ جنگ ہو چکی ہے اور یہ افواج نظریاتی عنوان سے لڑتی ہیں۔ پاک فوج کا ایک ایک سپاہی خود کو اسلام کا سپاہی سمجھتا ہے اور وہ اسلام کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر رہنے کا جذبہ اپنے سینہ میں پنہاں رکھتا ہے۔ ان کے ہر سپاہی کا ایمان ہے کہ اگر وہ اپنے ملک و دین کا دفاع کرتے ہوئے جان سے جاتا ہے تو حیات جاودانی شہادت کی صورت میں اس کا مقدر ہے اور جب تک زندہ

ہے تو وہ اسلام کا غازی ہے۔ اسلام دشمنوں کی اول روز سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ پاک افواج کے سپاہیوں اور افسروں کے دلوں سے جذبہ ایمانی اگر ختم نہیں کر سکتے تو اسے جس قدر ہو سکے کمزور ضرور کر دیں۔ ادھر افواج پاکستان میں پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ تبلیغی جماعت اور بزرگان طریقت کی کوششوں سے بعض جنرل، بریگیڈیئر اور کرنل رینک کے افسران سنت رسول سے اپنے چہرے سجانے پر فخر محسوس کرنے لگے ان کی دیکھا دیکھی یہ سلسلہ سپاہیوں تک پہنچ گیا۔

غیر ملکی طاقتیں اور اسلام دشمن کس طرح اس انقلاب کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ امریکہ اور دیگر طاقتوں نے بے نظیر سے جہاں اسلامی مدارس بند کرانے، علماء کو جیل بھجوانے، مجاہدین کا ناطقہ بند کرانے کے فیصلے کرائے وہاں افواج پاکستان میں تیزی سے اسلامی کلچر اپنانے کے شوق کو ختم کرنے کے لئے سازشیں شروع ہو گئیں۔ انہی سازشوں کا شکار جنرل ظہیر الاسلام، بریگیڈیئر مستنصر باللہ، کرنل عنایت اللہ کرنل منہاس اور ان کے ساتھی ہوئے۔ ان حضرات کو گرفتار کر کے الزام لگایا گیا کہ وہ حکومت کے خلاف فوجی انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ فوجی انقلاب کی جو تفصیلات حکومتی وزیر دفاع نے سینٹ اور قومی اسمبلی میں بیان کیں وہ نہایت مضحکہ خیز تھیں۔ بہر حال کئی ماہ تک ان حضرات کا کورٹ مارشل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انہیں ۳۰ اکتوبر کو فوجی عدالت نے حسب ذیل سزاء سنائی۔ جنرل ظہیر الاسلام ۱۴ سال قید۔ بریگیڈیئر مستنصر باللہ ۱۴ سال، کرنل عنایت اللہ چار سال، کرنل منہاس دو سال، چنانچہ اگلے ہی روز بریگیڈیئر صاحب اڈیالہ جیل آ گئے۔ ان سے تھوڑی سی نشست ہوئی۔ پھر انہیں بہاولپور بھیج دیا گیا۔ ادھر جب ۱۹۹۸ء کے شروع میں مجھے اٹک جیل بھیجا گیا تو کرنل عنایت اللہ صاحب سے دو تین ملاقاتیں ہوئیں اور ایمان تازہ ہو گیا۔ سفید داڑھی خوبصورت چہرا اور ولولہ انگیز خیالات، پوری جیل میں قیدیوں کو عقائد، نماز و مسائل سکھانے کے لئے سرگرم۔ سینہ جب

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار اب وہ اپنی قید پوری کر کے جا چکے ہیں اور میں اسی سیل میں ہوں۔ جہاں انہوں نے کافی وقت گذرا ہے۔ جیل کے حکام عملہ اور قیدی آج بھی ان کی نیکی حسن سیرت اور جذبہ دین کے قدر دان اور معترف ہیں۔ اللہ کرے افواج پاکستان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں تاکہ اس ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحدوں کی بھی حفاظت ہو۔

پنجاب میں وٹو حکومت کی بحالی اور ملک میں نیا بحران

۳ نومبر کی رات B.B.C کی خبروں سے معلوم ہوا کہ لاہور ہائی کورٹ نے وزیر اعلیٰ عارف نکئی کے انتخاب کو غیر صحیح قرار دے کر سابق وزیر اعلیٰ میاں منظور احمد وٹو کی حکومت ایک سال بعد بحال کر دی اور ساتھ ہی یہ شرط عائد کر دی ہے کہ وہ پندرہ دن کے اندر اندر اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کریں۔ گورنر پنجاب نے اعتماد کے ووٹ کے لئے ۱۵ نومبر کا دن متعین کیا ہے اور سپیکر حنیف رامے نے بارہ نومبر کو پنجاب اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا ہے اس فیصلہ سے ملک میں ایک نیا بحران پیدا ہو گیا ہے۔ اگلے روز ۴ نومبر کو ملاقات پر احباب آئے تو پیغام ملا کہ میاں منظور احمد وٹو صاحب جماعت سے تعاون کے خواہاں ہیں۔

ہم نے کہا اس بات کا فیصلہ جماعت کرے گی۔ ہم اس کشمکش کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے بلکہ عدالتوں کے ذریعے باہر جائیں گے۔ ادھر آصف زرداری کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بھی نقد رقوم کی بوریاں لے کر گورنر ہاؤس پنجاب میں جا بیٹھا ہے اور جوڑ توڑ میں مصروف ہے تاکہ وٹو اعتماد کا ووٹ حاصل نہ کر سکے۔ مسلم لیگ نواز شریف گروپ بھی ابھی تک وٹو کا ساتھ دینے کا فیصلہ نہیں کر پایا ہے۔

جیل میں ہمارے قتل کی سازش کا انکشاف

ایک دن ہمارے ساتھ کھاریاں کیس میں شریک لاہور کے مقصود احمد نے انکشاف کیا کہ انہیں ملاقات کے شیڈ میں سیالکوٹ کا اشتہاری مجرم لیاقت ملا جس نے یہ آفر کی ہے کہ ہم تمہیں زہر مہیا کرتے ہیں تم کھانے میں ملا کر قائدین کو اس روز کھلانا جس روز تمہاری تاریخ پیشی ہو تا کہ جب تم تاریخ پر جاؤ تو پیچھے زہر اپنا اثر دکھائے اور تمہیں ہم پولیس سے چھین لیں گے۔ رقم جتنی کہو ہم پہلے ادا کرنے کو تیار ہیں۔ اس اشتہاری مجرم لیاقت سیالکوٹی کے ہمراہ میاں لیاقت وہاڑی والا بھی تھا۔ جو اپنے شہر کا نامی گرامی شیعہ بدمعاش ہے۔ گرفتاری سے قبل مقصود احمد کی ان سے شناسائی تھی۔ بقول مقصود اس نے اس پیش کش کو سختی سے مسترد کر دیا۔ ہمیں جب اس بات کا علم ہوا تو ہم نے اور احتیاط برتنا شروع کر دی۔ ۴ نومبر کو جب ہم ملاقات پر ڈیوڑھی آئے تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ایک خط کے حوالہ سے انکشاف کیا کہ تمہارے باورچی عبدالوحید کو رقم پہنچ چکی ہے یا پہنچنے والی ہے۔ لہٰذا وہ تمہیں زہر دے سکتا ہے۔ ہم نے بتایا کہ ایک سازش کا علم ہمیں ہو گیا ہے۔ اب آپ کے بتانے کے بعد ہم مزید احتیاط کریں گے اور یہ تحقیق بھی کریں گے کہ آیا باورچی اس میں ملوث بھی ہے یا نہیں۔ تحقیق کرنے پر باورچی والی بات ثابت نہ ہوئی۔

ویسے چوہنگ میں نظربندی کے دوران مجھے تفتیشی افسران نے بتایا کہ تمہیں اڈیالہ جیل میں قتل کرنے کے لئے تین مرتبہ تمہاری ملاقات پر محرم علی گیا تھا مگر وہاں اس کا داؤ نہیں لگا۔ لاہور میں اس نے بم چلا کر اپنا کام مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔

بے نظیر حکومت کی رخصتی آصف زرداری گرفتار

۵ نومبر کی صبح فجر کی نماز پڑھ کر حضرت فاروقی صاحب درس قران دینے میں

معروف تھے کہ ہمارے کمرہ میں ہیڈ وارڈر اسماعیل داخل ہوا۔ ہمیں درس میں معروف دیکھ کر باہر چلا گیا پھر اندر آگیا۔ اس کے چہرے سے اندازہ ہوا کہ کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ خیر تو ہے؟ اس نے کہا بے نظیر حکومت ختم ہو گئی ہے۔ ہم نے چونک کر کہا نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ رات ساڑھے دس کی خبریں B.B.C پر ہم نے سنی ہیں۔ ان میں تو کسی ایسی بات کا ذکر نہ تھا۔ اس پر ہیڈ وارڈر نے کہا باہر شور برپا ہے۔ میں نے خود چھ بجے کی خبریں سنی ہیں" اس وقت ساڑھے چھ بجنے والے تھے ہم نے فوراً B.B.C کا ریڈیو اسٹیشن لگایا تو وہاں ہندی میں پروگرام نشر ہو رہا تھا۔ کچھ کچھ باتیں ہندی کی خبروں سے بھی سمجھ آ رہی تھیں۔ ساڑھے چھ بجے اردو سروس میں جب سب سے پہلی خبر بے نظیر کی حکومت ٹوٹنے کی نشر ہوئی تو جوش و خروش سے ساتھیوں نے نعرے بلند کرنا شروع کر دیے۔ ایک دوسرے کو مبارک بادیں دی گئیں۔ پھر صبح سات بجے پاکستان ریڈیو سنا تو معلوم ہوا کہ ابھی ساڑھے نو بجے صبح نگران وزیر اعظم جناب معراج خالد صاحب حلف اٹھا رہے ہیں۔ ادھر دوسرے وارڈ میں جماعت اسلامی کے دھرنے سے گرفتار ہونے والے اسیران نے خوب نعرے بازی شروع کر دی۔

اب اخبارات کا انتظار ہونے لگا تو کافی تاخیر سے ساڑھے دس بجے اخبارات ملے جن میں آصف زرداری اور گورنر پنجاب اور کئی وفاقی وزراء کی گرفتاریوں کی خبریں تھیں۔ آصف زرداری سے کروڑوں روپے نقد ملنے کا انکشاف تھا جو وہ وہاں لے کر گئے تھے تاکہ ووٹ حکومت کو ناکام بنانے کی کوشش کریں ادھر رات گیارہ بجکر ۱۹ منٹ پر صدر مملکت کے خطاب سے قبل تلاوت شروع ہوئی اور گیارہ بج کر تیس منٹ پر صدر کا خطاب شروع ہوا۔ جس میں بے نظیر حکومت کے خاتمہ کے اسباب اور ۳ فروری ۱۹۹۷ء کو ہر حال میں الیکشن کرانے کا ذکر تھا۔ اس وقت صورتحال عجیب تھی ایک طرف صدر کا خطاب ہونے والا تھا اور دوسری طرف جیل کے باہر جماعت اسلامی کے افراد لاؤڈ سپیکر لا کر نعرے

بلند کر رہے تھے۔ ہم جیل میں مجبور تھے لیکن ہمارے سینوں میں جذبات کا ایک طوفان تھا۔ جو مچل رہا تھا۔ رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ اب جبکہ ایک ظالم حکومت کا منحوس سایہ اس ملک سے اٹھ گیا ہے کاش ہم باہر ہوتے اور حقیقی انداز میں خوشی کا اظہار کرتے اس وقت زبان پر یہ شعر مچل رہا تھا۔

وزارتوں کے مقدر پہ ناچنے والو
وزارتوں کے مقدر بدلتے رہتے ہیں
وہ جو کہتے تھے ہم ہی ہیں جان جہاں
ذرا ڈھونڈو تو آج وہ ہیں کہاں

سابق وزیر اعظم جیل کے دروازے پر، سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں کی نعرے بازی

بے نظیر حکومت کے خاتمہ کے بعد آصف زرداری کو اسلام آباد کے قریب ایک ریسٹ ہاؤس میں بند کر دیا گیا۔ نواز کھوکھر، اظہر سہیل اور مس ناہید کو اڈیالہ جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں ۲۴ نومبر کو ڈیوڑھی میں مجھے دیکھ کر مس ناہید نے کہا مولانا کیا آپ یہاں ہیں؟ میں نے کہا جی آپ کی مہربانیوں سے یہاں ہی ہیں۔ لیکن اب آپ آگئی ہیں ہم چلے جائیں گے۔ اس پر وہ بہت شرمندہ ہوئی۔

۲۸ نومبر کو بعد ظہر جب ہم ملاقات کے لئے ڈیوڑھی گئے تو وہاں سینکڑوں کارکن جمع تھے۔ اچانک اس دوران سابق وزیر اعظم بے نظیر اڈیالہ جیل پہنچیں تو اس نے سمجھا شاید یہاں جمع لوگ P.P.P کے ہیں۔ اس نے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے ہاتھ ہلایا تو سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں نے بے نظیر مردہ باد۔ فاروق لغاری زندہ باد کافر کافر شیعہ کافر۔ الوداع الوداع بے نظیر الوداع کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ غیر متوقع صورت حال کو دیکھ کر تیزی سے بے نظیر صاحبہ ڈیوڑھی میں داخل ہو گئیں۔ ادھر کارکنوں نے جیل کے گیٹ پر

نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ جیل انتظامیہ میں ہلچل پڑ گئی ہم نے کارکنوں کو ٹھنڈا کیا اور انہیں جالیوں کے سامنے بلوا کر خطاب کرتے ہوئے کہا آج اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ منظر دکھا دیا ہے کہ ہمیں جیلوں میں دھکیلنے والے حکمران خود جیلوں کے دھکے کھا رہے ہیں۔ جو حکمران کہتے تھے ہم حق کی آواز دبا دیں گے۔ وہ خود آج دب گئے ہیں اور حق کی آواز اب بھی گونج رہی ہے۔ اس پر کارکنوں نے پھر سپاہ صحابہؓ کے روایتی نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ادھر بے نظیر اندر دبکی بیٹھی تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آجائے۔ ہمیں بھی اندیشہ ہوا کہ کوئی جوشیلا کارکن کسی قسم کا قدم نہ اٹھالے۔ اس لئے کارکنوں کو صبر و تحمل کے ساتھ واپس جانے کا کہا اور اپنی موجودگی میں وہاں سے رخصت کیا اور خود جیل کے اندر آگئے۔ تب کہیں جا کر بے نظیر کی جان میں جان آئی اور جیل انتظامیہ کا بخار اترا۔ پھر کافی دیر تک بے نظیر کی اپنے گرفتار شدہ، غمخوار وزیروں مشیروں سے ملاقاتیں جاری رہیں اور شام کے وقت واپسی ہوئی۔ اس منظر کو اب بھی جب یاد کرتا ہوں تو بے ساختہ میری زبان پر یہ بات آتی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ظالم شخص اور حکمران بھی مکافات عمل سے نہیں بچ سکتا ہے۔ جس نے بھی ظلم کا راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ ضرور ایک نہ ایک دن دنیا میں بھی پچھتایا ہے اور آخرت میں تو پھر ظالموں کے لئے ندامت اور پچھتاوا ہے ہی۔

مولانا عبدالغفور جھنگوی کی شہادت کی جھوٹی خبر اور ہماری پریشانی

۲۹ نومبر جمعہ کی صبح ہیڈ وارڈر اسماعیل نے آکر بتایا کہ جنگ اخبار کے پہلے صفحہ پر خبر لگی ہوئی ہے کہ سپاہ صحابہؓ جھنگ کے صدر کو شہید کر دیا گیا ہے۔ نام اسے یاد نہیں تھا۔ اب ہم نے خوب سوچ بچار کی تو یہی سمجھے کہ شاید مولانا عبدالغفور جھنگوی دہشت گردی کا نشانہ بن گئے ہیں کیونکہ جھنگ سٹی باڈی کے صدر حاجی منیر احمد شاہد تو جیل میں تھے اور جھنگ ضلع

کے صدر مولانا عبدالغفور ہیں اور پھر ان کی جھنگ میں ایک حیثیت اور مقام بھی ہے۔ بس اس کے بعد قائد سپاہ صحابہ اور میں نے نہ ناشتہ کیا نہ صبح کا آرام! سخت بے چینی سے اخبار کا انتظار کرنے لگے اور ساتھ ساتھ مولانا عبدالغفور جھنگوی کی صفات اور خوبیوں کا بھی ذکر کرتے رہے اور جمعہ کے دن کی مناسبت سے جھنگ میں موجود صورت حال پر تبصرہ کرتے رہے کہ وہاں اس وقت کیا حال ہو گا۔ قائد سپاہ صحابہؓ بار بار کہتے۔ مولانا عبدالغفور کی تو ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے اور پھر ساری جھنگ کی ذمہ داری و مسجد حق نواز شہید کی خطابت ان کے ذمہ تھی اب کیا ہو گا۔ مسجد حق نواز شہید نامعلوم کتنے صدمے دیکھے گی۔ پہلے ہی قائد جھنگوی، قاسمی اور مختار سیال کی اس محراب و منبر سے گونجنے والی آوازیں قبر میں جا چکی ہیں۔ دس بجے اخبار آیا تو معلوم ہوا کہ چیچہ وطنی میں حید ربٹ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ سرخی اخبار نے جھنگ سپاہ صحابہؓ کے صدر ہی کی لگائی تھی۔ حید ربٹ کی المناک شہادت کا بڑا دکھ ہوا کہ ابھی چند روز قبل ہی بڑی محنت اور کوشش سے جیل سے باہر آنے میں کامیاب ہوا اور اب سفر آخرت پر روانہ ہو گیا۔ گویا کہ موت جیل سے باہر نکال لائی۔

زبیر بٹ کی شہادت کی خبر پر ساری رات جاگتے رہے

۴ دسمبر بدھ کے روز بعد نماز عشاء جب B.B.C کی خبریں سنیں تو فیصل آباد جیل میں ہنگامہ کی خبر نے کان کھڑے کر دیئے جب یہ سنا کہ زبیر بٹ کو شہید کر دیا گیا ہے تو ہر ساتھی پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ہم رنج و غم میں ڈوب گئے۔ یہ بات اور بھی زیادہ تکلیف اور پریشانی کا باعث بنی کہ جیل حکام نے اس قتل کی ذمہ داری سپاہ صحابہؓ پر ڈال دی اور اسے سپاہ صحابہؓ کے دو گروپوں کی لڑائی قرار دیا ہے۔

ہم ساری رات زبیر بٹ شہید کی جرات و شجاعت فیصل آباد میں جماعت کے لئے قربانیوں اور کوششوں کا تذکرہ کرتے رہے۔ حضرت فاروقی صاحب پر بہت زیادہ اثر ہو چکا

تھا۔ ساتھی ان کی طبیعت پر اس اثر کے باعث ان کے پاس بیٹھ کر ان کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرتے رہے قائد محترم کی طبیعت ہی ایسی تھی کہ خود فرماتے تھے۔ "اب مجھ سے کسی کارکن کی جدائی کا غم برداشت نہیں ہوتا" اور ہمیں اس بات پر رہ رہ کر زیادہ پریشانی ہو رہی تھی کہ اگر جیل حکام کی بات صحیح ہے تو یہ بات پوری جماعت کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہوگی۔ کہ کسی اپنے ہی ساتھی کے ہاتھوں زبیر بٹ جیسے مخلص اور قیمتی شخص کا قتل ہو۔ صبح اخبارات دیکھ کر قدرے اطمینان ہوا کہ زبیر بٹ کی شہادت ایک شیعہ کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اس سازش میں فیصل آباد کے شیعہ کا ہاتھ کار فرما ہے۔

قائد شہید کا خود گوشت پکانا

ہمارے ایک ساتھی حافظ ممتاز کی ضمانت ہو گئی اس نے کہا اگر مجھے گوشت پکانا آتا ہوتا تو میں سب ساتھیوں کی دعوت کرتا۔ حضرت قائد فاروقی نے فرمایا تم گوشت منگواؤ میں تمہیں پکا کر کھلاؤنگا۔ ہم نے کہا حضرت چھوڑیں کسی اور سے پکوا لیں گے۔ فرمانے لگے ایسی بات نہیں مجھے تو لکھنے پڑھنے سے فرصت نہیں ہے ورنہ میں گوشت ایسا پکانا جانتا ہوں کہ تم نے کبھی ایسا کھایا نہ ہوگا۔ بس پھر تو ہماری آتش شوق بھڑک اٹھی۔ ہم نے کہا اب تو ضرور آپ کے ہاتھوں کا پکا کھائیں گے۔ چنانچہ پانچ کلو بکرے کا گوشت منگوایا گیا۔ قائد محترم لہسن، پیاز، ٹماٹر، ادرک، دھنیہ وغیرہ کٹوا کر اور گوشت صاف کرا کر خود ہانڈی چولہے پر رکھ کر کرسی پر جلوہ افروز ہو کر پکانے میں مصروف ہو گئے دو گھنٹہ بعد ہانڈی تیار تھی۔ جب دسترخوان پر بیٹھ کر ہم ساتھیوں نے کھایا تو اتنا لذیز گوشت تھا کہ ساری ہانڈی ختم ہو گئی اور ہر ساتھی انگلیاں چاٹ چاٹ کر قائد محترم کو داد دے رہا تھا۔

قائد شہید نے ڈنٹ پیل کر انعام حاصل کر لیا

۲۶ نومبر کو عصر کے بعد ساتھی مختلف انداز میں ایکسر سائز کر رہے تھے۔ میں خود حافظ ذکی اللہ کے ہمراہ پیٹ کی ایکسر سائز کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں قائد محترم بھی آ گئے اور فرمانے لگے۔ جرنیل صاحب کیا ہو رہا ہے؟ میں نے کہا پیٹ کی ایکسر سائز کر رہا ہوں تاکہ بڑھے نہیں فرمانے لگے میں بھی کرتا ہوں چنانچہ انہوں نے بھی ایکسر سائز شروع کر دی۔ پہلا دن تھا خوب تھک گئے اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ جب رک گئے تو میں نے کہا اگر آپ اس حالت میں دس ڈنٹ پیل دیں تو میں آپ کو پانچ کلو گوشت کھلاؤں گا۔

یہ بات سن کر جوش آ گیا فرمانے لگے جرنیل صاحب! تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اتنا سست اور کاہل ہوں لو میں ابھی ڈنٹ لگاتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ وہ اس حالت میں چار سے زیادہ ڈنٹ نہیں پیل سکیں گے مگر انہوں نے دس ڈنٹ پیل دیئے تو سب ساتھیوں نے نعرہ لگایا۔

بابا ساڈا نوجوان　ضیاء الرحمٰن ضیاء الرحمٰن

میں نے کہا! اب میری طرف سے کل آپ کو گوشت مل جائے گا چنانچہ اس مرتبہ بھی گوشت خود آپ نے پکایا۔

الیکشن سے قبل رہائی سے مایوسی!

مجھ پر تقاریر کے علاوہ قتل کے دو مقدمات تھے اور قائد شہید پر قتل کے تین مقدمات تھے۔ اچانک خبر ملی کہ پیرزادہ قتل کیس میں ضمانت ہو گئی ہے۔ تو ساتھیوں نے خوشی سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔ اب مجھ پر صرف کھاریاں کا ایک مقدمہ باقی تھا۔ قائد محترم پر کھاریاں کے علاوہ ضلع بہاولنگر کا ایک قتل کیس بھی تھا۔ قائد محترم نے مجھے کہا۔ اب تم جلد ہی فارغ ہو جاؤ گے! اب باہر جاؤ۔ الیکشن سر پر آ گیا ہے۔ الیکشن اچھی طرح لڑو۔

وہ سارا سارا دن مجھے ہدایات دیتے اور چھوٹے بھائیوں کی طرح سمجھاتے کہ باہر جا کر کیا کرنا ہے۔ اپنی سیکورٹی کا کیا انتظام کرنا ہے۔ وہ بار بار فرماتے تیری رہائی سے میری آدھی رہائی ہو جائے گی۔ ابھی دو چار روز ہی گذرے تھے کہ تھانہ وہاڑی کا انسپکٹر رشید آ گیا۔ اس نے بتایا کہ ۱۲ فروری ۹۴ء کو تھانہ دانیوال کے علاقہ میں ایک شیعہ قتل ہوا تھا۔ اس میں آپ دونوں قائدین کا نام لکھوایا گیا تھا۔ میں وہ مقدمہ لایا ہوں ہم نے لاکھ اسے سمجھایا کہ اس کیس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کیس کا نامزد ملزم ملتان جیل میں "اعجاز تارڑ" موجود ہے آپ اس سے تفتیش کر لیں اگر ہمارا ایماء ثابت ہو جائے تو بے شک ہماری گرفتاری ڈال دیں، لیکن انسپکٹر رشید ہمارے سامنے ہاں ہاں کرتا رہا اور ڈیوڑھی سے باہر چلا گیا۔ ہم خوش ہو کر واپس آ گئے کہ شکر ہے جان چھوٹ گئی مگر چار دن بعد جیل کے وارنٹ نے ہمیں آ کر بتایا کہ آپ دونوں کی گرفتاری اس قتل کیس میں انسپکٹر رشید ڈال گیا ہے لہٰذا آپ لوگ اپنی ضمانتوں کا بندوبست کریں۔ بس اس خبر سے ہم پر ایسے اثر ہوا جیسے کسی نے پہاڑ گرا دیا ہو۔ اب قائد محترم کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ شاید ہم الیکشن تک بھی باہر نہیں جا سکیں گے۔ کیونکہ صرف ڈیڑھ ماہ میں قتل کیس میں ضمانت ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ یہاں تو پہلے ایک قتل کیس میں ایک سال میں ضمانت ہوئی ہے۔ دو تین روز تک طبیعت پر اس بات کا اثر رہا۔

امید کی کرن

دو تین روز سے وہاڑی کے قتل کیس میں گرفتار ڈالے جانے کے باعث طبیعت کافی پریشان تھی اور اب ساری توجہ بارگاہ ایزدی میں دعاؤں اور التجاؤں کی طرف تھی۔

ربہ انی مغلوب فانتصر اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل

کی آیات زبان پر جاری تھیں۔

۲۱ دسمبر کو تیسرے ہی روز کے بعد ملاقات پر مولانا شعیب ندیم صاحب تشریف لے آئے۔ انہوں نے مبارک باد دیتے ہوئے بتایا کہ آپ دونوں کو راولپنڈی کی خصوصی عدالت کے جج لطف علی ملک نے بے گناہ قرار دے کر روبکار جیل بھیج دی ہے۔ اس خوشخبری سے ہمارے غم و پریشانی میں کمی ہو گئی اور ایک مرتبہ پھر امید لگ گئی کہ اب جلد باہر چلے جائیں گے حقیقت یہ ہے اگر وہاڑی کا کیس ہم پر نہ ڈالا جاتا جنوری کے پہلے عشرہ میں باہر آ گئے ہوتے۔ لیکن قدرت کی طرف سے کچھ اور ہی فیصلے ہو چکے تھے۔ بقول شاعر

تدبیر کن بندہ تقدیر زند خندہ

بندہ لمبے پروگرام بناتا ہے تقدیر مسکرا رہی ہوتی ہے کہ اتنی تو تجھے مہلت ہی نہیں ملے گی

الیکشن پالیسی پر غور اور استخارہ۔ مسلم اتحاد کے قیام کا فیصلہ

بے نظیر حکومت کے خاتمہ پر نئے الیکشن ۳ فروری ۹۷ء کو کرانے کا اعلان ہو چکا تھا۔ ملک میں دینی و مذہبی سیاست کرنے والی جماعتیں افتراق و انتشار کا شکار تھیں۔ کچھ حلقوں سے پانچ جماعتی اتحاد کی آواز بلند ہو رہی تھی اور کسی طرف سے ملی یکجہتی کونسل کو سیاسی میدان میں اتارنے کے عزائم کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہمارے لئے یہ بات تکلیف دہ تھی کہ جمیعت علماء اسلام کے دونوں دھڑے اس بات کے لئے کوشاں تھے کہ کوئی ایسا مذہبی اتحاد بن جائے۔ جس میں اور جماعتوں کے ساتھ بے شک شیعہ بھی شریک ہوں۔ یہ بات ہمارے لئے ناقابل برداشت تھی کہ پھر ہم ایسے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ کیونکر لیں گے۔ چنانچہ مرکزی مجلس شوریٰ کے ارکان کے نام ایک خط تحریر کر کے مرکزی دفتر جھنگ بھجوایا کہ احباب سے ملاقاتوں کے ذریعہ یا فون کے ذریعہ آراء لی جائیں کہ ہمیں کسی نئے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ لینا چاہیے۔ آزادانہ طور پر الیکشن لڑنا چاہیے یا

کوئی انتخابی جماعت بنا لینی چاہیے ۔ چنانچہ بہت کم وقت میں بعض ارکان شوریٰ کی تحریری آراء بعض کی فون پر تجاویز لکھ کر ۸ دسمبر کو اڈیالہ جیل میں ہمارے سامنے لائی گئیں اور مجلس شوریٰ کے مندرجہ ذیل ارکان خود بھی جیل پہنچ گئے ۔ خلیفہ عبدالقیوم صاحب شیخ محمد اشفاق صاحب فداء بہادر صاحب مولانا عبدالغفور جھنگوی صاحب علامہ شعیب ندیم صاحب مولانا یحییٰ عباسی صاحب، مولانا فیض الحق عثمانی صاحب، اسلم فاروقی صاحب جبکہ سلیم بٹ صاحب، مولانا محمد الیاس بالاکوٹی صاحب، راؤ اکرم صاحب، مولانا نیاز محمد ناطق صاحب کی تجاویز بھی مل گئیں قریباً سب کا اس بات پر اتفاق تھا کہ الیکشن میں ایک الگ پلیٹ فارم استعمال کیا جائے ۔ شیخ حاکم علی صاحب کی زبانی رائے اور یوسف مجاہد صاحب کا اظہار خیال بھی سامنے آ چکا تھا ۔

اب غور اس بات پر ہونے لگا کہ کس نام سے الیکشن میں حصہ لیا جائے ۔ کئی نام زیر غور تھے ۔ مثلاً نظام خلافت راشدہ گروپ تحریک اہل سنت، الحق گروپ، جھنگوی گروپ وغیرہ ۔ اس موقعہ تمام حضرات کو قائد محترم نے بتایا کہ چونکہ یہ صورت حال ہمارے سامنے تھی ۔ ہم نے اس سلسلہ میں استخارہ کے ذریعہ راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اب مولانا محمد اعظم طارق کو جو استخارہ میں راہنمائی ہوئی ہے وہ سن لیں ۔ میں نے انہیں بتایا کہ گذشتہ شب میں استخارہ کی دعا پڑھ کر سو گیا تو میں نے یہ دیکھا کہ "میں ایک کھیل کے میدان میں داخل ہوتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ آج کوئی قتل ہوگا ۔ ایک ساتھی یہ سن کر کہتا ہے ۔ خدا نہ کرے ۔ میں اسے کہتا ہوں کہ میرا مطلب یہ ہے کہ قتل کا خطرہ ہے ۔ اس اثناء میں منظر تبدیل ہوتا ہے اور دیکھتا ہوں کہ میاں کرم صاحب (یہ ایک ہمارے گاؤں کے بزرگ تھے) پہ نزع کا عالم طاری ہے ۔ میں انہیں کلمہ و استغفار کی تلقین کرتا ہوں اور آخرت کے بارے میں رغبت دلاتا ہوں اور ساتھ ہی انہیں کہتا ہوں کہ تمہیں زندگی کا ایک دن اور مل گیا ہے ۔ انہوں نے میری جیب میں ایک پرچی ڈال دی ۔ خواب

ہی میں اگلا روز ہوا تو وہ بالکل ٹھیک تھے اور میری پیش گوئی کا ذکر کر رہے تھے۔ پھر میں نے جیب سے ان کی پرچی نکال کر پڑھی تو اس پر ایم۔ آئی لکھا ہوا تھا۔ خواب ہی میں مجھے خیال آتا ہے کہ میں نے استخارہ کیا تھا اب اس ایم آئی کا مطلب کیا ہے تو میری زبان پر یہ الفاظ آجاتے ہیں۔ "مسلم اتحاد" اور ان کلمات کو ادا کرتے میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

اس پر میں نے ساتھیوں کو بتایا کہ میں نے صبح چار بجے تہجد سے قبل ہی قائد محترم کو آگاہ کیا تو انہوں نے بھی "مسلم اتحاد" کے نام کو پسند کیا ہے۔ لہٰذا ہماری تجویز ہے کہ ہمیں مسلم اتحاد پاکستان کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ سنتے ہی تمام احباب نے اس نام کو پسند کرتے ہوئے فیصلہ دیا کہ مسلم اتحاد کی تشکیل کی جائے چنانچہ فوری طور پر اس کی ایک باڈی بنائی گئی۔ جس کے سرپرست مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی، مولانا محمد ضیاء القاسمی، مولانا علی شیر حیدری بنائے گئے۔ صدر مجھے بنایا گیا اور جنرل سیکرٹری علامہ شعیب ندیم بنائے گئے۔ باقی عہدے بھی پر کیئے گئے اور مکمل مسودہ علامہ شعیب ندیم کے سپرد کر دیا کہ وہ چیف الیکشن کمیشن کو باقاعدہ یہ جمعیت رجسٹرڈ کرائیں اور انتخابی نشان پھول، کرسی، یا سیڑھی لینے کی کوشش کریں۔ چنانچہ انہوں نے تمام کوائف پورے کرکے انتخابی نشان کی درخواست دی اور مطلوبہ نشانات کی بجائے الیکشن کمیشن نے انتخابی نشان واسکٹ الاٹ کر دیا۔

الیکشن میں حمایت حاصل کرنے کے لئے امیدواروں کی آمد شروع

کاغذات نامزدگی داخل کرانے کا مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔ اب ہر ہر حلقہ سے امیدوار اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرا کر الیکشن مہم کا آغاز کر رہے تھے۔ ادھر سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں کی طرف سے انہیں دو ٹوک جواب ملتا کہ ہم اس وقت تک حمایت نہیں کریں گے جب تک آپ ہمارے قائدین سے جا کر حمایت نامہ لکھوا کر نہیں لاتے یہ ایک بہت ہی

اچھی روایت تھی۔ کیونکہ ہر حلقہ میں قریباً دس پندرہ ہزار ووٹ سپاہ صحابہؓ کا موجود ہے۔ جس کا ثبوت سابقہ الیکشن میں مل چکا تھا۔ اس لئے اب یہ تمام ووٹ کسی ایک ایسے امیدوار کے حق میں استعمال کرنا ضروری تھا جو سپاہ صحابہؓ کی قیادت کو یقین دلائے کہ وہ اسمبلی میں جا کر سپاہ صحابہؓ کے مشن و موقف پر پورا اتر سکے گا۔ چنانچہ پنجاب بھر سے قومی و صوبائی اسمبلی کے امیدواران میں زیادہ تر مسلم لیگی تھے اور کچھ پیپلز پارٹی و آزاد امیدوار بھی تھے۔ راولپنڈی، لاہور جیل میں ملاقات کے لئے چلے آئے کسی نے اپنے بھائی یا نمائندے کو بھیج کر تعاون کی درخواست کی۔ بعض امیدواروں نے میاں شہباز شریف کے خط لا کر دیئے۔ جس میں انہوں نے سپاہ صحابہؓ سے تعاون طلب کیا تھا۔ چنانچہ اس وجہ سے مسلم لیگ کے امیدواروں کے رجوع کرنے اور میاں شہباز شریف کے خط کے باعث سپاہ صحابہؓ کی طرف سے پنجاب میں چند مقامات کے علاوہ عمومی طور پر مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کی پالیسی اپنائی گئی۔

حتیٰ کہ جب قاتلانہ حملے کے بعد میں زخمی حالت میں سروسز ہسپتال لاہور میں تھا تو وہاں بھی بڑے بڑے سیاستدانوں، سابقہ وزراء اور ممبران قومی اسمبلی حمایت حاصل کرنے کے لئے آتے رہے اور خود صدر پاکستان فاروق لغاری اور نگران گورنر خواجہ طارق رحیم بھی بعض امیدواران قومی و صوبائی اسمبلی کی حمایت کرنے کے لئے پیغامات بھیجتے رہے۔ ہم نے ہر موقع پر یہ کوشش کی کہ مقامی جماعت پر فیصلہ مسلط کرنے کی بجائے پہلے ان کی آراء معلوم کی جائیں۔ چنانچہ سرگودھا، بھیرہ، شورکوٹ، لاہور، چیچہ وطنی، کمالیہ، فیصل آباد، دیپالپور، لیہ، مظفر گڑھ، بہاولنگر، رحیم یار خان، گوجرانوالہ راولپنڈی، وغیرہ کے علاقوں میں ساتھیوں کی آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے حمایت کا اعلان کیا گیا۔ کئی مقامات پر مقامی ساتھیوں کے متفقہ طور پر کئے گئے فیصلوں کی تائید کی گئی۔

شیخ حاکم علی کی جیل آمد اور صوبائی اسمبلی کے لئے امیدوار نامزد کرنے پر اصرار

کاغذات نامزدگی کا مرحلہ آ پہنچا تو اٹھارہ ۱۸ دسمبر بدھ کے روز سابق صوبائی وزیر پنجاب و صدر سپاہ صحابہؓ شیخ حاکم علی صاحب اپنے بھائی شیخ محمد عثمان، حاجی گلزار احمد جھنگ سٹی والے اور محمد عثمان اسلام سوپ فیکٹری والوں کے ہمراہ ملاقات پر آ گئے۔ وزارت اور حکومت کے خاتمہ کے بعد یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ انہوں نے ملاقات میں اس بات پر زور دیا کہ اب جھنگ کے حالات مختلف ہیں۔ لہٰذا آپ صوبائی اسمبلی پر حسب سابق الیکشن لڑنے کی بجائے ابھی سے کسی شخص کو امیدوار نامزد کر دیں اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ دو حضرات میرے ساتھ گواہ ہیں کہ یوسف مجاہد صاحب نے کہا ہے کہ اگر قائدین آپ کو نامزد کر دیں۔ تو میری طرف سے حمایت ہو گی۔ انہوں نے کہا آپ یا تو مجھے ٹکٹ دے دیں یا مجاہد صاحب کو دے دیں ورنہ مجاہد صاحب ہر حالت میں الیکشن لڑیں گے۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا کیا آپ کو میری وہ بات یاد ہے جو میں نے اس جیل میں آپ کو اس وقت کہی تھی جب آپ بے نظیر سے ملاقات کر کے آئے تھے کہ "شیخ صاحب آج آپ جماعت کے فیصلے پر عمل کر کے وزارت سے استعفیٰ دے دیں۔ ساری زندگی کے لئے آپ ہمارے ایم پی اے ہوں گے۔ لیکن آپ نے ہماری بات نہ مانی اور جماعت کے فیصلوں سے انحراف کیا۔ اب آپ چاہتے ہیں کہ فوراً آپ کو امیدوار نامزد کر دیا جائے۔ جبکہ ہمیں اس بات سے اختلاف ہے کیونکہ ہمارے خیال میں ابھی سے صوبائی امیدوار کی نامزدگی سے قومی اسمبلی کی سیٹ پر نقصان کا اندیشہ ہے اور پھر جھنگ کے عوام اور جماعتی عہدیداران اور معزز شہریوں سے کوئی رائے لیے بغیر کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

مجھے آج اس واقعہ کے قریباً پونے دو سال بعد افسوس سے یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ جھنگ کے چند افراد میں پیدا ہونے والی اس سوچ نے "کہ انہیں ابھی ٹکٹ دیا جائے ورنہ

ی خراب ہو گا" ہمیں اس نتیجہ تک پہنچایا کہ ہم قومی سیٹ ہار گئے اور صوبائی سیٹ بڑی
ں سے جیتے اگر اس موقعہ پر یہ سوچ لیا جاتا کہ ابھی قیادت جیل میں ہے۔ حسب سابق
سب ملکر دونوں سیٹوں پر اپنے اسیر ساتھی کو الیکشن میں کامیاب کروائیں بعد میں صوبائی
بلی کا فیصلہ کریں گے تو نہ قومی اسمبلی کی سیٹ ضائع ہوتی اور نہ ہی صوبائی سیٹ پر اس قدر
یشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔

راولپنڈی جیل سے لاہور روانگی

چونکہ راولپنڈی کی خصوصی عدالت میں ہم پر قائم کھاریاں کا قتل کیس ختم ہو چکا تھا
ادھر ہائی کورٹ کے آرڈر سے ہمارے تمام مقدمات کا اختیار ایڈیشنل جج میاں خالد کی
عدالت کو مل گیا تھا۔ اس لئے اب ہماری لاہور روانگی کا پروگرام بن گیا۔ 18 دسمبر کو جس
وقت شیخ حاکم علی صاحب ملاقات پر آئے ہوئے تھے۔ ہمیں جیل انتظامیہ نے بتایا کہ آپ
تیاری کرلیں اب سے ایک دو گھنٹہ بعد لاہور روانگی ہوگی۔ چنانچہ ہم نے تیاری کرلی اور
دوسرے وارڈوں سے احباب کو بلوا کر الوداعی ملاقاتیں کیں۔ پھر ڈیوڑھی میں آگئے۔
پولیس کی چار گاڑیاں ہماری منتظر تھیں۔ ان میں 4x4 ٹویوٹا گاڑیوں میں بیٹھ کر لاہور کی
طرف روانہ ہوئے۔ رات قریباً دس بجے کوٹ لکھپت جیل جا پہنچے اور کمرہ نمبرا میں
تمام ساتھیوں نے ہمارا پر جوش استقبال کیا۔ کمرہ نمبرا احباب سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کیونکہ
ملتان سے ہمارے مقدمہ وار حاجی غلام مرتضیٰ، حاجی عبدالمجید، مولانا محمد شفیع عطار، سیف
الرحمن، محمد اختر، حافظ اعجاز حیدر، ڈاکٹر رشید بھی پہنچے ہوئے تھے۔

ایڈیشنل جج کی عدالت میں پہلی پیشی اور کاغذات نامزدگی کا حصول

جمعرات ۱۹ دسمبر صبح کوٹ لکھپت جیل سے D.S.P ملک بشیر احمد D.S.P

تصدق حیات پانچ 4x4 ٹویوٹا گاڑیاں، ایک بڑی قیدی گاڑی اور ایک بکتر بند گاڑی لے کر آ پہنچے اور ہمیں ایڈیشنل جج خادم میاں کی عدالت میں پہنچایا۔ عدالت میں ابھی ہمارے وکیل نہیں پہنچے تھے۔ ہم نے جج صاحب کی آمد پر خود ہی پیش ہو کر انہیں تیرہ ماہ تک جیل کاٹنے اور کسی عدالت میں پیش نہ کیے جانے اور سابق حکمرانوں کی انتقامی کاروائیوں سے آگاہ کیا۔ انہوں نے بڑی ہمدردی سے باتیں سنیں پھر ہم نے تحریری بیانات ان کو دیکر کہا کہ ہماری ضمانت قبول کی جائے کیونکہ ہم نے الیکشن میں حصہ لینا ہے۔ انہوں نے کہا آپ اپنے وکلاء سے ملیں اور قانونی انداز میں درخواست دیں۔ پھر ہم نے ان کی توجہ اپنے دوسرے مقدمہ وار حاجی غلام مرتضیٰ، حاجی عبد المجید، حافظ اعجاز حیدر، مولانا محمد شفیع عطار، محمد اختر، ڈاکٹر رشید کی بیڑیوں کی طرف دلائی تو انہوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو آڈر لکھوایا کہ ان کی بیڑیاں اتار دی جائیں۔ پھر ہم نے انہیں بتایا کہ ہم دونوں قائدین نے الیکشن میں حصہ لینا ہے لیکن ہمیں کاغذات نامزدگی دستیاب نہیں ہو رہے ہیں چونکہ وہ خود بھی ایک حلقہ کے ریٹرننگ آفیسر تھے۔ انہوں نے ہمیں نہ صرف مطلوبہ فارم منگوا دیئے بلکہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو لکھا کہ کل جمعہ کی چھٹی کے باوجود اپنے سرکاری ملازم کے ذریعہ ان کے کاغذات نامزدگی ان حلقوں کے ریٹرننگ آفیسرز تک پہنچائے جائیں جن حلقوں سے یہ حضرات الیکشن میں حصہ لینے کے خواہاں ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد ہمارے وکیل راؤ خلیل احمد قائد محترم کے بھائی طاہر محمود صاحب جو تمام مقدمات کی پیروی کر رہے تھے۔ اور برادرم مولانا محمد عالم طارق، مولانا محمد الیاس بالاکوٹی، مولانا عبدالغفور جھنگوی اور جھنگ اور لاہور کے علاوہ کئی دیگر علاقوں سے کارکن بھی پہنچ گئے۔ اس دوران منیر احمد بھٹی ایڈووکیٹ بھی آ گئے ان سے سیاسی صورت حال اور مقدمات کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ صحافیوں اور فوٹو گرافروں کا ہجوم بھی امڈ آیا تھا۔ ان کے سوالات کے جوابات دے کر جیل واپسی ہوئی۔

عدالت میں دوسری پیشی اور حضرت فاروقی کی ضمانت منظور

۲۳ دسمبر کو عدالت میں دوبارہ پیشی کے لئے حسب سابق زبردست سیکورٹی انتظامات کئے گئے۔ عدالت میں پہنچے تو ابھی وکیل صاحب نہیں آئے تھے۔ جج صاحب نے انتظار کیا پھر منیر احمد بھٹی نے تھانہ میکلوڈ گنج کے قتل کیس پر بحث کی اور حضرت فاروقی صاحب کی ضمانت منظور کرنے کی استدعا کی۔ جس پر جج صاحب نے ضمانت منظور کر لی۔ عدالت میں فیصل معاویہ موبائل فون لائے تھے جس کے ذریعہ جھنگ رابطہ ہوا۔ گھر میں مولانا محمد عالم صاحب کے علاوہ یوسف مجاہد صاحب، سلیم بٹ، چوہدری سلطان سے باتیں ہوئیں اور حضرت فاروقی نے اپنے گھر بات کی۔ کبیر والہ سے ایک وفد آیا ہوا تھا۔ جو حضرت فاروقی کو قومی اسمبلی کا الیکشن لڑنے کے لئے تیار ہونے پر زبردست مصر تھا۔ ادھر ایک دن قبل ہی کبیر والہ کے سابق ایم این اے سردار اقبال ہراج بھی جیل میں ملاقات کر گئے تھے اور اگلے روز پھر آنے کا کہہ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد شیخ حاکم علی صاحب پہنچ گئے اور بتایا کہ وہ حضرت قاسمی صاحب کے ہمراہ نگران وزیر اعلیٰ سے ملاقات کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ گڑھ مہاراجہ سے نذیر سلطان اور طاہر سلطان کی حمایت میں وفود رانا مراد اور چوہدری ریاض کے ہمراہ آئے تھے۔

پنجاب بھر سے وفود کی آمد۔ فاروقی صاحب کے لئے الیکشن میں حصہ لینے کے لئے استخارہ

22 دسمبر کو بھی جھنگ سے شیخ حاکم علی، مولانا اشرف حاجی یوسف شہید، چوہدری ریاض گڑھ مہاراجہ والے ملاقات پر آئے۔ شیخ حاکم علی صاحب جھنگ سے شیخ اشفاق کی تفتیشی رپورٹ لے کر قابل اعتراض باتوں پر نشانات لگا کر لائے تھے۔ اور سردار اقبال

ہراج صاحب اپنے ہمراہ مختار شاہ سابق ایم۔پی۔اے کو لے کر سپرنٹنڈنٹ کے کمرہ میں پہنچے ہوئے تھے۔ ان سے ہم نے کہا کہ کبیروالہ سے قومی سیٹ پر آپ الیکشن لڑیں۔ صوبائی پر ہماری حمایت کریں مگروہ ہماری اس شرط کو تسلیم کرنے سے پہلوتہی کر رہے تھے۔ چنانچہ 24 دسمبر کو پھر ملاقات کرنے کا کہہ کر چلے گئے۔ ادھر 23 دسمبر کو عدالت میں کبیروالا کا وفد دونوں سیٹوں پر فاروقی صاحب کے کاغذات نامزدگی داخل کرا کر آ چکا تھا۔ وفد کا اصرار تھا کہ قومی اسمبلی پر ضرور الیکشن لڑا جائے ہمارا خیال تھا کہ اس طرح فخر امام آسانی سے جیت جائے گا۔ 24 دسمبر کو اخبارات میں جھنگ میں کاغذات نامزدگی داخل کراتے ہوئے شیخ حاکم علی پر آوازے کسے جانے اور فیصل صالح حیات کے جلوس سے تصادم کی خبریں پڑھیں، پھر ملک محمد اقبال، شیخ محمد اشفاق، مولانا عبدالغفور جھنگوی، حاجی گلزار، رانا عمران، راؤ لیاقت، رانا مقصود کے بھائی شیخ آصف اور راشد سے ملاقات ہوئی کچھ دیر بعد سردار اقبال ہراج بھی آ گئے۔ ان سے اولاً قومی اسمبلی ورنہ ہر حال میں صوبائی اسمبلی چھوڑنے پر بات کی۔ راشد نے بتایا کہ صاحبزادہ عبدالرشید عباسی نے مبلغ ایک لاکھ روپیہ اور حکیم صاحب نے بھی کچھ رقم قرض حسنہ دی ہے۔ تب جا کر اسلام آباد فلیٹ کا کرایہ اور ٹیلیفون، بجلی و گیس کے بل ادا ہوئے ہیں۔ جھنگ کے فون کے بقایاجات ادا کر دیئے ہیں۔ اسی روز سیکورٹی وارڈ میں قید بے نظیر کے چہیتے افراد اور ہم پر ظلم ڈھانے والے طارق لودھی کی ضمانت کے باعث سیکورٹی وارڈ خالی ہو گیا تو اس میں فاروقی صاحب شفٹ ہو گئے۔ خیرپور سے طارق ہمدانی وغیرہ نے آ کر حالات سے آگاہ کیا۔

۲۵ دسمبر کو شب برات کے باعث سرکاری چھٹی تھی۔ دن کو بزم ا... رزمیت کے تحت کمرہ نمبر۱ میں تقاریر ہوئیں۔ شب برات کے باعث عشاء کے وقت غسل کر کے لباس بدل کر خوب عبادت کی تیاری کی گئی اور صبح کو روزہ رکھا گیا۔ ادھر قائد محترم کے حکم سے دو روز سے ان کے لئے استخارہ کر رہا تھا کہ وہ الیکشن میں حصہ لیں یا نہ لیں۔ لیکن کچھ بھی

اشارہ نہیں ہو رہا تھا۔ ورنہ اس سے قبل جس مقصد کے لئے استخارہ کیا جاتا تو ضرور اشارہ ہو جاتا تھا۔

(۲۶ دسمبر) جھنگ سے پروفیسر ملا خان، اعجاز شفیع، پرویز لالہ سابق کونسلر، خان عبدالقیوم، چراغ پہلوان اور کافی حضرات آئے جو شیخ اشفاق صاحب کو صوبائی اسمبلی کا ٹکٹ دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں گوجرانوالہ، لاہور، کبیر والا، بہاولنگر، ڈیرہ اسماعیل خان سے بھی بہت سے لوگ آئے۔ جن سے ملاقاتیں ہوئیں، رات کو پھر استخارہ کیا۔

(۲۷ دسمبر) جمعہ چھٹی رہی۔ کوکب جاوید ساتھی کمرہ نمبرا کی ضمانت ہو گئی اور وہ رہا ہو گئے۔ چکر میں جا کر جمعہ کی تقریر پون گھنٹہ کی پھر جمعہ پڑھ کر واپس آ کر بیڈ مٹن کھیلا۔

(۲۸ دسمبر) جھنگ سے شیخ حاکم علی، شیخ محمد اشفاق، شیخ آصف، شیخ انعام اللہ، شیخ عثمان، مولانا الیاس بالاکوٹی، ملک اقبال، اقبال بھٹی، عبداللہ صاحب جھنگ سٹی، مولانا محمد اشرف، حاجی یوسف شہید، مہر شعیب قیصر، حاجی نذیر جھنگ سٹی، اختر معاویہ، حاجی منیر کونسلر، اور ایک صد سے زائد حضرات اپنے اپنے امیدواران صوبائی اسمبلی کی حمایت یا رائے کے اظہار کے لئے آئے تھے۔ فاروقی صاحب کے صاحبزادے ریحان و عثمان بھی آئے تھے۔

الیکشن کے بارے میں ایک اہم فیصلہ

اس موقع پر ایک اصولی فیصلہ کیا گیا ہر وہ شخص جو جماعت کا ٹکٹ لینا چاہتا ہے۔ دس ہزار روپے ادا کرے اور حلف نامہ (کہ وہ جماعت کے ہر فیصلہ کا پابند ہو گا۔) 31 دسمبر تک ملک اقبال صاحب کو جمع کرائے ورنہ اس کے نام پر غور نہ ہو گا۔ ملاقاتوں کے آخر میں صاحبزادہ سعید الرشید عباسی اور ان کے ایک ڈاکٹر دوست سے ملاقات بھی ہوئی۔

(۲۹ دسمبر) حلف نامے کا متن تحریر کر کے صوبائی اسمبلی کے امیدواران کے لئے جھنگ بھجوایا۔ مولانا ضیاء القاسمی صاحب، قائد محترم کے بھائی طاہر اور مولانا عطاء الرحمٰن صاحب شہباز، ابوبکر فاروقی اور بہت سے احباب ملاقات پر آئے۔ حضرت قاسمی صاحب نے بتایا کہ وہ آج چیف سیکرٹری اور ہوم سیکرٹری کو ملنے آئے تھے۔ تاکہ آپ لوگوں پر قائم تقاریر کے مقدمات واپس کرا کر رہائی کی صورت پیدا کی جائے۔ لیکن گذشتہ روز لاہور میں صوبائی محتسب اعلیٰ کے قتل کی واردات کے باعث آج سیکرٹریٹ بند ہے۔ حضرت فاروقی کے صاحبزادگان آج پھر ملاقات پر آئے تو ساتھی انہیں جیل کے اندر کمرہ نمبرا میں لے آئے اور کھانا کھلایا۔

(۳۰ دسمبر) جھنگ سے میاں اکرم چیلا سابق ایم پی اے، یوسف مجاہد صاحب، چوہدری سلطان محمود صاحب، اکرام صدیقی صاحب، اقبال صدیقی صاحب، عبدالرزاق صاحب و عثمان اسلام سوپ والے، افتخار تارو، اویس، عارف، حافظ خالد اور ان کے برادران آئے اس موقع پر کچھ گرم باتیں بھی ہوئیں اس اثناء میں شیخ حاکم علی آ گئے۔ فیصلہ کیا گیا کہ ۵ جنوری کو مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جائے جس میں قائدین کی رہائی کی کوشش اور عدم رہائی پر الیکشن کے بائیکاٹ کا سوچا جائے۔ ادھر بہاد لنگر سے قومی اسمبلی کے مسلم لیگی امیدوار نور محمد غفاری صاحب بھی آئے۔ مولانا وجیہ الرحمٰن بمعہ اہلیہ آئے۔ اسیر ناموس صحابہ محمد اکرم قریشی کی والدہ بھی اکرم کا پیغام لائیں کہ جھنگ کی دونوں سیٹوں پر میں خود الیکشن لڑوں ادھر رانا منیر، رانا افضل اپنے بچوں سمیت ملاقات پر آئے۔

(۳۱ دسمبر) ملاقات پر بہلوان سپاہ صحابہ" کا وفد کبیر والا عبدالحکیم اٹھارہ ہزاری سے حافظ بلال اور ان کے ساتھ عظیم شاعر مہر ریاض سیال صاحب اور دیگر احباب آئے۔ ملاقات کے دوران ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے بتایا کہ اس علاقہ میں ذوالفقار نقوی اور اس کا بیٹا قتل ہو گئے ہیں۔ آپ لوگ ملنے والوں سے سخت احتیاط برتیں۔ گورنر ہاؤس سے یہی پیغام

شیخ حاکم نے دیا۔

(یکم جنوری) خیرپور ٹامے والی سے مولانا عبدالقادر صاحب کی قیادت میں وفد آیا جو فاروقی صاحب کو تسنیم نواز گردیزی کے حق میں دستبردار ہونے کا مشورہ دے رہا تھا۔ اور کئی احباب آئے۔ واپسی پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے سیکورٹی وارڈ چھوڑنے کا مشورہ دیا ان کا کہنا تھا کہ آپ کی جان کو سخت خطرہ ہے۔

مولانا محمد عالم طارق کا جھنگ کے حالات پر تجزیہ

(۲ جنوری) ملاقات پر خیرپور ٹامے والی سے تسنیم نواز گردیزی صاحب، عبدالستار ہمدانی صاحب اور ان کے احباب آئے اور فاروقی صاحب سے اپنے حق میں دستبردار ہونے کی بات کی جبکہ ان سے ایک گھنٹہ قبل خیرپور ٹامے والی کے عبدالقیوم ہمدانی اور طارق ہمدانی فاروقی صاحب کو بہرصورت الیکشن میں حصہ لینے کی تلقین کرتے رہے۔ باہر پولیس نے پکڑ دھکڑ شروع کر دی تھی۔ شیخوپورہ، لاہور، راولپنڈی کے ساتھیوں کو جلد واپس کر دیا گیا۔

مولانا محمد عالم طارق نے جھنگ کے تفصیلی حالات بتاتے ہوئے کہا کہ عوام ایک طرف ہیں اور چند امیدوار ایک طرف ہیں اور آپ کی الیکشن کمیٹی میں مرکزی عہدیداران بالکل دلچسپی نہیں لے رہے۔ جو ایک دو حضرات کام کر رہے ہیں وہ بھی خانہ پری کر رہے ہیں۔ آپ ان لوگوں کو ڈانٹیں مجموعی حالات جماعت کے حق میں ہیں۔

(۳ جنوری) جمعہ کی چھٹی کے باعث ملاقاتیں نہیں ہوئیں۔ میں نے پون گھنٹہ چکر میں جمعہ سے خطاب کیا۔

لاہور عدالت میں تیسری پیشی

(۴ جنوری) کوٹ لکھپت جیل سے عدالت لے جانے کے لئے پولیس نے پہلے

سے زیادہ انتظام کیا تھا۔ بکتر بند سمیت دو D.S.P صاحبان کے ہمراہ دس گاڑیاں لائی گئی تھیں۔ عدالت پہنچے تو وکیل منیر احمد بھٹی، راؤ خلیل احمد اور رشید مرتضیٰ قریشی بھی پہنچ گئے۔ عدالت میں ڈیرہ غازی خان کے تھانہ کا کیس 295 الف اور mpo 16 بھی انسپکٹر لے کر پہنچا ہوا تھا۔ عدالت میں پیشی کے بعد ٹائپسٹ کے کمرہ میں دی نیوز، مساوات، صحافت اور نوائے وقت کے نمائندوں نے گھیر لیا۔ ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ باہر نکلے تو فوٹو گرافروں نے گھیر لیا۔ گاڑیاں ہمیں لے کر واپس چلیں تو پولیس نے عدالت میں آئے ہوئے سینکڑوں کارکنوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا اور بھگدڑ مچ گئی۔ جیل پہنچے تو ملاقات پر خیرپور ٹامے والی سے صوبائی اسمبلی کے امیدوار راؤ طارق اپنے احباب سمیت منتظر تھے۔ ان سے ملے تو سمندری سے پیپلز پارٹی کے صوبائی امیدوار کے والد سے بات چیت ہوئی اور بقیہ ساتھیوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔

(۵ جنوری)　ملاقات پر رشید مرتضیٰ قریشی اور ظفر اقبال ایڈووکیٹ آئے تھے۔ جنہوں نے حضرت قائد محترم سے وکالت نامے پر دستخط لیے تاکہ وہ ہائی کورٹ میں "شیعہ کافر ہیں" کی رٹ دائر کریں۔ پھر منیر احمد بھٹی صاحب کے وکالت نامے پر دستخط کیے تاکہ ہائی کورٹ سے تمام تقاریر کے مقدمات کی یکبارگی ضمانتیں کرائی جا سکیں۔ جھنگ کے ماسٹر سعید، راؤ لیاقت، شیخ آصف صاحب اور دیگر حضرات آئے تھے۔ شیخ حاکم علی صاحب اپنی حمایت میں لٹی بلوچ، ذوالفقار ولد فاضل نول کے علاوہ موضع حبیب اور پتھورانہ برادری کے لوگ لائے ہوئے تھے کہ ٹکٹ شیخ صاحب کو دیا جائے۔ خیرپور ٹامیوالی سے امیدوار صوبائی اسمبلی راؤ طارق اور ماہنامہ تادیب کے نمائندگان بھی پہنچے ہوئے تھے۔ ادھر راشد محمود جھنگ کے تاجران، معززین سپاہ صحابہؓ کے عہدیداران کی سینکڑوں تحریری آراء لے کر آیا تھا۔

طے ہوا کہ کل جھنگ میں ہماری طرف سے الیکشن کے بارے میں تحریری فیصلہ پڑھ

کر سنایا جائے گا۔

راشد کی لائی ہوئی آراء میں نوے فیصد لوگوں کی رائے یہ تھی کہ دونوں سیٹوں پر الیکشن مولانا محمد اعظم طارق لڑیں۔

دونوں سیٹوں پر الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ

(۶ جنوری) 2 جنوری تک تمام ملاقاتیوں، جھنگ سے آنے والے سماجی، سیاسی، مذہبی راہنماؤں، عہدیداران، علماء کرام اور عوام کی آراء سنتے رہے۔ اب راشد بھی تحریری آراء لا چکا تھا۔ چنانچہ قائد سپاہ صحابہؓ نے اپنے ہاتھوں سے فیصلہ لکھا کہ جھنگ کی قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی دونوں سیٹوں پر الیکشن مولانا محمد اعظم طارق لڑیں گے۔ علاوہ ازیں ریٹرننگ آفیسر کو مسلم اتحاد کی طرف سے دونوں سیٹوں پر نامزدگی کا خط لکھ کر راشد کے حوالے کر دیا جسے راشد نے اگلے روز جھنگ پہنچانا تھا۔

(۷ جنوری) معلوم ہوا کہ قائد سپاہ صحابہؓ کی والدہ بیمار ہیں علاج کے لئے لاہور لایا جا رہا ہے۔

ملاقات پر اقبال صدیقی شہید، اکرام صدیقی، چوہدری سلطان محمود، حافظ خالد آئے۔ انہیں جب بتایا گیا کہ آج دس بجے تو مسجد حق نواز شہید میں امیدوار کے فیصلہ کا اعلان ہے تو وہ پریشان ہو گئے۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ دونوں سیٹوں پر مولانا اعظم طارق الیکشن لڑیں گے تو قدرے مطمئن ہوئے اور ۳ فروری کے بعد حق دار کو حق دینے کا وعدہ ہوا۔ اس موقع پر کھل کر کئی باتیں ہوئیں۔ ادھر خیر پور ٹامیوالی سے راؤ طارق اور طارق ہمدانی آئے ہوئے تھے۔ چار ٹکٹ مسلم اتحاد کے انہیں اوپن دے دیئے تاکہ وہاں حضرت فاروقی اور ربانی امیدواروں کے لئے استعمال کریں۔ پیر محل سے اکرم شام آیا تھا۔

(۸ جنوری) بعد الفجر قائد محترم کی والدہ کی صحت یابی کے لئے لئے ایک وظیفہ اجتماعی

طور پر پڑھا گیا۔ B کلاس میں میجر کرم الٰہی کی دعوت اڑائی۔ ملاقات پر حاملپور سے ندیم اقبال اعوان شہید۔ جھنگ سے دادو۔ یونٹ ابلال کے کارکن۔ ماسٹر سعید کے بڑے بھائی قائد محترم کے بھائی طاہر محمود، شفاء الرحمن بخاری اور چنیوٹ سے حافظ خالد اپنے بھائی حافظ ابوبکر صدر سپاہ صحابہؓ چنیوٹ کے لئے حلقہ این، اے / 66 کے لئے مسلم اتحاد کا ٹکٹ لینے آئے تھے۔ ادھر فیصل آباد سے بھائی رانا ریاست علی خاں، رانا منیر احمد بھی آئے تھے۔
رات کو امیر علی کو جیل کے مزاحیہ اخبار "چبھن" کے لئے انٹرویو دیا۔

(۹ جنوری) ملاقات پر دوپہر ہی کو رانا ریاست علی اپنی اہلیہ سمیت آ گئے پھر کچھ دیر بعد شیخ عرفان اہلیہ سمیت گوجرانوالہ سے آ گئے۔ رانا طالب حسین، مانانوالہ۔ رانا طفیل، قصور والے آئے۔

بعد ظہر طاہر محمود اور راشد محمود نے ہائی کورٹ کے آڈر سے آگاہ کیا۔ جس میں ایڈیشنل جج کی طرف سے جیل میں عام ملاقاتوں کی مراعات کو ختم کرنے کی بات تھی اور بتایا کہ کیس ٹرانسفر کی درخواست دس تاریخ تک ملتوی ہو گئی ہے۔ کچھ دیر بعد علامہ شعیب ندیم اور ان کے ساتھی، شاہد لاہور والا اور دیگر شہروں کے احباب پہنچ گئے۔ جن سے سیاسی و جماعتی امور پر باتیں ہوئیں۔ رات گئے تک رمضان المبارک کے چاند کا انتظار کیا لیکن چاند نہ ہوا۔ رات گئے B کلاس کے تمام قیدیوں کو دیگر جیلوں میں بھیج دیا گیا۔

(۱۰ جنوری) جمعہ کے باعث ملاقاتیں نہیں ہوئیں۔ جمعہ کی تقریر ۳۵ منٹ فضائل رمضان پر ہوئی۔ پھر بعد جمعہ پھانسی وارڈ میں ساتھیوں سے ملاقات پر گئے جہاں کھاری خان سے اس کے بھائی بلال خان اور افضال بھٹی وغیرہ کے گذشتہ روز چالان نکلنے پر دکھ کا اظہار کیا۔ پتہ چلا کہ انہیں ساہیوال جیل بھیجا گیا ہے۔ بعد مغرب مجیب الرحمن انقلابی کو سوا پارہ سنایا بعد عشاء تراویح میں سوا پارہ پڑھا۔ مغرب کے بعد ایک ملازم نے خبر دی تھی کہ تین روز قبل زخمی کیے جانے والے سپاہ صحابہؓ کے کارکن یوسف مجاہد کو آج صبح ہسپتال میں

آکر قاتلوں نے گولی مار کر شہید کر دیا۔

(۱۱ جنوری) اخبارات کی خبر سے معلوم ہوا کہ مسلم لیگ نے میرے مقابلہ پر نواب امان اللہ سیال شیعہ کو ٹکٹ دیا اور صوبائی اسمبلی کے لئے نواب ابوالحسن انصاری کو کھڑا کیا ہے۔ ملاقات پر بھیرہ سے پیر کرم شاہ کے صاحبزادے اپنے تین ساتھیوں اور سپاہ صحابہ کے ایک ساتھی کے ہمراہ آئے تاکہ ان کے بھائی امین الحسنات کی حمایت کی جائے۔ ہم نے جماعت کے احباب کو ہمراہ لانے اور شہباز شریف کی سفارش لانے کا کہا۔ ملتان سے مرزا لقمان بیگ آئے۔ کبیر والا کی صورت حال پر تبادلہ خیال ہوا۔ جہاں قومی و صوبائی اسمبلی کے لئے قائد سپاہ صحابہؓ کے کاغذات داخل ہو چکے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ شیعہ لیڈر ایوب صدیقی کے قتل کے الزام میں وہ اور ان کے ساتھی پندرہ روز تک زیر تفتیش رہ کر رہا ہوئے ہیں۔ لاہور اور دیگر شہروں کے کئی کارکن بھی آئے تھے۔

(۱۲ جنوری) ملاقات پر قاری عبدالغفار سلیم، مولانا محمد یونس سمندری والے، مولانا عبدالغفور جھنگوی ہمراہ وفد اٹھارہ ہزاری و غضنفر علی جبوآنہ کے صاحبزادہ، ایک وفد از خیر پور ٹامیوالی، سعید الرشید عباسی، قاضی عبدالقدیر خاموش، طاہر اشرفی آئے ہوئے تھے۔ صاحبزادہ سعید الرشید عباسی نے انٹیلی جنیس بیورو کی رپورٹوں کی بناء پر آگاہ کیا کہ تحریک جعفریہ تمہارے قتل کا منصوبہ بنا چکی ہے۔

طاہر اشرفی صاحب نے گورنر و چیف جسٹس سے ملاقات کا پروگرام بتایا۔ مولانا عبدالغفور جھنگوی نے اٹھارہ ہزاری کے ساتھیوں کی رائے کے مطابق غضنفر علی حیوآنہ کی حمایت کا مشورہ دیا جسے قبول کیا گیا اور جھنگ کے بارے میں بتایا کہ یوسف مجاہد جمعیت کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لینے پر تیار ہیں۔ ہیڈ تریموں کالونی کے الیاس نے بھی حیوآنہ کی حمایت کا مشورہ دیا اور حلقہ نمبر ۶۸ این اے کے حالات اطمینان بخش بتائے۔

ملاقات سے واپسی کے وقت سعید احمد خان المعروف شاہد اور طاہر محمود آئے اور

وکالت ناموں پر انگوٹھے لگوائے۔ رات کو تراویح میں سواپارہ سنایا۔

(۱۲ جنوری) ملاقات پر حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب، شیخ عبد الحفیظ مکی صاحب شیخ محمد اشفاق، برادرم مولانا محمد عالم طارق، مولانا طاہر اشرفی، مولانا طاہر الحسن، ڈرائیور عبداللہ آئے اور بتایا کہ آج چیف جسٹس اعجاز نثار صاحب سے ملاقات کا پروگرام ہے۔

جھنگ سٹی سے عبد الرحمٰن آئے۔ مولانا عالم طارق نے جھنگ کی صورت حال کو اطمینان بخش قرار دیا اور یوسف مجاہد کی طرف سے نرمی کے پہلو سے آگاہ کیا۔ میں نے مولانا عالم طارق کو اپنی تقریر کی کیسٹ دی اور طاہر جھنگوی کی انتخابی نظموں کی کیسٹ بھجوانے کا کہا۔ بعد عصر سواپارہ انقلابی صاحب کو سنایا پھر تراویح میں بھی سنایا۔

(۱۴ جنوری) بعد نماز فجر تھوڑی دیر کے لئے سویا تو اچانک شور کی آواز پر جاگ گیا، معلوم ہوا کہ چور پکڑا گیا ہے۔ ایک نشئی چور پکڑا گیا۔ اسے بلاک نمبر3 کے ساتھی لے گئے۔ اس سے تفتیش کر کے گرم چادریں اور چوری شدہ جوتیاں برآمد کیں۔

ملاقات کے لئے ڈیوڑھی گئے وہاں قائد محترم کے بھائی شفاء الرحمٰن بخاری اور ان کی چھوٹی حافظ بچی اور طاہر محمود کا بچہ آئے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد مولانا عبد الخالق رحمانی کبیر والہ سے اور قاری نذیر احمد عبد الحکیم سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئے۔ مقامی الیکشن کی صورتحال اطمینان بخش بتائی۔ موضع باغ سے رانا امجد آیا۔ بھاولنگر کے کچھ ساتھی ملے جو نور محمد غفاری کی حمایت پر تیار نہ تھے۔ انہیں ۲۰ جنور کو دوبارہ طلب کیا اور غفاری صاحب کو بھی خط لکھا کہ ۲۰ جنوری کو پہنچیں۔

واپسی پر معلوم ہوا کہ شہباز کی ضمانت ہو گئی ہے۔ اس سے مذاق رہا۔ سواپارہ مجیب الرحمٰن انقلابی کو سنایا اور پھر تراویح میں سنایا۔

(۱۵ جنوری) محمد علی نقوی کیس میں محمود اقبال، ڈاکٹر منظور شاکر اور مجیب الرحمٰن انقلابی کی تاریخ پیشی تھی انہیں نیند سے بیدار کیا کہ عدالت پہنچیں۔ ان کے کیس کی سماعت

جیل میں ہو رہی تھی۔

سیکوٹی وارڈ میں جاکر اخبارات پڑھے۔ دوپہر کے وقت بزائے موت کے اسیروں کی ملاقات کے بہانے مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنما مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی اور ان کے بھتیجے مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی جیل کے اندر سیکورٹی وارڈ پہنچ گئے۔ مولانا محمد اسمعیل صاحب سے ان کے بیٹے حسنین معاویہ کی وفات پر تعزیت کی اور مولانا ثناء اللہ ساجد کے مستقبل کے بارے میں باتیں طے ہوئیں پھر نماز ظہر ادا کر کے ملاقاتوں کے لئے ڈیوڑھی آئے۔ جہاں سکھیکی اور گوجرانوالہ سے ساتھی ملاقات پر آئے تھے۔ انقلابی صاحب کو واپسی پر سواپارہ سنایا اور رات کو تراویح میں سنایا۔

(۱۶ جنوری) ملاقات پر محمود اقبال کے بھائی حاصل پور سے آئے تھے۔ سرگودھا کے مولانا عبدالرحمٰن لیکسیاں والے آئے۔ بھیرہ سے جماعت کا وفد امین الحسنات کی حمایت کا طلبگار تھا جو مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔ انہیں مشروط اجازت دی گئی۔ گڑھ مہاراجہ سے ساتھی شیعہ امیدوار کے مقابلہ میں صوبائی سیٹ پر نذیر سلطان کی حمایت کے لئے پوچھ رہے تھے۔ انہیں تعاون کرنے کا حکم دیا گیا۔ جھنگ سے قاری نور محمد فاروقی موضع باغ سے سیل اور لاہور کے کئی ساتھی آئے ہوئے تھے۔ شہباز روبکار میں غلطی کے باعث رہا نہ ہو سکا۔

تحریک جعفریہ کے ناپاک عزائم کی سرکاری اطلاع

ملاقات سے واپسی پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل شیخ اعجاز قادر نے اپنے دفتر میں بلوا کر انٹیلی جینس بیورو یعنی آئی بی کی وہ رپورٹ دکھائی جو آئی جی جیل خانہ جات کو بھیجی گئی تھی۔ اس میں یہ تحریر تھا کہ تحریک جعفریہ نے قائدین سپاہ صحابہؓ کو قتل کرنے کا پلان بنا لیا ہے۔ ہمیں کہا گیا کہ آپ لوگ سخت احتیاط کریں۔ ہمیں جیل میں حملے کا خطرہ ہے۔ جبکہ 12 جنوری کو صاحبزادہ سعید الرشید عباسی بھی یہی اطلاع دے گئے تھے۔

ایرانی حکومت کی دھمکی

16 جنوری صبح اخبارات کا مطالعہ کیا تو روزنامہ جنگ میں تین کالمی خبر پہلے صفحہ پر موجود تھی کہ ایرانی وزیر خارجہ نے پاکستان کے دفتر خارجہ کو دھمکی دی ہے اگر سپاہ صحابہؓ کو "لگام" نہ دی گئی تو ہم اسے عبرتناک انجام سے دوچار کریں گے۔ اس خبر کا جواب تیار کر کے اخبارات کو بھجوایا گیا۔ چکر میں جمعہ کے بڑے اجتماع سے میں نے خطاب کیا۔ بعد عصر سوا پارہ انقلابی کو سنایا رات کو تراویح میں سنایا۔

سوئے مقتل روانگی

قائد سپاہ صحابہؓ کا سفر آخرت اور ہماری آخری یادگار گفتگو

یہ قدم قدم قیامت، یہ سواد کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے، جسے زندگی ہو پیاری
ہے عجب طرح کی بازی یہ بساط عشق عامر
کبھی جیت کر نہ جیتی، کبھی ہار کر نہ ہاری

آٹھویں روزے کی سحری کھا کر نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کیا اور پھر جلد ہی بیدار ہو کر عدالت جانے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے اور کمرہ نمبر ا سے سیکورٹی وارڈ پہنچا۔ جہاں حضرت قائدؒ کا قیام ہوتا تھا (احباب کے مشورے اور سیکورٹی اصول کے مطابق قائد سپاہ صحابہؓ اور راقم الگ الگ مقام پر رات کا قیام کرتے تھے) سیکورٹی وارڈ میں قائد محترم کو بھی تیار پایا۔ اخبارات پر سرسری نظر ڈالی تو ان میں ہمارے بیانات لگے ہوئے نظر آئے۔ جو گذشتہ روز ایرانی وزیر خارجہ کی طرف سے سپاہ صحابہؓ کو دھمکی دیئے جانے کی مذمت میں تھے۔ قریباً دس بجے ہم

دونوں اور محمود اقبال، منظور احمد شاکر، مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی، ڈیوڑھی چلے آئے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کے کمرہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی پولیس گارڈ نہیں آئی کیونکہ ابھی پولیس کی نفری کیمپ جیل لاہور سے شیعہ کے لیڈر غلام رضا نقوی کو لے کر سیشن کورٹ گئی ہوئی تھی۔ ہم نے دفتر میں بیٹھ کر ڈپٹی صاحب سے کچھ قیدیوں کے مسائل حل کرائے اور اپنے ایک ساتھی شہباز کو رہا کرایا۔ جس کی ضمانت دو روز قبل ہو چکی تھی۔ اسی دوران جیل میں پاکستان ٹیلی ویژن کے بعض فنکاروں کی ٹیم آ پہنچی اور "عابد خان" نامی فنکار ڈپٹی صاحب کے کمرہ میں آ گیا۔ وہ ہمیں دیکھ کر پرتپاک انداز میں ملا پھر ہمارے مقدمات اور جماعت کے مشن و موقف کے بارے میں دلچسپی سے سوال کرتا رہا۔

قریباً گیارہ بجے پولیس کی ایک درجن گاڑیاں جیل کے پھاٹک پر پہنچ گئیں۔ ہمیں حسب سابق قیدیوں کی بڑی بس میں بٹھایا گیا۔ اس بس میں دونوں طرف لکڑی کے لمبے لمبے پھٹے بیٹھنے کے لئے لگے ہوتے ہیں۔ جن پر بیٹھنے سے انسان سارا راستہ اچھلتا کودتا اور پھسلتا رہتا ہے۔ ہم نے ڈپٹی صاحب کے کمرے سے دو کرسیاں اٹھوا کر بس میں رکھوائیں اور ان پر بیٹھ گئے۔ آج خلاف معمول پولیس کا کوئی سپاہی ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا۔ ورنہ ہر دفعہ پولیس کے کم از کم دس بارہ جوان ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔ ہم نے بس کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا تو سپاہ صحابہؓ کے اسیروں کی طرف سے لکھے ہوئے دلچسپ و عجیب نعرے اور اشعار نظر آئے۔ جنہیں پڑھ کر ہم خوب محظوظ ہوئے میں نے کہا چلو اچھا ہوا کہ آج ہم دونوں اکیلے ہیں ورنہ تو ہر دفعہ پولیس ملازمین کی وجہ سے میری "کمبختی" آ جاتی ہے۔

قائد محترم نے حیران ہو پوچھا، وہ کیوں؟

میں نے کہا آپ ہر مرتبہ پولیس ملازمین کے معمولی معمولی کاموں کے لئے مجھے سفارشی رقعے لکھنے کا حکم جاری فرماتے ہیں اور میں سارا راستہ اپنے لیٹر پیڈ پر ان ملازمین کے تبادلوں، ترقیوں اور چھٹیوں کے لئے افسران کے نام رقعے لکھتا رہتا ہوں۔ ادھر یہ بس

مجھے بے بس کئے رکھتی ہے۔ سکون سے بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ اور اس حالت میں قلم چلانا اچھا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ میری بات سن کر فرمانے لگے۔ کوئی بات نہیں۔ آپ کی تھوڑی سی قربانی سے ان بیچاروں کا کام ہو جائے تو ... ی عمر دعائیں دیں گے۔ ویسے تو پولیس ملازمین کی نظروں میں مولوی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی لیکن جب ہمارے سفارشی خطوط پر ان کے کام ہو جاتے ہیں پھر وہ سپاہ صحابہؓ کے لئے اپنے دل میں خود بخود نرم گوشہ پیدا کر لیتے ہیں۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ہماری گاڑیاں مزنگ چونگی سے چوبرجی روڈ کی طرف مڑیں، سامنے میانی صاحب کا مشہور و معروف قبرستان نظر آنے لگا، میں نے قبرستان کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ کتنا پرانا اور بڑا قبرستان ہے۔ کیسے کیسے بڑے لوگ۔ بادشاہ۔ وزیر اور اپنے اپنے دور کے علماء، صلحاء، اور بزرگ لوگ یہاں آرام کر رہے ہیں۔ لیکن آج ان لوگوں کا کوئی نام تک نہیں جانتا، مگر ایک شخص اس قبرستان میں ایسا بھی ہے جو نہ عالم ہے نہ بادشاہ، نہ وزیر نہ پیر لیکن شاید اسے قیامت تک لوگ فراموش نہیں کر سکیں گے۔ قا... محترم نے پوچھا وہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا "غازی علم الدین شہید"! قائد محترم نے ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا ہاں "غازی تو پھر غازی تھا۔" غازی علم الدین کا مقام بہت بلند ہے۔ دراصل وہ سچا عاشق رسولؐ تھا اور عاشق کا مقام عابد سے بلند ہوتا ہے۔ میں نے کہا سپاہ صحابہؓ بھی تو عاشقوں کی جماعت ہے۔ ہر لمحہ عشق مصطفیٰؐ اور حب اصحاب رسولؐ سے سرشار ہو کر سرگرم ہے۔ فرمانے لگے، تو پھر خود دیکھ لو کہ سچے عاشقوں کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی وہ مقام عطا کر دیا ہے۔ جو بڑے بڑوں کو نصیب نہیں ہے۔"

اس دوران گاڑیاں چوبرجی چوک پر آکر رک چکی تھیں۔ قائد محترم نے ٹریفک کے ہجوم پر نظر ڈالی اور کہا ہاں... مجھے ایک بات یاد آگئی۔ اب ہم انشاء اللہ جلد رہا ہو جائیں گے۔ اس لئے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ باہر جا کر تم دو گاڑیاں اپنے ہمراہ رکھنا میں نے کہا ایک گاڑی کا خرچہ پورا نہیں ہوتا دوسری کہاں سے لاؤں گا اور پھر آپ خود تو ایک

گاڑی استعمال کریں اور میں دو گاڑیاں۔ بھلا یہ کوئی بات ہے؟ تو فرمانے لگے۔ "ایک تو میری بات تو سمجھتا نہیں ہے۔ اپنی باتیں کرتا جاتا ہے۔" سن میری بات! تجھے شیعہ نے واجب القتل قرار دے کر پوری جماعت کو چیلنج کر رکھا ہے۔ اب اگر تجھے کچھ ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیعہ نے پوری جماعت کو شکست دے دی اور یہ بھی سن لے۔ مجھے اب مزید کوئی صدمہ برداشت نہیں ہو گا۔ اگر تجھے خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو پھر میں بھی زندہ نہیں رہوں گا۔ میں خود تجھے دوسری گاڑی لے کر دوں گا۔ چاہے مجھے چندہ کیوں نہ مانگنا پڑے۔" میں نے ان کی اس شفقت اور اپنے بارے میں فکر مندی کو دیکھ کر کہا حضرت ایسی باتیں نہ کریں "جیسے آپ کہتے ہیں میں ویسے کرلوں گا۔"

اب گاڑیاں سیشن کورٹ کے احاطے میں داخل ہو رہی تھیں۔ تو ہم نے بس کی جالیوں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ جہاں پولیس کی ایک بھاری نفری نے ہماری گاڑی کو نرغے میں لے لیا تھا اور جہاں کارکن پولیس کے محاصرے سے پیچھے گاڑیوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے نعرے لگا رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر قائد محترم فرمانے لگے "یہ کارکن لوگ بھی کیسے دیوانے ہوتے ہیں۔ پچھلی دفعہ تاریخ پیشی پر یہاں پکڑ دھکڑ ہوئی پولیس نے گرفتاریاں کیں لاٹھی چارج کیا، لیکن اس دفعہ پھر پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں جمع ہو گئے ہیں۔ انہیں گرفتاری یا پولیس کے مظالم کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ میں نے کہا دراصل انہیں معلوم ہے کہ اگر پولیس گرفتار کرے گی تو وہ جیل میں ہمارے پاس آجائیں گے۔ ہنس پڑے اور فرمانے لگے "یہ لوگ ویسے ہی مخلص اور پروانے ہیں۔"

گاڑیاں اب عدالت کے قریب رک چکی تھیں۔ پولیس کے جوانوں نے ہماری گاڑی کا محاصرہ کر کے عدالت کے دروازے تک دو رویہ قطار بنالی اور ہمیں باہر آنے کو کہا۔ قائد محترم گاڑی سے باہر نکلے اور کارکنوں کو ہاتھ ہلا کر سلام کیا۔ ان کے فوراً بعد میں باہر نکلا۔ کارکن ہمیں دیکھتے ہی جوش و جذبے کے ساتھ نعرے لگانے اور پھولوں کی پتیاں

ہم پر نچھاور کرنے لگے اور ہم کمرہ عدالت کی طرف چل دیئے۔ ادھر اخبارات کے فوٹوگرافر تیزی سے ہماری تصاویر بنا رہے تھے۔ اس لئے ہم قدرے آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھانے لگے۔ ابھی بمشکل چار پانچ قدم ہی چلے ہوں گے اور میرا دایاں پاؤں عدالت کے برآمدہ میں پڑنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک ہولناک دھماکہ ہوا اور ہم فضا میں اچھلے۔ فوراً میرے ذہن میں آیا کہ "تخریب کاری ہوگئی" اس کے بعد معلوم نہیں کہ ہم کس قدر فضا میں بلند ہو کر اوندھے منہ آگے کی جانب زمین پر جا گرے اور میں گرتے ہی بے سدھ ہو گیا لیکن چند ہی لمحوں کے بعد مجھے ہوش آگیا تو میں اٹھ کر بیٹھا اور ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا اور میرے دائیں بائیں درجنوں لوگ اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ ابھی سب پر سکتہ کی کیفیت طاری تھی۔ مکمل خاموشی اور سکوت مرگ کی کیفیت تھی۔ میرے سامنے حضرت فاروقی بھی اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ مجھے فوراً لیٹ جانا چاہیے تاکہ دشمن مجھے زندہ دیکھ کر فائرنگ نہ کر دے۔ اسی دوران میرا سر چکرانے لگا۔ لیکن اگلے ہی لمحے میں نے کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر دعاء انس پڑھنا شروع کر دی جو کہ میرا کئی سالوں سے خاص وظیفہ ہے۔ اب میری طبیعت میں سکون پیدا ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے وجود پر نظر دوڑائی تو حیران رہ گیا کہ دائیں پاؤں سے بوٹ اور جراب تک غائب تھی۔ پاؤں کی چھوٹی انگلی اور ایڑی کٹ کر لٹک رہی تھی۔ پیٹ سے نچلے حصہ کے کپڑے غائب تھے، ٹانگوں سے تیزی کے ساتھ خون رس رہا تھا اور ہاتھوں سے بھی خون جاری تھا۔ لیکن مجھے تکلیف کا بالکل احساس نہیں تھا۔ میں نے دائیں بائیں نظر دوڑائی تو دور دور تک کوئی ں چلتا پھرتا نظر نہ آیا۔ بس ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ پولیس کمانڈوز کے ہاتھوں میں موجود کلاشنکوفوں کی میگزینوں کے اسپرنگ اور لوہے کے ٹکڑے میرے چاروں طرف بکھرے پڑے تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ بم کے ٹکڑے ہیں۔ دشمن نے ہم پر گرنیڈوں سے حملہ کیا

ہے۔ اس دوران کارکنوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جو "قائدین قائدین" کی آوازیں بلند کرتے ہوئے اس طرف بڑھ رہے تھے۔ سب سے پہلے میرے پاس قاری محمد احمد مجاہد اپنے ایک اور ساتھی کے ہمراہ پہنچے اور میرے سینے پر کان لگا کر دل کی دھڑکن چیک کرنا چاہی، تو میں نے ان سے کہا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ مجھے چادر دیں۔ ان کی گرم چادر بطور تہمد باندھ کر میں ان دونوں ساتھیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ قدم آگے چلا تو میں نے کہا۔ الحمدللہ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ پھر ہم لاشوں کے ٹکڑوں کے پاس سے گذرتے ہوئے آگے بڑھے۔ جہاں پر ایک مجسٹریٹ کی گاڑی کھڑی تھی۔ میں اس کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا اور ایک ساتھی کے کہنے پر منہ پر رومال لپیٹ لیا تاکہ شناخت نہ ہو۔ گاڑی کے ارد گرد کارکن جمع ہو چکے تھے۔ جو ساتھ ساتھ دوڑنے لگے اور روڈ پر پہنچ کر ٹریفک روکتے ہوئے گاڑی کو میو ہسپتال تک لے گئے۔ میو ہسپتال میں ایمرجنسی وارڈ کے سامنے میں خود اتر کر ساتھیوں کے سہارے ہسپتال میں پہنچا۔ ہسپتال کے عملے کو جب میرا تعارف ہوا تو وہ تیزی سے میری طرف بڑھا اور مجھے ایمرجنسی روم میں لے جا کر لٹا دیا اور میرے زخموں کو دھونا شروع کر دیا۔ جنوری کا مہینہ تھا۔ سخت سردی تھی۔ اوپر سے ٹھنڈے پانی کا استعمال (جبکہ میری عادت سخت گرمیوں میں بھی گرم پانی سے غسل کرنے کی ہے) اس پانی کی ٹھنڈک کے باعث میرے دانت بجنے لگ گئے اور سخت تکلیف کا احساس ہونے لگا۔ میں نے ہسپتال کے عملہ سے کہا کہ "مجھے زخموں کی اتنی تکلیف نہیں ہے جتنی اس ٹھنڈے پانی کی ہے مگر ان کا جواب تھا کہ ایمرجنسی کی حالت میں اسے آپ ہماری مجبوری سمجھیں۔ میں نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنی توجہ اور دھیان دوسری طرف موڑ کر ذکر قلبی شروع کر دیا۔ جس سے مجھے سکون مل گیا۔ اسی اثناء میں ایک ڈاکٹر صاحب لپک کر میرے پاس آئے اور مجھے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں ضلع بہاولنگر کے ممتاز عالم دین اور سپاہ صحابہؓ کے صدر مولانا جلیل احمد اخون کا بڑا بھائی ہوں اور میری ذمہ داری

آپریشن سے قبل بے ہوش کرنے کی ہے۔ ابھی آپ کا آپریشن ہو گا تو میں بھی موجود رہوں گا۔ مجھے ان سے مل کر اپنائیت کا احساس اور قلبی اطمینان ہوا۔ پھر مجھے آپریشن تھیٹر لے جایا گیا اور ڈاکٹروں نے آپریشن سے قبل میری قمیض اتاری تو میرے پیٹ پر پہلے آپریشن کا بہت بڑا نشان دیکھ کر چونک اٹھے۔ اور دریافت کیا کہ یہ آپریشن کس وجہ سے ہوا تھا؟ تو میں نے انہیں بتایا کہ مارچ 1990ء میں ایک دشمن صحابہ نے کراچی میں میرے گھر آکر میری بائیں کلائی اور پسلیوں میں دل کا نشانہ لے کر گولیاں ماری ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو سلامت رکھا۔ گولی پسلیوں سے پیٹ کی طرف آگئی۔ یہ اس موقع پر کئے گئے آپریشن کا نشان ہے۔ اس وقت حملہ جسم کے بائیں طرف ہوا تھا۔ اب دائیاں حصہ حملے کی زد میں آیا ہے۔ اتنے میں آپریشن کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ لہٰذا مجھے بے ہوش کر کے آپریشن شروع کر دیا گیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک عالم مدہوشی میں میں اس مرحلے سے گذرتا رہا۔ آپریشن بخیر و خوبی مکمل ہوا تو مجھے بیڈ پر لٹا کر ہسپتال کی نچلی منزل ہی کے ایک وارڈ کے کونہ میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں عارضی حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے۔

قائد کی شہادت کی خبر

تھوڑی دیر بعد میں نے آنکھیں کھولیں۔ کچھ ماحول کا جائزہ لیا اور پھر اپنے وجود کی طرف دیکھا تو سارا جسم پٹیوں میں جکڑا ہوا نظر آیا۔ وہاں پر موجود ڈاکٹروں سے میں نے سوال کیا۔ کہ حضرت فاروقی صاحب کہاں ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ ان کا آپریشن ہو رہا ہے۔ اور انہیں زیادہ زخم نہیں آئے۔ تو مجھے اطمینان ہوا اور میں سوچنے لگا کہ ابھی حضرت فاروقی صاحب میرے پاس آجائیں گے تو ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب لیٹے ہوئے خوب گپ شپ کریں گے۔ میرے ذہن میں بہت سے لطائف اُمڈ رہے تھے۔ جو میں اپنے قائد کو سنا کر ان کا غم غلط کرنا چاہتا تھا۔

تین چار گھنٹے گزر چکے تھے۔ میں اپنے قائد کی راہیں تکتے تکتے تھک چکا تھا اور میرا انتظار شدید اضطراب میں بدل چکا تھا۔ آخر بے قراری انتہاء کو پہنچ گئی تو میں نے تلخ لہجے میں موقع پر موجود پولیس اہلکاروں اور اپنے کارکنوں سے کہا تم لوگ مجھے کیوں نہیں بتاتے ہو کہ میرے قائد کہاں ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ معمولی زخمی ہو کر میرے پاس آنے کی بجائے کہیں اور چلے جائیں؟ لیکن وہ پھر خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، پھر جب میرا اصرار حد سے بڑھ گیا تو ایک پولیس انسپکٹر میرے قریب آیا اور میرا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنا منہ میری پیشانی پر رکھا اور بے اختیار ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گیا۔ اسے روتا دیکھ کر میری روح کانپ گئی۔ اور دل دھک دھک کرنے لگا۔ پھر اس نے روتے ہوئے کہا "مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور ہمارے پچیس جوان شہید ہو چکے ہیں۔ ہم آپ کو اب کہاں سے آپ کا قائد لا کر ملوائیں؟!"

یہ قیامت کی خبر تھی جسے سنتے ہی میں بے خود ہو گیا اور پٹیوں میں جکڑے ہوئے جسم کے ساتھ اٹھ کر بیٹھنے لگا مگر اٹھتے ہی گر پڑا۔ میں نے کہا نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے۔ ابھی تو مجھے ڈاکٹر بتا رہے تھے کہ وہ معمولی زخمی ہوئے ہیں اور یہاں آنے والے ہیں۔۔۔ میں بے خودی کی حالت میں اس خبر کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ پھر میری نظر وہاں کھڑے ہوئے پولیس اہلکاروں اور درجنوں کارکنوں پر پڑی جو میری حالت کو دیکھ کر زار و قطار رو رہے تھے۔ میں نے ان کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو دیکھے تو میرا احساس گہرا ہونے لگا کہ کوئی بات ضرور ہے۔ میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کیا تم سب لوگ بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ میرا قائد شہید ہو گیا ہے اور میرے پاس اب لوٹ کر نہیں آئے گا؟ اس کے جواب میں ان کے پاس کچھ کہنے کو الفاظ نہیں تھے۔ ان کے سر تصدیق کے لئے جھک چکے تھے۔ بس پھر اس وقت ان کے آنسو تھم گئے جب انہیں اپنے سامنے ایک زخمی شخص ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہوا نظر آیا۔

اب میری زبان پر بس انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد جاری تھا اور وقفے وقفے سے ایک آہ دل سے نکلتی تھی۔ جس کے ساتھ یہ الفاظ زبان پر آ جاتے تھے۔ اُنوہ! یہ کیا ہو گیا؟ میرے قائد! میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں تمہاری جدائی کا صدمہ برداشت کروں گا۔۔۔ بس اس کے بعد پھر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی جو کئی کئی منٹ تک جاری رہتی۔

میرے لئے یہ خبر کس قدر دکھ اور پریشانی کا باعث تھی۔ اس کا اندازہ میرے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنے جسم کے تمام زخم بھول گئے، اور دل کے زخم جاگ اٹھے۔ جنہوں نے مجھے تڑپا ڈالا۔ میں تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ دن رات میری حفاظت کے لئے بے چین رہنے والا میرا رفیق و شفیق قائد اس قدر جلد مجھے داغ مفارقت دے جائے گا اور میں ایک عظیم سہارے سے محروم ہو کر مصائب کے لق و دق صحرا میں اکیلا رہ جاؤں گا۔

سات سالہ رفاقت اور نیابت کا ایک ایک لمحہ میرے ذہن میں تازہ ہونے لگا، مصائب و آلام کی ایک ایک گھڑی اور قید و بند کی ایک ایک ساعت کی یاد ناشاد نے میرے جگر کو کچوکے لگانے شروع کر دیئے اور میں کچھ دیر کے لئے دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر فاروقی شہید ؒ کے تحریکی و تنظیمی فہم و تدبر اور ان کی جاذب نظر شخصیت کے تصور میں کھو گیا۔

○

مجھے شہید قائد ؒ کی شہادت کی خبر پولیس افسر سے معلوم ہوئی تھی۔ چند کارکنوں کے علاوہ میرے جماعتی احباب کو بھی اس بات کا علم نہ تھا۔ چنانچہ جب رات کو قریباً آٹھ بجے شہید ؒ قائد کے بھائی حاجی شفاء الرحمٰن بخاری اور طاہر محمود صاحب اور پھر شہید قائد کے اہل خانہ میرے پاس پہنچے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ "فاروقی صاحب خیریت سے ہیں" میں یہ سن کر ضبط نہ کر سکا اور میری آنکھیں جدائی کے غم کے طوفان بلاخیز کے آگے بند نہ باندھ سکیں میں انہیں صبر کی تلقین کرنے کی بجائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس پر حضرت فاروقی شہید ؒ کے برادران نے جس صبر و تحمل کے ساتھ مجھے حوصلہ دیا اور میری بے قراری و اضطرابی کیفیت کو سنبھالا دیا، میں آج بھی جب سوچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔

پھر مجھ سے حضرت فاروقی شہید ؒ کی اہلیہ نے کہا کہ میری آپ سے التجا ہے کہ آپ شہید ؒ کی میت کو سمندری ہی میں جامعہ عمر فاروق کے احاطہ میں دفن کرنے کی اجازت دیں۔

میں نے جواب دیا کہ اول تو مجھے اس بات کا حق نہیں کہ میں آپ پر اپنی مرضی مسلط کروں۔ تاہم میری خواہش یہ ہے کہ آپ شہید ؒ کو جامعہ محمودیہ جھنگ میں امیر عزیمت حضرت مولانا حق نواز جھنگوی ؒ کے پہلو میں دفن کریں۔ تاکہ قیامت کے دن تمام شہداء اپنے قائد بانی سپاہ صحابہ ؓ کے ہمراہ اٹھیں۔ چنانچہ شہید قائد ؒ کے بھائیوں نے میرے

مشورے پر عمل کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اس پر میں آج بھی ان کا احسان مند ہوں۔

اہل خانہ سے رابطہ

قریباً تین گھنٹے بعد مجھے ہسپتال کی نچلی منزل سے اوپر تیسری منزل پر ایک علیحدہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں پر لاہور کے ساتھی اویس بٹ بھی پہنچ گئے۔ جن کے پاس موبائل فون تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے گاؤں کا فون نمبر ملاؤ کیونکہ میرے بچے اور والدہ گاؤں گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے فون کان سے لگایا تو دوسری طرف ایک خاتون نے رسیور اٹھایا۔ جس کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں نے اپنی چھوٹی ہمشیرہ کا نام لے کر کہا کہ اسے بلوا دو۔ اگلے ہی لمحے فون پر میری ہمشیرہ بول رہی تھیں۔ میں نے بتایا کہ "مولانا اعظم طارق بول رہا ہوں۔" لیکن میری ہمشیرہ میری بات سمجھ نہ سکیں اور کہنے لگیں کہ "مولانا اعظم طارق اور فاروقی صاحب شہید ہو گئے ہیں۔ ابھی تک یہی خبر ہے۔"

عجیب صورت حال تھی۔ ادھر شدید زخمی ہونے کے باعث میری آواز نحیف تھی اور کافی بدل چکی تھی۔ ادھر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ کوئی شخص مولانا کا حال معلوم کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ اس طرح کی ٹیلی فون کالوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے تھوڑا سا بلند آواز میں کہا۔ پہلے میری بات سن لیں پھر جواب دینا۔ آگے سے جواب ملا ادھر سب لوگ سخت پریشان ہیں اور عورتوں کے رونے دھونے کی وجہ سے شور بہت ہے آپ مختصر بات کریں۔ میں نے کہا میں تمہارا بھائی اور محمد معاویہ کا ابو لاہور ہسپتال سے مولانا اعظم طارق بول رہا ہوں۔ اب دوسری طرف سے آواز آئی۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ مولانا اعظم طارق تو شہید ہو چکے ہیں۔"

میں نے پھر اپنی اہلیہ کا نام لے کر کہا کہ اسے بلواؤ۔ اب دوسری طرف سے

آوازیں آنے لگیں جو خواتین کو خاموش کرانے کی تھیں۔ اگلے ہی لمحے فون پر میری اہلیہ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے جواب دیا اگر آواز سے پہچان لو تو بہتر ہے ورنہ تم لوگ جسے شہید سمجھ بیٹھے ہو وہی بول رہا ہوں۔ انس کا ابو! اب میری آواز پہچانی جا چکی تھی۔ دوسری طرف سے روتے ہوئے سوال کیا گیا کیا آپ زندہ ہیں؟ میں نے جواب دیا۔ ہاں میں بالکل زندہ ہوں اور زیادہ خطرے والی بات بھی نہیں ہے۔ پھر سوال ہوا کیا فاروقی صاحب بھی زندہ ہیں؟ میں نے رقت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ نہیں وہ شہید ہو چکے ہیں۔

چنانچہ سب خاندان والوں کو بتایا گیا کہ یہ مولانا کا فون ہے اور وہ خیریت سے ہیں لیکن خاندان کی چند خواتین ابھی تک ماننے کو تیار نہ تھیں۔ چنانچہ میں نے انہیں ٹیلی فون پر بلا کر ان کے بچوں کے نام لے کر حال واحوال پوچھے اور اپنی خیریت سے انہیں آگاہ کیا۔

ادھر میری والدہ پر ابھی تک سکتہ کی کیفیت اور بے ہوشی طاری تھی۔ ان سے شدید خواہش کے باوجود بات چیت نہ ہو سکی۔

قائد شہید کا دیدار

اب میں ایک بار پھر عنان خیال حضرت فاروقی شہیدؒ کی سحر انگیز شخصیت کی طرف موڑے، ماضی، حال اور مستقبل کے تانوں بانوں میں الجھا ہوا تھا کہ اچانک دو بجے شب میرے سامنے ایک ایسے شخص کو لایا گیا جو چارپائی پر آنکھیں موندے ہوئے خود تو مسکرا رہا تھا مگر اسے دیکھنے والی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ جو چند گھنٹے قبل میری زندگی کی فکر میں تھا۔ اب وہ اپنی زندگی کی بازی لگا گیا تھا۔ جو مجھے کہہ رہا تھا کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہوں گا۔ وہ مجھے اب اپنے بغیر زندہ رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اپنا سفر حیات مکمل کر کے مجھے تپتے ہوئے صحراء میں تنہاء چھوڑ کر جا رہا تھا۔ ان کربناک اور اذیت ناک لمحات میں ہزاروں کارکنوں کا ہجوم ہسپتال میں میری خیریت دریافت کرنے کے لئے بے چین تھا۔ ہسپتال کی

انتظامیہ بے حد پریشاں تھی۔ خاص خاص احباب عملے ے تعاون سے مجھے ملنے کے لئے آتے رہے۔ میں اپنے طور پر ہر ساتھی کو صبر و تحمل کے ساتھ مشن پر استقامت اور پہلے سے زیادہ محنت کی تلقین کرتا رہا۔

دینی مذہبی اور سیاسی تنظیموں کے راہنما حضرت فاروقی شہیدؒ کی تعزیت اور میری عیادت کے لئے آنے لگے۔ قاضی حسین احمد، پروفیسر طاہر القادری، مولانا محمد اجمل خان، شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک اور دیگر اہم شخصیات ملاقات کے لئے پہنچیں۔

پروفیسر طاہر القادری صاحب سے میں نے پوچھا کہ ہم لوگ جو ناموس صحابہؓ کا تحفظ کر رہے ہیں کیا یہ جہاد نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا "بخدا یہ جہاد اکبر ہے" ان کے اس جملہ پر میں نے کہا "بس پھر آپ گواہ رہیں کہ ہم اس جہاد میں اپنی جانیں لٹا دیں گے مگر پیچھے نہیں ہٹیں گے"!

فاروقی شہیدؒ کی جدائی کا گہرا گھاؤ اس قدر اذیت ناک تھا کہ میں اس سے ہٹ کر کچھ اور سوچنے لگتا تو آنکھوں کے آگے دھند چھا جاتی اور پھر میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگتے، وقت اپنی رفتار کے مطابق سفر کرتا رہا۔ فلک پر چاند، ستاروں کا لشکر اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہا۔۔۔۔ اور رات بیت گئی۔

بقول شاعر

شام غم ایسی بلا خیز نہ دیکھی تھی کبھی
آسماں پر نہ رہا کوئی بھی تارا باقی
اب کہیں جمتی نہیں محفل ارباب چمن
میں ہی میں رہ گیا اس بزم میں تنہا باقی
چیخ کر کہتا ہے ہر ایک نیا ویرانہ

اور کچھ روز ہے دنیا کا یہ نقشہ باقی
میرے لب پر تھے ابھی گیت بہاروں کے مگر
مڑ کے دیکھا تو وہ موسم ہی نہیں تھا باقی
ہو کا عالم ہے جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھو
اب وہ گلشن نہ وہ بستی نہ وہ دریا باقی
ایک لمحے نے اٹھائی وہ قیامت حافظ
آنکھ جھپکی تو مکیں تھے نہ مکاں تھا باقی

○

اگلی صبح شہید قائد کی نماز جنازہ ادا ہونی تھی۔ ساتھی میرے پاس ٹیپ ریکارڈ لے کر پہنچے کہ میں نماز جنازہ کے اجتماع کے لئے اپنا کوئی پیغام ریکارڈ کراؤں۔ چنانچہ میں نے اپنے پیغام میں کارکنوں کو صبر و تحمل اور فہم و فراست کے ساتھ ساتھ پرامن رہنے اور کسی قسم کی بد نظمی اور ہنگامہ آرائی سے پرہیز کا حکم دیا اور اپنے مقدس مشن کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی قربانی کے عزم کا اظہار کیا، ایک خاص بات جو میں نے محسوس کی۔۔۔۔ وہ یہ تھی کہ اگرچہ میرا جسم چھلنی ہو چکا تھا۔ محتاط اندازے کے مطابق میرے وجود پر اسی (۸۰) سے زیادہ زخم تھے۔ کئی مقامات سے بوٹیوں کی بوٹیاں غائب تھیں۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ مجاہدین و شہداء کے پروردگار نے میری رگوں اور ہڈیوں کو محفوظ رکھ کر مجھے مشن کی تکمیل کے لئے زندہ رکھا تھا۔ میں ان حالات میں بھی اپنے قلب و جگر کو ٹٹولتا تھا۔ تو اللہ کے فضل و کرم سے کسی قسم کے خوف کا ایک شمہ بھی اپنے دل میں نہیں پاتا تھا۔ میں نے اپنے خالق کا شکر ادا کیا اور تہیہ کر لیا کہ اپنے وجود کا ایک ایک شمہ، اور رگوں میں رواں دواں لہو کا ایک ایک قطرہ اپنے مشن پر نچھاور کر دوں گا۔ میں زندگی بھر اصحاب رسولؐ کے دشمن سے

لڑوں گا۔ اس قدر لڑوں گا۔۔۔ اس قدر لڑوں گا۔۔۔ کہ دنیائے شیعیت ششدر رہ جائے گی۔ میں اپنے شہید قائدین و رفقاء کی تعلیمات پر عمل پیرا رہوں گا۔ حتیٰ کہ میرے وجود کا ایک ایک ریزہ فضا میں تحلیل ہو جائے، اور میں صدیقؓ و فاروقؓ کے وفادار رضاکار کی حیثیت سے ان کی آغوش الفت میں پہنچ جاؤں۔

والدہ ماجدہ کا انتقال پر ملال

قدرت جب امتحان لینے پر آتی ہے تو پے در پے لیتی ہے۔ انسان ایک صدمے سے نکل بھی نہیں پایا ہوتا کہ دوسرا صدمہ اس کے ماتھے کا جھومر بن جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کے حالات پیش آرہے تھے۔ ان دنوں میری پیاری والدہ کی طبیعت کئی روز سے سخت خراب تھی۔ اور وہ مجھ سے ملنے کی شدید خواہش مند تھیں۔ ان کا بار بار اصرار تھا کہ محمد اعظم سے ملوایا جائے۔ چنانچہ 18۔ جنوری کو عدالت میں ہمارا ایک عزیز یہ پیغام لے کر مجھ سے ملنے والا تھا کہ کیا آپ کی والدہ کو ایمبولینس میں ملاقات کے لئے لے آئیں۔ مگر ناگہانی بم دھماکے نے اس سے ملاقات کی مہلت ہی نہ دی۔ دھماکے کی خبر تو پھر ہر ایک کے لئے صدمے کا باعث تھی۔ والدہ پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ ان کی اس حالت کے پیش نظر کراچی سے میرے اخیافی بھائی (یعنی والدہ کی طرف سے بھائی) مولانا محمد احمد مدنی کو بلوالیا گیا۔ وہ ۱۹۔ جنوری کو گاؤں پہنچے اور والدہ کے پاس جاکر سلام کیا مگر دوسری طرف سے جواب نہ ملا۔ میری ہمشیرہ نے بلند آواز سے کہا.... امی!! بھائی احمد آگئے ہیں۔ والدہ نے آہستہ سے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا اچھا!! محمد اعظم آگیا ہے؟؟ اس سوال پر سب لوگ گھبرا اٹھے کہ اب کیا جواب دیں۔ لیکن انہیں پھر بتایا گیا کہ کراچی سے محمد احمد آیا ہے۔ ان کی طرف سے پیار کے لئے ہاتھ اٹھا اور پھر ایک بات کہی اور وہ آخری بات تھی۔ "اللہ اسے بھی لے آئے گا۔ لیکن شاید میں اسے نہ دیکھ سکوں۔" پھر وہ ایسی خاموش ہوئیں کہ

کلمہ طیبہ کے سوا ان کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکل سکا اور وہ سوا سال سے اپنے اسیر بیٹے کی جدائی اور بم دھماکہ میں زخمی ہونے کا غم لئے اس دنیا سے چل بسیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

والدہ کے انتقال کی خبر ایک ایسے بیٹے کے لئے (جو سوا سال سے جیل میں ہو اور مسلسل پیغامات کے ذریعے جلد رہا ہو کر ملنے کی تسلیاں دیتا چلا آ رہا ہو، پھر خود زخموں سے چور ہو، بم دھماکے کا ہولناک منظر اور اپنے شفیق قائد کی جدائی کا صدمہ بھی چند گھنٹے قبل ہی اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھ چکا ہو) کس قدر اضطراب کا باعث بن سکتی ہے۔ اسے بیان کرنا شاید میرے لئے ممکن نہ ہو، یہ خبر سنتے ہی مجھ پر قیامت ٹوٹ گئی۔ میری پیاری والدہ جو صرف میری ماں ہی نہیں بلکہ میری شفیق استاد بھی تھیں۔ میں نے لکھنا پڑھنا انہی سے سیکھا تھا۔ وہ تو فی الحقیقت میری مصائب و مشکلات کی تپش سے معمور زندگی کی دھوپ میں میرے لئے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھیں۔ پے در پے آلام و شدائد کی باد سموم جب کبھی مجھے جھلسا دیتی، تو میں اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کے لئے بے چین ہو جاتا تھا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، وہ میرے ماتھے پر بوسا دیتیں اور بارگاہ رب ذوالجلال میں میرے لئے دعاؤں کا دامن پھیلا دیتی تھیں۔ ان کی دعائیں میرے حوصلوں اور ولولوں کے لئے حیات تازہ بہار لاتیں، میری رگوں میں بجلی سی دوڑ جاتی اور میں گوشت پوست کا اعظم طارق اپنے وجود میں فولادی قوت محسوس کرتے ہوئے اپنے مشن کی تکمیل کے سفر پر نکل کھڑا ہوتا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ پروردگار! یکے بعد دیگرے اتنے کڑے امتحان۔۔۔!

والدہ کے جنازے میں شرکت پر اصرار اور ڈاکٹروں کی طرف سے رکاوٹ

چوبیس گھنٹوں میں دو بڑے صدمے۔۔۔ ایک طرف باپ جیسا شفیق قائد اور

مہربان بھائی میرے ساتھ قید و بند کا سفر طے کرتے کرتے دنیا سے منہ موڑ چکا تھا۔ اب دوسری طرف ماں جیسی عظیم شخصیت اور پیار و محبت کے حسین پیکر کی آنکھیں سوا سال سے میری راہیں تکتے تکتے بند ہو چکی تھیں۔ میں اگر زندہ بھی رہ گیا تھا تو اب اس شخص کی مانند تھا جس کے سر سے شجر سایہ دار کو ہٹا دیا گیا ہو اور جس کے ہاتھ سے دوست غم خوار کو چھین لیا گیا ہو اور وہ مصائب و آلام کے تپتے صحرا میں ننگے پاؤں سفر کر رہا ہو۔ ٹھیک دو ماہ قبل میں ایسا ہی خواب دیکھ چکا تھا۔ جو میں نے اپنے قائد کو بھی سنایا تھا کہ میں ایسے درختوں کے جنگل کو پھلانگتا چلا جا رہا ہوں جن درختوں پر پتے بالکل نہیں کانٹے ہی کانٹے ہیں اور جب آگے بڑھتا ہوں تو ایسے صحرا میں چلنا شروع کر دیتا ہوں جو اتنا گرم ہے کہ میں ایک پاؤں رکھتا ہوں، تو فوراً اسے اٹھالیتا ہوں دوسرا رکھتا ہوں تو اسے جلدی سے اٹھالیتا ہوں۔ میرے پاؤں ننگے ہیں مگر تیزی سے آگے ہی آگے بڑھ رہا ہوں، کیونکہ میرے ذہن میں یہ بات ہے کہ اس صحراء سے آگے مولانا حق نواز جھنگوی موجود ہیں۔۔۔ اس کے بعد میں ایک مسجد میں چلا جاتا ہوں جہاں میری ملاقات مولانا جھنگوی سے ہو جاتی ہے۔ مسجد کی طرف آتے ہوئے میں دیکھتا ہوں کہ کسی بزرگ شخصیت کو آخری غسل دیا جا رہا ہے اور کفن پہنایا جا رہا ہے اور غسل دینے والے ایسے لوگ ہیں جیسے فرشتے ہوں۔ لیکن میں اس بزرگ شخصیت کا جنازہ نہیں پڑھ سکا ہوں۔" اس خواب کی تعبیر اس وقت تو نہ سمجھ آتا تھی نہ آئی۔ لیکن اب اس خواب کی تعبیر رفتہ رفتہ کھلتی چلی جا رہی تھی۔

اب ایک ایک منظر میرے سامنے تھا اور میں ان راہوں سے گذر رہا تھا یہ سفر میرے گمان میں ابھی تک جاری ہے اور میں منتظر ہوں کہ اس کا اختتام مولانا جھنگوی کی مسجد میں ان سے ملاقات پر کیسے ہوتا ہے:

والدہ کے انتقال کی اس روح فرسا خبر کے بعد میں نے تہیہ کر لیا کہ اب میں نہ صرف یہ کہ والدہ کے جنازہ میں شریک ہوں گا بلکہ اپنے قائد کو بھی اپنی آنکھوں سے اسی طرح قبر

میں سوتا دیکھوں گا جس طرح قائد جھنگوی کو دیکھا تھا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا وہ گاڑی کا بندوبست کریں۔ ادھر حکام نے مجھے بتایا کہ آپ تو گرفتار ہیں۔ لہٰذا پہلے قانونی کارروائی مکمل کریں۔ ادھر ڈاکٹر حضرات کا بورڈ پہنچ گیا کہ آپ اس حالت میں سفر کے قابل نہیں ہیں۔ میں نے سب کے جواب میں ایک ہی بات کہی کہ مجھے ہر حال میں سفر کرنا ہے۔ میرا اصرار جب حد سے بڑھا تو ڈاکٹروں نے کہا آپ لکھ دیں کہ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو ہم ذمہ دار نہ ہوں گے۔ میں نے فوراً یہ تحریر لکھ دی اور حکومت نے تین دن کے لئے پیرول پر رہا کرنے کے آرڈر کر دیئے اور یوں میں زخموں سے چور ایک ایمبولینس کے فرش پر فوم کے گدے پر لیٹ کر رات ساڑھے بارہ بجے جھنگ پہنچا، لیکن میرے وہاں پہنچنے سے صرف ایک گھنٹہ قبل قائد محترم قبر کے مہمان بن چکے تھے۔

جھنگ میں خطاب

یہ رات میں نے جھنگ میں گذاری۔ اہل جھنگ کے جذبات اور حزن و ملال کے عجیب مناظر دیکھنے میں آئے۔ لوگ فاروقی شہید" کی جدائی کے غم میں دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور میرے زخموں اور صحت کی کیفیت کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ چنانچہ گاڑی سے نکال کر میری چارپائی جامع مسجد حق نواز شہید" کے صحن میں لائی گئی۔ جہاں میں نے لیٹے لیٹے تقریباً پون گھنٹہ عوام سے خطاب کیا۔ انہیں تسلی دی، حوصلے برقرار رکھنے اور دشمن کی تمامتر سازشیں ناکام بنانے کے ساتھ ساتھ اپنی انتخابی مہم کامیابی سے چلا کر پایہ تکمیل تک پہنچانے کی اپیل کی۔

خطاب کے بعد میں اپنے گاؤں روانہ ہو گیا۔ جہاں ہزاروں لوگ میری والدہ کے جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ میری چارپائی والدہ کی نعش کے پاس رکھ دی گئی۔ میں کس قدر مجبور تھا کہ اٹھ کر اپنی والدہ سے پیار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کا خاموش

نورانی چہرہ میرے سامنے تھا اور میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ چکے تھے میں ایک معصوم بچے کی طرح امی امی پکارتے ہوئے رو رہا تھا آج وہ پہلا دن تھا کہ امی امی کہہ کر روتے ہوئے بیٹے کو جواب دینے والی زبان تقدیر کے فیصلوں پر خاموش تھی اور زبان حال سے کہہ رہی تھی۔ بیٹا! میں تمہیں پکارتے پکارتے تھک گئی، میری آنکھیں تمہاری راہ تکتی تکتی پتھرا گئی ہیں۔ میرے پیارے اعظم! میں تمہاری جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکی اور زندگی کی جنگ ہار کر اپنی حقیقی منزل کی طرف جا رہی ہوں۔"

میں اپنی پیاری امی کو کتنی دیر تک اپنی چارپائی سے پنیوں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا اور ایک مرتبہ پھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں بہہ نکلا۔ اس منظر سے وہاں موجود تمام اعزہ و اقربا بھی زار و قطار رونے لگ گئے۔ پھر چارپائی پر لیٹے لیٹے تیمم کر کے میں والدہ کے جنازے میں شریک ہوا اور انہیں سفر آخرت پر الوداع کہہ کر قبرستان سے واپس لوٹا۔

پیغام ---- پیاری امی کی روح کے نام

آج اس حادثے سے پونے دو سال بعد جب میں اٹک جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں اپنے نظریے اور مشن سے عشق کے جرم میں قید تنہائی کی سزا بھگت رہا ہوں۔ دشمن اور حکمران مجھے جھکانے کے لئے جبر و استبداد کے تمام حربے آزما کر ہار بیٹھے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا یہ عزم و استقلال میری مرحومہ ولیہ ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اور اس حقیقت کو یاد کر کے میں بے اختیار پکار اٹھتا ہوں! میری پیاری امی جان! اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بہشت میں اور بلند فرمائے اور جنت الفردوس کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے آپ کو مالا مال فرمائے۔ (آمین)

آج آپ کی جدائی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ بیت گیا ہے مگر میرے دل کی دھڑکنوں سے

آپ ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہیں ہوئی ہیں۔ میں ہر لمحہ آپ کو یاد کرتا ہوں اور یاد کیسے نہ کروں! آج میں جس مقام پر پہنچا ہوا ہوں۔ یہ سب آپ ہی کی محبت، تربیت اور دعاؤں کا نتیجہ ہی تو ہے۔ پیاری امی جان! مجھے اس بات کا شدید دکھ ہے اور میں اس خیال سے تڑپ تڑپ کر رہ جاتا ہوں کہ آپ اپنی زندگی کے آخری چودہ مہینوں میں مجھے قید سے باہر دیکھنے کی حسرت لئے اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ آپ گھر میں بیٹھ کر میرے لئے دعائیں کرتی رہیں اور جیل میں ملاقات کرنے کے لئے کمزوری اور بیماری کے سبب نہ پہنچ سکیں۔ پھر جب مجھے بتایا گیا کہ آپ آخری لمحوں پر بھی مجھ سے ملنے کی آرزو کا اظہار کرتے ہوئے ہر بار ہر سے آنے والی آہٹ سن کر میرے آنے کا گمان کرتی رہیں تو میں سخت اضطراب کا شکار ہو جاتا ہوں اور اب بھی آپ کی وہی بات "کیا محمد اعظم آگیا ہے؟" میرے دل پر چرکے لگاتی ہے۔ کاش میں اس وقت آپ کے پاس آگیا ہوتا اور آپ کی آنکھیں مجھے دیکھ کر ٹھنڈی ہو گئی ہوتیں۔

لیکن پیاری امی جان! میں تو ایک ڈیوٹی پر تھا اور اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف تھا اور آپ نے مجھے بچپن ہی سے اس ڈیوٹی کے لئے تیار کیا تھا۔ آپ ہی نے تو مجھے یہ بات سمجھائی تھی کہ "بیٹا اسلام کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں پر جب پہرہ دینے کا وقت آئے تو پھر پیچھے نہ ہٹنا۔ آپ ہی نے مجھے حق کہہ کر پھر جھکنے کی بجائے کٹنے کی نصیحت کی تھی۔ آپ ہی نے تو مجھے جابروں اور ستم گروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہنے کا گر سکھایا تھا۔ ہاں ہاں آپ کو یاد ہو گا کہ آپ ہی نے تو مجھے بار بار اپنی گود میں بٹھا کر کہا تھا "بیٹا تم عالم دین بن کر دنیا کو حق کی بات سنانا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا۔ تو پھر امی جان میں نے آپ کی بات پر عمل کر کے جب کلمہ حق بلند کرنے کے "جرم" کا ارتکاب کیا تو اسلام دشمنوں نے مجھ پر قاتلانہ حملے شروع کر دیئے اور ظالم حکمرانوں نے مجھے قید و بند کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ حکمران مجھے چھوڑنے کو تیار تھے۔ دشمن مجھے معاف کر کے گلے لگانے

پر آمادہ تھے لیکن میں نے ایسی رہائی قبول نہ کی جو ایمان اور ضمیر کو بیچ کر ملتی تھی کیونکہ۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھے خدا بھی معاف نہیں کرے گا اور آپ بھی معاف نہیں کریں گی۔

میں اللہ کی رضاء اور آپ کی خوشی کے لئے ڈٹا رہا۔ مصائب و آلام کی وادیوں میں سرگرداں رہا۔ آزمائش و حوادث کے سمندر کی تلاطم خیز موجوں سے الجھتا رہا۔ بالآخر میں بم دھماکے کا نشانہ بن کر ہسپتال جا پہنچا۔ ہسپتال میں مجھے زخمی حالت میں یہ سوچ کر سکون ملتا رہا کہ اب آپ خود تشریف لا کر میرے سر پر دست شفقت رکھیں گی اور اپنے مسیحا ہاتھوں کو میرے زخموں پر پیار سے پھیریں گی تو میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔ لیکن پیاری امی جان آپ نے یہ کیا کر دیا؟؟ آپ میرے پاس آنے کی بجائے سفر آخرت پر تیار ہو گئیں۔ میں آپ کا راستہ تک رہا تھا آپ نے مجھے ہی اپنے جنازے میں بلا لیا۔

مجھے یقین ہے کہ جب آپ کو حوران بہشت کی طرف سے یاایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیتہ مرضیتہ "کا پیغام ملا ہو گا۔ تو آپ نے روز محشر ملنے کا عہد کر کے بارگاہ ایزدی میں فوراً حاضری کا فیصلہ کر لیا ہو گا۔ میری یہ بات محض گمان نہیں بلکہ یقینی ہے کیونکہ مجھے اس حقیقت سے قرآن نے آگاہ کیا ہے۔ آپ بلاشبہ ایک روح مطمئنہ کی مالکہ تھیں۔ اگر آپ کی روح "روح مطمئنہ" نہ ہوتی تو آپ کبھی بھی صبر و استقامت کے ساتھ اپنے بیٹوں کو قربانیوں کی راہ پر چلا کر دعاگو نہ ہوتیں۔ آپ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو علم دین سے آراستہ کر کے میدان جہاد میں نہ بھیجتیں۔ ماں۔۔۔ پیاری ماں! آپ وہ خوش قسمت ماں ہیں جس کے تین بیٹے حافظ، قاری، عالم ہیں اور ان جہاد کے شہسوار و غازی ہیں۔

پیاری امی جان آپ کی وفات کے بعد میں چند ماہ کے لئے رہا ہو کر گھر آگیا تھا لیکن شاید ابھی میرا مشن مکمل نہیں ہوا تھا۔ میری قربانیوں کے سفر کی کئی منزلیں باقی تھیں۔ بس پھر

دوبارہ میں اپنے مشن کی تکمیل کے لئے تار چر سیلوں، ی خانوں اور کال کوٹھڑیوں سے گذرنے والی تنگ و تاریک اور پر خطر راہوں پر گامزن ہو گیا ہوں۔ آج مجھے اٹھارہ ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔ میں وقت کے فرعونوں اور کردار کے چنگیزوں کے انتقام کی آگ میں کردار ابراہیمی پر عمل پیرا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اسی طرح حق پر ڈٹا رہا تو بقول اقبال

آج بھی ہو اگر ابراہیمؑ سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے، انداز گلستاں پیدا

مجھے امید ہے کہ آپ کی روح مجھ سے ضرور خوش ہو گی اور آپ کا سر فخر سے بلند ہو رہا ہو گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ذات قدیر میرے یہ الفاظ آپ تک پہنچا دے اور آپ کی خوشیوں میں اور اضافہ ہو جائے۔ تاکہ آپ حوران بہشت کو فخر سے بتائیں کہ میں نے جن بچوں کی پرورش کی تھی آج وہ خدمت اسلام میں کس طرح مصروف ہیں۔

پیاری امی جان آپ اکثر میرے خوابوں میں تشریف لاتی ہیں تو آنکھ کھلنے کے بعد میں دیر تک آپ کی باتوں پر غور کرتا رہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے بہت ساری باتیں کیا کریں میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے میرے ان الفاظ کا جواب بھی خواب میں دیں۔

اچھا اللہ حافظ اب روز محشر ملیں گے۔

فقط والسلام!
آپ کا بیٹا
محمد اعظم طارق
۳۰-۹-۹۸ بعد ظہر

جرنیل اسلام مردِ آہن، غازیٔ اسلام

حضرت مولانا محمد اعظم طارق

کی علمی تقریروں کا خوب صورت مجموعہ

خطباتِ جرنیل

علماء و مقررین' خطباءِ عظام' طلباء کرام' وکلاءِ اسلام'
دینی حلقوں مشن ناموسِ صحابہؓ سے دلچسپی رکھنے والے
عوام خواص کیلئے نعمت غیر مترقبہ ________ پہلی
جلد منصۂ شہود پر آچکی ہے۔

جامع مسجد حق نواز شہید جھنگ صدر

جرنیل اسلام حجۃ اللہ فی الارض، غازی اسلام
حضرت مولانا محمد اعظم طارقؒ
کے قلم سے
قید و بند کے دوران مختلف اخبارات و جرائد میں
شائع ہونے والے ایمان افروز مضامین و مقالات کا مجموعہ
پیغامات جیل
جن کے مطالعہ سے قلوب و اذہان میں خوابیدہ ولولے بیدار
ہوتے ——— اور روحیں سرشار ہوتی ہیں۔
نہایت اہتمام سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں
آج ہی مطالعہ کیجئے ——— اور ناموس صحابہ کے تحفظ کے لیے آگے بڑھئے
ملنے کا پتہ
جامع مسجد حق نواز شہیدؒ جھنگ صدر

رافضی مصنّفین کی طرف سے
خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

پر عائد کردہ الزامات اور اعتراضات کے

مدلل جوابات

مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی کے قلم سے

فاروقی شہید اکیڈمی راوی محلہ سمندری
ضلع فیصل آباد فون: 420896

شہید ملت اسلامیہ جانشین امیر عزیمت
مورخِ اسلام
علامہ ضیاء الرحمان فاروقی شہیدؒ
کی سیرت النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر کی گئی ایمان
پرور، روح افزاء منتخب تقاریر کا مجموعہ
خطباتِ سیرت
جلد اوّل
مرتبہ: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی
اغلاط سے مبرا کمپیوٹرائزڈ کتابت، عمدہ کاغذ پر حسین
طباعت، خوب صورت چہار رنگا ٹائیٹل اور مضبوط
جلد کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے
برائے رابطہ
گوشۂ علم وادب، بستی مٹھو خاص تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان

مناظر اسلام، فخر العلماءِ

حجتہ اللہ فی الارض

حضرت علامہ علی شیر حیدری

کی براہین و دلائل سے بھرپور منتخب علمی تقاریر کا

حسین و دلنشین مجموعہ

خطباتِ حیدری

جلد اوّل

مرتّبہ

مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

اغلاط سے مبرا کمپیوٹرائزڈ کتابت، عمدہ کاغذ پر حسین

طباعت، خوب صورت چہار رنگا ٹائیٹل اور

مضبوط جلد کے ساتھ بہت جلد

منظر عام پر آرہی ہے

برائے رابطہ

گوشہ علم و ادب، بستی مٹھو خاص تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان

جرنیل اسلام کی خوں فشاں آپ بیتی

رودادِ اسیریٔ وفا

جلد دوم المعروف

ٹوٹ گئی زنجیر

دوسری جلد کے چند اہم عنوانات

★ والدہ کے جنازے سے شدید زخمی حالت میں واپسی کا سفر اور ایک بار پھر کوٹ لکھپت جیل ★ جیل سے رہائی اور زخموں کے آپریشن ★ ڈاکٹر جس ٹانگ کو کاٹنا چاہتے تھے قدرت نے مجھے اس ٹانگ پر کھڑا کر دیا ★ الیکشن میں شکست ★ زخموں سے چور ہونے کی حالت میں پی ٹی وی کے پروگرام ''میزان'' میں شرکت کیلئے اسلام آباد کا سفر اور تحریک جعفریہ کے نمائندے کا فرار ★ زخمی حالت میں گرفتاری اور چوہنگ سنٹر میں خوفناک تشدد کی داستان ★ چیف جسٹس کی طرف سے شیعہ سنی لیڈران کی طلبی اور میری ملاقات ★ اڈیالہ جیل میں قید و بند کی داستان ★ علامہ شعیب ندیم شہید کے ساتھ اڈیالہ جیل میں گذرے ہوئے لمحات ★ حکومتی مظالم کے خلاف بھوک ہڑتال کی تفصیل ★ چیف جسٹس آف پاکستان سجاد علی شاہ کے تاریخی اقدامات اور ان کی برطرفی ★ صدر رفیق تارڑ کا انتخاب ★ پاکستان کے ایٹمی دھماکے ★ جنرل جہانگیر کرامت کا استعفیٰ ★ علامہ شعیب ندیم اور مولانا محمد عبداللہ کی شہادتیں ★ ..... اور دیگر اہم واقعات

چھپ کر تیار ہے ..... پڑھیے اور منزل کی جانب بڑھیے

جامع مسجد حق نواز شہیدؒ

جھنگ صدر فون: 0471-610400 - 614740